یااللہ جل جلالہ

یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلّم

علمِ تصوف و طریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد پانزدہم

از رشحات فیض قلم

قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل

الشیخ الاستاذ المفتی

سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک، جلد پانزدھم

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: مارچ ۲۰۲۵ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست مکتوبات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۱۷۴

[خواجہ اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس راہ کے دیوانوں کو چاہیئے کہ وہ اتنی سی معیتِ خداوندی پر مطمئن نہ ہو جائیں۔ اور اس کی قُرب نُما بُعد سے تسکین حاصل نہ کریں۔ بلکہ بُعد نُما قُرب اور ہجر کی طرح کا وصل تلاش کریں اور اس کے بیان میں کہ جو واقعہ انہوں نے لکھا تھا وہ جن کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔

میرے برادرِ عزیز کا مکتوب موصول ہوا۔ چونکہ وہ فقراء کے ساتھ محبت کی خبر دیتا تھا، اور اس سے اس بلند مرتبہ گروہ کے حضور میں التجاء ظاہر ہوتی تھی اس لئے خوشی ور فرحت کا مؤجب ہوا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: انسان اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہو۔ [1]

کو نقد وقت جانیں۔ لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس راہ کے دیوانے صرف اتنی سی معیت پر ہی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جاتے۔ اور قُرب نُما بُعد سے تسکین نہیں پاتے۔ بلکہ وہ اس قُرب کو چاہتے ہیں جو بُعد نُما ہو۔ اور ایسے وصل کے طالب ہوتے ہیں جو ہجر کی مانند ہو۔ ٹال مٹول اور تاخیر کرنے کو جائز نہیں رکھتے۔ اور بے کاری اور دیر لگانے کو بُرا جانتے ہیں۔ اپنے قیمتی وقت کو بے ہودہ بناوٹوں میں صَرف نہ کریں۔ اور سرمایۂ عمر کو بے فائدہ و ملمع سازیوں میں ضائع نہ کریں۔ اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر رَدی شے کی طرف مائل نہ ہوں۔ اور پسندیدہ شے کو تَرک کرکے بُری چیز کی طرف متوجہ نہ

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱۹، ص ۱۴۵، المکتبۃالفاروقیۃ)

ہوں۔ اور چرب وشیریں لقموں کے عوض اپنے آپ کو فروخت نہ کریں۔ اور باریک وخوشنما کپڑوں کے ساتھ بندگی کی لذت میسر نہیں آتی۔ شرم کرنا چاہیئے کہ تختِ شاہی کو نجاستوں سے آلودہ کریں، اور اس بات کو ننگ وعار جانیں کہ خدا تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی ملک میں لات وعزیٰ کو شریک کریں۔ اے برادر یہاں بارگاہِ خداوندی میں دینِ خالص کی ضرورت ہے۔

أَلَا لِلّٰہِ الدِّینُ الْخَالِصُ (الزمر ٣)

ترجمہ: ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔

اس بارگاہ میں شرک کے غبار کی کوئی گنجائش نہیں۔

لَئِنْ أَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ (الزمر ٦٥)

ترجمہ: اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مکتوب شریف میں اُن لوگوں کو ہدایات دے رہے ہیں جو تصوف کے دلدادہ ہیں اگرچہ آج کل تصوف اور صوفیت نے ایک رواج کی صورت اختیار کر لی ہے، حالانکہ تصوف اور رواج ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تصوف کے پہلے درجے میں سالک کی اولین چیز احساسات ہوتے ہیں یعنی شیخ کی توجہات سے مُرید کا قلب زندہ ہو کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یا ذکر کا احساس یا دَرد یا حرکت محسوس ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ معیت ہو جاتی ہے بلکہ ان کو اپنے قلب میں صرف احساس ہوتا ہے۔ تصوف کے دوسرے درجے میں سالک کو ظلی معیت حاصل ہوتی ہے۔ ظلی معیت سے مراد یہ ہے کہ جب سالک ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے

اسماء کے اثرات سالک کے قلب میں داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں تو اس کا قلب ہلنا شروع کر دیتا ہے۔ تصوف کے تیسرے درجے میں جب سالک شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری، کثرتِ ذکر اور شیخ کی تابعداری سے ظلال میں اسماء سے اوپر جاتا ہے تو اس کے لئے معیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اُسے چاہیئے کہ وہ اس کو حقیقی معیت تصور نہ کرے کیونکہ در حقیقت یہ بھی ظلی معیت ہے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے خواجہ اشرف کابلی سے فرمایا ہے کہ آپ اپنے کشف و شہود کے کھلنے پر خوش نہ ہوں۔ کیونکہ یہ سب صفات کا ظلال ہے اور ظلی ولایت میں شامل ہے اور ابھی تک آپ صفات کی اصل اور اصلی ولایت سے بہت زیادہ دُور ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ مزید کوشش کریں تاکہ صفات کے ظلال سے نکل کر صفات کی اصل تک پہنچ جائیں۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلند (ہمت والے) کاموں کو پسند کرتا ہے۔[1]

تصوف کے چوتھے درجے میں سالک کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قُرب حاصل ہوتا ہے اور سالک کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجھ میں احساس کی کیفیت ہے اور مجھے معیت بھی حاصل ہے۔ مگر یہ سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کو وراء الوراء ثم وراء الوراء تصور کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کا آخری منشا اور عروج اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے اور اس کے برعکس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ابتداء اور عروج اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ سے شروع ہوتا ہے پھر اس طرح

---

[1] (المعجم الكبير للطبرانی، ج۳، ص ۱۳۱، دار النشر: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

کہنا جیسا کہ آج کل سُننے میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہماری طرح کے بشر ہیں یہ بالکل جاہلانہ بات ہے اور فرقۂ معتزلہ کا عقیدہ ہے بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بشر ہیں کیونکہ بشر ہی اہل وعیال کا مالک ہوتا ہے اور درد والم کا احساس رکھتا ہے۔ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دانت مبارک کا شہید ہونا بشریت ہی کی وجہ سے تھا، لیکن اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہماری طرح کے بشر نہیں بلک افضل البشر ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ جھوٹ، فریب، زنا، چوری، سُود، غیبت اور تہمت وغیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قبل از نبوت بھی اور بعد از نبوت بھی گناہِ کبیرہ وصغیرہ اور قبیح کاموں سے معصوم تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خلقت میں تو بشر ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صفات ملکی (نورانی) ہیں، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اوصاف ملائکہ سے بھی زیادہ ہیں۔ کیونکہ ملائکہ بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نورانی مخلوق ہے، اور ہمہ وقت صرف اور صرف عبادت پر مامور ہیں، لیکن ملائکہ میں کوئی شوق وذوق اور عشق نہیں ہے۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت بھی کرتے تھے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دیدار کا عشق بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قلب مبارک میں موجود تھا۔ مختصر یہ کہ نہ تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم محض بشر ہیں اور نہ ہی صرف نُور بلکہ حقیقتِ معاملہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خلقت میں بشر اور صفات میں نورانی ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مشائخ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ یہ حضرات قرب نما بُعد اور وصل آسا ہجر پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ هَلْ مِنْ مَزِيْد کا نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے بعد نما قرب اور ہجر آسا وصل کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اسی لئے خرافاتِ بے ہودہ اور دنیائے مغضوبہ کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور نہ ہی تاخیر و تعطیل اور لایعنی اُمور میں عمرِ عزیز جیسی انمول دولتِ قصویٰ کو ضائع کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔[1] اسی امر کا غماز ہے۔ علاوہ ازیں دنیوی کروفر، اغنیاء کے تر نوالوں اور مرغن غذاؤں کے درپے بھی نہیں ہوتے، کیونکہ یہ باطنی تلویث اور روحانی تخریب کا باعث ہوتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ اہل اللہ انفسی خواہشات عاطلہ اور آفاقی معبودانِ باطلہ کی شرکت کے گرد وغبار سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شرک کی قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

* عمدۃ المتکلمین حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرک کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الاشتراک هو إثبات الشريک في الألوهية بمعني وجوب الوجود، کما للمجوس، أو بمعني استحقاق العبادة کما لعبدة الأصنام۔

[1](مؤطا امام مالک، ج۵، ص ۱۳۲۸، الناشر: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان)

یعنی شرک یہ ہے کہ خدا کی الوہیت میں کسی کو شریک کرنا اس طرح کہ کسی کو واجب الوجود مان لینا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے یا خدا کے سوا کسی کو عبادت کا حق دار مان لینا جیسا کہ بت پرستوں کا طریق ہے۔[1]

* فاضلِ اجل حضرت سید شریف جرجانی قدس سرہٗ العزیز واجب الوجود کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

هو الذي يكون وجوده من ذاته ولا يحتاج إلى شيء أصلًا۔

یعنی واجب الوجود وہ ذات ہے جس کا وجود ذاتی ہوتا ہے اور وہ اپنے وجود میں کسی غیر کا محتاج نہیں ہوتا۔[2]

* علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قد يقال: إنّ الله تعالي والواجب والقديم ألفاظ مترادفة۔

اللہ تعالیٰ، واجب الوجود اور قدیم تینوں مترادف الفاظ ہیں۔[3]

* شرح عقائد کے حاشیہ میں مجوس کا مؤقف بایں الفاظ درج ہے:

ذَهَبَ الْمَجُوْسُ اِلٰی اَنَّ لِلْعَالَمِ فَاعِلَيْنِ اَحَدُهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ فَاعِلُ الْخَيْرِ وَخَالِقُ الْحَيْوَانِ النَّافِعِ وَالثَّانِيُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فَاعِلُ الشَّرِّ وَخَالِقُ الْحَيْوَانِ الضَّارِ۔

یعنی مجوس کا یہ عقیدہ ہے کہ عالم کے دو فاعل ہیں ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ ہے اور وہ فاعلِ خیر اور حیوانِ نافع کا خالق ہے اور دوسرا شیطان ہے جو فاعلِ شر اور مضر حیوان کا خالق ہے۔[4]

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ١، ص ١٩٣، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كرهـ، الهند)
[2] (التعريفات، ج ١، ص ٢٤٩، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)
[3] (شرح العقائد النسفية، ج ١، ص ١١٨، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كرهـ، الهند)
[4] (شرح العقائد، ص ٧٨)

* علامہ محمد عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں ارقام پذیر ہیں:

فَاِنَّهُمْ يَعْتَقِدُوْنَ اِلٰهَيْنِ يَزْدَانُ خَالِقُ الْخَيْرِ وَ اَهْرَمَنْ خَالِقُ الشَّرِّ۔

یعنی مجوس دو معبودوں کے معتقد ہیں۔ اول یزداں اسے خالقِ خیر کہتے ہیں، دوم اہرمن جسے خالقِ شر کہتے ہیں۔[1]

* جبکہ علمائے متکلمین اہل سنت کے نزدیک بندوں اور ان کے افعال واعمال کا خالق حقیقی اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے البتہ بندے اپنے افعال کے کاسب ہیں، اسی لئے ثواب وعقاب کے حقدار ہیں۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَاللّٰہُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصافات ۹٦) اور لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ (الأنعام ۱۰۲) سے واضح ہے۔ اسی لئے دو معبودوں کے اتخاذ سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ (النحل ۵۱) سے عیاں ہے۔

* معتزلہ بندہ کو خالقِ افعال مان کر اس کے لئے صفتِ خالقیت ثابت کرتے ہیں جو صفاتِ مستقلہ میں سے ہونے کی صورت میں الوہیت اور استحقاقِ عبادت کی مناط و مدار ہے۔ لیکن معتزلہ چونکہ بندے کو مستقل بالذات خالق نہیں مانتے بلکہ غیر مستقل اور حادث مانتے ہیں اس لئے جمہور متکلمین نے انہیں مشرک قرار نہیں دیا، بلکہ غیر مستقل اور حادث مانتے ہیں۔ اس لئے جمہور متکلمین نے انہیں مشرک قرار نہیں دیا البتہ مشائخ ماوراء النہر نے ان کی تضلیل بلیغ ضرور فرمائی ہے، اور انہیں مجوس سے بدتر قرار دیا ہے کہ مجوس تو صرف ایک شریک کو ثابت کرتے ہیں اور معتزلہ بندوں کو خالقِ افعال مان کر بے شمار شرکاء کا اثبات کرتے ہیں۔

[1] (النبراس، ص ۲ ۷، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان)

چنانچہ علامہ تفتازانی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

أن مشايخ ماوراء النهر قد بالغوا في تضليلهم في هذه المسألة، حتى قالوا: إن المجوس أسعد حالاً منهم، حيث لم يثبتوا إلا شريكاً واحداً، والمعتزلة أثبتوا شركاء لا تحصى۔ [1]

اقسامِ شرک

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے شرک کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں:

بالجملہ شرک سہ قسم است در وجود و در خالقیت و در عبادت۔

یعنی شرک کی تین اقسام ہیں اول اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو واجب الوجود ٹھہرانا، دوم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو خالقِ حقیقی جاننا، سوم غیر حق تعالیٰ کو مستحقِ عبادت سمجھنا۔ [2]

اس سلسلے میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز یوں ارقام پذیر ہیں:

او تعالیٰ یگانہ است ہم در ذات وہم در صفات وہم در افعال وہیچ کس را در ہیچ امری باو تعالیٰ فی الحقیقت شرکتی نیست چہ وجود وچہ غیر آن۔۔۔ صفات وافعال او تعالیٰ در رنگ ذات او سبحانہٗ بی چگونہ اند وبصفات وافعال ممکنات ہیچ مناسبت ندارند۔

حق تعالیٰ ذات، صفات اور افعال میں یگانہ ہے اور کوئی بھی کسی امر میں اس تعالیٰ کے ساتھ فی الحقیقت شریک نہیں ہے۔۔۔ اس تعالیٰ کی صفات وافعال اس سبحانہٗ کی ذات کی مانند بے چون اور بے چگون ہیں اور ممکنات کے صفات وافعال کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ [1]

---

[1] (شرح العقائد النسفی، ج ۱، ص ۷۴، مکتبۃ أهل السنة والجماعة)

[2] (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۲۱)

* امام المفسرین حضرت علامہ ابو عبد اللہ انصاری قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مایہ ناز تفسیر میں شرک کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ أصله اعتقاد شريک لله في ألوهيته، وهو الشرک الأعظم۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک سمجھنا شرکِ اعظم ہے۔

۲۔ اعتقاد شريک لله تعالى في الفعل، وهو قول من قال: إن موجودا ما غير الله تعالى يستقل بإحداث فعل و إيجاده۔

یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کے افعال میں اس طرح شریک سمجھنا کہ وہ مستقل اور بالذات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کر سکتا ہے۔

۳۔ الإشراک في العبادة۔

یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرنا۔[2]

* حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز شرک کے متعلق رقم طراز ہیں:

او تعالیٰ یکی است کہ شریک ندارد نہ در وجوب وجود نہ در الوہیت و استحقاق عبادت چہ شریک وقتی درکار بود کہ او تعالیٰ کافی نبود و مستقل باشد شریک بی کار می ماند و عبث می افتد۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے جو شریک نہیں رکھتا نہ وجوب وجود میں، نہ الوہیت میں اور نہ استحقاق عبادت میں کیونکہ شریک اس وقت درکار ہوتا ہے جب وہ تعالیٰ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ (اللہ تعالیٰ

---

[1] (مکتوبات شریفہ، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶)

[2] (الجامع لأحكام القرآن، ج۵، ص ۱۸۱، الناشر: دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

کا کافی و مستقل نہ ہونا) نقص کی علامت ہے جو وجوب اور الوہیت کے منافی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کافی و مستقل ہے تو شریک بے کار و عبث ہو گا۔[1]

بینہ نمبر ا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں شرک کی رسومات اور کفر کے ایام واوقات کی تعظیم کو شرک میں بڑا رسوخ حاصل ہے بلکہ مستلزم شرک اور مستوجب کفر ہے۔ دو دینوں کی تصدیق کرنے والا اہل شرک میں سے ہے اور اسلام و کفر کے احکام کی آمیزش کرنے والا مشرک ہے۔

تبری از کفر شرط اسلام است وبیزاری از شائبہ شرک شرطِ توحید۔

یعنی کفر سے بے زاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کے شائبہ سے بے زاری توحید ہے۔

کفار کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصًا ان کی عورتیں کافروں کی رسومات کو بجالاتی ہیں اور اپنی عید کی طرح مسرت کا اظہار کرتی ہیں اور کفار کی مانند اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ہدیہ بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کفار کی طرح اپنے برتنوں کو رنگین کر کے ان میں سرخ چاول ڈال کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار واہتمام کرتی ہیں۔

ہمہ شرک است و کفر است بدین اسلام۔

یہ سب شرک ہے اور دینِ اسلام سے انکار و کفر ہے۔

---

[1] (مکتوبات شریفہ، دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف ۱۰٦)

اور ان میں اکثر وہ ہیں کہ اللہ پر یقین نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے۔

بینہ نمبر ۲

جس شخص کے اعمال ریاوسمعہ کے شائبہ سے پاک نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے اجر طلب کرنے کے گمان (اگرچہ وہ قول اور ذکر جمیل ہی کیوں نہ ہو) سے مبرّا نہیں ہوتا۔

آن کس از دائرہ شرک بیرون نباشد و موحد و مخلص نبود۔

وہ شخص شرک کے دائرے سے باہر نہیں ہوتا اور موحد اور مخلص بھی نہیں ہوتا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الشرک أخفى في أمتي من دبيب النمل على الصفا في الليلة الظلماء۔

میری اُمت میں شرک اصغر (ریاء) اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو تاریک رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔[1]

لاف بے شرکتے مزن کان از نشانی پائے مور

در شب تاریک بر سنگ سیہ پنہان تر است [2]

---

[1](حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ج۸، ص ۳٦۸، الناشر: السعادة -بجوار محافظة مصر)

[2](دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

بینہ نمبر ۳

واضح رہے کہ جب تک انسان تعطیل وتشریک، تشبیہ وتعلیل اور تشریک فی التدبیر جیسے اباطیل سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل نہیں کرتا، اسے تنزیہہ کی حقیقت اور توحیدِ خالص میسر نہیں ہوتی۔من شاء التفصیلات فلیراجع الی المطولات۔

بینہ نمبر ۴

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں شرکِ اصغر (ریاکاری) اور دنیوی رغبت کے خدشہ کا اظہار تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا تھا مگر امت کے شرکِ جلی میں مبتلا ہونے کا کوئی امکان نہیں، جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنِّي لَسْتُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا۔

یعنی مجھے تمہارے متعلق یہ ڈر نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کروگے بلکہ مجھے تمہارے متعلق دنیا کا ڈر ہے کہ اس میں رغبت کرنے لگوگے۔[1]

دوسری روایت میں ہے:

قَالَ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي الشِّرْكَ، وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰہِ أَتُشْرِكُ أُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ؟" قَالَ: " نَعَمْ، أَمَا إِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُونَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا، وَلَكِنْ يُرَاءُونَ بِأَعْمَالِهِمْ۔

---

[1] (صحیح مسلم،ج ۱۱،ص ۲۱۶،المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ میری اُمت شرک اور شہوت خفی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

عرض کیا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ فرمایا: ہاں لیکن وہ سورج، چاند، پتھر اور بت کی عبادت نہیں کریں گے بلکہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اعمال کریں گے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۲۵۸ تا ۲۶۲)

[ایک گھڑی کے لئے اپنے اندر جھانک کر دیکھیں اگر دینِ خالص میسر ہے تو تمہیں بشارت ہے۔ ورنہ اس حادثے کا علاج ہونا ہونا چاہیئے۔ جو واقعہ آپ نے لکھا تھا وہ جِن کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔ اس قسم کا ظہور اور تصرف طالبوں پر اکثر طور پر وارد ہوتا رہتا ہے۔ غم نہیں کرنا چاہیئے۔

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا (النساء۷۶)

ترجمہ: بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

اگر پھر اس قسم کا ظہور ہو تو کلمۂ تمجید لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کے تکرار کے ساتھ اس خرابی کو دور کریں۔

ہر متبع ہدایت اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت اور پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دو قسم کے مؤکلات ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک قسم تو فرشتوں کی ہے اور دوسری جنات کی، جس وقت

[1](مسند احمد، ج۲۸، ص۳۴۶، الناشر: مؤسسة الرسالة)

سالک تصوف میں قدم رکھتا ہے تو اس پر تصوف کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی اس کے لئے جنات حاضر ہونے لگتے ہیں، اور اس سے کہتے ہیں کہ آپ ولی بن گئے ہیں۔ اور آپ کسی کے محتاج نہیں رہے اور اب آپ اہلِ قبور اور اہلِ قلوب کے حالات معلوم کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دراصل یہ سب مؤکلاتِ شیطانی ہوتے ہیں جو اس سالک کو گمراہ کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ابتداء میں ہر سالک پر یہ کیفیت آتی ہے۔ مردِ کامل وہ ہے جو ان مؤکلاتِ شیطانین کی چالیں سمجھ جائے اور کہے کہ یہ مؤکلات تو مجھے شریعتِ غرائے محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے راستے سے منع کر رہے ہیں اس لئے یہ کیفیات شیطانی ہیں اور اس کے برعکس جب اس کے کان میں کوئی مؤکل اسے کہتا ہے کہ اُٹھ کر نماز پڑھو، یا تہجد کا وقت ہے اُٹھو اور تہجد پڑھو، قرآن عظیم الشان کی تلاوت کرو، عقائد سیکھو، اخلاقِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اپناؤ، ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرو، والدین کی خدمت کرو اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرمان کے مطابق معاملات کرو وغیرہ وغیرہ تو اگر وہ سالکِ حقیقی ہوا تو سمجھ جائے گا کہ یہ مؤکلاتِ سماوی کا الہام ہے۔ پس ہر سالک کو یہ چاہیئے کہ وہ مؤکلاتِ شیطانی کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئے، بلکہ ہر وقت ایمان کے زوال سے ڈرتا رہے۔

حکایت

ایک شخص کسی شیخ کا مرید ہوا۔ بیعت سے قبل وہ شخص کبھی شریعت کی راہ پر نہیں چلا تھا لیکن طریقت میں آنے کے بعد اُس نے شریعت کی پابندی شروع کر دی لیکن شریعت کا وہ علم جو طریقت کے لئے ضروری ہے اس سے وہ شخص نابلد تھا اور تصوف کے حالات سے بھی بے بہرہ۔ کچھ عرصہ بعد ایسا ہوا کہ ایک رات کو شیطانی مؤکلات اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ

کے دوست بن چکے ہیں۔ اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو معراج پر بلایا ہے اور ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔ اس جاہل صوفی کو یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ میں تو ایک اُمتی ہوں نہ کہ پیغمبر اور میری ساری زندگی ہی شریعت کے خلاف ورزی کرتے ہوئے گزری ہے اس لئے معراج پر جانا کیسے ممکن ہے؟

بہر حال وہ خوشی خوشی چل پڑا۔ شیطانی مؤکلات اسے لے کر چاول کی فصل کے پاس جا پہنچے، جہاں کافی مقدار میں پانی کھڑا تھا، اور آسمان اپنے روشن ستاروں کے ساتھ صاف نظر آرہا تھا۔ صوفی صاحب کے پوچھنے پر شیطانوں نے کہا کہ یہ پہلا آسمان ہے۔ صوفی خوشی سے اندر داخل ہوا، پھر ایسے ہی فصل کا دوسرا کھیت آیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ دوسرا آسمان ہے، علی ہذاالقیاس جب سات کھیتوں سے گزر کر آگے گئے تو شیطان نے کہا کہ یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ جاہل صوفی نے خوشی سے چھلانگ لگائی تو دھڑام سے کیچڑ میں جا پھنسا، تب اُسے احساس ہوا کہ میں تو زمین پر ہی غوطے لگا رہا ہوں اور معراج والی بات محض شیطانی دھوکا ہے اور جنہیں میں فرشتے سمجھ رہا ہوں وہ دراصل شیطان ہے، لیکن حقیقت سے آگاہ ہونے سے قبل شیطان اُسے اُلو بنا چکا تھا اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر شیطانی بہکاوے میں آچکا تھا۔

یہی حال بعض دفعہ ان سالکوں کو بھی درپیش آجاتا ہے جو سلوک میں قدم رکھنے کے بعد بھی احکامِ شریعت کا علم حاصل نہیں کرتے۔ شیطان، خواہشاتِ نفسانی کے جال لے کر ان کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور کشف کو مزین کرکے دکھاتا رہتا ہے تاکہ اس کے دھوکے میں ڈال کر اُسے گمراہ کر سکے اور شریعت کے دائرے سے نکال کر کُفر و نافرمانی کے راستے پر ڈال دے لیکن جس خوش نصیب کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ علمِ دین کی سمجھ اور اخلاص کی دولت عنایت فرما دیتا ہے وہ اپنی کیفیات پر مغرور نہیں

ہوتا، اگر ان کا کشف شریعت کی کسوٹی کے مطابق ہو تو اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور پہلے سے زیادہ عجز وانکساری کرنے لگتا ہے اور اگر شیطانی کشف دیکھ لے تو توبہ واستغفار کی کثرت کرنے لگتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ جب کسی شیطانی کیفیت کا ظہور ہو تو لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کے تکرار سے اس خرابی کو دُور کرنا چاہیئے۔

کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم -:أَلَا أُخْبِرُكَ بِتَفْسِيرِهَا؟ قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِعِصْمَةِ اللّٰهِ، وَلَا قُوَّةَ عَلَى طَاعَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ، هكذا أخبرني جبريل عليه السلام"۔

ترجمہ: ایک دن میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں موجود تھا میں نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہہ دیا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ: اللہ کی نافرمانی سے بچنا ممکن نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے بچانے کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قدرت نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔ مجھے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی طرح خبر دی ہے۔ [1]

(دارالمعرفت، ج۳)

[1] (الجامع الكبير، ج ۲۱، ص ۱۰۵، الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة -جمهورية مصر العربية)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کے واقعہ کی تعبیر اور اس کا روحانی علاج تجویز فرما رہے ہیں۔ طریقت کے طالب علموں کے ساتھ شیاطین وجنات خاص رغبت رکھتے ہیں، انہیں ڈراتے، بہکاتے اور دورانِ ذکر ومراقبہ ان پر دباؤ ڈالتے ہیں اور بعض اوقات بیماری کی صورت پیدا کرنے کی بھی بڑی کوشش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دوں ہمت اور بزدل لوگ ذکر ومراقبہ اور نماز واعمالِ صالحہ چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ ایسی صورت میں طبیبوں کے پاس جانے کی بجائے اپنے شیخ کے ساتھ گہرا رابطہ رکھنا چاہیئے اور ان سے اپنا علاج کروانا چاہیئے۔ تاکہ شیخ روحانی تصرفات اور باطنی توجہات کے ذریعے جنوں اور شیطانوں کے اثرات کو زائل کردے۔ علاوہ ازیں شیخ کے بتائے ہوئے کلمات حصار بالخصوص کلمہ تمجید کو حرزِ جاں بنانا چاہیئے اور اس کے آخر میں: لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ۔ ملا کر صبح وشام ۲۱، ۲۱ مرتبہ پڑھ کر اپنے آپ کو دم کرنا چاہیئے تاکہ سالک محفوظ قلعے میں محصور ہو جائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۶۲ تا ۲۶۷)

مکتوب نمبر ۱۷۵

[حافظ محمود کی طرف صادر فرمایا:

احوال کی تلوینات اور تمکین کے حصول اور حدیث لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ کے معنی کے بیان میں۔

برادرِ عزیز کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے اپنی تلویناتِ احوال کا تھوڑا اساذ کر کیا ہے۔ یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیئے کہ سالکوں کے لئے ابتداء وانتہاء دونوں اوقات میں تلویناتِ احوال کے بغیر چارہ نہیں۔ اس باب میں انتہائی بات یہ ہے کہ اگر تلوین دل پر وارد ہو رہی ہے تو وہ سالک اَربابِ قلوب میں سے ہے، اور ابن الوقت کے نام سے موسوم ہے۔ اور اگر قلب تلوین سے آگے نکل چکا ہے اور احوال کی بندگی سے آزاد ہو چکا ہے اور مقامِ تمکین میں پہنچ چکا ہے تو اس وقت احوالِ متلونہ نفس پر وارد ہوں گے جو قلب کے مقام پر اس کے جانشین کے طور پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ تلوین، تمکین کے حصول کے بعد ہے۔ اور اس تلوین والے کو اگر ابو الوقت کہیں تو گنجائش ہے۔ اور اگر محض فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے نفس بھی اس تلوین سے گزر چکا ہے اور مقامِ تمکین واطمینان تک پہنچ چکا ہے تو اس وقت تلوینات کا ورود بدن پر ہے جو اربعہ عناصر سے مرکب ہے۔ یہ تلوین دائمی ہے کیونکہ قالب (بدن) کے لئے تمکین غیر متصور ہے۔ اگر چہ وہ الطف لطائف (خفی واخفٰی) کے رنگ سے رنگین ہو چکا ہو۔ کیونکہ وہ تمکین جو اس رنگت کے راستے سے آتی ہے، وہ تابع ہو کر آتی ہے۔ اور احوالِ متلونہ کا ورود بالاصالتہ ہوتا ہے۔ اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے تابع کا نہیں ہوتا۔ اور اس مقام والا اخص خواص میں سے ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت ابو الوقت بھی وہی ہو سکتا ہے۔

اور سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی حدیثِ مبارکہ لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ جو آپ نے نقل کی ہے۔ ایک جماعت نے اس وقت سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور ایک دوسری جماعت نے غیر دائمی اور اس کا رجوع اس بیان کی طرف ہے۔ کیونکہ بعض لطائف کی نسبت وقت کا استمرار ہوتا ہے۔ اور بعض کی نسبت غیر استمرار۔ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں، مختصر یہ کہ ظاہر کو روشنِ شریعت کے ساتھ آراستہ رکھتے ہوئے باطنی سبق کے تکرار میں ہمیشہ مصروف رہیں۔

اندرین بحرِ بے کرانہ چو غوک

دست وپائے بزن چہ دانی بوک

ترجمہ: اس بے کنارہ سمندر میں مینڈک کی طرح ہاتھ پاؤں مار، شاید اپنی منزلِ مقصود کو پالے۔

میرے برادرِ عزیز مولانا محمد صدیق آگرہ میں ہیں، ان کی ملاقات کو غنیمت جانیں۔]

تشریح

سب سے پہلے تلوین کے معنی کو سمجھنا ضروری ہے تلوین لغت میں تغیر و تبدل کو کہا جاتا ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جب قلب تلوین کی حالت میں ہو تو اس میں تغیّر و تبدل آتا رہتا ہے، یعنی کبھی ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور کبھی ذکر سے غافل ہوتا ہے اور جب قلب تلوینات سے فارغ ہو کر تمکین حاصل کر لیتا ہے تو اس میں تغیّر و تبدل پیدا نہیں ہوتا بلکہ قلب ہمیشہ کے لئے ذاکر ہو جاتا ہے اس کے بعد یہ تلوینات نفس کی طرف چلی جاتی ہیں پھر سالک کے نفس میں تغیر و تبدل آتا ہے، اس سالک کا قلب تو ذاکر ہوتا ہے مگر نفس کی خواہش ہوتی ہے کہ کبھی ذکر کرے اور کبھی نہ کرے۔ لیکن جب سالک کا نفس بھی تلوینات سے فارغ ہو کر تمکین حاصل کر لیتا ہے تو اس میں بھی تغیر نہیں آتا اور قلب کی طرح نفس بھی ہمیشہ ذکر کا خواہشمند رہتا ہے۔ نفس کا تمکین کے مقام تک پہنچنا اللہ

سبحانہٗ وتعالیٰ کے خصوصی فضل سے ہوتا ہے جب قلب اور نفس سے تلوینات ختم ہو جاتی ہیں تو اس کے بعد یہ تلوینات عناصرِ اَربعہ (آگ، ہوا، مٹی اور پانی) جو کہ انسان کے بدن کا مجموعہ ہے میں سرایت کرلیتی ہیں۔ اس لئے کہ سالک ہمیشہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مجاہدے میں ہوتا ہے یعنی کوشش کرتا ہے کہ میں ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں ہوں مگر عناصرِ اَربعہ تغیر و تبدل میں رہتے ہیں اور ان کو تمکین حاصل نہیں ہوتی۔ تصوف سے ناواقف اور نارسیدہ صوفیہ کہتے ہیں کہ قلب اور نفس فانی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے عشق میں مستغرق ہو سکتے ہیں مگر عناصرِ اَربعہ فانی نہیں ہوسکتے۔ بلکہ سالک کا بدنِ عنصری فانی ہو جاتا ہے جو کہ نظر نہیں آتا۔ ان جاہلوں کی یہ سب توجیہات تصوف سے متغیر، اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اہل سنت وجماعت کے عقائد سے خلاف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قلب اور نفس فانی ہوسکتے ہیں، ان کی فنا استغراقِ ذاتِ بحت ہے اور وہ اسی میں مستغرق ہوتے ہیں اور بدنِ عنصری محو ونابود نہیں ہوتا۔

ہم پہلے بھی یہ بات لکھ چکے ہیں کہ عناصرِ اَربعہ میں تمکین نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ نفس کے ساتھ مجاہدہ ہوتا ہے، یعنی سالک ہمہ وقت شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پابندی اور عبادت میں مصروف رہتا ہے، جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب اور لطائفِ اَلطف سب تمکین میں ہوتے ہیں اس کے باوجود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دن رات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری میں مصروف رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ اصل سے مشرف وممتاز ہیں جب اُن کا یہ حال ہے تو پھر فرع کی کیا مجال کہ وہ ان کی خلاف ورزی کریں۔

اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی کیا نشانی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو سالک تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس پر فائز ہو جائے تو وہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب تو بالکل نہیں کرتا بلکہ

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے گناہِ کبیرہ سے محفوظ رکھتا ہے، بلکہ جب یہ مباح کام کا ارادہ کرے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ ایک مباح اَمر کسی سُنت کی جگہ نہ لے لے۔ مثلاً اگر شکار(جو کہ مباح ہے) کرنا چاہے تو اس کے دل میں من جانب اللہ یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ کسبِ حلال سے پیٹ پالنا سُنت ہے اس لئے وہ مباح کو ترک کر دیتا ہے تاہم اس کا دِل اُمورِ مباحہ ومرخصہ کی طرف مائل ہو سکتا ہے لیکن اُمورِ محرمہ کی طرف اس کا میلان پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے تصفیہ وتزکیہ سے مشرف کر دیا گیا ہے۔ تصوف کے لئے احکامِ شریعت اور اہل سنت وجماعت کے عقائد سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے ورنہ قوی احتمال ہے کہ انسان جاہلیت کے سبب فرقۂ ناجیہ سے گمراہ فرقوں میں نہ جا پڑے۔ اس لئے ہم یہاں اہل سنت وجماعت اور روافض کے عقیدے کا فرق بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اول: اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ معصوم نہیں بلکہ گناہ سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا قلب اور نفس اطمینان میں ہوتا ہے، جب ان کا اُمورِ محرمہ کا ارادہ ہو تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو اس گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، لیکن اُمورِ مباح ان سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ جبکہ روافض کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ ہمارے امامین ہیں وہ معصوم ہیں، تو جو شخص اپنے امام یا پیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ یہ معصوم ہیں تو ایسا شخص فرقۂ روافض میں داخل ہے۔

دوم: اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ پر الہام ہوتا ہے یعنی ان کے قلب پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے جسے وہ بیان کرتے ہیں اور وہ سچ ثابت ہوتی ہے، اور روافض کا عقیدہ ہے کہ ہمارے امامین کی طرف وحی آتی ہے تو اگر کوئی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد وحی کا قائل ہو جائے تو اس نے گویا سب احادیثِ مبارکہ کو جھٹلا دیا، کیونکہ جب حضور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس دارِ فانی سے تشریف لے گئے تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا روتے ہوئے کہنے لگیں کہ آج ہمارے گھر میں وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا یعنی اس کے بعد وحی نہیں آئے گی۔

سوم: اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو شخص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بغیر ورودِ وحی کو دیکھے یا یوں کہے کہ میں نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیثِ مبارکہ کے مطابق وہ اُسی وقت مَر جائے گا۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ روافض کی طرف وحی آتی ہے لیکن وہ مرتے نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ نزولِ وحی کے معاملے میں غلطی پر ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو جھٹلاتے ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اہلِ سُنت وجماعت کے علاوہ دوسرے گمراہ فرقوں کے من گھڑت عقائد سے خود کو دور رکھیں۔

(دارالمعــرفت،ج٣)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ سالکینِ طریقت (مبتدی ہوں یا منتہی) کے احوال وکیفیات ہمہ وقت متغیر ہوتے رہتے ہیں۔ تلوینات احوال، ممکنات کی صفات کے لوازمات میں سے ہیں کیونکہ اسماء وصفات کی تجلیات کا ورود ونزول ہر لمحہ ہی ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن ٢٩) سے واضح ہے۔

جب سالکین پر صفاتِ جلالیہ کا پرتو پڑتا ہے تو ان پر بلاوامتحان وامراض نازل ہوتی ہیں اور جب صفاتِ جمالیہ کا پرتو پڑتا ہے تو وہ ہمساز اور دمساز بن جاتے ہیں۔ اسی لئے اغیار ان پر زبانِ طعن وتنقید

دراز کرتے ہیں۔ جبکہ خوش بخت نیاز مند مصلحت کے تحت خاموش ہو جاتے ہیں۔ اکثر سالکین اصحابِ تلوین ہوتے ہیں اس لئے ان پر کبھی سُکر کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی صحو کا۔ بنابریں نیاز مند مریدین کو ہر حال میں تنقید واعتراض سے اجتناب کرنا چاہیئے۔۔۔ اربابِ تمکین ویسے ہی بہت کم ہوتے ہیں۔

اربابِ تلوین کی تین اقسام

فنائے قلب سے پہلے احوالِ مختلفہ (تلوینات) اگر سالک کے قلب میں ظاہر ہوں تو اس قسم کے سالک کو اہلِ دل اور ابن الوقت (موقع شناس) کہا جاتا ہے۔ جب سالک فنائے قلب کے بعد تلوینات سے فارغ ہو جاتا ہے تو احوالِ متلونہ کا ارتباط اس کے نفس سے ہو جاتا ہے کیونکہ نفس مقامِ قلب میں اس کی خلافت ونیابت کے طور پر متمکن ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے صاحبِ تلوین کو ابو الوقت کہنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

جب نفس محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تلوینات سے گزر کر مقامِ تمکین واطمینان کے ساتھ پیوست ہو جائے تو تلوینات کا ورود قالب پر ہوتا ہے، جو عناصرِ اربعہ اور امورِ مختلفہ سے مرکب ہے۔ یہ تلوین قالبِ دائمی ہوتا ہے کیونکہ قالب کے حق میں تمکین متصور نہیں ہے۔

نفس عناصرِ اربعہ کا خلاصہ ہونے کی وجہ سے لطافت میں لطائف عالمِ اَمر (قلب، روح، سر وغیرہا) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اس لئے نفس اور قلب، سُکر کے باعث اپنے احوال میں مستغرق رہتے ہیں۔ بنابریں مجال مخالفت ان میں نہیں رہتی، جبکہ عناصرِ اربعہ (قالب) اپنی کثافت کی وجہ سے احوال متلونہ کے سامنے پگھلتے نہیں بلکہ باہوش اور ہوشیار رہتے ہیں۔ اسی غلبۂ صحو کے باعث ان میں استغراق واستہلاک نہیں ہوتا۔ بنابریں مخالفت کا امکان رہتا ہے اسی لئے صوفیائے کاملین

اطمینانِ نفس کے باوصف مجاہدہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصفیہٗ قلب اور تزکیہٗ نفس کے باوجود قالب سے امورِ مباحہ اور افعالِ مرخصہ کا اکتساب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ امورِ محرمہ (گناہ) کا ارتکاب نہیں کرتا تاہم گناہ کا خطرہ ضرور رہتا ہے اس لئے وہ گناہوں سے محفوظ تو ہوتا ہے لیکن معصوم نہیں ہوتا۔ معصوم ہونا انبیائے عظام اور ملائکہ کرام علیہم الصلوات کے ساتھ خاص ہے۔ اس قسم کا صاحب تلوین اخص خواص میں سے ہوتا ہے، حقیقتاً ابوالوقت بھی یہی ہو سکتا ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ اہل طریقت کے نزدیک ابوالوقت کو غوثِ مطلق علی الاطلاق، امام وقت اور قیوم بھی کہا جاتا ہے، جو حالات کا مرکب نہیں بلکہ راکب ہوتا ہے۔ وہ خود نہیں بدلتا بلکہ دگرگوں ماحول کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے دوڑتا اور سرکش حوادث کی گردنیں جھکانے لپکتا ہے۔ وہ جلال برق وباراں کا مذاق اُڑاتا اور گرجتے بادلوں کے سامنے مسکراتا ہے۔

غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے خوب فرمایا:

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ
تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِیْ

نیست شہرے نیست دہرے رامرور
تانیاید بردرم پیش از ظہور

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ مشائخِ طریقت نے ہر کسے ہرفہمے خود بند د خیال کے مصداق اپنے اپنے احوال ومذاق کے مطابق حدیث: لِیْ مَعَ اللّٰہِ

وَقْتٌ کے مطالب ومفاہیم بیان فرمائے ہیں، بعض صوفیاء نے اس حدیث سے توحیدِ وجودی مراد لی ہے۔

بقول شاعر:

لی مع اللّٰہ شان خود فرمودئی
من ندانم بندئی یا خود توئی

بعض صوفیاء نے اس سے توحیدِ شہودی مراد لی ہے۔۔۔ بعض مشائخ نے اس سے وقت نادرہ کا مفہوم اخذ کیا ہے اور بعض نے استمرار وقت کا قول کیا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک استمرارِ وقت کے باوجود وقتِ نادرہ بھی متحقق ہے، جس کا تحقق دورانِ نماز ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات: قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلاۃِ۔[1] اور أَقْرَبُ مَا یَکُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّہِ وَھُوَ سَاجِدٌ۔[2] سے معلوم ہوتا ہے۔ آیہ کریمہ: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق ۱۹) کے مطابق دورانِ نماز حالتِ سجدہ میں مدارجِ قرب میسر ہوتے ہیں۔ اور جس وقت قرب میں زیادتی ہو اس وقت میں غیر کی گنجائش نہیں ہوگی۔

واقعۂ معراج میں بیان فرمودہ درج ذیل حدیثِ قدسی بھی اسی طرف مشیر ہے:

یَا مُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَاسِوَاکَ خَلَقْتُ لِاَجْلِکَ فَقَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَمَا اَنَا وَمَا سِوَاکَ تَرَکْتُ لِاَجْلِکَ۔

---

[1] (سنن النسائی، ج۷، ص ۶۱، الناشر: مکتب المطبوعات الإسلامیة –حلب)
[2] (صحیح مسلم، ج۳، ص ۴۹، المکتبة الفاروقیة)

اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں ہوں اور تم ہو اور تیرے سوا جو کچھ ہے میں نے تیرے لئے تخلیق فرمایا۔ اس پر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے عرض کیا اے اللہ! تو ہی ہے، میں نہیں ہوں اور جو کچھ تیرے سوا ہے میں نے اسے تیرے لئے چھوڑ دیا۔ [1]

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارقام پذیر ہیں کہ استمرارِ وقت تحقیق شدہ ہے، سخن اس میں ہے کہ استمرار کے باوجود حالت نادرہ بھی واقع ہے یا نہیں۔ ایک جماعت جسے ندرتِ وقت کی اطلاع نہیں دی گئی وہ اس کی نفی کے قائل ہو گئے اور دوسری جماعت جسے اس مقام سے بہرہ ور کیا گیا انہوں نے ندرت وقت کا اقرار کر لیا۔۔۔ حق یہ ہے کہ جس شخص کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل نماز میں جمعیت عطا فرمائی گئی اور اس دولتِ قرب سے بہرہ ور کیا گیا وہ اقل قلیل ہے۔ [2]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۷۲ تا ۲۷۶)

---

[1] (تشیید المبانی)

[2] (مکتوباتِ شریفہ، دفتر اول، مکتوب ۲۸۷)

مکتوب نمبر ۱۷۶

[مُلّا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اوقات کی محافظت اس راہ کی ضروریات میں سے ہے۔ بے کار کاموں میں اوقات کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

حدیث میں آیا ہے:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ إِشْتِغَالُهُ بِمَا يَعْنِيهِ وَ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔

ترجمہ: انسان کے حُسنِ اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ بامقصد کاموں میں مشغول ہوا اور بے مقصد کاموں سے اعراض کرے۔[1]

لہٰذا اوقات کی محافظت کے بغیر چارہ نہیں۔ بے فائدہ کاموں میں وقت ہر گز ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ شعر خوانی اور قصہ گوئی کو دُشمن کا حصہ قرار دے کر خاموشی اور باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اس راستے میں دوستوں کا اجتماع باطن کی جمعیت کے لئے ہوتا ہے۔ دل کو پراگندہ کرنے کے لئے جمع نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے انہوں نے خلوت پر انجمن کو ترجیح دی ہے۔ اور جمعیت کو اجتماع میں تلاش کیا ہے۔ وہ اجتماع جو تفرقے اور پراگندگی کا باعث ہو اس سے اجتناب ضروری ہے۔ باطن کی جمعیت کے ساتھ جو جمع ہو جائے مبارک ہے۔ اور جو میسر نہ آئے تو وہ بُرا اور نامبارک ہے۔ ایسی زندگی گزارنی چاہیئے کہ پاس بیٹھنے والی جماعت کو صحبت و مجلس سے جمعیت حاصل ہو۔ ایسی مجلس و صحبت نہیں ہونی چاہیئے جو تفرقے اور پراگندگی کا باعث ہو اس سے اجتناب ضروری ہے۔

---

[1](مسند أحمد، ج ۱، ص ۲۰۱، الناشر: عالم الکتب - بیروت)

باطن سے جمعیت کے ساتھ جو جمع ہو جائے اور گفتگو ترک کر کے سکوت و خاموشی کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ زندگی آپس میں شعر گوئی کا وقت نہیں اور نہ باہمی بات چیت کا وقت ہے۔

چہ وقتِ مدرسہ وبحثِ کشاف است

ترجمہ: یہ مدرسہ اور کشف اور تفسیرِ کشاف کی بحثوں کا وقت نہیں۔

[وَالسَّلَامُ]

تشریح

یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم واضح فرمایا ہے کہ وقت کی محافظت کرو۔ اور وقت کی محافظت سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت، قرآن عظیم الشان کی تلاوت، نوافل اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر میں ہمہ وقت مشغول رہے۔ اور اپنے وقت کو لایعنی باتوں میں نہ گزارے، بلکہ وہ اعمال کرے جو نیک ہوں یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں کوشش کرے۔ اگر خدانخواستہ ایک انسان اپنے وقت کو لایعنی کاموں میں گزارنے لگے تو اس کا ان کاموں سے فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ آج کل کے بعض صوفیاء اپنے آپ کو طریقۂ عالیہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ سے منسوب کرتے ہیں، مگر وہ اپنے قیمتی وقت کو شعر وشاعری اور دیگر بے فائدہ افعال میں ضائع کرتے نظر آتے ہیں اور اس پر مزید دُکھ کی بات یہ ہے کہ وہ ان افعال پر توبہ واستغفار بھی نہیں کرتے بلکہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور ان افعال کو اپنا کمال تصور کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

سُئِلَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الشِّعْرِ فَقَالَ: "ھُوَ کَلَامٌ, فَحَسَنُہُ حَسَنٌ, وَقَبِیحُہُ قَبِیحٌ"۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے شعر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: یہ ایک کلام ہے، چنانچہ اچھا شعر اچھا کلام ہے، اور بُرا شعر بُرا کلام ہے۔[1]

یعنی جو شاعر اشعار پڑھے اس کے مفہوم کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے اگر اس شاعر کے اشعار اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد کے مطابق ہوں تو اس کی دل وجان سے پذیرائی کرنی چاہیئے اور جو اشعار اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد سے خلاف ہوں ان کو قبیح جاننا چاہیئے۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایاہے کہ اپنے وقت کو شعر وشاعری میں ضائع نہ کرو اور ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں مشغول رہو۔ آج کل کے اکثر صوفیاء چاہے وہ جس سلسلہ سے بھی وابستہ ہیں سب کے سب شعر خوانی اور قصہ گوئی میں اپنا وقت ضائع کررہے ہیں اور اپنے اصل مقصد کو یکسر چھوڑ دیا ہے۔ ان کو چاہیئے کہ اسے دُشمن کا حصہ سمجھتے ہوئے خاموشی اور باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول رہیں۔

کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

عَلَیْکَ بِطُولِ الصَّمْتِ إِلَّا مِنْ خَیْرٍ, فَإِنَّہُ مَطْرَدَۃٌ لِلشَّیْطَانِ عَنْکَ وَعَوْنٌ لَکَ عَلَی أَمْرِ دِینِکَ۔

---

[1](السنن الکبری للبیھقی، ج ۱۰، ص ۴۰۵، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت - لبنان)

ترجمہ: طویل خاموشی اختیار کرو کیونکہ یہ تیرے اُمورِ دین میں تیری معاون اور شیطان کو بھگانے کا باعث ہے۔[1]

اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَمَتَ نَجَا۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پالی۔[2]

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے زیرِ تربیت مکتوب الیہ کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ اگرچہ تمہارا شاعرانہ مزاج تمہیں شعر خوانی اور قصہ پردازی پر ابھارتا ہے لیکن اب تمہیں اس قسم کے لایعنی امور کو چھوڑ کر باطنی نسبت کی محافظت اور سکوت و مراقبہ پر مواظبت کرنا چاہیئے، تاکہ شعر گوئی اور بیت بازی جیسے فضول کاموں میں وقت کا ضیاع نہ ہو بلکہ ذکر و فکر کی بدولت قلبی جمعیت، روحانی سیر اور باطنی طیر میسر ہو اور اپنے ہم نشینوں کے لئے بھی قلبی جمعیت کا باعث ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خاموشی کے متعلق قدرے معلومات فراہم کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِیْق

---

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ج۷، ص ۳۰۵۳، الناشر: دار الفکر، بیروت -لبنان)

[2] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۲٦۰، الناشر: شرکةمکتبةومطبعةمصطفی البابي الحلبي -مصر)

حق تعالیٰ جل سلطانہٗ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے انسان کو قوت گویائی عطا فرما کر اس کے فوائد و مضرات بھی بیان کر دیئے۔

ایزد چوبنا کرد بہ حکمت تن وجاں
در ہر عضوے مصلحت کرد نہاں
گر مفسدے ندیدہ بودے ز زباں
محبوس نمی کرد بہ دنداں دہاں

جو شخص صدق واخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ استحضارِ ذات کے پیشِ نظر ہمیشہ کلمۂ خیر ہی کہتا ہے کیونکہ کلمۂ طیبہ صدقہ ہے جو مخلوق خدا کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص رحمت وراحت کا باعث ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔[1] سے عیاں ہے۔

بقول اقبال مرحوم:

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است

بصورتِ دیگر بندۂ مؤمن خاموش رہتا ہے کیونکہ اسی میں عافیت وسلامتی اور زہد و حکمت ہے۔ اس قسم کا بندۂ مؤمن جامع شریعت وطریقت، نیابتِ نبوت وخلافت رسالت کا مستحق اور لائقِ صحبت و قربت ہوتا ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵ ۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ أُعْطِيَ زُهْدًا فِي الدُّنْيَا، وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ، فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ، فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ۔

یعنی جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے دنیا سے بے رغبتی اور قلتِ کلام عطا کیا گیا ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ اسے حکمت القاء کی جاتی ہے۔[1]

حضرت شیخ یزید بن حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں عالم کے لئے فتنہ یہ ہے کہ اسے سننے کی بجائے بولنا زیادہ پسند ہو اس لئے جب کوئی معقول گفتگو کرنے والا موجود ہو تو سننے میں ہی سلامتی ہے۔

غرضیکہ سالکین کو قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام اور قلتِ اختلاط مع الانام کے سنہری اصولوں پر کاربند رہنا چاہیئے۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم (جلد ثالث) میں زبان کی بیس آفات تفصیلاً بیان فرمائی ہیں جن کا مطالعہ سالکینِ طریقت کے لئے نہایت سودمند ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ نسبتِ نقشبندیہ میں اخفاء وسکوت کا غلبہ ہے اس لئے اس طریقت کے سالکین مراقبہ کو اولین ترجیح دیتے ہیں اور اپنے شیخ کے بتائے ہوئے اسباق واوقات کی تعمیل وتعمیر میں ہی مشغول رہتے ہیں کیونکہ طریقت میں اپنے شیخ کا فرمان ہی حرفِ آخر ہوتا ہے۔

---

[1](سنن ابن ماجه، ج ۵، ص ۲۲۳، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ سالکین کو دورانِ سلوک دوسری نسبت کو اپنی نسبت میں خلط ملط نہیں ہونے دینا چاہیئے کیونکہ دیگر مشائخ کی صحبت واسباق کے تکرار سے باطنی مزاج بگڑ جاتا ہے، جس سے منزل کھوٹی اور روحانی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس معاملے میں صوفیائے طریقت تو اس قدر خوددار اور غیور ہوتے ہیں کہ وہ حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کی زیارت وملاقات تو رہی در کنار پانی میں غرق ہونے سے اپنی جان بچانے کے لئے ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔

چنانچہ عارف باللہ حضرت خواجہ فیض اللہ تیراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب ان کے مربی زبدۂ اہلِ رضا حضرت خواجہ سید محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ حضرت سیدنا خضر علیہ السلام ہیں اگر کچھ مانگنا ہے تو ان سے مانگ لو۔ انہوں نے عرض کیا حضور! میرے خضر تو آپ ہی ہیں مجھے تو جو کچھ لینا ہے آپ ہی سے لینا ہے۔ بلکہ مجھے تو سیدنا خضر علیہ السلام بھی آپ ہی کی برکت سے ملے ہیں۔

مَنِہ پا بیروں ز کوئے وفا

کہ از دوستاں نیرزد جفا

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ ایسا سالک درویش جو خدا و مصطفٰی جلّ سلطانہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ قرب و حضوری اور ولایت میں قدم رکھتا ہے اس پر فرض ہے کہ وہ فضول کاموں کو چھوڑ کر توبہ واستغفار کرے اور اعمالِ صالحہ کا حریص ہو کیونکہ اوقات کی حفاظت کرنا راہِ طریقت کی ضروریات میں سے ہے۔

بینہ نمبر ۴

کاشف الحقائق حضرت خواجہ محمد صدیق بدخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہی مکتوب الیہ ہیں جن کی طرف دفتر اول مکتوب نمبر ۱۳۲ ارسال فرمایا گیا جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ان کی جلالی تربیت کرتے ہوئے بوالہوس تک تحریر فرمایا تھا۔ کیونکہ یہ راہِ طریقت کو چھوڑ کر امراء کی مجالس اور لباسِ فاخرہ کے درپے ہوگئے تھے، مگر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی فہمائش وسرزنش پر مجالسِ اغنیاء کو خیرباد کہہ دیا اور آپ کی صحبت وزیر نگرانی سلوکِ نقشبندیہ طے کیا اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۷۹ تا ۲۸۳)

نعت رسول مقبول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور نعتیہ اشعار پڑھنا قرآن وحدیث کی روشنی میں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقے میں ایک مولوی کا یہ دعویٰ ہے کہ نعت شریف کا پڑھنا منع ہے اور اشعار کا کہنا منع ہے اور قرآن پاک میں ان کی اجازت نہیں ہے؟ بینوا وتوجروا

الجواب: مذکورہ مولوی کا یہ دعویٰ سراسر غلط اور اس کا دعویٰ بدون الدلیل اور باطل ہے۔

جیسا کہ روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فالدعوی باطلة بدون الدلیل وصاحبها ضال مضل والمدعی کالزانیة والتابع له علی هواه کولد الزنی فان ولد الزنی هالک حکما لعدم المربی والاتباع لمبتدع لا ینتج الا البدعة والإلحاد۔

بغیر دلیل کے دعویٰ باطل ہے اور مدعی (خود) گمراہ اور (دوسروں) کو گمراہ کرنے والا ہے، اور مدعی کی مثال زانیہ عورت کی طرح ہے اور اس کی اتباع کرنے والے ولد زنا (حرامی) بچوں کی طرح ہیں کیونکہ ولد زنا حکمی طور پر ہلاک ہونے والے ہیں، کیونکہ ان کی تربیت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور بدعتی کی اتباع کرنے سے صرف بدعت والحاد ہی حاصل ہوتا ہے۔ [1]

لہٰذا یہ جاہل مولوی مندرجہ بالا عبارت کی بناء پر دو حکموں کا مصداق ہوا۔ پہلا یہ کہ ضال اور مضل ہوا اور دوسرا یہ کہ اس کی مثال زانیہ عورت کی طرح ہے۔ اور اس کے تابعداروں کا حکم ولدِ زنا کی طرح ہے اور ولدِ زنا سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے ہلاک کے حکم میں ہے اس لئے کہ مذکورہ مولوی بنفسہٖ ضال (گمراہ) ہے اور دوسرے لوگوں کے لئے مضل (گمراہ کرنے والا) ہے۔ کیونکہ اس نے لوگوں کے ایمان کو خسارے میں ڈال دیا ہے تو ایسا علم بلا عمل اللہ تعالیٰ کسی کو بھی نصیب نہ فرمائے کیونکہ یہ عین طوفانِ نوح علیہ السلام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حکم کرنا بغیر شرعی دلیل کے مردود ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرة ۱۱۱)

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

والعرب تسمى الكلام العاري عن الحجة تمنيا وغرورا وضلالا وأحلاما مجازا۔

ترجمہ: عرب ہر اس کلام کو تمنا، دھوکہ اور گمراہی کہتے ہیں جو دلیل سے عاری ہو۔ [2]

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۲۰۸، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۲۰۶، الناشر: دار الفکر - بیروت)

اس کے دعوے میں اگر ادنٰی سی صداقت بھی ہو تو اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی آیت قرآن یا حدیث پیش کرتا، لیکن وہ کیسے پیش کر سکتا ہے؟

جب قرآن پاک میں یہ وارد ہے:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (۲۲۴) أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ (۲۲۵) وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (۲۲۶) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا (الشعراء۲۲۷)

ترجمہ: اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں، کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے، مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا۔

علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں اور علامہ خازن نے تفسیر لباب التاویل میں اور علامہ صاوی نے تفسیر صاوی علی الجلالین میں تحت آیت کریمہ مضمون واحد ذکر کیا۔

عبارتِ صاوی یہ ہے:

إعلم أن الشعراء منه مذموم وهو مدح من لا يجوز مدحه وذم من لا يجوز ذمه وعليه تتخرج الآية الاولیٰ وقوله عليه السلام لأن يمتلي جوف أحدكم قيحاود ما خير له من أن يمتلي شعرا ومنه ممدوح وهو مدح من يجوز مدحه وذم من يجوز ذمه وعليه تتخرج الآية الثانية وقوله صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وآله واصحابه وسلم ان من الشعر لحكمة وقال الشعبي: كان أبو بكر يقول الشعر وكان عمر يقول الشعر وكان عثمان يقول الشعر وكان علي أشعر الثلاثة وروي عن إبن عباس أنه كان ينشد الشعر في المسجد ويستنشده وروي أنه عليه السلام قال يوم قريظة لحسان: اهج المشركين فإن جبريل معک وكان يضع له منبر في المسجد يقوم عليه قائمًا يفاخر عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وآله واصحابه وسلم وينافخ ويقول رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وآله واصحابه وسلم هجاهم حسان فشفى واشتفي۔

فقال حسان:

هجوت محمدا فأجبت عنه وعند الله في ذاک الجزاء
هجوت محمدا برا تقيا رسول الله شيمته الوفاء
فان أبي وو الدتي وعرضي لعرض محمد منکم وقاء

ترجمہ: جانو بے شک ایسے شعر تو مذموم وناجائز ہیں جن میں ایسے شخص کی مدح ہو جس کی مدح جائز نہ ہو اور ایسے شخص کی برائی ہو جس کی برائی جائز نہ ہو۔ اور آیات سے ایسے ہی کفار شعراء مراد ہیں اور خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ تم میں کسی کا ریم اور خوب سے پیٹ بھرنا اس سے بہتر ہے کہ اس کا شعر سے پیٹ بھرے۔ اور ایسے شعر جو جائز وقابل تعریف ہیں وہ ہیں جن میں ایسے شخص کی مدح ہو جس کی مدح جائز ہو۔ اور ایسے شخص کی برائی جس کی برائی جائز ہو۔ اور آخر کی آیت ایسے مسلمان شعراء کے حق میں ہے اور ان کے لئے حدیث میں فرمان رسول پاک ہے کہ بے شک بعض شعر میں ضرور حکمت ہے، اور امام شعبی نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعر کہتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعر کہتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعر کہتے تھے، اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تینوں سے بڑے شاعر تھے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں شعر پڑھتے تھے اور پڑھواتے تھے۔ اور حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے واقعہ بنی قریظہ کے دن حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مشرکوں کی شعر میں ہجو کر، کہ بے شک حضرت جبریل علیہ السلام مدد کے لئے تیرے ساتھ ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مسجد میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے منبر بچھواتے۔ اور وہ منبر پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مفاخر پڑھتے اور کفار کے طعن کو دفع کرتے تھے اور حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ حسان کی جبریل سے تائید کرتا ہے، جب تک وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مفاخر یا ان سے دفعِ طعن کرتے رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ حسان نے کفار کی ہجو کی تو اس نے دوسروں کو شفا اور تسکین دی اور خود بھی شفا پائی اور تسکین حاصل کی۔ تو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر کہے:

هجوت محمدا فأجبت عنه وعند الله في ذاک الجزاء

(اے دشمن) تو نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہجو کی تو میں نے ان کی طرف سے جواب دیا، اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی جزا ہے۔

هجوت محمدا برا اتقیا رسول الله شیمته الوفاء

تو نے ہمارے نبی علیہ السلام کی ہجو کی جو نہایت نیک اور پرہیز گار ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں جن کی وفا عادت ہے۔

فان أبي ووالدتي وعرضي لعرض محمد منکم وقاء

بے شک میرے باپ اور میری والدہ اور میری آبرو آبروئے نبی علیہ السلام کے لئے ہے تم سے پناہ۔[1]

اس آیہ کریمہ اور اس کی تفسیر سے اور تفسیر میں احادیث سے اس قدر امور ثابت ہوئے:

ا۔ جن شاعروں کی قرآن وحدیث میں مذمت وارد ہے ان سے مراد کفار اور فساق شعراء ہیں۔

---

[1] (تفسیر صاوی، ج۳، ص ۱۵۳)

۲۔ جو اشعار شرعًا ناجائز وقبیح ومذموم ہیں وہ جھوٹے اشعار ہیں اور ان میں نا قابل مدح کی مدح ہو، اور جو مذمت کا اہل نہ ہو اس کی مذمت ہو۔

۳۔ جن شعراء کی قرآن وحدیث میں تعریف وارد ہے ان سے مراد مسلمان متبع شرع شعراء ہیں۔

۴۔ جو اشعار شرعًا جائز بلکہ وعظ وحکمت ہوں اور جو شریعت کے خلاف نہ ہوں اور جن میں قابلِ مدح کی مدح ہو اور لائقِ ذم کی مذمت ہو وہ اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے محبوب ومطلوب ہیں۔

۵۔ مطلقًا شاعر ہونا کوئی گناہ اور عیب نہیں، اور اگر یہ گناہ یا عیب ہوتا تو حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابن عباس، حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہرگز شاعر نہ ہوتے۔

۶۔ جو شعر خلافِ شرع نہ ہو اور وہ حمد ونعت کا ہو یا مدح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہو یا وعظ ونصیحت کا ہو اس کا مسجد میں پڑھوانا سنت ہے۔

۷۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یوم واقعہ بنی قریظہ میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہجو کفار میں شعر کہنے کا حکم دیا۔

۸۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مسجد نبوی میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار پڑھنے کے لئے منبر بچھواتے اور وہ منبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان کو سنتے تھے۔

۹۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سے دفع طعن اور آپ کے مفاخر و فضائل پر مشتمل شعر مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر پڑھتے۔

۱۰۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان اشعار کو جو مشتمل نعت پر تھے سن کر تحسین فرمائی، اور ان کے حق میں دعا کی اور حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کا مؤید بتا کر ان کی امتیازی شان ظاہر فرمائی۔ لہٰذا اس مولوی کا نعت شریف پڑھنے کو منع قرار دینا اور اشعار کہنے کو منع کرنا قرآن وحدیث کے خلاف ثابت ہوا۔ اس کا یہ (کہ قرآن حکیم کی اجازت نہیں) کہنا خود قرآن کریم پر صریح افترا ہے کہ قرآن تو مسلمان کو موافق شرع شاعری کی اجازت دیتا ہے، جو آیہ کریمہ اور اس کی تفسیر میں مذکور ہوا۔ پھر جب اس شخص کا سارا کلام ہی باطل اور غلط ہے تو بزرگانِ سلف اور متقدمین کے اشعار بلاشبہ قرآن وحدیث کے موافق ثابت ہوئے جس کے دلائل آیت اور حدیث سے پیش کر دیئے گئے تو جو شخص نعت شریف پڑھنے اور کہنے لکھنے کو منع کرتا ہے وہ قرآن وحدیث کا منکر و مخالف ہے کہ قرآن وحدیث نعت پڑھنے اور کہنے لکھنے سب کی اجازت دیتے ہیں۔ تو اس شخص پر فرض ہے کہ وہ جلد از جلد اس باطل عقیدہ سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

مکتوب نمبر ۱۷۷

[جمال الدین حسین بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب اور درست رَاوٴں کے مطابق عقائد درست کرنے کی ترغیب میں۔

خواجہ جمال الدین حسین کو چاہیئے کہ اپنی اُٹھتی جوانی کو غنیمت جانیں، اور حتی الامکان اسے حق تعالیٰ جلّ وعلا کی رضا کے کاموں میں صرف کریں۔ یعنی سب سے پہلے آرائے صحیحہ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے تقاضا کے مطابق اپنے عقائد درست کریں۔ دوسرے نمبر پر احکامِ شرعیہ فقہیہ کے مطابق عمل کریں اور تیسرے نمبر پر بلند مرتبہ گروہ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقۂ سلوک کو اختیار کریں۔ جس کو اس بات کی توفیق مل گئی اس نے عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ اور جو اس سے رہ گیا تو وہ بالکل بیّن اور کھلے ہوئے خسارے میں پڑ گیا۔

خواجہ محمد صالح کے فرزندوں کی خدمتگاری کو سعادتِ عظمیٰ جانیں۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت خواجہ صاحب کی ہی مدد واعانت ہے۔ کیونکہ خواجہ صاحبِ اقبال لوگوں میں سے ہے۔

دادیم ترا زگنجِ مقصود نشان

ترجمہ: ہم نے تجھے خزانہ مقصود کا نشان بتا دیا۔

وَالسَّلَام۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں تین چیزوں یعنی اسلام، مذہب اور طریقت کے بارے میں بحث کی ہے۔ مکتوب گو چھوٹا ہے مگر اس میں بنیادی باتیں درج ہیں

سب سے پہلے ہم اسلام کے بارے میں بحث کریں گے۔ اسلام لغت میں سَر جھکانے یا ماننے کو کہتے ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کو تسلیم کرکے اُن پر عمل کرنا۔ یہ بات ایک مثال کے ذریعے سے سمجھی جاسکتی ہے کہ اگر دار الحرب میں کُفر اور اسلام کی جنگ ہو رہی ہو اور مسلمان کُفار پر غالب آ جائیں تو کفار ہاتھ اوپر اُٹھا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ جو کہتے ہیں ہم اُسے ماننے کو تیار ہیں یعنی کُفار خود کو مسلمانوں کے لئے تسلیم کرکے اُن کی قید میں آ جاتے ہیں اور امن کے طالب ہوتے ہیں کہ ہمیں قتل نہ کیا جائے اس کے بعد مسلمان ان کفار قیدیوں کو جو بھی حکم دیں وہ فوراً اس کو مانتے ہیں اور اس سے کسی قسم کی روگردانی نہیں کرتے۔ بعینہٖ جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کو تسلیم کرکے جنت میں داخل ہو جائے تو پھر وہ کسی قسم کے چون وچرا اور دلائل کے بغیر دینِ اسلام کے سب احکامات کو مان لیتا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میں توحید کا کچھ حصہ مانتا ہوں اور کچھ کو نہیں مانتا تو ایسا شخص مسلمان نہیں کہلائے گا، کیونکہ اس شخص نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کے آگے سَر نہیں جھکایا۔ اسی طرح اگر ایک شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرائض وواجبات سے انکار کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے اسلام کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کہے کہ مسلمان ہوں مگر میں نماز نہیں پڑھوں گا، یا مثلاً کوئی کہے کہ میں مسلمان ہوں مگر زکوٰۃ ادا نہیں کروں گا، یا یوں کہے کہ میں نصاب کے مطابق یعنی چالیس روپے پر ایک روپیہ زکوٰۃ نہیں دوں گا۔ بلکہ میں ہزار روپے پر ایک روپیہ زکوٰۃ دوں گا۔ یا مثلاً سال میں ایک ماہ کے روزے فرض ہیں اگر کوئی کہے کہ اگر میری مرضی

ہوئی تو میں روزہ رکھوں گا اور اگر نہ ہوئی تو نہیں رکھوں گا۔ اور جیسا کہ ساری عمر میں ایک مرتبہ حج ادا کرنا فرض ہے تو اگر کوئی کہے کہ میں حج ادا کرنے کے لئے جانی ومالی نقصان اور تکلیف کیوں اٹھاؤں؟ مختصر یہ کہ اگر کسی نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر سے انکار کیا تو وہ کافر ہے اور اگر انکار تو نہیں کیا مگر ان کو ادا کرنے میں سُستی کی تو کافر نہیں بلکہ اس کو اس کی نافرمانی کے اندازے سے سزا ملے گی۔

اگر کوئی کہے کہ اسلام کے دین ہونے کا کیا ثبوت ہے تو ہم کہیں گے کہ اسلام کا لفظ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمارے لئے پسند کیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران ۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

یہود ونصاریٰ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نصرانی تھے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف وحی بھیجی کہ:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آل عمران ٦٧)

ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ہزار سال اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو ہزار پہلے اُس وقت بھی مسلمان تھے اسی لئے ہم حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت اور دینِ اسلام پر ہیں اور اس پر ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کاشکر ادا کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں وعید کے طور پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ہے کہ:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (آل عمران ۸۵)

ترجمہ: اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گاوہ ہر گز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں (نقصان اٹھانے والوں میں) سے ہے۔

تہتر (۷۳) فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کہتا ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت ہیں لیکن سب سے پہلے تو اہل سنت وجماعت کے معنیٰ سمجھنا ضروری ہے۔ اہل سنت کے معنیٰ ہیں وہ لوگ جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتِ مبارک پر عمل کریں اور جماعت کے معنیٰ ہیں وہ لوگ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سُنتوں پر عمل کریں۔ اور آج کے زمانہ میں اس طرح کے لوگ بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم قرآن عظیم الشان پر تو عمل کرتے ہیں مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں پر عمل نہیں کرتے اور اس طرح کے لوگ بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں پر تو عمل کرتے ہیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سُنتوں پر عمل نہیں کرتے تو ان لوگوں کی یہ باتیں دینِ اسلام، مذہبِ حنفی اور اہل سنت وجماعت کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ اس قاعدے کی رُو سے روافض اہل سنت وجماعت میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ خلفاء ثلاثہ (حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق

اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے طریقوں پر عمل نہیں کرتے۔ مثلاً بیس(۲۰) رکعات نمازِ تراویح نہیں پڑھتے کیونکہ اس نماز کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قائم کیا ہے۔

اصطلاح میں اہل سنت وجماعت وہ لوگ ہیں جنہوں نے تہتر (۷۳) فرقوں سے اہل سنت وجماعت کے فرقے کو جدا کیا ہے یعنی عقائد، عبادات اور معاملات حتیٰ کہ کسی مسئلہ میں بھی تہتر (۷۳) فرقوں کے ساتھ مناسبت نہیں کی ہے اور بہتر (۷۲) فرقوں میں سے مستقیم راستہ اہل سنت وجماعت کا ہی ہے۔ یہاں اہل سنت وجماعت سے حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمہا اللہ تعالیٰ مراد ہیں نیز وہ لوگ بھی مراد ہیں جو ان بزرگوں کے عقائد کے مطابق چلیں۔ دیگر فقہاء ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اہل سنت وجماعت میں داخل ہیں۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عقائد کو اہل سنت وجماعت کی آرائے صحیحہ کے مطابق درست کریں پھر احکامِ شرعیہ فقہیہ کے مطابق عمل اور پھر اس کے بعد طریقت کے راستے کو اختیار کریں۔

اہل سنت وجماعت کی تعریف تین طرح سے کی جاسکتی ہے:

* اول: حضراتِ محدثین کی رو سے: یعنی وہ لوگ اہل سنت وجماعت کہلانے کے حقدار ہیں جو مشائخِ حدیث کی بیان کردہ تمام احادیث پر دل وجان سے عمل پیرا ہوں۔ لیکن چونکہ احادیث کی تعداد لاکھوں میں ہے، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک شخص بیک وقت تمام احادیث پر عمل کرکے اہل سنت وجماعت کہلانے کا صحیح معنوں میں حق دار ٹھہرے۔ لٰہذا محض محدثین اور راویانِ حدیث کی اتباع کے ساتھ اہل سنت وجماعت بننا ممکن نہیں ہے۔

* دوم: حضراتِ فقہاء کرام کے فقہی و فروعی مسائل کی رو سے:یعنی وہ لوگ جو فقہاء کرام کے اجتہادی مسائل کی پیروی کر کے اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہلائیں تو ایسا گروہ بھی حقیقی معنوں میں اہل سنت وجماعت کہلانے کا مستحق نہیں ہو گا کیونکہ ان فقہی مسائل اور اجتہادی تفصیلات کا تعلق بھی انسانی جوراح کے ساتھ ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص تمام اصلی و فروعی معاملات پر عمل کرنے کی قدرت رکھ سکے۔ اس صورت میں بھی اس کا اہل سنت وجماعت ہونے کا دعویٰ درست نہیں ہو گا۔

* سوم: حضراتِ متکلمین کے عقائد کی رو سے:یعنی وہ سب لوگ اہل سنت وجماعت کہلائیں جو متکلمین کے اُن عقائد کی اتباع کریں جو اُنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضراتِ تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے اخذ کئے ہوں۔ اور چونکہ فرقہ بندی فقہی مسائل کے اختلاف سے سامنے نہیں آتی بلکہ عقائد کے اختلاف اور کمی بیشی سے سامنے آتی ہے اس لئے صرف وہی فرقہ اہل سنت وجماعت کہلانے کا صحیح معنوں میں حق دار ہو گا جس کے مشائخ نے قرآنی عقائد کو احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کسوٹی پر پرکھا ہو اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعلیمات کو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تشریحات کی روشنی میں جانا ہو اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقائد کو متکلمین کی عقلِ سلیم کی روشنی میں قلم بند کیا ہو۔ چونکہ اجتہادی مسائل کے مقابلے میں "عقائد" انتہائی محدود ہیں اس لئے بیک وقت تمام عقائد کا حامل ہونا اور ان کو دل و جان سے ماننا نہ صرف ممکن ہے بلکہ واجب ہے۔ اس لئے صحیح اہل سنت وجماعت وہی لوگ ہیں جو متکلمین حضرات کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھتے ہوں۔

واضح رہے کہ متکلمین سے ہماری مراد حضرت امام ابو حنیفہ، آپ کے اصحاب فقہا اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

(دار المعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو صحت وجوانی کو غنیمت جانتے ہوئے تین اہم ترین امور کی ترغیب دلا رہے ہیں:

۱۔ اپنے عقائد کو متکلمین اہل سنت کے بیان فرمودہ عقائد کے مطابق درست کرنا چاہیئے کیونکہ ان بزرگوں کے عقائد قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں اور درست عقائد پر ہی نجات کا دار و مدار ہے۔

۲۔ عقائد حقہ کی روشنی میں احکام شرعیہ فقہیہ کی تعلیم وتحصیل کے بعد ان پر عمل کرنا چاہیئے۔

۳۔ قربِ خدا جلّ سلطانہٗ اور باطنی انشراح حاصل کرنے کے لئے کسی شیخِ کامل مکمل کی زیرِ نگرانی تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کا اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ بندۂ مؤمن شریعت وطریقت کا جامع قرار پائے اور اسے رضائے الٰہی جیسی دولتِ عظمیٰ نصیب ہو جائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۲۸۸)

مکتوب نمبر ۱۷۸

[مرزا مظفر کی طرف صادر فرمایا:

ایک شخص کی سفارش اور سیّد عالمیان اور خلاصہ ٔ آدمیان علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب میں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اجرِ عظیم عطا کرے، تمہاری شان بلند کرے، تمہارے کام آسان کرے اور تمہارا سینہ فراخ کرے۔ بحرمت سیّد المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اخلاقِ نبوی سے موصوف حضرات کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی انہیں احسان اور حُسنِ معاشرت کی تلقین کرے۔ بلکہ نزدیک ہے کہ انہیں ایسی تلقین سوءِ ادب میں داخل ہو۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ انسان محتاجی اور ضرورت کے وقت ہر چیز اور معمولی شے کو تھامنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کمزور ولاغر چیز سے تسلی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس بناء پر فقیر محتاجوں کی دستگیری کرنے کے لئے آپ کی دردِ سَری کا باعث بنا ہے۔ مخدوم ومکرم! احسان کرنا ہر جگہ قابلِ ستائش ہے۔ خاص کر ان پر احسان کرنا تو بہت ہی اچھا ہے جو پڑوس کا قُرب رکھتے ہیں۔ حضرت رسالتِ خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کی اس قدر تاکید فرمائی کہ صحابہ کرام کو گمان گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں بھی حصہ دار بنا دیا جائے گا۔

مثنوی:

چوں چنین بایکدگر ہمسایہ ایم
تو چو خورشیدی وما چون سایہ ایم

چہ بُدِی اے مایہ بے مایگان
گر نگہداری حقِ ہمسایگان

ترجمہ: جب ہم ایک دوسرے کے اس قدر نزدیک ہمسائے ہیں تو آفتاب کی طرح اور ہم سایہ کی طرح ہیں تو اے بے مایہ لوگوں کے مایہ اور پونجی کون سی بات ہے اگر تو ہمسائیوں کے حق کی نگہداشت کرے۔

وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَازَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ لَيُوَرِّثُهُ۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے ہمیشہ پڑوسی کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین کرتے رہے حتّٰی کہ مجھے گمان گزرا کہ وہ اس (پڑوسی) کو وارث بنادیں گے۔[1]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

الجیران ثلاثة: فمنهم من له ثلاثة حقوق، ومنهم من له حقان، ومنهم من له حق، فأما الذي له ثلاثة حقوق فالجار المسلم القريب له حق الجار, وحق الإسلام، وحق القرابة، وأما الذي له حقان فالجار المسلم له حق الجوار، وحق الإسلام، وأما الذي له حق واحد فالجار

---

[1](صحیح البخاری،ج١٨، ص ٤٣١، المکتبةالفاروقیة، سنن الکبری للبیهقی،ج٦، ص ٤٥٠، الناشر: دار الکتب العلمیة،بیروت-لبنان)

الکافر له حق الجوار۔ قلنا: یارسول اللہ، نطعمھم من نسکنا، قال: لاتطعموا المشرکین شیئا من النسک۔

ترجمہ: پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہوتے ہیں جن کے تین حقوق ہوتے ہیں اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کے دو حقوق ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ایک ہی حق ہوتا ہے۔ بہر حال جن کے تین حقوق ہوتے ہیں وہ وہ پڑوسی ہے جو مسلمان ہو، اور قرابت دار ہو اس کا ایک حق تو پڑوسی ہونے کا ہوتا ہے۔ دوسرا حق اسلام کا اور تیسرا حق قرابت داری کا۔ اور جس کے دو حقوق ہوتے ہیں وہ وہ پڑوسی ہوتا ہے جو مسلمان ہو، اس کا ایک حق پڑوسی ہونے کا ہوتا ہے اور دوسرا حق اسلام کا۔ اور وہ جس کا صرف ایک حق ہوتا ہے وہ کافر پڑوسی ہوتا ہے اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہوتا ہے۔ ہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! کیا ہم ان سب کو اپنی قربانیوں میں سے کھانے کو دیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی میں سے مشرکوں کو کچھ بھی کھانے کے لئے نہ دیں۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلى الله عَلَيه وسَلم: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ يُسْلِمُ عَبْدٌ حَتَّى يُسْلِمَ قَلْبُهُ وَلِسَانُهُ، وَلاَيُؤْمِنُ حَتَّى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ قِيلَ: وَمَابَوَائِقُهُ يَانَبِيَّ اللّٰہِ؟ قَالَ غَشْمُهُ وَظُلْمُهُ۔

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل مسلمان نہ ہو اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو اور وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پڑوسی اس کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ نہ ہو جائیں، پوچھا گیا کہ اس کی

---

[1] (شعب الایمان للبیھقی، ج ۱۲، ص ۱۰۵، الناشر: مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیة ببومباي بالھند)

ہلاکت خیزیاں کیا کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کا ظلم اور زیادتی۔[1]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: أَتَدْرِی مَا حَقُّ الجار؟ إِذَا اسْتَعَانَكَ أَعَنْتَهُ، وإِذَا اسْتَقْرَضَكَ أَقْرَضْتَهُ، وَإِذَا افْتَقَرَ عُدْتَ إِلَيْهِ. وَإِذا مَرِضَ عُدتَهُ، وَإِذا أَصابَهُ خَيْرٌ هنَّأْتَهُ، وَإِذَا أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ عَزَّيتَهُ، وَإِذَا مَاتَ أتبعْتَ جنَازَتَهُ، وَلاَ تَسْتَطِلْ عَلَيْهِ بِالبِنَاءِ، تَحْجبُ عَنْهُ الرِّيحَ إِلاَّ بِإِذْنِهِ، وَلاَ تُؤْذِهِ بِقتَارِ قِدْرِكَ، إِلاّ أنْ تَغْرِفَ لَهُ مِنْهَا، وَإِنْ اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً فاهدِ لَهُ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَأَدْخِلهَا سِرًا، وَلاَ يَخْرُجْ بِهَا وَلَدُكَ لِيَغِيظَ بِهَا وَلَدَهُ، أَتَدْرُونَ مَا حَقُّ الجَارِ؟ وَالَّذِى نَفْسِی بِيَدِهِ، مَا يَبْلغُ حَقَّ الجَارِ إِلّا قَلِيلٌ مِمَّنْ رَحِمَ اللهُ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ (پڑوسی) تم سے مدد چاہے تو تم اس کی مدد کرو، اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اگر وہ مفلس ومحتاج ہو تو اس کو کچھ دو، اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اگر وہ مر جائے تو تم اس کے جنازے میں جاؤ، اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو اس کو مبارک باد دو، اور اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کو تسلی دو (مثلاً اس کے ہاں کوئی موت ہو جائے تو اس کے گھر جا کر تعزیت کرو)، اس کے مکان سے اونچا مکان نہ بناؤ کہ اس (کے گھر) کی ہوا رُک جائے مگر یہ کہ اس کی اجازت دے، اگر تم پھل وغیرہ خریدو تو تحفہ کے طور پر اس کے یہاں بھی بھیجو اور یہ ممکن نہ ہو سکے تو پھر تم اس (پھل وغیرہ کو گھر میں) پوشیدہ طور پر لے کر آؤ (اور اپنے بچوں کو بھی تاکید کر دو کہ) وہ اس (پھل وغیرہ) کو لے کر گھر سے باہر نہ نکلیں

[1] (مسند احمد، ج ۲، ص ۵۹۰، الناشر: جمعية المكنز الإسلامي)

تا کہ تمہارے پڑوسی کے بچے (تمہارے بچوں کو پھل وغیرہ کھاتا دیکھ کر اپنی محرومی کی بناء پر) رنج وافسوس نہ کریں، اور تم اپنی ہانڈی (یعنی چولہے) کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچاؤ مگر یہ کہ اس ہانڈی میں سے کچھ اس کے یہاں بھی بھجوا دیا کرو۔ کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اپنے پڑوسی کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ [1]

اور اس موضوع پر بے شمار احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں جن پر عمل کرنا ایک مسلمان کے لئے انتہائی ضروری ہے اور سالک کو تو بالخصوص ان اَوامر پر عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی سالک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر پر عمل نہیں کرتا تو وہ متخلق باخلاقِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو محتاجوں کی حاجت بر آری اور سائلوں کی دستگیری کرنے کی سفارش فرمارہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ صاحبِ حیثیت اور اصحابِ ثروت میں سے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہمسائیوں کے حقوق کے متعلق قدرے معلومات فراہم کر دی جائیں تا کہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

انسان فطرۃً مدنی الطبع واقع ہوا ہے اس لئے باہم مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ دینِ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے جہاں حقوق اللہ بیان فرمائے ہیں وہاں حقوق العباد کا

[1] (الجامع الكبير، ج ۱ ۲، ص ۵ ۱ ۳، الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة - جمهورية مصر العربية)

بھی تذکرہ فرمایا ہے تاکہ انسان ان سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہو کر امن و مروّت کے ساتھ حیات مستعار کے ایام گزار سکے اور دوسروں کے لئے بھی سلامتی و عافیت کا باعث ہو۔ اسی طرح ایک ایسا جنت نظیر معاشرہ تشکیل پائے گا جو بندگانِ خدا کے لئے امن وامان اور سکون و احسان کا گھوارہ ثابت ہو گا۔

ہمسایہ کی اقسام

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الجیران ثلاثة: فمنهم من له ثلاثة حقوق، ومنهم من له حقان، ومنهم من له حق، فأما الذي له ثلاثة حقوق فالجار المسلم القريب له حق الجار, وحق الإسلام، وحق القرابة، وأما الذي له حقان فالجار المسلم له حق الجوار، وحق الإسلام، وأما الذي له حق واحد فالجار الكافر له حق الجوار۔

یعنی پڑوسی تین قسم کے ہیں ان میں سے ایک پڑوسی وہ ہے جس کے تین حق ہیں، دوسری قسم کے پڑوسی کے دو حق ہیں اور تیسری قسم کے پڑوسی کا ایک حق ہے۔ جس پڑوسی کے تین حقوق ہیں وہ مسلمان قریبی رشتہ دار پڑوسی ہے جس کے لئے اسلام کا حق، پڑوسی کا حق اور قرابت کا حق ہے۔۔۔ جس شخص کے دو حق ہیں وہ مسلمان ہمسایہ ہے جس کے لئے اسلام کا حق اور پڑوس کا حق ہے۔۔۔ اور جس پڑوسی کا حق صرف ایک ہے وہ کافر پڑوسی ہے جس کا صرف ہمسائیگی کا حق ہے۔ [1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا چالیس گھر پڑوسی ہیں۔ [2]

---

[1] (کنز العمال، ج ۹، ص ۵۹، الناشر: مؤسسة الرسالة)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۱۵۴۹۳)

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد چاروں طرف چالیس چالیس گھر مراد ہیں۔[1]

ہمسایہ کے حقوق

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: أتَدْرُونَ مَا حَقُّ الجارِ؟ کیا تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟۔۔۔ اگر وہ تم سے مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو۔۔۔ اگر تم سے قرض مانگے تو اسے قرض دو۔۔۔ اگر حاجت مند ہو تو اس کی ضرورت پوری کرو۔۔۔ اگر بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو۔۔۔ اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔۔۔ اگر اسے بھلائی پہنچے تو اس کو مبارکباد دو۔۔۔ اگر کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی غم خواری کرو۔۔۔ اس کی عمارت سے اپنی عمارت بلند نہ کرو اس طرح اس تک ہوا نہیں پہنچے گی، البتہ اس کی اجازت سے ایسا کر سکتے ہو۔۔۔ اگر کوئی پھل خریدو تو اسے تحفہ بھیجو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھل گھر میں پوشیدہ طریقے سے لاؤ اور تمہارا بچہ پھل لے کر باہر نہ جائے کہ اس سے اس کے بچے کو رنج پہنچے گا۔۔۔ اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اسے اذیت نہ دو مگر یہ کہ تم اسے بھی اس سے چلو بھر دے دو۔۔۔ اپنے گھر کے دھوئیں سے اسے تکلیف نہ دو۔۔۔ اپنے گھر کی چھت پر ایسے نہ چڑھو کہ اس کی بے پردگی ہو۔

پھر ارشاد فرمایا:

أتَدْرُونَ مَا حَقُّ الجارِ؟ وَالّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ، مَا یَبْلغُ حَقَّ الجَارِ إلّا قَلِیلٌ مِمَّنْ رَحِمَ اللّٰہ۔

---

[1] (احیاءالعلوم، جلدثانی)

کیاتم جانتے ہو ہمسایہ کا کیا حق ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ ٔقدرت میں میری جان ہے پڑوسی کا حق تھوڑے لوگ ہی ادا کرسکتے ہیں کہ جن پر اللہ کا رحم ہو۔ [1]

بینہ

واضح رہے کہ حسن معاملات قربِ خداوندی میں بڑے معاون ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر چونکہ نفس پرستی اور خود غرضی کا دور ہے اس لئے مخلوق خدا کے ساتھ بالعموم اور اہلِ حقوق کے ساتھ بالخصوص بے لوث وبلامعاوضہ احسان وشفقت کرنا چاہیئے تاکہ حق تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی رضا نصیب ہو۔اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۹۲ تا ۲۹۴)

اللهم اغفر لكاتبه و لمن سعى فيه و لو الديهم و لا ساتذتهم و لأهل بيتهم اجمعين آمين

[1] (کنز العمال، ج ۹، ص ۵۹، الناشر: مؤسسة الرسالة)

مکتوب نمبر ۱۷۹

[نصیحت میں میر عبد اللہ بن میر محمد نعمان کی طرف صادر ہوا:

میرے فرزند ہمیشہ اپنے نام کی طرح توفیق یافتہ رہیں۔ موسمِ جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے علومِ شرعیہ کی تحصیل اور ان کے مطابق عمل میں مشغول رہیں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ یہ قیمتی عمر بے فائدہ اور لایعنی کاموں میں صَرف نہ ہو۔ اور لہوو لعب میں ضائع نہ ہو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے والد بزرگوار چند روز تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان کے آنے کے متعلق ان کے متعلقین کو خبر دینی ہوگی۔

پدر خویش باش اگر مردی

ترجمہ: اگر مرد ہو تو اپنے باپ بنو، یعنی خود کفیل بنو۔

وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب شریف میر محمد نعمان کے صاحبزادے میر عبد اللہ کی طرف صادر فرمایا میر کے معنی سیّد کے ہیں اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس انہیں فرمارہے ہیں کہ اپنے نام کے مفہوم کی جانب متوجہ ہوں اور اس نام (سیّد) کی عزت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی جوانی کو غنیمت جان کر علمِ دین حاصل کریں اور دن رات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کی تابعداری کریں۔

آج کل ہم سب لہو ولعب میں مشغول ہیں ہمیں چاہیئے کہ ٹیلی ویژن، ڈِش، کمپیوٹر اور موبائل فون وغیرہ جیسی گمراہ کن چیزوں میں اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرکے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناراضگی کو مول نہ لیں، بلکہ اہل سنت وجماعت کے عقائد، فقہ اور اس کے علاوہ جتنے بھی دینی احکامات ہیں اُن کی مکمل طور پر پابندی کریں کیونکہ جوانی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کو چاہیئے کہ ایمان اور نیکی والے اعمال میں اپنے جوانی کے سیاہ بالوں کو سفید کرلیں نہ کہ لہو ولعب کے کاموں میں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ:

مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الإِسْلامِ ، كَتَبَ اللّٰہُ لَهُ بِهَا حَسَنَةً ، وَكَفَّرَ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً ، وَرَفَعَهُ بِهَا دَرَجَةً۔

ترجمہ: جس کا ایک بال بھی اسلام کی پابندی میں سفید ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی وجہ سے ایک نیکی لکھتاہے، اور اس سے ایک گناہ دور کرتاہے، اور اس سے اس کا درجہ بلند کرتاہے۔ [1]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ:

عَلاَمَةُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالیٰ عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُهُ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندے سے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ہوجائے۔ [2]

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیاخوب فرمایاہے کہ:

درجوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

---

[1] (شرح السنةللبغوی، ج ۱۲، ص ۹۵، الناشر: المكتب الإسلامي -دمشق_بيروت)

[2] (سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۳۹۷۶، سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب نمبر ۱۱، حدیث نمبر ۲۳۱۷)

ترجمہ: جوانی اور شباب کے عالم میں توبہ اور گناہوں سے اجتناب کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے (تو اب جسے جوانی میں یہ نعمت مل گئی گویا اُس نے پیغمبروں کی سُنت کو ادا کر لیا کیونکہ) بڑھاپے کی عمر میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے (کیونکہ ناتوانی کے اس دور میں ظلم و زیادتی تو اس کے بس میں نہیں رہتی)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ اس روز اللہ تعالیٰ سات شخصوں کو اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دیں گے: (۱) عادل حاکم، (۲) وہ جوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے نشو و نما پائی ہو، (۳) وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپس مسجد جانے تک اس کا دل اسی میں لگا رہتا ہے، (۴) ایسے دو شخص جو آپس میں اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں اسی محبت کی وجہ سے اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں، (۵) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بھر آئیں، (۶) وہ شخص جسے حسین و جمیل اور حسب نسب والی عورت زنا کے لئے بلائے اور وہ یہ کہہ کر انکار کر دے کہ میں

اللہ سے ڈرتا ہوں، (۷) ایسا شخص جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ [1]

تو ہمیں چاہیئے کہ مندرجہ بالا احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر عمل پیرا ہوں نہ کہ یوں کہنے لگیں کہ یہ نیک اعمال آج کر لیں گے یا کل کر لیں گے۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ سَوْفَ اَفْعَلُ۔

ترجمہ: یہ کام ابھی کرلوں گا کہنے والے ہلاک ہوگئے۔ [2]

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

داديم ترا ز گنج مقصود نشان

گر ما نرسيديم تو شايد برسی

ترجمہ: ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا نشان بتادیا ہے، اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو ہی اس تک پہنچ جائے۔

(دارالمعـــرفت، ج۳)

---

[1] (موطا امام مالک، ج۵، ص ۱۳۸۹، الناشر: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان)

[2] (التنوير شرح الجامع الصغير، حرف التاء، فصل في المحلى بأل من باب التاء المثناة الفوقية، حديث نمبر ۳۳۹۰، ج۵ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بالفاظ التسويف شعار الشيطان يلقيه في قلوب المؤمنين اور حضرت امام دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الفردوس بمأثور الخطاب، باب الالف، ج ۱، حدیث نمبر ۱۵۶۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ اياك والتسويف بالتوبة نقل کی۔ اور مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب النكاح، باب فيمن يدعوها زوجها فتعتل، حدیث نمبر ۷۵۷۱، ج۴ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ لعن الله المسوفات روایت کی ہے۔)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیر نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو نصیحت و تلقین فرما رہے ہیں کہ ایامِ شباب کو غنیمت سمجھ کر صحت و تندرستی پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کر کے علومِ شرعیہ کی تحصیل کرنی چاہیئے اور تحصیلِ علم کے بعد اس کی تعمیل و تبلیغ میں بھرپور کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ سیرت و کردار کی پاکیزگی و پختگی ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے جو عوام الناس کے قلب و نظر میں انقلاب برپا کر کے ان میں عمل کی تحریک و جذبہ پیدا کرتی ہے۔ نتیجتًا ایک صالح اور مہذب معاشرے کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے، جو مخلوقِ خدا کے لئے باعثِ راحت و شفقت ہوتا ہے۔ بصورتِ دیگر داعیانِ حق کے قول و فعل میں تضاد کے باعث ظاہر بین لوگوں کو حق پر آوازے کسنے کا موقع مل جاتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِينَ (یونس ۸۵) جو منافقانہ روش اور دوغلی پالیسی ہے جس کی بناء پر عامۃ الناس علماء و مشائخ سے نفرت کرتے اور شریعت و طریقت کے نظام سے دور بھاگتے ہیں۔ اَلۡعِيَاذُ بِاللهِ سُبۡحَانَهٗ

مکتوب الیہ چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ کے صاحبزادے ہیں، اس لئے آپ انہیں ان کے والد گرامی کی عدم موجودگی میں ان کے مریدین کی خاطر تواضع کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ اسی بناء پر مشائخ کرام کی ظاہری اور جسمانی عدم موجودگی میں بطور نیابت و خلافت جانشینی کا سلسلہ چلا آ رہا ہے، تاکہ آستانوں پر آنے والے مہمانوں اور درویشوں کی ظاہری و باطنی ضیافت کا اہتمام ہوتا رہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۹۷، ۲۹۸)

مکتوب نمبر ۱۸۰

[مخدوم زادہ املنکی یعنی خواجہ ابو القاسم کی طرف صادر فرمایا:

سلسلہ کے پیروں کے بعض اسمائے گرامی کے استفسار میں جن میں تردد پیدا ہوا تھا۔

مخدوم و مکرم! جو کچھ ہمارے حضرت خواجہ یعنی حضرت خواجہ محمد باقی علیہ الرحمۃ سے ہمارے ان پیروں کے اسمائے گرامی کی تحقیق کے بارے میں حضرت خواجہ املنکی اور حضرت خواجہ احرار کے درمیان گزرے ہیں پہنچا ہے یہ ہے کہ ان دو حضرات کے درمیان دو بزرگ گزرے ہیں۔ ایک حضرت خواجہ املنکی کے والدِ بزرگوار حضرت مولانا درویش محمد ہیں۔ اور دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد زاہد ہیں جو حضرت مولانا درویش محمد کے ماموں ہیں۔

چند روز کی بات ہے کہ مشیخیت پناہ خواجہ خاوند محمود ہمارے اس علاقے میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے پہلی ملاقات میں ہی مولانا خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر شروع کر دیا اور کہا کہ مولانا کو کسی سے اجازت نہیں تھی۔ اسی بنا پر ابتداء میں کسی کو مُرید نہیں کرتے تھے۔ اور آخر میں جا کر پیری مُریدی کا سلسلہ شروع کیا۔ انہیں کہا گیا کہ مولانا صاحب بزرگ تھے اور تمام ماوراء النہر کا علاقہ ان کی بزرگی کا قائل ہے۔ وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ بلا اجازت ابتداء عمر یا آخر عمر میں پیری مُریدی کا سلسلہ شروع کرتے۔ ایسا کرنا خیانت میں داخل ہے جس کا ایک ادنٰی مسلمان سے بھی گمان نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اکابرِ دین ایسا کریں۔ اس کے بعد خواجہ خاوند محمود نے کہا کہ ایک روز مولانا درویش محمد صاحب خواجہ کلان دہ بیدی کی خدمت میں حاضر تھے۔ خواجہ کلاں دہ بیدی خربوزہ تناول فرما رہے تھے۔ مولانا نے خربوزہ کھانے کی طلب کا اظہار فرمایا تو خواجہ دہ بیدی نے فرمایا تمہارا خربوزہ مکمل ہو چکا ہے (پختہ ہو چکا ہے) مولانا نے فرمایا آپ گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا

خربوزہ درجۂ کمال کو پہنچ چکا ہے خواجہ کلان دہ بیدی نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خربوزہ درجۂ تمام وکمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس وقت سے مولانا نے مُرید کرنا شروع کر دیا۔ خواجہ خاوند محمود کی یہ نقل وروایت بھی بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات نہیں ہوسکتی کہ مولانا صرف اتنی سی بات سے اپنے آپ کو شیخ تصور کرلیں اور لوگوں کو مُرید بنانے کے درپے ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ محمد خاوند محمود نے فرمایا کہ ان دو بزرگوں کا نام جو حضرت مولانا اور خواجہ احرار کے درمیان نقل کیا جاتا ہے۔ اور دو نام بتائے جاتے ہیں درست نہیں ہیں۔ اور انہوں نے دو اور نام بتائے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ سلوک میں مولانا درویش محمد کی نسبت اپنے ماموں سے نہیں، بلکہ کسی دوسرے شخص سے نسبت ہے، ان کی ان باتوں سے بڑا تعجب ہوا۔ اس ضرورے کے تحت آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ ان دو بزرگوں کے نام کی تحقیق کرکے لکھ بھیجیں تا کہ کسی کو گفتگو کی مجال نہ رہے۔ اور اجازے کی بات لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کی بزرگی ہی اس کا ثقہ اور معتبر گواہ ہے۔ تاہم اگر اجازت کے بارے میں بھی لکھ بھیجیں تو بہتر ہے تا کہ معترضین کی زبان بند ہو جائے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت خواجہ خاوند محمود کا مقصود ان پریشان کُن باتوں سے کیا تھا۔ اگر ان کا مقصود ان باتوں سے ہم بے سرمایہ فقراء کی زور دار طریقہ سے نفی تھی کیونکہ پیر کی نفی مُرید کی نفی کو بلاشبہ مستلزم ہے۔ تو ہم بے سرمایہ لوگوں کی نفی کے بہت طریقے ہیں۔ کیا ضرورت تھی کہ اس غرض کے لئے بزرگوں کی نفی کی جائے۔ اور اگر ان کا مقصود کچھ اور تھا اور صرف ان دو بزرگوں کی نفی مطلوب تھی تو یہ بھی غیر مستحسن ہے۔ جیسا کہ یہ بات ہر اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو تھوڑی بھی سمجھ رکھتا ہے۔ اے اللہ ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بے

شک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔]

تشریح

مراتبِ سلوک کو طے کرتے ہوئے جب تک سالک کمال تک نہیں پہنچتا اس وقت تک نفسانی کدورات سے مکمل چھٹکارا میسر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات سالکینِ طریقت بھی ایک دوسرے کے کان کھینچتے نظر آتے ہیں اور اسی نقطے پر یہ مکتوب شریف بھی صادر کیا گیا ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ایک صوفی بزرگ کی بعض بدگمانیوں کو آشکارا کیا ہے اس سلسلے میں حضرت خواجہ عبد انصاری ہروی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنی مایہ ناز تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار میں ایک حدیثِ مبارکہ بھی نقل کی ہے کہ:

ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شیطان کو دیکھا کہ اس کے کندھے پر پانچ گانٹھیں ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شیطان سے پوچھا کہ اے ابلیس کہاں جارہے ہو اس نے کہا کہ یہ کچھ سودا ہے اور میں اسے فروخت کرنے جارہاہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ان گانٹھوں میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک گٹھڑی میں غرور و تکبر ہے میں اس کے لئے گاہک کی تلاش میں ہوں مگر اس کی زیادہ مانگ زمین داروں میں ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس دوسری گانٹھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس میں ظلم ہے اس کے لئے بھی گاہک کی تلاش میں ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کا گاہک کون ہے؟ اس نے کہا کہ جو لوگ حکومت کی کرسی پر بیٹھے ہوتے ہیں یہ میں ان پر فروخت کرتا ہوں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس تیسری گٹھی

میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس میں قسمیں ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کا گاہک کون ہے؟ اس نے کہا کہ اس گاہک تاجر اور دوکاندار ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس چوتھی گٹھی میں کیا ہے؟ اس نے کہا اس میں کمینہ، بغض اور حسد ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کا گاہک کون ہے؟ اس نے کہا کہ اس کے گاہک علماء اور مشائخ ہوتے ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس پانچویں گٹھی میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس میں زینت وآرائش کی اشیاء ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کا گاہک کون ہے؟ اس نے کہا کہ اس کی گاہک عورتیں ہیں۔

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں جن علماء ومشائخ کا ذکر ہے، وہ وہی لوگ ہیں جو طریقت کی برکات سے یا تو سِرے سے بے بہرہ ہیں یا پھر مکمل طور پر فیض یاب نہیں ہو سکے اس لئے ان میں ایک گونہ نقص باقی رہ گیا لیکن جب انسان مراتبِ کمال کو پہنچ جائے تو پھر اس کا دَامن اس طرح کی آلودگیوں سے صاف ومُزکی ہو جاتا ہے۔

رہی بات حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تو اس سلسلے میں فارسی مکتوبات شریف کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پیدائش سمرقند کے مضافات میں دہشت کے گاؤں میں ہوئی۔ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قریبی عزیزوں میں سے ہیں حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتداء میں حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء سے کسبِ طریقت شروع کیا اور ذکر واذکار میں مشغول رہے مگر بعد میں جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب سُنے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے

سفر پر روانہ ہو گئے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ آپ کے پاس فلاں شخص آرہاہے اس لئے آپ اُس کے استقبال کے لئے جائیں آپ فورًا ان کے استقبال کے لئے اپنی خانقاہ سے باہر تشریف لائے جب حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لے آئے تو دونوں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے چونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتداء میں تلقین حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء سے حاصل کی تھی اس لئے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے تصرفاتِ باطنی سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سارے لطائف تبدیل فرمانے کے ساتھ ساتھ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خلافتِ توجہ اور خلافتِ مطلقہ کی اجازت بھی عنایت فرمائی۔ حضرت خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھانجے تھے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۵ سال کی عمر کچھ زُہد وریاضت کو اختیار فرمایا۔ پھر حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہنمائی سے حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان ہی سے باطنی نسبت کی تکمیل فرما کر ان کے خلفاء میں شامل ہوئے۔

بھلا حضرت خواجہ محمد درویش جیسی بزرگ شخصیت بغیر کسی اجازت کے سلسلے کی ترویج کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الْقُصَّاصُ ثَلَاثَةٌ: أَمِيرٌ، أَوْ مَأْمُورٌ، أَوْ مُخْتَالٌ۔

ترجمہ: وعظ گوئی تین قسم کے لوگ کرسکتے ہیں جو حاکم ہو، یا مامور (یعنی کہ اسے اس کا حکم اور اجازت حاصل ہو)، یا تکبر کرنے والا ہو۔ [1]

اس حدیثِ مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ وعظ و نصیحت اور علم و عمل کی ترغیب تین قسم کے لوگ کریں گے جن میں سے پہلے دو حق پر ہوں گے یعنی اسلامی امیر یا وہ شخص جسے اپنے اساتذہ و مشائخ سے سندِ اجازت ملی ہے اور وہ لوگوں کی رُشد و ہدایت کے لئے مامور ہو جیسے علماء و مشائخ یا اولیاء کرام کا گروہ۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جو طلبِ دُنیا اور عزت و شہرت کے لئے غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر وعظ شروع کردے۔

پس جو لوگ کاملین اولیاء کرام کے فیضِ صحبت کے پروردہ ہوں اور مختلف مشائخ سے خلافتِ مطلقہ کے حامل ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کی دولت سے بھی مُزین ہوں، ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے عزت و احترام والی چیز علم ہے دُنیاوی اسباب نہیں۔

کہا گیا ہے کہ:

شَرَافَتُ الْاِنْسَانِ فِی الْعِلْمِ وَ الْاَدَبِ لَا بِالْمَالِ وَ النَّسَبِ۔

ترجمہ: انسان کی عزت و شرافت علم و ادب سے ہے نہ کہ مال و نسب سے۔

(دارالمعــــرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے شجرۂ طریقت میں مذکورہ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی خلافت و اجازت اور باطنی نسبت پر ایک معترض کے اعتراض کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ ان حضرات کو

---

[1] (مسند احمد، ج ۶، ص ۲۳، الناشر: عالم الکتب - بیروت)

اپنے شیوخ کرام سے باقاعدہ اجازت و خلافت حاصل تھی۔ وہ دونوں حضرات مخزنِ اسرارِ سرمدی حضرت خواجہ محمد زاہد وخشی اور قطب اوحد حضرت خواجہ درویش محمد رحمہا اللہ تعالیٰ ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا اجمالی تذکرہ کردیا جائے تاکہ قارئین کی معلومات میں مزید اضافہ ہو۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

حضرت خواجہ محمد زاہد وخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی محمد زاہد تھا۔ آپ ۱۴ شوال المکرم ۸۵۲ھ بمقام وخش مضافاتِ حصار علاقہ بخارا میں متولد ہوئے۔ آپ قدوۃ العارفین حضرت خواجہ محمد یعقوب چرخی قدس سرہٗ العزیز کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ ابتداء میں خواجہ چرخی کے کسی خلیفہ سے طریقتِ نقشبندیہ کے اذکار واطوار کی تلقین و تعلیم حاصل کرکے گوشہ نشین ہوگئے لیکن جوں ہی قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز کی تربیت وارشاد کا شہرہ سُنا تو آپ فوراً اعزلت نشینی کو خیر بار کہہ کر خواجہ احرار کے آستانہ عالیہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

زاہد بہشت خلوت و دامن زپاکشید
چوں از بہار دامن صحراء بہشت شد

ادھر خواجہ احرار فراست باطنی اور اشارۂ غیبی پاکر آپ کے استقبال کے لئے بمع احباب و مریدین روانہ ہوگئے۔ رستے میں ایک مقام پر درخت کے سائے تلے خواجۂ احرار کی زیارت و قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ خلوت میں اپنے احوال وواردات حضرت خواجہ کے گوش گزار کئے اور بیعت کی درخواست کی تو حضرت خواجہ نے اسی مجلس میں آپ کو توجہاتِ قدسیہ اور تصرفاتِ باطنیہ سے سلوکِ نقشبندیہ کی تکمیل کرواکر خلافتِ مطلقہ اور اجازتِ خاصہ سے نوازا اور وہیں سے رخصت

کر دیا۔ یوں آپ حضرت خواجہ کے ہم آغوش سعادت و کمالات ہو کر واپس لوٹے اور حضرت خواجہ کے خلفاء میں ایک ممتاز مقام پر فائز المرام ہوئے اور اپنے مرشد گرامی کے حسبِ ارشاد طالبانِ طریقت کی تلقین و تعلیم و تربیت میں مشغول ہوگئے۔ آپ فقر و تجرید، زہد و تفرید اور اتباعِ سُنت میں بلند مقامات پر فائز تھے۔ شاہانِ وقت بھی آپ کے باطنی تصرفات اور روحانی کمالات کے معترف تھے بلکہ حاکم وخش تو آپ کا مرید تھا۔ یکم ربیع الاول ۹۴۶ھ بمقام وخش آپ کا وصال مبارک ہوا۔ مزار پر انوار وخش میں مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر تعارف

آپ کا نام نامی درویش محمد تھا۔ آپ حضرت مولانا زاہد وخشی قدس سرہٗ العزیز السر مدی کے حقیقی ہمشیر زادے (بھانجے) خلیفۂ اعظم اور جانشین تھے۔ پندرہ برس تک زہد و ریاضت اور حالتِ تجرید و تفرید میں بیابانوں میں گزارے، پھر حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کی ہدایت پر حضرت خواجہ زاہد قدس سرہٗ العزیز کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے اور ان کی زیرِ نگرانی سلوک کی تکمیل کی اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ آپ اوصاف جذبہ و استغراق سے موصوف اور سخا و عطا میں معروف تھے۔ آپ واقف رموز صوری و معنوی اور جامع علوم ظاہری و باطنی ہونے کی وجہ سے یکتائے روزگار، علوم شرعیہ کے فاضل اجل اور استاذ تھے۔ اور مشائخ نقشبندیہ کی طرح اپنے احوال و کمالات کی پوشیدگی کے لئے علوم ظاہری کی درس و تدریس اور تعلیم و تبلیغ میں مشغول ہوگئے۔ مگر حضرت شیخ نور الدین خوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشارہ سے طالبانِ طریقت تحصیلِ کمالات کی خاطر آپ کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ آپ کے مکشوفات و تصرفات کے مقتدائے زمانہ مشائخ بھی معترف تھے۔ آپ کا مزار فائض الانوار موضع اسفرار متصل شہر سبز علاقہ ماوراء النہر میں مرجع خلائق ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ معترض حضرت خواجہ خاوند محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو جانشین شاہ نقشبند قدوۃ الاخیار حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ العزیز کی اولاد امجاد میں سے تھے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ان کے لئے مشیخیت پناہ کا لقب استعمال فرمایا ہے مگر اس کے باوجود حمیتِ طریقت اور غیرتِ نسبت کی بناء پر ان کا محاسبہ کرتے ہوئے ان کی تھوڑی سی خبر بھی لے لی تاکہ وہ آئندہ اعتراض کرنے سے احتراز کریں۔ علاوہ ازیں آپ نے یارانِ طریقت کو اس بات کا درس بھی دیا ہے کہ اگر کوئی روباہ صفت ہمارے مشائخ کرام پر زبان طعن دراز کرے تو آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بطریقِ احسن اس کی تردید و تغلیط کرنی چاہیئے کہ یہی طریقت و نسبت کی غیرت کا تقاضا ہے۔

عارفِ جامی قدس سرہٗ العزیز نے خوب کہا:

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور

حاشاللہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند

روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ اگر کوئی بدنہاد حرماں نصیب اہل اللہ کی گستاخی اور بے ادبی کرتا ہے تو حق تعالیٰ، صحابہ کرام اور عشاق کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اسے بھی کھری کھری سنا دینا چاہیئے

تاکہ اس پر اس کی حقیقت بھی عیاں ہو جائے اور لوگوں کی نظروں میں وہ ذلیل ورسواء بھی ہو جائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۳۰۲تا۳۰۵)

مکتوب نمبر ۱۸۱

[حضرت مخدوم زادہ یعنی میاں خواجہ محمد صادق (اللہ اسے سلامت رکھے اور محبوں کے سروں پر تادیر اسے قائم رکھے) کی طرف صادر فرمایا:

ان کے اس استفسار کے جواب میں کہ اس کا سبب کیا ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قُربِ الٰہی جل شانہٗ کے مراتب میں کم درجہ رکھتے ہیں حالانکہ مقاماتِ زہد و تقویٰ وغیرہ میں بلند درجات پر فائز ہیں۔ اور مشائخِ کرام کی ایک دوسری جماعت دیکھتا ہوں جو مراتبِ قُرب میں فوقیت رکھتی ہے حالانکہ مقاماتِ مذکورہ میں نیچے ہے، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

میرے فرزندِ ارشد محمد صادق نے دریافت کیا ہے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قُربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے مراتب میں ادنٰی درجہ رکھتی ہے۔ حالانکہ مقامات زہد توکل، صبر و رضا میں ان کے درجات بلند معلوم ہوتے ہیں۔ اور مشائخ کی ایک دوسری جماعت کو دیکھتا ہوں کہ مراتبِ قُرب میں درجہ بلند رکھتی ہے۔ اور مقاماتِ زہد و توکل وغیرہ میں نیچے ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ان مقامات کی اَکملیت یقین کے زیادہ اَتم ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور یقین کا اَتم ہونا جنابِ قُدس خداوندی جل شانہٗ میں زیادہ نزدیکی کے سبب سے ہے۔ پس یہ بات چند اُمور سے خالی نہیں یا تو ہماری کشفی نظر خطا کرتی ہے کہ قریب کو بعید جانتی ہے، اور بعید کو قریب۔ یا ان مقامات کی اَکملیت کا سبب یقین کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ یقین پر مرتب نہیں ہوتا (بلکہ کسی دوسرے اَمر پر ہوتا ہے) ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں یقین پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ جس قدر قُرب زیادہ ہوگا یقین زیادہ ہوگا۔ اور ان مقامات پر اَکملیت کا سبب بھی یقین کا اَتم ہونا ہے۔ کوئی اور امر نہیں اور نظر کشفی بھی صحیح ہے۔ غایہ مافی الباب یہ بات ہے کہ قُرب کا حصول لطائف میں سے سب سے زیادہ

لطیف کا کام ہے۔ پس یقین بھی ان ہی کا حصہ ہو گا۔ اور ان مقامات کی اَکملیت چونکہ یقین کے اَتم ہونے پر مرتب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ ان ہی کو حاصل ہو گی۔ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی بزرگ قلتِ قُرب کے باوجود لطیف ترین لطیفوں کے مقامات میں اقامت گزین ہو۔ اور سب سے ظاہر ترین لطیفے (قالب) کی طرف رجوع نہ کیا ہو۔ اور دوسرے کی بزرگی سے جو زیادہ قُرب رکھتا ہے مقاماتِ مذکورہ میں اس سے اکمل ہو اور لطائف میں سے ظاہر ترین لطیفہ قالب کی طرف رجوع کیا ہو۔ کیونکہ لطیفہ قالب جب اس قُرب سے محروم ہے۔ تو یقین بھی اس کا حصہ نہیں ہے، تو ان مقامات کی اَکملیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور وہ بزرگ جس کا رجوع اس لطیفہ کی طرف ہے اس نے بھی اس لطیفہ کا حکم اختیار کر لیا ہے۔ اور دوسرے لطائف کے یقینات جو پہلے حاصل ہو چکے تھے پوشیدہ ہو چکے ہوں۔ بخلاف اس بزرگ کے جس کا رجوع قالب کی طرف نہیں ہوا۔ اس کا حکم لطیف ترین لطیفہ کا حکم ہے۔ قُرب و یقین اس کے حق میں مضبوط و مستحکم ہو چکا ہے۔ اور روپوش نہیں ہوا، پس لازمی طور پر وہ مقاماتِ مذکورہ میں اَتم واَکمل ہو گا۔]

تشریح

حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے صاحبزادے تھے اور علوم و معارف میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر خصوصی فضل وعنایت تھی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آٹھ سال کی عمر میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی مجلس میں جانے لگے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ یہ مجھ سے تصوف میں ایسے سوالات کرتے تھے کہ بعض اوقات میں حیران ہوتا تھا کہ اس کا کیا جواب دوں اور میں بہت مشکل سے اس کے سوال کا جواب دے پاتا تھا۔ حضرت

خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے یہ استفسار کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض صوفیاء کرام نماز، روزہ، حج اور ریاضت شاقہ میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں مگر وہ مقاماتِ عالی میں نیچے ہوتے ہیں اور بعض صوفیاء کرام اتنی ریاضت شاقہ نہیں کرتے مگر وہ ریاضتِ شاقہ کرنے والوں سے مقاماتِ عالی میں اوپر ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک انسان کا جتنا یقین زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے قُرب بھی زیادہ ہوتا ہے اور مقامات بھی بلند ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسواک کرنے کے ستر فوائد ہیں اب اگر کسی کا یقین پختہ ہے تو وہ مسواک کے فوائد کو ضرور بالضرور حاصل کرلے گا لیکن اس کے برعکس ایک دوسرا شخص ساری عمر عبادت اور ریاضت شاقہ کرتا رہتا ہے مگر جب اس کو مسواک کے فوائد بتائے جائیں تو اس کے دل میں یہ گمان ہوتا ہے کہ اس سے تو صرف دانت صاف ہوتے ہیں، منہ کی بدبُو دور ہوتی ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے فوائد میں اس کے دل میں شک وشبہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ دوسرے فوائد میں اس کے دل میں شک وشبہ ہوتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے یقین میں کمی ہے جبکہ پہلے شخص کا یقین حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرمان پر پختہ ہے اسی لئے اس کا مقام بلند ہوا اور دوسرے نے اپنی عقل سے کام لیا اسی لئے اس کا مقام پہلے شخص سے ادنیٰ اور کم ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ وضو کرنے سے گناہِ صغیرہ دُھل جاتے ہیں تو اُس کے یقین کے مطابق اعلیٰ مقام اور اَجرِ عظیم عنایت کردیا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس کوئی دوسرا شخص

گناہ دُھلنے کو شک کی نظر سے دیکھے گا تو یقین کا اعلیٰ درجہ نہ ہونے کی وجہ سے ادنیٰ مقام کا حقدار ہو گا۔

علیٰ ھذا القیاس

اس سے ثابت ہو گیا کہ ہر کسی کو چاہیئے کہ ابتدائی چیز جو کہ یقین اور عقائد ہیں ان کو درست کرے اگر یہ درست نہ ہوں تو کوئی شخص قُرب کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب ولایت اور قُربِ الٰہی میں اتنا تفاوت ہے تو ایمانیات میں بطریقہ ٔ اولیٰ تفاوت ہو گا۔

ہمارے اور اسلاف کے درمیان بہت فرق ہے حتیٰ کہ قرونِ اولیٰ کے مشرکوں کا یقین بھی ہم سے پختہ اور مضبوط تھا، ابی لہب کے بیٹے کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا تھا:

اللھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِنْ کِلَابِکَ۔

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس (عتبہ بن ابی لہب) پر مسلط کر دے۔[1]

عتبہ اپنے باپ ابی لہب کے پاس آیا اور اسے سارا واقعہ بتایا پھر اُن کا قافلہ شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ ایک راہب اپنے کلیسا سے ان پر جھانکا اس نے کہا: یہ علاقہ درندوں کا ہے۔ ابی لہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے جماعتِ قریش! آج رات ہماری مدد کرنا۔ میں (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دُعا کی وجہ سے اپنے بیٹے کے بارے میں ڈرتا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے اونٹوں کو جمع کیا اور اپنے گرد بٹھا لیا اور عتبہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک شیر ان کے منہ سونگھتا ہوا آیا یہاں تک کہ عتبہ پر وَار کیا اور اسے چیر پھاڑ کر قتل کر دیا۔

---

[1] (سنن الکبریٰ للبیھقی، ج ۵، ص ۳۴۶، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت - لبنان)

غور طلب بات ہے کہ وہ لوگ مشرک تھے مگر پھر بھی ان کا یقین پختہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جو فرمادیا ہے وہ سچ ہے اور ہو کر رہے گا۔ اور ہمارے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی دُنیا اور آخرت میں فلاں فلاں سزا ہے یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے جسم کو ننگا کرے اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی لعنت ہے لیکن آج کل کے حالات آپ کے سامنے ہیں، مسلمان ہونے کے باوجود ہمارا عمل حدیث کے مخالف ہے کیونکہ اگر یقین ہوتا تو ایسے اعمال نہ ہوتے۔ پس جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر پر یقین رکھے اور اس پر عمل پیرا ہو تو اس کا قُرب اور مقام بلند ہوگا اس شخص کے برعکس جو زہد وریاضت تو کرتا ہے مگر ان پر یقینِ کامل نہیں رکھتا۔

بعض سالک اپنی ظاہری شکل کو تو شریعتِ غرّأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری پر پابند کر لیتے ہیں، مگر ان کا باطن ظاہر کی طرح شریعتِ غرّأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تابعدار نہیں ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ صوفی کو چاہیئے کہ اپنے لطائف کی طرف رجوع کرے صوفی کے لطائف میں جتنا یقین اور مشاہدات ہوتے ہیں وہ قلب پر نہیں ہوسکتے۔ اسی لئے جب مشائخ کرام اپنے مُریدین کو تلقینِ ذکر کرتے ہیں تو توجہ کی طاقت سے اُن کے لطائف کو تلقین کرتے ہیں تاکہ ان کا یقین پختہ ہو جائے تو اس لئے جس صوفی کا یقین اور مشاہدات لطائف کی وجہ سے پختہ ہو جائیں، اس کی روح عروجات میں بعض اشیاء کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے اور جب رجوع کرتی ہے تو وہ صوفی ظاہر میں عام انسانوں کی طرح نظر آتا ہے، لیکن باطن میں کمال رکھتا ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک سوال کا جواب مرحمت فرمارہے ہیں جس میں مکتوب الیہ نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ بعض مشائخ مراتبِ قرب میں تو ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں مگر مقاماتِ عشرہ میں اعلیٰ درجات پر فائز ہوتے ہیں جبکہ بعض مشائخ کرام مراتبِ قُرب میں اعلیٰ درجات پر متمکن ہوتے ہیں مگر مقاماتِ عشرہ میں کم درجہ رکھتے ہیں۔۔۔ آیا میرا کشف درست نہیں یا مقاماتِ قرب ویقین پر منحصر نہیں۔

آپ مکتوب الیہ کے کشف کو درست قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرب ویقین کا انحصار مقاماتِ عشرہ پر ہی ہے جو سالکین اقرب ہوتے ہیں وہی اکمل ہوتے ہیں، اور جو سالکین اقرب نہیں ہوتے وہ اکمل بھی نہیں ہوتے۔ دراصل دورانِ سلوک سالکینِ طریقت کو فناوبقا اور عروج ونزول کی منازل و مدارج سے گزرنا پڑتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا قُرب فناوغیرہا کے بغیر نصیب نہیں ہوتا اور فنا، مقاماتِ عشرہ (توبہ، توکل، صبر ورضاوغیرہا) کے بغیر متحقق نہیں ہوتی، فلہٰذا سالکین کو مقاماتِ عشرہ میں جتنا زیادہ ملکہ ورسوخ حاصل ہوتا جاتا ہے اتنا ہی مراتبِ قرب میں انہیں کمال حاصل ہوتا جاتا ہے۔ البتہ عروجی منازل میں سالکین مقاماتِ عشرہ کے حصول ورسوخ میں زیادہ کوشش کرتے ہیں تاکہ معاملہ صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جائے۔ نزولی مدارج میں مقاماتِ عشرہ کی حقیقت حاصل ہونے کی بناء پر بظاہر سالکین ان کا التزام کم کرتے معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقتًا اقربیت کے درجہ پر فائز المرام ہوتے ہیں۔ اس قسم کے سالکین کو ولی را ولی می شناسد کے مصداق اہل اللہ ہی پہچان سکتے ہیں۔ عامۃ الناس عدم شناخت کی بناء پر ان پر اعتراض بھی زیادہ کرتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے انہیں ناقص سمجھتے ہیں۔

بینہ

واضح رہے کہ اولیائے مرجوعین اور صوفیائے کاملین ہمیشہ علماء کے روپ میں ہوتے ہیں جو وعظ و تبلیغ اور درس و تعلیم کے ذریعے لوگوں کے قلب و نظر میں انقلاب برپا کر کے انہیں واصل باللہ کرتے ہیں۔ غوث الثقلین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی، قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم اسی قبیل کے معروف اولیاء ہوئے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۱۲، ۳۱۳)

[لیکن جاننا چاہیئے کہ صاحبِ رجوع جس طرح قُرب و یقین میں اکمل ہے۔ مقامات میں بھی اَکمل ہے، لیکن اس کے ان کمالات کو پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اور دعوتِ خلق کی خاطر اور مخلوق کے ساتھ حصولِ مناسبت کے لئے جو فائدہ دینے اور فائدہ حاصل کرنے کا سبب ہے، اس کے ظاہر کو عوام الناس کے ظاہر کی طرح کر دیا گیا ہے۔ اصل کے اعتبار سے یہ مقام انبیاء مرسل کا ہے۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔ اس لئے حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اطمینانِ قلب طلب کیا۔ اور یقین کے حصول میں عوام الناس کی طرح آنکھ سے دیکھنے کے محتاج ہوئے۔

اور حضرت عزیر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

أَنَّى يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (البقرۃ ۲۵۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بستی کو دوبارہ کیسے زندگی عطا کرے گا۔

اور جس نے رجوع نہیں کیا اس نے اپنے یقین سے یوں کہا کہ اگر پردہ اٹھ جائے تو بھی میرے یقین میں مزید اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا کلام ہے تو اس پر محمول کرنا چاہیئے کہ یہ آپ کا رجوع الی الخلق سے پہلے کا کلام ہے۔ کیونکہ رجوع کے

بعد صاحبِ رجوع عامۃ الناس کی طرح حصولِ یقین میں دلائل وبراہین کا محتاج ہوتا ہے۔ اس درویش کے لئے رجوع سے قبل علمِ کلام کے تمام معتقدات بدیہی ہوچکے تھے۔ اور محسوسات سے زیادہ ان کا یقین تھا۔ لیکن رجوع کے بعد وہ یقین روپوش ہوگیا تھا، اور عامۃ الناس کی طرح دلائل وبراہین کا محتاج ہوگیا۔

چنانکہ پرورشم میدہند میرویم

ترجمہ: میری جس طرح پرورش کرتے ہیں میں اسی طرح بڑھتا اور نمودار ہوتا ہوں۔

والسلام]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَکَ سَعْيًا (البقرۃ ۲۶۰)

ترجمہ: اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھادے تو کیوں کر مُردے جِلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلالے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بُلاوہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے۔

اور اسی طرح جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى

طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرة ۲۵۹)

ترجمہ: یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھئی (گری) پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اسے کیوں کر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم فرمایا نہیں بلکہ تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بو نہ لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ (کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ اس لیے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیوں کر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

مندرجہ بالا بیانات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کیا اور پھر جب واپس رجوع کیا تو دوسرے انسانوں کی طرح کھانے پینے اور دُنیا میں بود وباش کے محتاج تھے مگر دوسرے انسانوں کی بہ نسبت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یقین میں زیادہ پختہ اور مضبوط تھے اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اَلطف لطائف پر مشرف تھے اور ہم لوگ قالبِ بدن پر اگر ہمارا ایک لطیفہ بھی ذاکر ہو جائے تو اس میں جتنا یقین متمکن ہوتا ہے اسی اندازے سے مقامات بھی بلند ہوتے جاتے ہیں۔

(دار المعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ عروجی منازل میں کشف وشہود کی کثرت ہوتی ہے، بنابریں سالکینِ طریقت عامۃ الناس میں ممتاز معلوم ہوتے ہیں جبکہ

نزولی مدارج میں یقین و قرب پوشیدہ ہو جاتے ہیں اس لئے وہ عامۃ الناس کی مانند دلائل وشواہد کے محتاج ہوتے ہیں۔ دراصل یہ نبوت ورسالت کا مقام ہے۔ جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام یقین کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے باوجود دلائل وبراہین کے خواہاں ہوئے تاکہ اطمینانِ قلب میسر ہو جائے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي (البقرة٢٦٠)

ترجمہ: اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھا دے تو کیوں کر مُردے جِلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔

حضرت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

وذلک أن الاستفهام بکیف إنما هو سؤال عن حالة شيء موجود متقرر الوجود عند السائل والمسؤول۔

ترجمہ: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بات میں ہرگز متردد نہیں تھے کیونکہ کیف سے سوال ہو رہا ہے اور کیف سے سوال اس موجود شئ کی حالت دریافت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، جس کا وجود سائل اور مسئول دونوں کے نزدیک یقینی ہوتا ہے۔[1]

ایسے ہی حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام نے بھی حصولِ یقین کے باوصف حق تعالیٰ سے دلائل کا مطالبہ کیا تھا۔

---

[1](الجامع لاحکام القرآن، ج٣، ص ٢٩٩، الناشر: دار عالم الکتب، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول گرامی: لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا (اگر غیبی اشیاء سے حجابات اٹھادیئے جائیں پھر بھی میرا یقین زیادہ نہیں ہوگا) تکمیلی مراتب سے قبل عروجی منازل سے تعلق رکھتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ عروجی منازل میں جملہ عقائد کلامیہ ہم پر بدیہی تھے اور ان معتقدات کے متعلق یقین محسوسات کے یقین سے بھی زیادہ تھا، مگر نزولی مدارج میں وہ یقین مستور ہو گیا اب ہم بھی عامۃ الناس کی مانند دلائل کے محتاج ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۱۴ تا ۳۱۶)

مکتوب نمبر ۱۸۲

[مُلّا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا:

حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی حدیثِ پاک کے بیان میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنھوں نے بُرے خیالات اور وسوسے آنے کی شکایت کی تھی، فرمایا: ذٰلِکَ مِنْ کَمَالِ الْاِیْمَانِ (یہ چیز کمالِ ایمان میں سے ہے) اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی کہ طالبوں کے وسوسوں اور خطرات کی بات چل پڑی۔ اس ضمن میں ایک حدیث ذکر ہوئی کہ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعض اصحاب نے آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بُرے خیالات اور وسوسوں کی شکایت کی۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

ذَلِکَ مِنْ کَمَالِ الْإِیمَانِ۔

ترجمہ: یہ چیز کمالِ ایمان میں سے ہے۔[1]

اس وقت اس فقیر کے دل میں حدیث پاک کے یہ معنیٰ آئے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال۔ کمالِ ایمان کمالِ یقین سے عبارت ہے۔ اور کمالِ یقین کمالِ قُرب پر مرتب ہوتا ہے۔ اور جس قدر قلب اور اس سے اوپر کے لطائف کو قُربِ الٰہی جل شانہٗ زیادہ حاصل ہوگا۔ ایمان ویقین میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور قالب سے اس کی بے تعلقی اور بڑھ جائے گی۔ اس وقت دل میں خطرات زیادہ مقدار میں ظہور پزیر ہوں گے۔ اور نامناسب وسوسے آئیں گے۔ لہٰذا بُرے خطرات کا سبب

---

[1](مرقاۃالمفاتیح،ج۸،ص ۳۲۰۹،الناشر:دارالفکر،بیروت-لبنان)

کمالِ ایمان ہے۔ تونہایۃ النہایۃ کے منتہی حضرات کو جس قدر بُرے خطرات زیادہ تر اور نامناسب ہوں گے ایمان کی اکملیت بھی زیادہ ہو گی۔ کیونکہ کمالِ ایمان الطف لطائف کی لطیفۂ قلب کے ساتھ مکمل بے مناسبتی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہ بے مناسبتی جس قدر زیادہ ہو گی قالب زیادہ خالی ہو گا۔ اور ظلمت و کدورت کے زیادہ نزدیک ہو گا، اور اس پر وساوس و خطرات کا ورود زیادہ ہو گا۔ لیکن مبتدی اور متوسط کا یہ حال نہیں اس لئے اس طرح کے وساوس زہرِ قاتل ہیں اس کے باطنی مرض کو زیادہ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا بات سمجھنے میں کوتاہی کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ یہ معرفت اس درویش کے دقیق معارف میں سے ہے۔ اور ہر متبعِ ہدایت اور متابعتِ مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہو۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جو حدیثِ مبارکہ بیان فرمائی ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

أن رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم سألوا رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الوسوسة التي يوسوس بها الشيطان في أنفسهم فقالوا: يا رسول الله أشياء نجدها في أنفسنا يسقط أحدنا من عن الثريا أحب إليه من أن يتكلم به فقال النبي صلى الله عليه و سلم: أو جدتم ذلک؟ ذاک صريح الإيمان إن الشيطان يريد أن يوقع العبد فيما دون ذلک فإذا عصم منه وقع فيما هنالک۔

قال البيهقي رحمه الله و إنما الإيمان اغتمامه بما وقع في قلبه مما لا طاقة له بدفعه و كراهيته له و إشفاقه محبة و بالله العصمة۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے اُس وسوسہ کے بارے میں سوال کیا جسے شیطان ان کے دِلوں میں ڈالتا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہم لوگ اپنے نفسوں میں اور دِلوں میں ایسے ایسے خیال پاتے ہیں کہ اگر ہم ثریا ستارے پر جا کر نیچے گر جائیں (اور ہلاک ہو جائیں) تو یہ ہمیں پسند ہو گا، مگر اس وسوسے کا زبان پر لانا ہمیں پسند نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے پوچھا: کیا تم واقعی ایسے ایسے خیالات پاتے ہو؟ یہ تو صریح ایمان ہے (کہ بُری بات کر جانا تو در کنار، اس کو زبان پر لانا بھی اس قدر محسوس ہو) بے شک شیطان یہ چاہتا ہے کہ وہ بندے کو ایسی ایسی بُرائی میں واقع کر دے، مگر جب بندہ ایسی بُرائی سے محفوظ رہتا ہے تو پھر وہ اسی بُرے خیال میں کر دیتا ہے۔[1]

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بے شک کسی انسان کو دل بُرے خیال کے آنے پر غمگین ہو جاتا ہے جو کہ انسان کے اپنے اختیار سے نہیں آیا۔ اور جس کے روکنے پر وہ قادر بھی نہیں ہوتا اور ایسے بُرے خیال سے کراہیت کرنا اور اس سے ڈرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور حفاظت تو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

وساوس کے بھی محل اور درجات ہیں:

اول اس شخص کا وسوسہ جو اسلام میں داخل نہ ہو لیکن اس کی طرف مائل ہو، اس کو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ آپ کیوں اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) کہ اسلام تو ایک بے فائدہ دین ہے اور اسلام میں تکالیف، سختیاں اور پابندیاں بھی بہت زیادہ ہیں۔ تو اس قسم کے

---

[1](شعب الایمان، ج ۱، ص ۳۰۳، الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت)

وسوسہ کو کفری وسوسہ کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں جس وسوسہ کے بارے میں بیان ہوا ہے اس کی اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی مطابقت نہیں ہے کیونکہ ایسا وسوسہ کمالِ ایمان نہیں بلکہ کفری وسوسہ ہے۔

دوسرا وسوسہ مبتدی و متوسط مسلمان کا ہوتا ہے شیطان اس کو وسوسہ ڈالتا ہے کہ آپ دن رات نمازیں پڑھتے رہے ہیں ان کے کیا فوائد ہیں اس سے تو بہتر ہے کہ آپ ورزش کیا کریں تو آپ کی صحت اچھی رہے گی یا روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ جیسی عبادات میں کیا فوائد ہیں؟ یا ایک مبتدی سالک کے دِل میں شیطان وسوسہ ڈال کر شیخ سے دُور کرنا چاہتا ہے اور ذِکر واَذکار کے وقت مختلف قسم کے خیالات میں ڈال کر ذِکر سے محروم کر دیتا ہے۔ ایسے سب وساوس گمراہی کا سبب اور زہرِ قاتل ہوتے ہیں۔ کیونکہ نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ وغیرہ جیسی عبادات کا ادا کرنا اور ذِکر میں مشغول رہنا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم پر ہے اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان بغیر کسی دلائل کے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کے آگے سر جھکاتے ہیں۔

تیسرا جس شخص کا ایمان کامل و مکمل ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں کہ ان کا یقین کامل اور پختہ تھا اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے اور صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے لوگوں سے اس کا تذکرہ فرمایا تو کچھ ضعف الایمان لوگ اس پر مُرتد ہو گئے اور کچھ مشرکین دوڑ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ کہنے لگے کچھ اپنے یار اور رفیق کی بھی خبر ہے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ وہ (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) فرماتے ہیں کہ آج رات مجھے بیت المقدس لے جایا گیا اور پھر آسمان اور جنت ودوزخ کی سیر کروائی گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

دریافت کیا کہ کیا یقیناً ایسا فرماتے ہیں؟ مشرکین نے کہاہاں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر تو وہ جو کچھ فرماتے ہیں ٹھیک ہی فرماتے ہیں۔ میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں۔ مشرکین کہنے لگے کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ رات کو (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبح سے پہلے یہاں واپس تشریف بھی لے آئے۔ انہوں نے فرمایاہاں۔ میں تو اس سے بعید باتوں کی بھی تصدیق کرتا ہوں چنانچہ اسی دن سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالقب "صدیق" مشہور ہو گیا۔

اب اگر مبتدی و متوسط صوفی یا مبتدی و متوسط مسلمان کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اسے فوراً اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرنی چاہیئے اور دُعا کرنی چاہیئے کہ یا اللہ! مجھ سے ان وساوس کو دور فرما اور شیطان کو مجھ پر کامیابی عطانہ فرما۔ مختصر یہ کہ ہمیں اپنی سوچ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مساوی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وساوس مفید تھے جبکہ ہمارے وساوس گمراہی اور زہرِ قاتل ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان وساوس کو دور کرنے کاذریعہ کیاہو گا؟ جواباًعرض ہے کہ اگر کسی کو نماز میں وساوس آئیں تو اسے چاہیئے کہ اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو تا کہ وساوس دور ہو جائیں اور اگر کسی کو ذکر واذکار کرنے کے دوران وساوس پیدا ہوں تو اسے چاہیئے کہ اپنے ذکر واذکار میں مشغول رہے اور اپنے قلب پر اللہ کی ضرب لگاتا رہے کیونکہ قلب پر اللہ کی ضرب لگانے سے وساوس دور ہو جاتے ہیں۔ نیز لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کا تکرار وساوسِ شیطانی سے بچنے کے لئے قوی ہتھیار ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بُرائیوں سے بُرے خیالات سے ہم سب کی حفاظت فرمائے اور اپنے خصوصی فضل وکرم سے ہماری مغفرت فرمائے اور آخرت میں عذابِ جہنم سے بچائے اور دخولِ جنت سے سرفراز فرمائے، آمین یارب العالمین!

(دارالمعــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک حدیث کی عارفانہ انداز میں الہامی تشریح فرمارہے ہیں کہ سالکینِ طریقت جب کسی شیخ کامل مکمل کے زیرِ ہدایت وتربیت سلوک طے کرتے ہیں تو شیخ کی توجہاتِ قدسیہ، اذکار واوراد اور سنت وشریعت کی پابندی کے باعث ان کے عالمِ اَمر کے جواہرِ خمسہ کی تطہیر وتنویر ہو جاتی ہے، اس لئے وہ عالمِ بالا کی طرف متوجہ وملتفت ہو جاتے ہیں اور اپنی لطافت ونورانیت کی بدولت عالم وجوب کی طرف پرواز کر جاتے ہیں۔ جتنا قرب زیادہ ہو گا اتنا ہی یقین وایمان کامل ہو گا جبکہ قالب میں کثافت وثقالت کی وجہ سے ظلمت وکدورت رہ جاتی ہے اس لئے اس پر شیطانی وساوس اور نفسانی خطرات کا غلبہ شروع ہو جاتا ہے۔یوں لطائف خمسہ کی تکمیل وتطہیر کے بعد شیطانی حملوں سے محفوظ ہو جانا کمالِ ایمان ہے جس کا تذکرہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: ذَلِکَ مِنْ کَمَالِ الْإِیمَانِ۔[1] میں فرمایا گیاہے۔

[1](مرقاۃالمفاتیح،ج۸،ص ۳۲۰۹،الناشر:دارالفکر،بیروت-لبنان)

بینات

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ار قام پذیر ہیں کہ سالکینِ طریقت کی طرح اہلِ ایمان کی بھی تین اقسام ہیں:

۱۔ مبتدی　　　۲۔ متوسط　　　۳۔ منتہی

مذکورہ بالا حدیث شریف میں منتہی اہلِ ایمان کا ذکر ہے جن کے لئے قلبی خطرات اور صدری وساوس نقصان دہ نہیں ہوتے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پہلی صحبت میں ہی وہ کمالات میسر ہو جاتے تھے جو اولیائے امت کو شاید ہی انتہاء میں میسر ہوتے ہوں۔

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں:

صحابہ کرام۔۔۔۔ را در اول صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات آن کمالات می شد کہ اولیائے اُمت را در نہایت شاید میسر شود۔[1]

البتہ مبتدی اور متوسط سالکین کے لئے وساوس وخطرات زہرِ قاتل ہیں اس لئے انہیں استغفار، کلمہ طیبہ، تیسرا کلمہ، آیۃ الکرسی اور معوذتین کی کثرت کرنی چاہیئے۔

* صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب شیطانی وساوس پیدا ہوں تو سالکین کو باطن پر اسم اللہ کی ضرب لگانی چاہیئے تاکہ شیطان کا حملہ اثر انداز نہ ہو، یوں بار بار ضربیں لگانے سے شیطانی حملے کمزور اور ناپید ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اہل اللہ کی صحبت ومعیت لازم ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبۃ ۱۱۹) سے عیاں ہے۔ لیکن یہ اوراد اذکار اور ضربیں اسی وقت کارآمد اور فائدہ

---

[1] (دفتر اول، مکتوب نمبر ۹۰)

بخش ثابت ہوتی ہیں جب سالکین اخلاص نیت اور صدقِ دل کے ساتھ یہ امور سرانجام دیتے ہیں۔ ورنہ وساوس وخیالات سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا۔ بقول کسے:

برزباں تسبیح ودر دل گاؤ خر

* واضح رہے کہ وہ صوفیاء کرام جن کے لطائف خمسہ کی تطہیر وتکمیل ہو جاتی ہے مگر صدری وساوس اور قلبی خطرات ان کے قالب پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس قسم کے اہلِ تطہیر صوفیاء اول تو گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں یا گناہ کرتے کرتے بچ جاتے ہیں۔ اگر کبھی ان سے گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔

* یہ امر ذہن نشین رہے کہ وساوس وخطرات سے نجات حاصل کرنے کے لئے سالکینِ طریقت کو اعمال واذکار کے دوران ان کے معانی ومفاہیم ملحوظ رکھنے چاہئیں تا کہ حق تعالیٰ کے جمال وجلال اور عظمت وکبریائی کا استحضار رہے۔ ایسا کرنے سے انوار وتجلیات کا ورود اور عجز ونیاز پیدا ہوتا ہے یوں خیالات منتشر نہیں ہوتے بلکہ ارتکازِ توجہ نصیب ہوتی ہے۔

* جونہی وسوسہ آئے تو اسے فوراً جھٹک کر استغفار وتلاوت ودیگر اذکار میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔

* وضو اور غسل سے بھی وسوسوں سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔

* اہل اللہ کی صحبت میں حاضر ہو جانا چاہیئے جنہیں حق تعالیٰ کی طرف سے ردائے حفاظت نصیب ہوتی ہے تا کہ سالکین بھی حفاظت کے حصار میں آ جائیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۲۰ تا ۳۲۳)

مکتوب نمبر ۱۸۳

[مُلّا معصوم کابلی کی طرف صادر فرمایا:
نصیحت کی باتوں میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستے پر استقامت عطا فرما کر کلیۃ اپنی جنابِ قدس کا گرفتار بنائے۔ امید ہے کہ مختلف تعلقات اور پراگندہ توجہات جنہوں نے ظاہر پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہے باطنی نسبت میں مانع نہیں ہوں گی۔ اس کے باوجود سعی و کوشش کریں کہ ظاہری پراگندگی میں بھی تخفیف ہو۔ ایسا نہ ہو کہ باطن تک بھی سرایت کر جائے۔ اور مطلب تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جائے، عِیَاذًا بِاللهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِکَ (اس سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ) اور دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے اس لائق نہیں کہ اپنی قیمتی عمر صَرف کر کے اس کو حاصل کرے، بتانا شرط ہے۔ خوابِ خرگوش میں کب تک رہو گے۔

ای سرائے و باغِ تُو زندانِ تو
خان و مانِ تُو بلائے جانِ تو

ترجمہ: اے شخص تیرے سرائے اور تیرا باغ تیرے لئے قید خانہ ہے (تو اس کی محبت میں گرفتار ہے) تیرا مال و متاع تیرے لئے وبالِ جان ہے۔

موت سے پہلے اگر کام کر لیا تو فبہا ورنہ خرابی ہی خرابی ہے۔ باطنی سبق کو عزیز جاننا چاہیئے، اور جو کچھ اس کے منافی ہے اسے دُشمن سمجھنا چاہیئے۔

ہر چہ جُز عشقِ خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کندن است

ترجمہ: خدائے احسن کے عشق ومحبت کے سوا جو کچھ ہے چاہے شکر کھانے کا فعل ہی کیوں نہ ہو جان کو ہلاک ہی کرنا ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدة ۹۹)

ترجمہ: قاصد پر صرف پیغام پہنچانا ضروری ہے۔

وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مکاتیب میں کوئی مکتوب ایسا نہیں ہے جس میں انہوں نے ظاہر وباطن کی اصلاح پر زور نہ دیا ہو۔ اگر بالفرض کوئی دوسری کتاب زیرِ مطالعہ نہ بھی ہو تو صرف مکتوباتِ ہذا بھی ایک طالبِ صادق کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ایمان کا راستہ دکھانے اور حق وباطل میں امتیاز کرنے کے لئے کافی ہیں۔ زیرِ نظر مکتوب کا بھی لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ جو مُرید صادق ہو وہ اپنے وقت کو غنیمت جان کر اس کو دُنیا کی محبت اور جاہ وجلال میں ضائع نہیں کرتا بلکہ شریعتِ غرآ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پابندی کے ساتھ ساتھ شیخ کی طرف سے ملنے والے اذکار کی بھی پابندی کرتا ہے۔ اور ماسوا کو بھول کر صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر دُنیا اور جاہ وجلال کی محبت ظاہر پر اثر انداز ہو رہی ہے تو اس کا فوراً ازالہ کرنا ضروری ہے ورنہ یہ باطن میں سرایت کرکے خرابی کا باعث بن جائے گی۔

دورِ حاضر میں لوگ پیری مُریدی اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی دُنیا، جاہ وجلال، من پسند شادی، اولاد اور مالی وجانی مشکلات حل ہو جائیں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے مُرید کو ان سب کے برعکس فرمارہے ہیں کہ جب صادق مُرید اپنے پیر کے پاس جائے تو اس نیت سے

جائے کہ میں ان سے عقائد، فقہ اور دینِ اسلام کے دیگر احکامات اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دوستی اور سلامتیٔ ایمان کی طلب لے کر جارہاہوں نیز باطن کی اصلاح کا طالب ہو۔یہی اصل تصوف ہے۔

(دارالمعرفت،ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی تلقین و تعلیم فرمارہے ہیں کہ سالکینِ طریقت کو ابتدائے سلوک میں قصداً دنیوی تعلقات میں مشغولیت سے قدرے کنارہ کش رہنا چاہیئے تاکہ قلبی توجہات کو ارتکاز اور باطنی نسبت کو استحکام میسر ہو۔ بصورتِ دیگر دنیوی اُمور میں کلیۃً مصروفیت نسبت کے لئے باعثِ ضرر ہوتی ہے جو بالآخر تدریجاً سلب ہو جاتی ہے۔یوں انسان گمراہی و بے ہودگی کی اتہاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللہِ سُبْحَانَہٗ

البتہ اسباقِ طریقت کے تکرار سے شیخ کی نسبت منتقل و مستحکم ہوتی رہتی ہے۔ اپنے سلسلۂ طریقت کے ساتھ گہری وابستگی، لگاؤ، وفا اور غیرت، نسبت کے پختہ ہونے کی علامت و شرط ہے جو زندگی میں پیش آمدہ حوادث و مصائب میں دستگیری کرتی ہے اور قبر و حشر میں بھی مدد و معاون ثابت ہوگی۔(ان شاء اللہ تعالیٰ)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم

خاکے شوم و بزیرِ پائے تو زیم

مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی

از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۲۷، ۳۲۸)

مکتوب نمبر ۱۸۴

[قلیج اللہ کی طرف صادر فرمایا:

حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت کی ترغیب میں۔

میرے فرزند عزیز کا مکتوبِ مرغوب جو محبت واخلاص سے تحریر فرمایا تھا، میر سیّد خواجہ نے پہنچایا۔ فرحت کا مؤجب ہوا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے پسندیدہ کاموں کے کرنے کی توفیق عطا کرے، بحرمت النبی اور بحرمت آپ کی بزرگ آل کے علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا۔

اے فرزند جو کچھ کل کام آئے گا وہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت ہے۔ احوال ومواجید، علوم ومعارف، اشارات ورموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو فبہا۔ اور بہت اچھے ہیں ورنہ استدراج اور خرابی کے سوا کچھ نہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا، اور ان کا حال پوچھا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں کہا حقائق ومعارف کے بیان میں سب مہارتیں بے کار گئیں، اشارات فنا ہو گئے اور نصف رات کے وقت جو رکعات ہم پڑھتے تھے ان کے سوا کسی شے نے ہم کو نفع نہ دیا۔ تو تم پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت اختیار کرنا لازم ہے۔ اور قولاً، عملاً، اعتقاداً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کی مخالفت سے بچنا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت سراسر برکت ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مخالفت نحوست اور بربادی ہے۔

جو رسالہ آپ نے ارسال فرمایا تھا موصول ہوا۔ بعض مقامات سے اس کا مطالعہ کیا بہت پسند آیا۔ لیکن اگر اور کام تصنیف و تالیف سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے اس میں مشغول و مصروف ہونا زیادہ مناسب اور زیادہ اولیٰ ہے۔وَ السَّلَام]

تشریح

ایک مسلمان پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کے آگے کسی چون وچرا کے بغیر سر جھکانا یعنی تسلیم کرنا ضروری ہے۔ دورِ حاضر میں اس طرح کے لوگ بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اَوامر کی اطاعت تو کرتے ہیں مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کی اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتے (نعوذ باللہ من ذلک) یہ لوگ خود کو فرقہ ٔ قرآنیہ کہتے ہیں تو ایسے شخص پر مسلم کا لفظ لاگو نہیں ہوتا، اس لئے کہ مسلمان کے معنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کے آگے بغیر کسی چون وچرا کے سر جھکانے کے ہیں۔

قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ:

وَ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ (المائدۃ ۹۲)

ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر کو ماننے کے ساتھ ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کا ماننا بھی واجب ہے۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کے علاوہ اور کسی کی اطاعت نہیں کرتے ان لوگوں نے قرآن عظیم الشان کو صحیح معنوں میں نہیں سمجھا۔

کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ: حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

وَأُولِي الْأَمْرِ کا لفظ فقہاء، علماء اور مشائخ کرام کو رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی بدرجۂ اولیٰ شامل ہے، کیونکہ یہی گروہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ و حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکام کا امین ہے۔ ابن جریر اور حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ وَأُولِي الْأَمْرِ فقہ اور دین والے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے وَأُولِي الْأَمْرِ میں اہلِ علم والے ہیں۔ ابن ابی شیبہ اور حاکم وغیرہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابو العالیہ اور مجاہد کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خود ہی فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء ۸۳)

ترجمہ: اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اُس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بات میں کاوش کرتے ہیں۔

یعنی عقل مند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کی طرف رجوع کرتے۔ چونکہ یہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی

صحبت کی بدولت معاملات میں بصیرت رکھتے تھے اس لئے ان کو وَ أُولِي الْأَمْرِ فرمایا۔ یہ وجہ کہ اکثر اوقات ان ہی میں سے امیر بنائے جاتے تھے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کو کوئی حکم دینے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان سے مشورہ لے لیا کرتے یا وَ أُولِي الْأَمْرِ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے لوگوں کو ان کی اقتداء کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ (زمین والوں میں سے) میرے دو وزیر حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ان دونوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہوں گے ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اب اگر کوئی شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو پھر اس کے لئے ان لوگوں کی اطاعت کرنی بھی ضروری ہے جنھوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کی ہے۔ کیونکہ ہمیں ان ہی لوگوں کی وجہ سے دینِ اسلام کی باریکیوں اور مسائل سے آگاہی ہوئی ہے۔

لہٰذا اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ہم پر شریعتِ غرّاً محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تابعداری کرنا ضروری ہے۔

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد کا واقعہ بیان فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ آخرت میں کشف و شہود یا مقامات کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ آپ نے نماز کی پابندی کی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نمازِ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین اور صلوٰۃ تسبیح ادا فرماتے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھی کبھی پڑھی ہے یا نہیں کیونکہ جس کسی نے بھی دولتِ سعادت پائی ہے رات ہی کے وقت پائی ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

دولتِ شب گیر خواہی خیز و شب را زندہ دار

خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداران رسد

ترجمہ: اگر تورات کو دولت لوٹنا چاہتا ہے تو تمہیں چاہیئے کہ بیداری سے رات کو زندہ کرو، کیونکہ سوئے ہوئے اندھوں کی طرح ہوتے ہیں اور جو لوگ جاگتے ہیں وہ (سعادت کی) ساری دولت لوٹ کر لے جاتے ہیں۔

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات پر کاربند اور اسباقِ طریقت کا پابند رہنے کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ دراصل دورانِ سلوک سالکینِ طریقت پر سنت و شریعت اور اوراد و وظائف کی بدولت حقائق و معارف کا انکشاف اور کیفیات و احوال کا ورود ہوتا ہے، جو ان کی معلومات میں مزید اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ جن کو اہل اللہ یارانِ طریقت میں بیان کرتے اور کتب میں تحریر بھی فرما دیتے ہیں۔ بسا اوقات سالکین ان اسرار و اشارات میں اس قدر مشغول ہو جاتے ہیں کہ منزلِ مقصود سے توجہ ہٹ جاتی ہے جو ان کے لئے خسارے کا باعث بنتی

ہے۔ چونکہ اس قسم کے اسرار و حقائق اطفال طریقت کے لئے کھلونوں کی حیثیت رکھتے ہیں، بنابریں طالبانِ طریقت کو انہیں نا قابلِ اعتبار و اعتماد سمجھ کر شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پابندی کرنی چاہیئے۔

بقول شاعر:

کار کن بگزراز گفتار

کاندریں راہ کار دارد کار

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ اگر دورانِ سلوک احوال ومواجید میسر نہ بھی ہوں محض سنت وشریعت کی پابندی اور اپنے مرشد ومربی کی محبت ہی سالک کے قلب میں مؤجزن رہے تو ایسا سالک مبارکباد کا مستحق ہے۔ ان شاء اللہ وفاداری بشرط استواری کے زرین اصول کے تحت وہ بالآخر واصل باللہ ہو جاتا ہے۔فھو المقصود۔

بینہ نمبر ۲

سلطانِ طریقت سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز جو عمر بھر جلیل القدر مشائخ کی تربیت فرماتے رہے اور اسرارِ طریقت کی گتھیاں سلجھاتے رہے ان کے لئے بھی نوافلِ تہجد ہی سودمند ثابت ہوئے جو اتباعِ سنت ہونے کی بنا پر باعثِ قربت ہیں۔

جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے:

أَفْضَلُ الصَّلاۃِ بَعْدَ الْمَفْرُوضَۃِ، صَلاۃٌ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ۔

ترجمہ: یعنی فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نمازرات کے آخری حصہ میں ادائے نماز (نوافل تہجد) ہے۔[1]

دوسری روایت میں ہے:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الرَّبُّ مِنَ العَبْدِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ الآخِرِ۔

ترجمہ: یعنی بندۂ مؤمن کورب تعالیٰ کاسب سے زیادہ قرب رات کے آخری حصہ میں نصیب ہوتا ہے۔[2]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اورخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اعتقادی اور قولی وفعلی متابعت اور سرورِکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مخالفت سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں اہل ایمان کو ان ہی کی اطاعت وسنت کی پیروی کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ جیساکہ آیہ کریمہ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹) اور عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔[3] سے عیاں ہے۔

علاوہ ازیں راہِ سنت ہی صراطِ مستقیم ہے جس پر کاربندرہنے کا حکم دیا گیا ہے، جیساکہ ارشادِ نبوی علٰی صاحبہا الصلوات: هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ۔[4] سے آشکارا ہے، اور یہی انعام یافتہ بندوں کا راستہ ہے، سورۃ الفاتحہ میں یہی دعا سکھائی گئی ہے، جیساکہ آیاتِ کریمہ: أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَيْهِمْ مِنَ

---

[1] (مسند احمد، ج ۲، ص ۳۴۲، الناشر: عالم الکتب -بیروت)
[2] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۵۶۹، الناشر: شرکةمکتبة ومطبعةمصطفی البابي الحلبي -مصر)
[3] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۵۸، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)
[4] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۵۸، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِکَ رَفِيقًا (النساء ۶۹) اور اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۶) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ۷) سے واضح ہے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ مشائخ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بالعموم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بالخصوص اتباع کا التزام کرتے ہیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ کو سنت فرمایاہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر مستحضر رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت سراسر امن وبرکت ہے، اور سنت وشریعت کی مخالفت میں ہلاکت وبربادی اور بے برکتی ورسوائی ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اہلِ طریقت کے نزدیک اپنی نسبت کی حفاظت اور اسباقِ طریقت پر مداومت اہم ترین امور ہیں اس لئے سالکینِ طریقت کو ہر حال میں ان ہی کو فوقیت واوّلیت وترجیح دینی چاہیئے۔ بعد ازاں دیگر امور تصنیف وتالیف وغیرہا میں مشغول ہوناچاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِيَّهَا

بینہ نمبر ۴

واضح رہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ مختارِ مطلق اور موٗجدِ حقیقی ہے اس لئے جملہ امور اسی کے اختیار وایجاد سے ظہور پزیر ہوتے ہیں۔ البتہ بندہ باذن اللہ ان امور میں مختارو مجاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیاتِ کریمہ: قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ (آل عمران ۱۵۴) اور قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء۷۸) سے عیاں ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۳۲ تا ۳۳۶)

مکتوب نمبر ۱۸۵

[ایک شخص کی سفارش کے سلسلے میں منصورِ عرب کی طرف صادر فرمایا:

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیہ کے راستے پر استقامت عطا فرمائے، اور تمہاری ساری ہمت اپنی ذاتِ قدس کی طرف پھیر لے جو کچھ ہم اور تم پر لازم ہے۔ غیرِ حق تعالیٰ کی گرفتاری سے دل کو سالم اور محفوظ رکھنا ہے۔ اور یہ سلامتی اس صورت میں میسر آتی ہے کہ غیرِ حق کے خیال کا گزر دِل پر ہرگز نہ رہے۔ اگر فرضاً ہزار برس زندگی وفا کرے تو بھی دل میں غیرِ حق کا خیال نہ گزرے۔ اس بیان کے باعث جو دِل کو حق تعالیٰ کے ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے۔

کار اینست وغیـر این ہمــہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہ ہی ہے اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

دوسری لائق بیان بات یہ ہے کہ مولانا فاضل سرہندی جو آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہے۔ اس کا باپ سرہند میں ہے، اس کی یہ آرزو ہے کہ اپنے بڑھاپے اور ضعف ولاغری کے ایام میں اپنے بیٹے کی ملاقات سے مسرور اور خوش ہو۔ اس بنا پر اُس نے اس سلسلہ میں آپ کو تکلیف دینے کے لئے فقیر کو وسیلہ بنایا ہے، معاملہ آپ کے قبضہ میں ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں اپنے ایک مقصد کی سفارش کی ہے اور اس کے ضمن میں اس کو نصیحت بھی کی ہے کہ اپنے قلب کو ماسوا کی گرفتاری سے محفوظ رکھو یعنی ہمیشہ اپنے دل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد کرتے رہو اور اپنے ہر قول، فعل اور عمل کو

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کے عین مطابق کرو۔ اور اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہمارا دل ہمیشہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے اور ایک لحظہ کے لئے بھی اس سے غافل نہ ہو حالانکہ ہم دُنیا کے کاموں میں ہی مشغول رہتے ہیں۔ اس سوال کا جواب مثالوں کے ذریعے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص سونے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیئے کہ اس وقت کہے کہ یا اللہ میں اب سونے کا ارادہ کرتا ہوں جس سے میں غافل ہو جاؤں گا، لیکن میں جلد اس لئے سورہا ہوں تاکہ صبح جلدی اُٹھ کر نماز کا فریضہ ادا کرسکوں تو اس طرح اس شخص کا سونا بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت میں شمار ہو گا اور مثال کے طور پر ایک شخص محض اس لئے شادی کرتا ہے کہ وہ اپنی حلال بیوی کی وجہ سے زِنا اور فحاشی سے محفوظ رہے تو ایسی شادی بھی عبادت میں شمار ہوتی ہے۔ اور مثلاً ایک شخص صبح سویرے محنت مزدوری کے لئے گھر سے نکلتا ہے تاکہ حلال کی کمائی سے بیوی بچوں کا پیٹ پالے اور لقمۂ حرام سے بچ جائے تو یوں سارا دِن کام کاج میں گزارنا بھی غفلت میں داخل نہیں بلکہ عبادتِ الٰہی میں داخل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ: جَهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔

ترجمہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کم مال والے کا محنت مشقت کرکے دینا اور شروع ان سے کرو جن (یعنی بیوی بچوں) کی کفالت کے تم ذمہ دار ہو۔[1]

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۵۴، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

لب لباب یہ ہے کہ انسانی معاشرتی اُمور میں بھی نیت کی درستگی کو ملحوظِ خاطر رکھے تو دُنیاوی اُمور بھی ثواب کا باعث بنتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ فرائض کو بھی ادا کرتا رہے۔ یہ نہ ہو کہ غریب بچیوں کی شادیوں پر تو کروڑوں خرچ کر ڈالے لیکن فریضۂ زکوٰۃ کی طرف دھیان ہی نہ دے۔

اور دوسری بات حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ فرمائی ہے کہ میں اس شخص کی سفارش بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں نہ کہ کسی دُنیاوی غرض سے کیونکہ سفارش کرنا بھی ایک سُنت عمل ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا وَلْيَقْضِ اللّٰہُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ۔

ترجمہ: سفارش کرو تمہیں اجر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زبان کے ذریعے سے جو چاہے گا فیصلہ کر دے گا۔[1]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاس مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ۔

ترجمہ: لوگوں میں سے بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔[2]

---

[1] (صحیح البخاری، ج۸ ا، ص ۴۵۰، المکتبۃالفاروقیۃ)
[2] (الجامع الکبیر، ج۲۰، ص ۱۹۳، الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة -جمهوريةمصر العربية)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ ہی اسے ظلم کے حوالے سے کرے، اور جو شخص اپنے بھائی کی (جائز) ضرورت کو پورا کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کو دور فرمائے گا، نیز جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ۔

ترجمہ: جس نے کسی مؤمن سے دُنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، تو اللہ تعالیٰ اس سے روز قیامت کی تکلیفوں سے کوئی تکلیف دُور فرمادے گا۔ جس نے کسی تنگ دستی پر آسانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر دُنیا وآخرت میں آسانی فرمائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ

---

[1] (صحیح البخاری، ج۸، ص ۳۰۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

دُنیاوآخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں لگارہتاہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگارہتاہے۔ [1]

ان احادیث کی بناپر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مختلف موقعوں پر اپنے حاجت مند شاگردوں کی سفارش کی ہے تاکہ ضرورت مندوں کی مشکلات آسان ہوں اور انہیں نفع پہنچ سکے۔ پس ثابت ہوا کہ نیک اور جائز کاموں میں سفارش کرنانہ صرف مستحسن ہے بلکہ احادیثِ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہے۔

(دارالمعـــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو جادۂ شریعت پر استقامت گزیں اور متوجہ الی اللہ رہنے کی دعادے رہے ہیں، کیونکہ سالکین جس قدر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسی قدر اغیار کی محبت سے بیزار اور ماسوا کی گرفتاری سے نجات پاتے ہیں۔ اہلِ طریقت اسی کو سلامتیٔ قلب اور فناکہتے ہیں۔روزِ قیامت قلبِ سلیم ہی باعثِ مغفرت اور مؤجبِ رحمت ہو گا۔

بینہ

واضح رہے کہ ہزار برس ماسویٰ اللہ کے نسیان کا قول حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی اپنی فنایتِ تامہ اور محویت کلیہ کا بیان ہے جس سے آپ ہی مختص وممتاز ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۳۳۹، ۳۴۰)

---

[1] (صحیح مسلم، ج۱۳، ص۲۱۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

مکتوب نمبر ۱۸۶

[خواجہ عبد الرحمٰن مفتی کابلی کی طرف صادر فرمایا:

متابعتِ سُنت پر اُبھارنے اور بدعت سے بچنے اور اس بیان میں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

(بندۂ عاجز) حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے تضرع، زاری، التجاء، محتاجی، ذلت وانکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر طور پر سوال کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نیا پیدا ہوا ہے اور نیا ایجاد ہوا ہے، جو زمانۂ خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اگرچہ وہ چیز روشنی اور چمک دَمک میں سفیدہ صبح کی طرح ہو اس ضعیف بندے کو اس گروہ کے ساتھ جس نے اس کو اختیار کر لیا ہے اس نئے عمل کا گرفتار کرے۔ اور اس نئی ایجاد شدہ چیز کے حُسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بحرمت سید المختار وآلہٖ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

کہنے والوں نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم ہے: حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کا نام رکھتے ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئی ہے اور کسی سُنت کو اُٹھانے اور دور کرنے والی نہ ہو۔ اور سیئہ اس کو کہتے ہیں جو سُنت کو مٹانے اور دور کرنے والی ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت کے اندر حُسن ونورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ اور ظلمت وکدورت کے سوا کسی شے کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر فرضًا آج مبتدع کے عمل کو ضعفِ بصارت کے باعث طراوت وتازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل جب کہ نظر تیز کر دیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ خسارے اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہ تھا۔

بیت:

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

ترجمہ: صبح کے وقت روزِ روشن کی طرح تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تُو نے شبِ تاریک میں کس کے ساتھ رشتۂ عشق جوڑ رکھا تھا۔

حضور سید البشر علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات فرماتے ہیں:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ۔

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ شے مردود ہے۔ [1]

جو چیز مردود ہو اُس میں حُسن کہاں سے آسکتا ہے؟

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

ترجمہ: بعد حمد وصلاۃ پس (بے شک بہتر بات) کتاب اللہ ہے اور سب سے بہتر سیرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کی سیرت ہے اور چیزوں میں سب سے بدتر نئی باتیں ہیں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔ [2]

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۹، ص ۲۰۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح مسلم، ج ۴، ص ۳۵۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

دوسری جگہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

ترجمہ: اے لوگو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، اس کی بات سننے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی تلقین کرتا ہوں، اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا تو تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سُنت کو لازم پکڑو۔ اور اسے مضبوطی سے تھامو۔ اور اسے اپنی داڑھوں سے پختگی سے پکڑو، اور نئے نئے اُمور سے بچنا، پس بے شک ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی وضلالت ہے۔[1]

تو جب دین میں ہر نئی چیز بدعت ہو اور بدعت ضلالت وگمراہی ہے۔ تو بدعت میں اچھائی کے ہونے کے کیا معنی۔ نیز احادیث سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ ہر بدعت رَافعِ سُنت ہے۔ لہٰذا بعض بدعات سے تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں، پس ہر بدعت سیئہ ہی ہوگی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں:

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔

ترجمہ: کوئی قوم بدعت جاری نہیں کرتی مگر اس کی مثل سُنت اُٹھالی جاتی ہے، تو سُنت کو مضبوطی سے تھامنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔[2]

---

[1](سنن ابی داؤد، ج۴، ص ۳۲۹، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)
[2](مسند احمد، ج۲۸، ص ۱۷۳، الناشر: مؤسسة الرسالة)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلاَّ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ، ثُمَّ لاَ يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اُس کی مثل سُنتوں کو چھین لیتا ہے پھر قیامت تک وہ سُنت انہیں واپس عطا نہیں کرتا۔[1]]

تشریح

سب سے پہلے بدعت اور اس کی تعریف کو سمجھنا ضروری ہے بدعت کے معنی ہیں کوئی نئی بات اور اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ چیز یا عمل جو دین میں نیا پیدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے کوئی سُنت مِٹ جائے یعنی وہ چیز جو اپنی اصل کے اعتبار سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانۂ مبارکہ میں نہ ہو اس کو بدعت کہا جاتا ہے، اور جو چیز خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں پائی گئی ہو اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ہم پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سُنتوں کا اتباع ضروری ہے۔

حضرت عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ۔

---

[1](سنن الدارمی، ج ۱، ص ۱۱۶، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: پس تم لوگوں پر میری سُنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سُنت کو پکڑنا لازم اور ان کو داڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑنا اور نئے نئے اُمور سے اپنے آپ کو بچانا بے شک ہر نئی چیز گمراہی ہوگی۔[1]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد مبارکہ کی روشنی میں خلفاءراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ مبارکہ میں سامنے آنے والے اُمور کو بدعت نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ دورِ حاضر میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیس (۲۰) رکعات تراویح کا باجماعت ادا کرنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں رائج ہوا ہے یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں شرابی کے لئے چالیس (۴۰) دُرّے مقرر تھے جبکہ خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانۂ مبارکہ میں شرابی کے لئے اَسّی (۸۰) دُرّے مُقرر کردیئے گئے یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں لونڈی کی خرید و فروخت منع ہوگئی یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں مساجد میں محراب و منبر اور منارے نہیں تھے بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صاحبِ فراست مؤمن تھے۔ لونڈی ہی کی مثال لے لیں اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لونڈی کی خرید و فروخت منع نہ کرتے تو آج ہماری بیویاں اور بیٹیاں کفار کے ممالک میں فروخت ہو رہی ہوتیں کیونکہ ہمارے پاس نہ تو اتنی قوت موجود ہے کہ ہم ان ممالک کا مقابلہ کرکے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو محفوظ بنا سکیں نہ ہی وہ غیرتِ اسلامی باقی رہی ہے۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۳۲۹، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کو علماً اور کشفاً بیان فرمایا ہے کہ خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احکامات نہ تو بدعتِ حسنہ ہیں اور نہ ہی بدعتِ سیئہ بلکہ اُن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احکامات پر عمل کرنا ان (خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی سُنت ہے۔ جبکہ بدعت ہی گمراہی ہے اور ظلمت و کدورت کا دوسرا نام ہے۔

[جاننا چاہیئے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعتِ حسنہ کہتے ہیں جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی رَافع سُنت ہیں۔ مثلاً میت کے کفن میں عمامے کو اُنہوں نے بدعتِ حَسنہ کہا ہے حالانکہ یہ بدعت بھی رافعِ سُنت ہے۔ کیونکہ اس سے کفن کے تین کپڑوں میں تین کے عدد کا نسخ ہے۔ اور نسخ عین رفع ہے یوں ہی مشائخ نے دستار کے شملے کو دائیں جانب چھوڑنے کو مستحسن کہا ہے، حالانکہ اس بارے میں سُنت ہے کہ پشت پر دونوں کاندھوں کے درمیان ہو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رَافعِ سُنت ہے۔ نیز علماء نے جو نیت نماز میں کہا ہے کہ دل سے نیت کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن ہے حالانکہ زبان سے نیت کرنا حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ ثابت ہے کہ وہ زبان سے بھی نیت کرتے تھے۔ بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیرِ تحریمہ کہتے تھے۔ تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے۔ اور علماء نے اس بدعت کو بھی حَسنہ کہا ہے۔ اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سُنت تو کجا فرض کے خاتمے کا بھی باعث ہے۔ کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان پر ہی کفایت کر بیٹھیں گے، اور دل کی غفلت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیتِ قلبی بھی چھوٹ جاتی ہے، اور اس سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔

یہی حال باقی بدعات اور محدثات کا ہے کہ یہ سب کسی نہ کسی طرح سُنت پر زیادتی ہے، اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت کی متابعت کے ہی پابند رہو۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء پر ہی کفایت کرو۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہدایت کے ستارے ہیں تم اُن میں سے جس کی اقتداء کروگے ہدایت پاؤگے۔ باقی رہا قیاس اور اجتہادِ فقہی تو وہ بالکل بدعت نہیں بلکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر وواضح کرتا ہے کسی نئی چیز یا زائد چیز کو ثابت نہیں کرتا۔ تو اے اصحابِ بصیرت عبرت پکڑو۔ اور ہر متبع ہدایت اور حضرت مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے دور میں بعض علماء ومشائخ کے میت کو کفن دینے میں دَستار کو بدعتِ حسنہ کہنے اور اس کا ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے کہ کفن میں تین کپڑوں پر زیادتی سُنت کے خلاف ہے کیونکہ میت کو دَستار پہنانے سے تین کی جگہ چار چیزیں ہو جائیں گی جس سے سُنت تو مَٹ جائے گی لیکن بدعت کو فروغ ملے گا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو دَستار کے عمل کو بدعت فرماتے ہوئے لوگوں کو اس عمل سے منع فرمایا ہے مگر بدعات کے ارتکاب میں ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ اذان، نماز، روزہ اور ان کی طرح دیگر دینی اُمورات میں اتنی بدعات داخل ہو چکی ہیں جن کی روک تھام اور شمار کرنا مشکل ہے، مُردے کو غُسل دینے کو ہی دیکھ لیں کہ آج کل جب کسی کا باپ یا بھائی فوت ہو جائے تو پہلے تو اس کے ورثاء کو میت کو غسل دینے کو ہی دیکھ لیں کہ آج کل جب کسی کا باپ یا بھائی فوت ہو جائے تو پہلے تو اس کے ورثاء کو میت کو غسل دینے کا طریقہ

ہی نہیں آتا تو اس لئے وہ غاسل کی تلاش میں پھرنے لگتے ہیں کہ کوئی غاسل مل جائے اور ہمارے باپ یابھائی کو غسل دے دے جبکہ شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ایک باپ کا بیٹے پر اور بیٹے کا باپ اور بھائی کا بھائی پر اور رشتہ داروں کا ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ وہ اس کو خود غسل دیں جس طرح کسی کاوالد بیمار ہو اور اس کا بیٹا یابھائی اس کو رفع حاجت کے لئے لے جائے تو اس میں کوئی عیب وبُرائی نہیں ہے بجائے اس کے کہ کوئی غیر ایسا کرے اور اگر اس میت کا کوئی وارث نہ ہو تو ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی میت کو غسل دے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھ لیں کہ اگر کوئی غیر آدمی کسی کے والد یابھائی کے کپڑے اُتار دے تو اسے بے عزتی اور بے غیرتی شمار کیا جائے گا لیکن اپنوں کی وفات پر ہماری عزت اور غیرت کہاں جاکر سو جاتی ہے کہ ہم اپنے عزیز کی میت غیروں کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ وہ اس کالباس اُتار کر اس کے سَتر میں ہاتھ مارنے لگے؟ الغرض بات یہ سمجھانی مقصود ہے کہ ہمیں چاہیئے کہ فوتگی کے موقع پر ہم اپنوں کی میت کو خود غسل دیں تاکہ بے پردگی بھی نہ ہو اور خدانخواستہ میت کا کوئی عیب نظر آجائے تو اس کو بھی پوشیدہ رکھنا ممکن ہو ورنہ بوقتِ ضرورت کوئی دوسرا بھی غسل دے سکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتَّةٌ بِالْمَعْرُوفِ: يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ، وَيَتْبَعُ جِنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ، وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

ترجمہ: مسلمان کے مسلمان کے ذمہ چھ حقوق ہیں جب اس سے ملاقات ہو تو سلام کرے، اگر وہ دعوت کرے تو قبول کرے، جب چھینکے تو اس کو (**یرحمک اللہ** کہہ کر) جواب دے، بیمار ہو

جائے تو عیادت کرے اور فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شریک ہو اور اس کے لئے وہ سب کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔[1]

شیخ الاسلام شمس الائمہ حضرت ابی بکر محمد بن احمد السرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

اعْلَمْ بِأَنَّ غُسْلَ الْمَيِّتِ وَاجِبٌ وَهُوَ مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتَّةُ حُقُوقٍ} وَفِي جُمْلَتِهِ أَنْ يُغَسِّلَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ۔

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ میت کو غسل دینا واجب ہے اور یہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق میں سے ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مسلمان کے مسلمان کے ذمہ چھ حقوق ہیں" اور مرنے کے بعد میت کو غسل دینا بھی ان ہی جملہ حقوق میں سے ہے۔[2]

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ يُؤَزِّرُ بِإِزَارٍ سَابِغٍ كَمَا يَفْعَلُهُ فِي حَيَاتِهِ إذَا أَرَادَ الِاغْتِسَالَ۔

ترجمہ: حضرت حسن نے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ جس وقت میت کو نہلانے کا ارادہ کیا جائے تو اسے لمبی تہبند باندھی جائے جس طرح یہ اپنی حیات میں غسل کرنے کے وقت تہبند باندھتا تھا۔[3]

وَلَمَّا مَاتَ أَبُو طَالِبٍ جَاءَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إنَّ عَمَّكَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ فَقَالَ اذْهَبْ فَغَسِّلْهُ وَكَفِّنْهُ۔

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج ۲، ص ۱۴۳۱، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)
[2] (المبسوط للسرخسی، ج ۲، ص ۴۲۳، مكتبة أهل السنة والجماعة)
[3] (المبسوط للسرخسی، ج ۲، ص ۴۲۴، مكتبة أهل السنة والجماعة)

ترجمہ: جس وقت ابو طالب وفات پاگئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بتحقیق آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچا جو گمراہ تھے وفات پاگئے ہیں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جاکر انہیں غسل اور کفن دو۔ [1]

سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ فقَالَ: إنَّ أُمِّيَ مَاتَتْ نَصْرَانِيَةً فقَالَ: غَسِّلْهَا وَ كَفِّنْهَا وَ ادْفِنْهَا۔

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سوال کیا اور کہا کہ میری والدہ جو کہ نصرانی تھی وفات پاگئی ہیں تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے فرمایا کہ اپنی والدہ کو غسل دو اور کفن دو اور اسے دفن کرو۔ [2]

غیر مقلدین کی مشہور کتاب ''کتاب الروح'' میں لکھا ہے کہ مُردہ دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی کا کس مَرد کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہے یا اس نے کس کی طرف اپنی نگاہیں اٹھائی ہیں کہ وہ اس کو پسند کرے تو جب مردہ اتنا شعور رکھتا ہے اور غیر مقلدین بھی اس کا اقرار کرتے ہیں تو اے اہل سنت وجماعت کے تابعدارو! تم لوگ اپنے مُردے کو احساس اور شعور سے عاری کیوں سمجھنے لگے ہو؟

تو اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مُردے کے غُسل، تجہیز و تکفین اور دیگر دِینی اُمورات کو سُنت کے مطابق سیکھیں اور بدعات سے دور رہیں تاکہ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کی رضا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شفاعت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

(دارالمعـــرفت،ج۳)

---

[1] (المبسوط للسرخسی، ج ۲، ص ۳۱۴، مکتبۃ أھل السنۃ والجماعۃ)

[2] (المبسوط للسرخسی، ج ۲، ص ۳۱۴، مکتبۃ أھل السنۃ والجماعۃ)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تقسیمِ بدعت سے انکار فرمارہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بدعت کی قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

* محدث کبیر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کا لغوی معنیٰ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ۔

ترجمہ: یعنی عہدِ گذشتہ میں جس چیز کی مثال نہ ہو اسے معمول بنالیا جائے، وہ بدعت کہلاتا ہے۔[1]

* شارح بخاری حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں ارقام پذیر ہیں:

البدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق۔

ترجمہ: یعنی بدعت کی اصل یہ ہے کہ ایسے امور کو ایجاد کرلیا جائے جس کی سابقہ دور میں نظیر نہ ملتی ہو۔[2]

* فاضل اجل حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

البدعة: هي الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون، ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعي۔

---

[1](مرقاۃالمفاتیح،ج ۱،ص ۲۲۳،الناشر:دارالفکر،بیروت-لبنان)

[2](فتح الباری،ج ۴،ص ۲۵۳،الناشر:دارالمعرفة-بیروت)

ترجمہ: یعنی بدعت ایسے نوایجاد امر کو کہا جاتا ہے جس پر صحابہ و تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل نہ ہو اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل شرعی ہو۔ [1]

٭ حضرت علامہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

فِي الشَّرْعِ إِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: یعنی شریعت میں بدعت اس نئے کام کو کہا جاتا ہے جو عہدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں نہیں تھا۔ [2]

٭ حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ان البدعة هي الفعلة المخترعة في الدين على خلاف ما كان عليه النبي عليه السلام و كانت عليه الصحابة و التابعون رضي الله عنهم۔

ترجمہ: یعنی بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جو سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے خلاف وضع کیا جائے یونہی وہ صحابہ و تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ کے مخالف ہو۔ [3]

٭ حضرت علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بیان فرمودہ محدثات کی دو اقسام نقل فرمائی ہیں، ملاحظہ ہوں:

المحدثات ضربان ما أحدث يخالف كتابا أو سنة أو أثر أو إجماعا فهذه بدعة الضلال، و ما أحدث من الخير لا يخالف شيئا من ذلک فهذه محدثة غير مذمومة۔

---

[1] (التعریفات، ج ۱، ص ۴۳، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت - لبنان)

[2] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۲۳، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

[3] (روح البیان، ج ۹، ص ۲۴، الناشر: دار الفکر - بیروت)

ترجمہ: یعنی محدثات کی دو قسمیں ہیں، ایسے امور جو قرآن یا سنت یا اثر یا اجماع کے مخالف ہوں وہ بدعتِ ضلالہ ہیں اور جو امور ان (کتاب و سنت واثر واجماع) کے مخالف نہ ہوں وہ محدثات محمودہ ہیں۔[1]

جبکہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ۔[2] میں مَا لَيْسَ فِيهِ کی قید لگا کر اس امر کی صراحت فرمادی گئی کہ جو چیز دینِ اسلام کے خلاف ہو وہی قابلِ رد ہے، اور جو چیز اسلام سے مزاحم و متصادم نہ ہو محدثات محمودہ میں سے ہے جسے حدیث میں سنتِ حسنہ فرمایا گیا ہے۔

بنابریں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز بدعت کی تقسیم کے قائل نہیں اور آپ کے نزدیک كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کی تخصیص مناسب نہیں بلکہ آپ کے نزدیک كُلُّ مُحَدِّثَةٍ بِدْعَةٌ عام مخصوص البعض قرار پاتا ہے اسی لئے آپ اِحْدَاث فِيْ الدِّيْنَ (خلاف کتاب و سنت وغیرہا) کو بدعت فرماتے ہیں اور ہر بدعت کو ضلالت و گمراہی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔

آپ علیہ الرحمۃ ایک مکتوب میں ارقام پذیر ہیں:

نور سنت سنیہ را علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ ظلمات بدعتہا مستتور ساختہ اند ورونق ملت مصطفویہ را علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کدورت امور محدثہ ضائع دانیدہ عجب ترآنکہ جمعی آن محدثات را امور مستحسنہ میدانند وآں بدعتہا را حسنات می انگارند و تکمیل دین و تتمیم ملت ازاں حسنات می جویند ودر اتیان آں امور ترغیب می نمایند هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ

[1](فتح الباری، ج ۱۳، ص ۲۵۳، الناشر: دار الفکر)

[2](سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۲۰۰، الناشر: المکتبۃ العصریۃ، صیدا-بیروت)

سَوَاءَ الصِّرَاطِ مگر نمی داند کہ دین پیش ازین محدثات کامل شدہ بود ونعمت تمام گشتہ ورضاء حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحصول پیوستہ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ پس کمال دین ازیں محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے ایں آیہ کریمہ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں کے نور کو بدعات کی تاریکیوں نے چھپا دیاہے اور ملت مصطفوی علٰی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی رونق کو ان نو ایجاد امور کی کدورتوں نے ضائع کر دیاہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت، ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے۔ اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعے سے دین وملت کی تکمیل و تتمیم کرناچاہتی ہے اور ان امور کے بجالانے کی ترغیب دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے مکمل ہو چکاہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پوری ہوچکی ہیں اور اس کی رضا ان کے حصول کے ساتھ ملی ہوئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیہ کریمہ کے مضمون سے انکار کرناہے۔[1]

* آپ ایک دوسرے مقام پریوں تحریر فرماتے ہیں:

گذشتگان در بدعت حسنے دیدہ باشند کہ بعض افراد آنرا مستحسن داشتہ اند اما ایں فقیر دریں مسئلہ بایشاں موافقت ندارد وہیچ فرد بدعت را حسنہ بمیداند و جز ظلمت

[1](مکتوب نمبر ۲۶۰، دفتر اول)

وکدورت دراں احساس نمی نماید قَالَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلاٰمُ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ومی باید کہ دریں غربت وضعفِ اسلام سلامتی منوط باتیانِ سنت است وخرابی مربوط تحصیلِ بدعت ہر بدعت کہ باشد را در رنگ کلند میداند کہ ہدمِ بنیاد اسلام می نماید وسنت را در رنگ کوکب درخشاں می باید کہ در شب دیجورِ ضلالت ہدایت می فرماید علماء وقت را حق سبحانہٗ وتعالٰی توفیق دہاد کہ بحسنِ ہیچ بدعت لب نکشایند وباتیان ہیچ بدعت فتویٰ ندہند اگرچہ آں بدعت در نظر شاں در رنگ فلقِ صبح روشن درآید چہ تسویلات شیطان را در ماورائے سنت سلطان عظیم است۔

ترجمہ: بعض اگلے لوگوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہو گا کہ اس کے بعض افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا۔ یہ فقیر ان سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں رکھتا اور کسی فردِ بدعت کو "حسنہ" نہیں جانتا اور سوائے ظلمت وکدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت وکمزوری کے زمانے میں سلامتی سنت سے، اور خرابی بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے کہ جو اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے اور سنت کو ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں پاتا ہے جو گمراہی کی شبِ تاریک میں رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالٰی علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت

کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں ''فلقِ صبح'' کی مانند روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو ماورائے سنت (بدعت) میں بڑا تسلط ہے۔[1]

سطور بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز بدعت کی قسمِ اول (بدعتِ حسنہ) پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم (بدعتِ سیئہ) پر ہی کرتے ہیں اور ہر بدعت کو کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے تحت رکھتے ہیں۔ آپ کے اس مؤقف پر جن لوگوں نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ آپ کے علو مرتبت اور سموّ منزلت سے بے خبر ہیں۔

اگر دیانت داری سے اس مسئلے پر غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

تقسیمِ بدعت سے انکار کی توجیہات

۱۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ترویجِ سنت اور تخریبِ بدعت پر مامور تھے اور وہ دور بدعات و خرافات کے سیلاب کا دور تھا، اور آپ بدعت سے سخت متنفر تھے۔ فقہاء نے بدعات کی تقسیم کرکے بعض بدعتوں کو جائز، مستحب، واجب وغیرہا قرار دیا اور علمی موشگافیوں کی طرف مائل ہو گئے جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فکری و علمی انقلاب لانے اور دینِ اسلام کی تجدید و تعمیر میں مصروف تھے۔ آپ کی نظر آئندہ ہزار سال کی طرف مرکوز تھی اور آپ کو ملتِ اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی فکر دامن گیر تھی۔

۲۔ آپ مشاہدہ و یقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔ آپ کا علم لدنی اور حضوری تھا۔ آپ مقامِ فقاہت سے نہیں بلکہ مقامِ امامت و ولایت سے اس تقسیم کی نفی فرما رہے تھے۔ آپ سرورِ کائنات

---

[1] (مکتوب نمبر ۲۳، دفتر دوم)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ جس قول و فعل کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کوئی نسبت نہ ہوتی اس میں آپ کو کوئی حسن وجمال نظر نہ آتا۔ عشق ومحبت کی دنیا میں نسبت اور رابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اصحابِ قلوب سے پوشیدہ نہیں۔

۳۔ جن علمائے اُمت نے بدعت کی تقسیم فرمائی ہے وہ ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' میں لفظ بِدْعَةٍ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ''كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ'' میں لفظ مُحْدَثَةٍ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر مُحْدَثَةٍ کی تخصیص کر دی جائے تو بدعت کی تقسیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۴۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امت کے عظیم مجدد اعظم ہیں۔ آپ کا بدعتِ حسنہ کا مطلق نفی فرمانا سد الباب کے قبیل سے ہے تاکہ عوام بدعتِ حسنہ کا سہارا لے کر بدعتِ ضلالہ میں نہ پھنس جائیں، لہٰذا آپ نے تجدیدی حکمتوں کے پیشِ نظر یہی مناسب جانا کہ سرے سے بدعت کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔

۵۔ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ ضلالہ میں فرق کرنا علمائے محققین کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے احتیاطی تدابیر کے تحت بدعت کی تقسیم، تفریق اور تعیین کا حق عوام کے سپرد نہیں فرمایا تاکہ اس کی آڑ میں اہلِ ہوس، دین میں فتنہ وفساد کا دروازہ نہ کھول دیں۔

جیسا کہ علماء سوء نے اس تقسیم سے ناجائز فائدہ اٹھایا جن کے متعلق آپ نے یوں نشاندہی فرمائی:

علماء ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و محو کنند ہائے سنت۔۔۔ بجواز بلکہ باستحسان او فتویٰ می دہند مردم را بر بدعت دلالت می نمایند۔

ترجمہ: اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے مٹانے والے ہیں۔۔۔ یہ لوگوں کی بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور بدعت کو شرعًا جائز بلکہ مستحسن قرار دے کر فتویٰ دیتے ہیں۔[1]

۶۔ آپ مجتہد ہیں اور آپ کا یہ قول اجتہاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ آپ نے تشہد میں رفع سبابہ کا انکار فرمایا ہے۔ جس کی توجیہہ کرتے ہوئے حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

حضور مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترک رفع سبابہ بناء بر اجتہاد ہے۔[2]

۷۔ آپ کے نزدیک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول ''نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ''[3] میں بدعت کا لغوی حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ دورِ فاروقی میں بدعت کی تقسیم اور اس جیسی دیگر مصطلحات کا قطعی نام ونشان تک نہ تھا۔ نیز خلیفۂ دوم کا عمل ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: فَعَلَيْكُمْ

---

[1] (مکتوب نمبر ۵۴، دفتر دوم)
[2] (کلماتِ طیبات فارسی، ص ۲۹)
[3] (صحیح البخاری، ج۷، ص ۱۳۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔[1] سنت ہے نہ کہ بدعتِ حسنہ، لہٰذا احادیث کے ان الفاظ کو بدعت کی تقسیم پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں۔(فافهم)

۸۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے میر محبّ اللہ کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ:

بدعت دو حال سے خالی نہیں یا وہ سنت کی رافع ہو گی یا رفع سنت سے ساکت ہو گی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہو گی جو در حقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو، سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے نہ اس میں خیر ہے نہ حسن۔ ہائے افسوس انہوں نے بدعت کے حسنہ ہونے کا کس طرح حکم دے دیا؟

بدعتِ حسنہ رافع سُنت ہے

۹۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارقام پذیر ہیں، ملاحظہ ہو:

”جاننا چاہیئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے حسن سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو رفع کرنے والی ہیں۔ مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت، رافع سنت ہے، کیونکہ عدد مسنون (تین کپڑوں) پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے۔ حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت، رافع سنت ہے“۔[2]

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج ۱، ص ۲۸، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

[2] (مکتوب نمبر ۱۸۶، دفتر اول)

۱۰۔ آپ کے نزدیک جو کام مقصودِ شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی مثال یا اصل ثابت ہو تو اس کو بدعتِ حسنہ کی بجائے سُنت کہا جائے گا۔

جیسا کہ حدیث میں ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا۔ [1]

لہٰذا احادیث سے ثابت شدہ تقسیم سنت میں لفظ سنتِ حسنہ کا اطلاق بدعتِ حسنہ کے اطلاق سے بدرجہا اولیٰ ہے۔(فتدبر)

قطبِ شام حضرت امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ الْمَوَافِقَةَ لِمَقْصُوْدِ الشَّرْعِ تُسَمّٰی سُنَّةً۔

ترجمہ: جو بدعتِ حسنہ مقصودِ شرع کے مطابق ہو اس کو بھی سُنت ہی کہا جائے گا۔

اس مفہوم کے پیشِ نظر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اور بعض علماء کرام کے درمیان لفظ بدعت کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے اور وہ یہ کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیئے یا نہیں؟

اس لفظی نزاع کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شاہ محمد مظہر فاروقی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

می فرمودند کہ بدعتِ حسنہ نزد امام ربانی قدس سرہٗ داخل سنت است اطلاق بدعت برآں نمی فرمایند بموُجب کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ و نزاع درمیان ایشاں و علماء کہ بوجود حسن در بدعت قائل اند لفظی است۔

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۲۷، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

ترجمہ: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بدعتِ حسنہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک داخل سنت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اور ان علماء کے درمیان جو بدعتِ حسنہ کے قائل ہیں صرف لفظی نزاع ہے۔[1]

اسی ضمن میں معرب مکتوبات حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مفصل مضمون کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے، ملاحظہ ہو:

معرب مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ العزیز (محمد مراد مکی عفی عنہٗ) کہتا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے مکاتیب شریفہ میں سے بہت سے مقامات پر بدعت کے متعلق بہت شدید رویہ اختیار فرمایا ہے اور آپ اس کے حق دار بھی تھے کیونکہ اگر آپ بدعت کے معاملہ میں یوں شدت نہ فرماتے تو سارا ہندوستان اور ماوراء النہر کا علاقہ بدعت کے اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ بدعت کے بارے میں آپ کا یہ رویہ دوسرے علماء اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس قول کے خلاف نہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے: حسنہ اور سیئہ۔ کیونکہ حسنہ سے ان کی مراد ہر ایسی چیز ہے جس کے لئے صدرِ اول میں اصل موجود ہو، اگرچہ اشارۃً ہی ہو جیسے مساجد کے منابر بنانا، مدارس اسلامیہ قائم کرنا، مسافر خانے تعمیر کرنا، کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ صدرِ اول میں اس کی کوئی اصل نہ ہو۔

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ بدعت کی قسم اول پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدرِ اول میں موجود ہوتی ہے، لہٰذا ایسا شخص مبتدع اور محدث بھی نہیں کہلائے گا بلکہ آپ

---

[1] (مقاماتِ سعیدیہ، ص ۱۲۵)

بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم پر ہی کرتے ہیں۔ دراصل اس دوسری قسم کا مرتکب ہی مبتدع اور محدث کہلانے کا سزاوار ہے اور اس بناء پر بھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مطلقاً فرمایا: کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعتِ حسنہ اور سیئہ کے مسئلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اور دوسرے علماء کرام کے درمیان محض نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیئے یا نہیں۔ الغرض علماء جسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔[1]

حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمۃ حدیث ''مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا، إلخ'' کے تحت فرماتے ہیں:

وَلِهٰذَا قَالَ الشَّيْخُ الْمُجَدِّدُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اِنَّ الْعَلُوْمَ الَّتِيْ وَسَائِلُ لِاَمْرِ الدِّيْنِ كَالصَّرْفِ وَالنَّحْوِ دَاخِلَةٌ فِى السُّنَّةِ وَلَا يُطْلِقُ عَلَيْهَا اِسْمُ الْبِدْعَةِ فَاِنَّ الْبِدْعَةَ عِنْدَهٗ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَيْسَ فِيْهَا حُسْنٌ اَلْبَتَّةَ۔

یعنی اسی بناء پر حضرت شیخ مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاہے کہ ایسے علوم جو حصول دین کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف و نحو، وہ سنت میں داخل ہیں اور حضرت شیخ مجدد ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں بالکل کوئی حسن نہیں ہے۔[2]

مذکورہ بالا بحث و تحقیق سے یہ امر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ مسئلہ بدعت میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اور دوسرے علماء اہل سنت کے درمیان ہرگز کوئی بنیادی و حقیقی اختلاف

[1] (حاشیہ مکتوباتِ شریفہ، دفتر اول مکتوب نمبر ۱۸۶، ازمولانا نور احمد مرحوم امرتسری مطبوعہ نقش پریس، لاھور)
[2] (حاشیۃ انجاح الحاجہ علی سنن ابن ماجہ، ص ۳)

نہیں بلکہ صرف لفظی نزاع ہے۔ مفہوم و مراد سب کے نزدیک ایک ہی ہے صرف اندازِ بیان اور اطلاقِ الفاظ میں فرق ہے۔

بینہ

حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسئلہ بدعت کے متعلق علمائے متقدمین اور آپ کے درمیان نزاعِ لفظی ہے مگر وہ علمائے متاخرین (ہم عصر اور ہم وطن علماء) جنہوں نے بدعتِ حسنہ کے دامن کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ بہت سی بدعاتِ سیئہ کو بدعاتِ حسنہ میں داخل کر دیا ہے (کفنِ میت میں عمامہ اور شملہ دستار کو بائیں طرف لٹکانا وغیرہا) جن کی اصل صدر اول میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی علمائے متقدمین نے ان کو بدعتِ حسنہ میں شمار کیا ہے۔ ان علمائے متاخرین اور آپ کے درمیان مسئلہ بدعت میں اختلاف لفظی نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی اختلاف ہے۔ آپ نے مکاتیبِ عدیدہ میں بدعت کی علت کی بناء پر مولود خوانی سے منع فرمایا ہے لیکن یہ ممانعت شریعتِ مطہرہ سے متصادم خرافات اور طریقہ وانداز کی وجہ سے نہ کہ اصل میلاد سے۔۔۔

جیسا کہ آپ نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھا:

در بابِ مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفسِ قرآن خواندن بصوتِ حسن ودر قصائد نعت ومنقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف وتغیر حروفِ قرآن است والتزام رعایت مقاماتِ نغمہ وتردید صوت بآن بطریق اِلحان باتصفیق مناسب آن کہ در شعر نیز غیر مباح است اگر برنہجے خوانند کہ تحریفے در کلماتِ قرآنی واقع نشود ودر قصائد خواندن شرائطِ مذکورہ متحقق نگردد وآن راہم بفرضِ صحیح تجویز نمایند چہ مانع۔

یعنی آپ نے مولود خوانی کے متعلق تحریر فرمایا کہ اچھی آواز کے ساتھ تلاوت قرآن اور نعت ومنقبت کے قصیدے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔۔۔ ممنوع تو قرآنی حروف میں تحریف و تغییر کرنا، قصیدہ خوانی میں قواعد موسیقی کی رعایت کا التزام کرنا، الحان کے طریقہ سے آواز کو حلق میں پھیرنا اور اس کے مناسب تالیاں بجانا ہے جو کہ شعر میں بھی مباح نہیں ہے۔ اگر اس طریقہ سے مولود خوانی کریں کہ قرآنی کلمات میں کوئی تحریف واقع نہ ہو اور قصائد خوانی میں مذکورہ شرائط (سُر، تال وغیرہا) متحقق نہ ہوں اور اس کو بھی صحیح غرض سے تجویز کریں تو (مولود خوانی کے جائز ہونے میں) کون سی چیز مانع ہے؟[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ کفنِ میت میں عمامہ کو بدعتِ حسنہ قرار دینے سے رفع سنت لازم آتا ہے کیونکہ مرد کے کفن میں تین کپڑے مسنون ہیں۔

جیسا کہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ۔

ترجمہ: یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تین سفید سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کفن کے کپڑوں کی تعداد دریافت کی گئی۔

فَقَالَتْ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ سَحُولِيَّةٍ۔

---

[1](مکتوب نمبر ۷۲، دفتر سوم)

[2](صحیح البخاری، ج۵، ص ۱۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

تو انہوں نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔[1]

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

كُفِّنَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فِي ثَلاثَةِ أَثْوَابٍ نَجْرَانِيَّةٍ الْحُلَّةُ ثَوْبَانِ وَقَمِيصُهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تین نجرانی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں دو کپڑے حلہ تھے اور ایک قمیص تھی جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے وصال فرمایا تھا۔[2]

* خلیفۂ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال سے قبل ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کفنِ نبوی کے متعلق دریافت فرمایا:

قَالَتْ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ۔۔۔۔ فَنَظَرَ إِلَى ثَوْبٍ عَلَيْهِ كَانَ يُمَرَّضُ فِيهِ بِهِ رَدْعٌ مِنْ زَعْفَرَانٍ فَقَالَ اغْسِلُوا ثَوْبِي هَذَا وَزِيدُوا عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ فَكَفِّنُونِي فِيهِمَا۔۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْهَا۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تین سفید سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔۔۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کپڑوں کی طرف دیکھا جن میں آپ بیمار ہوئے تھے وہ زعفران سے آلودہ تھے تو آپ نے فرمایا میرے اس کپڑے کو دھو لینا اور اس کے ساتھ مزید دو کپڑے ملا کر مجھے ان میں کفن دینا۔[3]

---

[1](صحيح مسلم، ج۵، ص ۲۶، المكتبة الفاروقية)
[2](سنن ابی داؤد، ج۳، ص ۱۷۰، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)
[3](صحيح البخاری، ج۵، ص ۱۳، المكتبة الفاروقية)

دوسری روایت میں یوں ہے:

فَقَالَ : إِذَا أَنَا مِتُّ فَاغْسِلُوا ثَوْبِي هَذَا ، وَضُمُّوا إِلَيْهِ ثَوْبَيْنِ جَدِيدَيْنِ، فَكَفِّنُونِي فِي ثَلاَثَةِ أَثْوَابٍ۔

یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے اس کپڑے کو دھو کر اس کے ساتھ مزید دو نئے کپڑے ملا کر مجھے تین کپڑوں کا کفن دینا۔ [1]

فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد میت کا کفن تین کپڑے ہی ہے، یعنی: كَفْنُ الرَّجُلِ سُنَّةٌ قَمِيْصٌ وَإِزَارٌ وَلِفَافَةٌ۔ بغیر گریبان اور آستین کے قمیص، ازار اور لفافہ، جن میں عمامہ نہیں ہوتا کیونکہ:

تُكْرَهُ الْعِمَامَةُ فِي الْأَصَحِّ۔

کیونکہ اصح قول کے مطابق میت کو عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔ [2]

بینہ

واضح رہے کہ کفن میں عدد مسنون تین کپڑے ہی ہیں اس لئے ان میں عمامہ کی زیادتی سے عددِ مسنون نہیں رہتا بلکہ جفت ہو جاتا ہے جو خلافِ سنت اور بدعت ہے اور بدعت رافع سنت ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدعَةٍ۔

یعنی جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو اسی کے مطابق اس قوم سے سُنت اٹھالی جاتی ہے لہٰذا سنت پر عمل کرنا اجرائے بدعت سے بہتر ہے۔ [1]

---

[1] (مسند احمد، ج ۶، ص ۴۵، الناشر: عالم الکتب -بیروت)

[2] (نور الایضاح مع مراقی الفلاح، ص ۲۱۲)

دوسری حدیث میں یوں ہے:

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

یعنی کوئی قوم اپنے دین میں بدعت شروع نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اس جیسی ایک سنت اس قوم سے اٹھالیتا ہے پھر اس سنت کو قیامت تک ان کی طرف واپس نہیں لوٹاتا۔[2] اَلْعِیَاذُ بِاللہِ مِنْھَا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ عمامہ کا شملہ بائیں جانب لٹکانا بدعت ہے جس سے رفع سنت لازم آتا ہے بلکہ شملہ کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا سُنت ہے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دونوں مبارک کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے۔[3]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی دستار کا شملہ بائیں جانب لٹکانا بدعت ہے۔[4]

---

[1](مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٦٦، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[2](مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٦٦، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[3](مشكوٰة المصابيح، ج ٢، ص ١٢٤٤، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[4](اشعات اللمعات مترجم، ج ۵، ص ۵۷۲)

بینہ

واضح رہے کہ جن علمائے متأخرین نے شملہ عمامہ جو بائیں طرف لٹکانا مستحسن قرار دیا ہے شاید ان کا اس سے مقصود مُردوں کے ساتھ مشابہت ہو حالانکہ یہ عمل رافع سنت ہے جو بدعت تک لے جانے والا اور حرام تک پہنچانے والا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ مردوں کے ساتھ مشابہت افضل ہے یا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت افضل ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وہ ذاتِ نور ہیں جو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے شرف سے مشرف ہیں۔ لہٰذا اگر وہ مُردوں کے ساتھ مشابہت کے خواہاں ہیں تو پھر بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی مشابہت کے لئے دوسروں سے افضل واولیٰ ہیں۔ بنابریں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت ومتابعت ہی کرنی چاہیئے تاکہ مرتبۂ محبوبیت نصیب ہو سکے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱) سے عیاں ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِيَّاهَا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ابتدائے نماز میں تکبیر تحریمہ سے قبل زبان کے ساتھ نیت کرنے کو بدعت قرار دیا ہے کیونکہ اس سے رفع فرض لازم آتا ہے جو فساد نماز کا مؤجب ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نیت کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

نیت کا لغوی وشرعی معنیٰ

لغتِ عرب میں نیت کا معنیٰ قصد کرنا ہے۔

جیسا کہ قاموس میں ہے:

نوى الشيء۔

ترجمہ: اس نے کسی چیز کا قصد کیا۔[1]

محدث کبیر حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیت کی شرعی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

تَوَجُّهُ الْقَلْبِ نَحْوَ الْفِعْلِ ابْتِغَاءً لِوَجْهِ اللّٰهِ, وَالْقَصْدُ بِهَا تَمْيِيزُ الْعِبَادَةِ عَنِ الْعَادَةِ۔

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی فعل کی طرف قلب کا متوجہ کرنا نیت کہلاتا ہے تا کہ عبادت، عادت سے متمیّز ہو جائے۔[2]

نیت کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

فأما معنى النية فهي عزم القلب على فعل العبادة تقربا إلى اللّٰه وحده۔

ترجمہ: یعنی نیت کا معنیٰ اللہ وحدہٗ کا قُرب حاصل کرنے کی خاطر ادائے عبادت کے لئے قلب کا عزم کرنا ہے۔[3]

حکمِ نیت کے متعلق اختلافِ فقہاء

إن النية لازمة في الصلاة، فلو تركت بطلت الصلاة, باتفاق المذاهب, لا فرق في ذلک بين كونها شرطاً في صحتها أو جزءاً من أجزائها, أما طلبة العلم الذين يريدون أن يعرفوا اصطلاح كل مذهب, فعليهم أن يعرفوا أن المالكية والشافعية اتفقوا على أن النية ركن من أركان الصلاة,فلو لم ينو الصلاة فإنه لا يقال له: قد صلى أصلاً, والحنفية والحنابلة

---

[1] (القاموس المحيط,ج ١,ص ١٣٤١, الناشر:مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع,بيروت-لبنان)

[2] (مرقاة المفاتيح,ج ١,ص ٤١,الناشر:دار الفكر,بيروت-لبنان)

[3] (الفقه على المذاهب الاربعة,ج ١,ص ١٩٠, الناشر:دار الكتب العلمية,بيروت-لبنان)

اتفقوا على أنها شرط، بمعنى أنه إن لم يأت بها فإنه يكون قد صلى صلاة باطلة، وبذلک تعلم أن النية بالمعنى المتقدم فرض، أو شرط لا بد منه على كل حال۔

ترجمہ: یعنی بے شک نیت نماز میں لازم ہے، اگر نیت چھوڑ دی گئی تو تمام مذاہب کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی۔۔۔ حضرات مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس امر پر متفق ہیں کہ نیت ارکانِ نماز میں سے ایک رکن ہے۔ پس اگر کسی نے نماز کی نیت نہیں کی تو اس کی نماز ہرگز نہیں ہوگی۔ جبکہ فقہائے حنفیہ وحنابلہ کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ نیت نماز کے لئے شرط ہے باایں معنی کہ اگر شرط مفقود ہوئی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ نیت سابقہ معنی کے اعتبار سے فرض ہو یا شرط بہر حال یہ نماز کے لئے ضروری ہے۔ [1]

لسانی نیت سنت سے ثابت نہیں

فقہائے احناف کے نزدیک نیت شرائطِ نماز میں سے ہے جو قلب کا فعل ہے، اس لئے تکبیرِ تحریمہ سے پہلے لسانی نیت کرنے سے شرط مفقود ہو جاتی ہے جو مشروط (نماز) کے فاقد وفاسد ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ چونکہ لسانی نیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت نہیں ہے اور نہ ہی تابعین عظام اور فقہائے اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے ثابت ہے۔ اس لئے یہ بدعت ہے چنانچہ اس سلسلہ میں فقہائے کرام اور علمائے اعلام کے فرمودات ملاحظہ ہوں:

---

[1] (الفقه على المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۱۹۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان)

حضرت امام ابن ہمام ارقام پذیر ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْحُفَّاظِ : لَمْ يَثْبُتْ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيقٍ صَحِيحٍ وَلَا ضَعِيفٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الِافْتِتَاحِ أُصَلِّي كَذَا ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ ، بَلْ الْمَنْقُولُ أَنَّهُ كَانَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذَا قَامَ إلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَهَذِهِ بِدْعَةٌ۔

یعنی بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے صحیح یا ضعیف کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نماز شروع کرتے وقت یہ الفاظ فرماتے ہوں: اُصَلِّیۡ کَذَا (کہ میں فلاں نماز ادا کرنے لگا ہوں) اور نہ ہی کسی صحابی یا تابعی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے زبان کے ساتھ نیت کرنا ثابت ہے بلکہ احادیث مبارکہ میں یہی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب ادائے نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔اس لئے زبان کے ساتھ نیت کرنا بدعت ہے۔[1]

حضرت علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام پذیر ہیں:

فلم ينقل أحد أنه -صلى الله عليه وسلم- تلفظ بالنية، ولا علّم أحدا من أصحابه التلفظ بها، ولا أقره على ذلک. بل المنقول عنه فى السنن أنه قال: مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير، وتحليلها التسليم۔

ترجمہ: یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا زبان کے ساتھ لفظاً نیت کرنا منقول نہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کو تلفظ بالنیۃ کی تعلیم دی اور نہ ہی آپ نے اس کی تلقین فرمائی۔بلکہ کتب سنن میں آپ کا ارشاد

---

[1] (فتح القدیر، ج ۲، ص ۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

گرامی منقول ہے کہ نماز کی کلید طہارت ہے، اس کی تحریم تکبیر (تکبیر تحریمہ) ہے اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔[1]

صاحب کبیری تحریر فرماتے ہیں:

وَفِی الْکِفَایَةِ عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِیْ اَلْاَفْضَلُ اَنْ یَّشْتَغِلَ قَلْبُهٗ بِالنِّیَّةِ وَ لِسَانُهٗ بِالذِّکْرِ یَعْنِیْ التَّکْبِیْرِ وَیَدُهٗ بِالرَّفْعِ۔

یعنی کفایہ میں شرح طحاوی کے حوالہ سے نقل ہے کہ افضل یہ ہے کہ نمازی کا قلب نیت میں زبان ذکر یعنی تکبیر تحریمہ میں اور ہاتھ اٹھنے میں مشغول ہوں۔[2]

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

کَانَ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَی الصَّلَاۃِ قَالَ "اللّٰہُ أَکْبَرُ" وَلَمْ یَقُلْ شَیْئًا قَبْلَھَا وَ لَا تَلَفَّظَ بِالنِّیّةِ الْبَتّةَ وَ لَا قَالَ أُصَلِّي لِلّٰہِ صَلَاۃَ کَذَا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ أَرْبَعَ رَکعَاتٍ إمَامًا أَوْ مَأْمُومًا وَ لَا قَالَ أَدَاءً وَ لَا قَضَاءً وَ لَا فَرْضَ الْوَقْتِ وَھَذِہِ عَشْرُ بِدَعٍ لَمْ یَنْقُلْ عَنْہُ أَحَدٌ قَطّ بِإِسْنَادٍ صَحِیحٍ وَ لَا ضَعِیفٍ وَ لَا مُسْنَدٍ وَ لَا مُرْسَلٍ لَفْظَةً وَاحِدَةً مِنْھَا الْبَتّةَ بَلْ وَ لَا عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِہِ وَ لَا اسْتَحْسَنَہُ أَحَدٌ مِنَ التَابِعِینَ وَ لَا الْأَئِمّةِ الْأَرْبَعَةِ وَإِنّمَا غَرّ بَعْضَ الْمُتَأَخّرِینَ قَوْلُ الشّافِعِيّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ فِي الصّلَاۃِ إنّھَا لَیْسَتْ کَالصّیَامِ وَ لَا یَدْخُلُ فِیھَا أَحَدٌ إلّا بِذِکْرٍ فَظَنّ أَنّ الذّکْرَ تَلَفّظُ الْمُصَلّي بِالنّیّةِ وَإِنّمَا أَرَادَ الشّافِعِيّ رَحِمَہُ اللّٰہُ بِالذّکْرِ تَکْبِیرَۃَ الْإِحْرَامِ لَیْسَ إلّا وَ کَیْفَ یَسْتَحِبّ الشّافِعِيّ أَمْرًا لَمْ یَفْعَلْہُ النّبِيّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّمَ فِي صَلَاۃٍ وَاحِدَۃٍ وَ لَا أَحَدٌ مِنْ خُلَفَائِہِ وَأَصْحَابِہِ وَھَذَا ھَدْیُھُمْ وَسِیرَتُھُمْ فَإِنْ أَوْجَدَنَا أَحَدٌ حَرْفًا وَاحِدًا عَنْھُمْ فِي ذَلِکَ قَبِلْنَاہُ ۔۔۔۔۔ وَ لَا سُنّةَ إلّا مَا تَلَقّوْہُ عَنْ صَاحِبِ الشّرْعِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّمَ۔

---

[1] (المواھب اللدنیہ، ج٣، ص ١٩٥، الناشر: المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ-مصر)

[2] (کبیری شرح منیہ، ص ٢٩٦)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب ادائے نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع فرمادیتے اور اس سے قبل کچھ نہ کہتے اور نہ زبان کے ساتھ نیت فرماتے اور نہ یوں کہتے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے فلاں نماز پڑھنے لگاہوں میرا رُخ بجانب قبلہ چار رکعات بحیثیت امام یا مقتدی اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ادا یا قضا اور وقت فرض کے الفاظ فرماتے۔

اس طرح تکبیرِ تحریمہ سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ نیت کرنے والا نمازی دس بدعتوں کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان الفاظ میں سے کوئی لفظ سند صحیح یا ضعیف یا مسند اور مرسل کے ساتھ کسی نے قطعًا نقل نہیں کیابلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے اور نہ ہی تابعین کرام اور آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے اسے مستحب کہا ہے۔

البتہ بعض متاخرین کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول سے مغالطہ ہوا کہ نماز روزوں کی طرح نہیں ہے کہ جس میں کوئی نمازی ذکر کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ پس ان متأخرین فقہاء کو لفظ ذکر سے نمازی کا زبان کے ساتھ نیت کرنے کا گمان ہوا ہے حالانکہ ذکر سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد تکبیرِ تحریمہ کے سوا کچھ بھی نہیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی ایسے کام کو کیسے مستحب قرار دے سکتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک نماز میں بھی نہیں کیا اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلفائے عظام اور

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے کیا ہے اور یہی ان کا راستہ اور سیرت ہے۔ اگر ہم ان سے ایک حرف بھی کتبِ احادیث میں پاتے تو اسے بسر و چشم قبول کرتے۔ [1]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی تَلَفُّظٌ بِالنِّيَّةِ کرنے والا بدعتی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ التَّلَفُّظُ بِالنِّيَّةِ فَإِنَّهُ بِدْعَةٌ، وَالْمُتَابَعَةُ كَمَا تَكُونُ فِي الْفِعْلِ تَكُونُ فِي التَّرْكِ أَيْضًا، فَمَنْ وَاظَبَ عَلَى فِعْلٍ لَمْ يَفْعَلْهُ الشَّارِعُ، فَهُوَ مُبْتَدِعٌ۔

یعنی زبان کے ساتھ نیت کرنا جائز نہیں بلکہ یہ بدعت ہے۔ متابعت جیسے کسبِ فعل میں ہوتی ہے ایسے ہی ترکِ فعل میں بھی ہوتی ہے لہٰذا جس شخص نے ایسے فعل پر مواظبت کی جسے حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا وہ بدعتی ہے۔ [2]

بینات

واضح رہے کہ نیت قلب کا فعل ہے اور اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِيْدُ الْحَجَّ۔۔۔ إلخ کے الفاظ دعا ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ابتدائے احرام میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سکھائے۔

چنانچہ علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولقد صلى صلى الله عليه وسلم أكثر من ثلاثين ألف صلاة فلم ينقل عنه أنه قال: نويت أصلي صلاة كذا وكذا، وتركه سنة، كما أن فعله سنة۔

---

[1] (زادالمعاد في هدى الخير العباد، ج ۱، ص ۲۰۱، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت -مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

[2] (مرقاة المفاتيح، ج ۱، ص ۴۲، الناشر: دار الفكر، بيروت -لبنان)

ترجمہ: یعنی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ میں تیس ہزار سے زائد نمازیں ادا فرمائیں مگر آپ سے کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ آپ نے بایں الفاظ زبان کے ساتھ نیت فرمائی ہو نویت أصلی صلاۃ کذا و کذا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کسی فعل کو ترک کرنا بھی سنت ہے، جیسا کہ آپ کا کسی فعل کو کرنا سنت ہے۔[1]

* یہ امر ذہن نشین رہے کہ لسانی نیت چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، صحابہ و تابعین عظام اور آئمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں ہے اس لئے یہ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات نہیں بلکہ بعض مشائخ کی سنت ہے جو لائقِ اعتبار نہیں۔

چنانچہ حضرت امام حسن بن عمار حنفی ارقام پذیر ہیں:

فمن قال من مشایخنا إن التلفظ بالنیة سنة لم یرد به سنة النبي صلی اللہ علیه وسلم بل سنة بعض المشایخ۔[2]

اسی طرح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَالنِّیَّةُ بِالْقَلْبِ لِأَنَّهُ عَمَلُهُ، وَالتَّکَلُّمُ لَا مُعْتَبِرَ بِهِ۔[3]

* یہ امر بھی مستحضر رہے کہ حقیقت نیت چونکہ عالمِ کسب سے نہ ہونے کی بناء پر غیر اختیاری ہے اس لئے اگر سالکینِ طریقت بعض اعمالِ صالحہ میں یوں نیت کر لیں کہ جو نیت ہمارے شیخ مکرم کی ہے وہی نیت ہماری ہے تو اس طرح شیخ کے صدق نیت کی بدولت مریدین کے اعمال بھی شرفِ

---

[1] (المواھب اللدنیة، ج۳، ص ۱۹۶، الناشر: المکتبة التوفیقیة، القاھرة-مصر)
[2] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ج۱، ص ۱۵۱، المکتبة العصریة)
[3] (مرقاة المفاتیح، ج۱، ص ۴۲، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

قبولیت پا جائیں گے جیسا کہ حضرت سیدنا علی المرتضٰی اور حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عمل سے ثابت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا:

بِمَا أَهْلَلْتَ يَا عَلِيُّ قَالَ بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یعنی اے علی! احرام باندھتے وقت کیا نیت کی تھی؟ انہوں نے عرض کیا جو نیت میرے نبی مکرم نے کی ہے وہی میری نیت ہے۔[1]

یونہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

بِمَا أَهْلَلْتَ قُلْتُ أَهْلَلْتُ كَإِهْلَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: یعنی اے ابو موسیٰ! کس نیت سے احرام باندھا ہے انہوں نے عرض کیا میں نے اسی نیت سے احرام باندھا ہے جس نیت سے میرے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے باندھا ہے۔[2]

* کاشفِ اسرارِ طریقت حضرت خواجہ محمد موسیٰ بن خواجہ عیسیٰ نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کہ چہ نیت باشد ونیت برائے صلاۃ شرط است نماز وقتی درست باشد کہ نیت درست شود کَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اَلْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

---

[1](صحیح البخاری، ج۵، ص ۴۵۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2](صحیح البخاری، ج۵، ص ۴۵۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

وعبداللہ سہل تستری رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ می گوید النیۃ النور ومحمد بن جعفر مکی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ می گوید در حروفات نیت وفرمودہ نیت آنست کہ آن حرف النون اشارۃ إلی النور وحرف الیاء إشارۃ إلی ید اللہ وحرف التاء إشارۃ إلی ھدایت اللہ فإن النیۃ نسیم الروح وریحان وجنت نعیم پس ہمہ عملہا موقوف بہ نیت است ونیت از عالم کسب نباشد اما از عالم عطاء وخلعت الٰہی باشد از ینجا بود کہ بشر حافی بر جنازہ حسن بصری نماز نگذارد وگفت نیت رانیافتم ایں چنیں نیت در نماز باید۔

ترجمہ: یعنی اے عزیز! حقیقتِ نماز کے متعلق تو ساعت کر لیا اب نیت کا راز سُنئے: اہلِ ظاہر کو کیا معلوم کہ نیت کیا ہے؟ نیت نماز کے لئے شرط ہے، نماز تب ہی درست ہو گی جب نیت درست ہو گی جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ حضرت عبد اللہ سہل تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نیت ایک نور ہے اور شیخ محمد بن جعفر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ نیت تین حروف کا مجموعہ ہے اس کا حرف نون نور کی طرف اشارہ ہے، حرف یاء ید اللہ کی طرف اشارہ ہے اور حرف تاء ہدایت اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ پس نیت خوشبوئے روح، پھول اور جنت نعیم ہے اس لئے تمام اعمال نیت پر ہی موقوف ہیں اور نیت عالمِ کسب سے نہیں بلکہ یہ عطائے ربانی اور خلعتِ الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ بشر حافی، حضرت خواجہ حسن بصری (رحمہما اللہ تعالیٰ) کی نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوئے تو استفسار پر فرمایا کہ مجھے حضور نیت میسر نہ تھا۔ اس طرح کی نیت نماز میں ہونی چاہیئے۔[1]

---

[1] (نوادر المعارف (قلمی نسخہ)، ص ۵۶)

(من شاء التفصيلات فليراجع إلى مذاق العارفين المجلد الرابع)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کمالاتِ نبوت سے متصف اور حقائق الٰہیہ سے متحقق ہونے کی بناء پر علمائے راسخین اور عرفائے کاملین کے سرخیل ہیں اور مقامِ مشاہدہ وامامت اور مرتبۂ یقین ومجددیت پر فائز المرام ہونے کی بدولت آپ پر حقائق شریعت اور اسرارِنیت آشکارا ہوئے، اس لئے آپ کی مجددانہ تحقیقات انفرادی شان اور عارفانہ تخلیقات امتیازی مقام رکھتی ہیں۔وَلِلّٰہِ الْحَمْد

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی متابعت پر اقتصار اور اقتدائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اکتفاء کرنے کی تاکید فرمارہے ہیں کیونکہ متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات مرتبۂ محبوبیت اور اتباعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رضائے الٰہی اور حصولِ جنت کا مؤجب ہیں، جیسا کہ آیاتِ کریمہ: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱) اور وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي (التوبۃ ۱۰۰) سے واضح ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

علو این طریقہ علیّہ ورفعت طبقۂ نقشبندیہ بواسطۂ التزام سنت است واجتناب از بدعت لہٰذا اکابرِ این طریقۂ علیّہ از ذکر جہر اجتناب فرمودہ بذکر قلبی دلالت نمودہ اند واز سماع ورقص ووجد وتواجد کہ در زمانِ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام ودر زمانِ خلفائے راشدین نبودہ علیہم الرضوان منع فرمودہ وخلوت واربعین کہ در صدرِ اول نبودہ بجائے آن خلوت در انجمن اختیار کردہ لا جرم نتائج عظیمہ برین التزام مترتب گشتہ است وثمراتِ کثیرہ بر آن

اجتناب متفرع شدہ از اینجاست کہ نہایت دیگراں در بدایت این بزرگواراں مندرج است ونسبتِ ایشاں فوقِ ہمہ نسبت ہاآمدہ۔۔۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند
کہ برند ازرہِ پنہاں بحرمِ قافلہ را
از دلِ سالک رہِ جاذبہ ٔشان
می بردوسوسہ ٔخلوت وفکر چِلہ را

یعنی اس طریقہ علیہ کی بزرگی اور طبقہ ٔنقشبندیہ کی رفعت، التزام سنت کی وساطت اور اجتنابِ بدعت کی بدولت ہے۔ لہٰذا اس طریقہ ٔعلیہ کے اکابرین نے ذکرِ جہر سے اجتناب فرما کر ذکرِ قلبی کی تلقین فرمائی ہے اور سماع، رقص، وجد اور تواجد جو سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ نبوت اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے دورِ خلافت میں نہ تھے، ان سے منع فرمایا۔ گوشہ نشینی اور چلہ کشی جو دورِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نہ تھے کہ بجائے خلوت درانجمن کو اختیار فرمایا۔ یقیناً اس التزامِ سنت پر عظیم نتائج مترتب ہوئے ہیں اور اس اجتنابِ بدعت سے کثیر ثمرات حاصل ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دوسروں کی انتہاء ان بزرگوں کی ابتداء میں درج ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں پر غالب آگئی ہے۔۔۔

ان ہی وجوہات کی بناء پر آپ نے طریقہ ٔنقشبندیہ کو بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

این طریقہ بعینہٖ طریق اصحاب کرام است رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ [1]

چونکہ سماع ورقص، وجد و تواجد، گوشہ نشینی اور خلوت گزینی جیسے امورِ زمانہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات عہدِ خلفاء اربعہ اور دورِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نہ تھے۔ یہ سب بعد کی ایجادات ہیں۔ خواجگانِ نقشبندیہ التزام سنت، تخریبِ بدعت اور عمل بعزیمت کا خصوصی اہتمام وانصرام کرتے ہیں۔ اس لئے یہ حضرات کسی رقّاص، مکّار اور دجّال سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔

ناصر الدین، قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

خواجگانِ ایں سلسلہ علیّہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بہر زرّاقے ورقاصے نسبت ندارند کارخانۂ ایشاں بلند است۔ [2]

بقول شاعر:

سُر کیسی، ساز کیسا، کیسی بزمِ سامعین
سوزِ دل کافی ہے ہم کو یار منانے کے لئے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سنت کے متعلق قدرے معلومات فراہم کر دی جائیں تاکہ فہمِ مسئلہ میں سہولت رہے۔ وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

---

[1] (مکتوب نمبر ۶۲، دفتر اول)
[2] (مکتوب نمبر ۲۴۳، دفتر اول)

سنت کی تعریفات

حضرت شیخ دکتور عبد الکریم زیدان نے الوجیز فی اصول الفقه میں سنت کی تین تعریفات بیان فرمائی ہیں جو بتغییر یسیر ہدیۂ قارئین ہیں:

لغتِ عرب میں سنت کے معانی چہرہ، عادت، طریقہ، سیرت اور طبیعت وغیرہا آتے ہیں۔

* السُّنَّةُ الطَّرِيقَةُ الْمَحْمُودَةُ الْمُسْتَقِيمَةُ، وَلِذَلِکَ قِيلَ: فُلَانٌ مِنْ أَهلِ السُّنَّة، مَعْنَاهُ مِنْ أَهلِ الطَّرِيقَةِ الْمُسْتَقِيمَةِ الْمَحْمُودَةِ۔

یعنی سُنت پسندیدہ راہِ راست کو کہتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اہلِ سنت میں سے ہے یعنی سیدھے پسندیدہ راستہ والوں سے ہے۔[1]

* اصطلاح فقہاء میں سنت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے فرض اور واجب کے علاوہ منقول نفلی عبادات یا مندوب افعال وعبادات کو کہا جاتا ہے اور کبھی کلامِ فقہاء میں سنت کا اطلاق بدعت کے مقابل بھی ہوتا ہے۔

جیسے کہا جاتا ہے:

فُلَانٌ عَلٰی سُنَّةٍ اِذَا عَمِلَ وَفْقَ عَمَلِ النَّبِيِّ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم وَفُلَانٌ عَلٰی بِدْعَةٍ اِذَا عَمِلَ عَلٰی خِلَافِ ذَالِکَ۔

یعنی فلاں شخص سنت پر ہے جب اس کا عمل، عملِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے موافق ہو اور فلاں شخص بدعت پر ہے جب اس کا عمل عملِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلاف ہو۔

---

[1](لسان العرب، ج۱۳، ص۲۲۶، الناشر: دار صادر-بیروت)

* علمائے اصولیین نے سُنت کی تعریف یوں کی ہے:

السنة ما صدر عن الرسول صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علی آلہ و أصحابہ غیر القرآن من قول و فعل و تقریر۔

یعنی قرآن مجید کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے صادر ہونے والے قول، فعل یا تقریر کو سنت کہا جاتا ہے۔ [1]

اس اعتبار سے سنت فقہی دلائل اور تشریعی مصادر میں سے ایک دلیل اور مصدر ہے۔

تشریعی اعتبار سے سُنت کی اقسام

سنت کی ذات وماہیت کے اعتبار سے تین اقسام ہیں:

۱۔ سُنتِ قولیہ ۲۔ سُنتِ فعلیہ ۳۔ سُنتِ تقریریہ

سُنتِ قولیہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وہ اقوالِ مقدسہ جو آپ نے مختلف مواقع پر مختلف اغراض ومقاصد کی خاطر ارشاد فرمائے عموماً ان ہی اقوال نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔

وَ الْحَدِیْثُ یُطْلَقُ عَلٰی قَوْلِ الرَّسُوْلِ خَاصَّۃً۔ [2]

اس اعتبار سے سنتِ قولیہ اور حدیث باہم مترادف ہیں۔

---

[1] (فواتح الرحموت، ج۳، ص ۱۹۹)
[2] (نور الأنوار، ص ۱۷۹)

چند اقوالِ مقدسہ پیشِ خدمت ہیں:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ۔۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

سُنتِ قولیہ کی تشریعی حیثیت

اقوالِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات تب ہی تشریعی مصدر ہوتے ہیں جب ان میں بیانِ احکام اور تشریعی حیثیت مقصود ہو۔ لیکن جب یہ محض دنیوی امور سے متعلق ہوں تو ان کا تشریع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا مبنٰی وحی نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ احکام کے دلائل میں سے نہ کوئی دلیل بن سکتے ہیں اور نہ ہی احکامِ شرعیہ کے استنباط کے لئے ماخذ اور نہ ہی اس قسم کے اقوال کی متابعت امر لازم ہوتی ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تأبیر نخل نہ کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ دوسرے درختوں پر عمل تلقیح نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ہوائیں خود ہی اس عمل کو انجام دیتیں جیسا کہ آیہ کریمہ: وَأَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ (الحجر ۲۲) سے عیاں ہے۔ لیکن جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آئندہ برس کم پھل آنے کی بابت عرض کیا (کیونکہ درخت عرصہ دراز سے عمل تابیر کے عادی تھے اور انہیں اپنی طبعی حالت پر آنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا)۔

تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْیَاکُمْ۔

کیونکہ یہ دنیوی امور ہیں جنہیں تم بہتر سمجھتے ہو۔ [1]

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۵۴، المکتبة الفاروقیة)

سنتِ فعلیہ

یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے افعالِ طیبہ ہیں جیسے نماز کو اس کی ہیئت اور ارکان کے ساتھ ادا کرنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ایک گواہ اور مدعی سے قسم لے کر فیصلہ فرمانا وغیرہا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے افعالِ طیبہ دو قسم کے ہیں کچھ تو تشریعی احکام کا مصدر بن سکتے ہیں اور کچھ تشریعی ماخذ نہیں بن سکتے۔

(الف) افعال طبعیہ وہ افعال ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بشری جبلّت اور انسانی فطرت کے اعتبار سے صادر ہوئے جیسے خورد ونوش، نشست وبرخاست وغیرہا۔ یہ افعال تشریعی ماخذ نہیں ہوتے کہ ان کی پابندی کرنا امت پر لازم ہو البتہ مکلفین کے لئے مباح ضرور ہوتے ہیں۔ اس قسم کی متابعت احسن امر ہے اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس متابعت کے بہت حریص ہوتے تھے۔

كان شديد الاتباع لآثار رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أنه ينزل منازله، ويصلي في كل مكان صلى فيه، ويبرك ناقته في مبرك ناقته، ونقلوا أن النبي صلى الله عليه وسلم نزل تحت شجرة، فكان ابن عمر يتعاهدها بالماء۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آثارِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی متابعت کا بھی بہت اہتمام فرماتے یہاں تک کہ ان ہی منازل پر دورانِ سفر قیام فرماتے جن جن مقامات پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے قیام فرمایا اور جہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نماز ادا فرمائی وہیں نماز ادا کرتے اور جس مقام پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اونٹنی بیٹھی اسی مقام پر اونٹنی کو بٹھاتے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک مرتبہ

ایک درخت کے نیچے استراحت فرمائی تھی، اسی لئے آپ اسے ہمیشہ پانی دیتے تاکہ محبوب کی یادگار سرسبز وشاداب رہے۔[1]

اقبال مرحوم نے خوب کہا:

کیفیت ہاخیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق
کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد
عاشقی محکم شوار تقلید یار

ایسے ہی دنیاوی امور جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم انسانی ملکہ ومہارت کے طور پر آپ سے صادر ہوئے تشریعی ماخذ نہیں بن سکتے۔رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان افعال مبارکہ کو امت پر لازم نہیں فرمایا کیونکہ ان کا مبنٰی وحی نہیں ہوتا بلکہ تجربہ ہوتا ہے۔جیسے غزوۂ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسلامی لشکر کے لئے ایک معیّن مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ فرمایا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا:

اَرَأَیْتَ ھٰذَا الْمَنْزِلَ أَمَنْزِلًا اَنْزَلَکَہُ اللّٰہُ لَیْسَ لَنَا اَنْ نَتَقَدَّمَہُ وَلَا نَتَأَخَّرَ عَنْہُ أَمْ ھُوَ الرَّأْیُ وَالْحَرْبُ وَالْمَکِیْدَۃُ؟ قَالَ بَلْ ھُوَ الرَّأْیُ وَالْحَرْبُ وَالْمَکِیْدَۃُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاِنَّ ھٰذَا لَیْسَ بِمَنْزِلٍ۔

یعنی کیا اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قیام کا حکم فرمایا ہے یا یہ آپ کی ذاتی رائے اور حربی چال ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ میری جنگی رائے اور حربی تدبیر ہے۔اس

---

[1](تهذيب الأسماء واللغات للنووي، ج ۱، ص ۳۸۴)

پر وہ صحابی عرض گزار ہوئے۔۔۔یہ جگہ پڑاؤ کے لئے مناسب نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دوسرے مقام پر لشکر کے پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا اور اس کی متعدد وجوہات عرض کیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کی اس رائے کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔

اسی قسم میں بذریعہ دعویٰ واقعات کا اثبات بھی شامل ہے جن میں غور وخوض کیا جاتا ہے کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اندازے سے فیصلہ ہوتا ہے۔ یہ امت کے لئے تشریعی حیثیت نہیں رکھتا البتہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا بذریعہ دلائل وقوع دعویٰ کے ثابت ہو جانے پر فیصلہ دے دینا امت کے لئے قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہہ کر فرمایا تم میرے پاس جھگڑے چکانے کے لئے آتے ہو ممکن ہے تم میں کوئی چرب زبان اپنا مؤقف احسن انداز کے ساتھ بیان کر دے اور میں اس کے متعلق فیصلہ کر دوں۔۔۔۔

(ب) وہ افعال مبارکہ جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونے کی بناء پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں۔ امت ان افعال میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ شریک نہیں ہے، اس لئے ان افعال میں متابعت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات درست نہیں۔ جیسے ایک وقت چار سے زائد نکاح کی بندۂ مؤمن کو اجازت نہیں ہے، ایسے ہی صیام وصال سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ. فَقَالَ لَهُ رجل: إِنَّک تواصل يَا رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَأَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيْتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي ويسقيني۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صیامِ وصال سے منع فرمایا تو ایک شخص عرض گذار ہوا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ خود تو وصال کے روزے رکھتے ہیں اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا تم میں میری مثل کون ہے؟ میں تو شب اپنے رب کے حضور بسر کرتا ہوں، وہ مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔[1]

(ج) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وہ افعالِ طیبہ جن کی بابت معلوم ہو کہ یہ قرآن مجید میں مجمل نص کی وضاحت کے لئے آئے ہیں تو آپ کی وہ وضاحت امت کے لئے تشریعی حیثیت رکھتی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس وضاحتی فعل کا حکم اسی نص کے حکم کی مانند ہو گا جو کسی فعل کے وجوب اور ندب وغیرہا کو واضح کرتا ہے۔

آپ کا فعل مبارک کسی مجمل کی وضاحت (بیان) کے لئے یا تو صریح قول سے ہوتا ہے یا قرائنِ احوال کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ صریح قول کی مثال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد گرامی: صَلُّوْ كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ ہے جو ارشاد ربانی أَقِيمُوا الصَّلَاةَ (الأنعام ۷۲) مجمل حکم کی وضاحت ہے۔ یونہی ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ[2] ارشاد ربانی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران ۹۷) کی وضاحت ہے۔

ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹنے کا حکم دینا ارشاد ربانی: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدة ۳۸) قرینۂ حال کی مثال ہے۔

---

[1](مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۱۷۹، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

[2](معرفة السنن والآثار للبيهقي، ج ۷، ص ۳۴۴، الناشرون: جامعة الدراسات الإسلامية (كراتشي -باكستان)، دار قتيبة (دمشق -بيروت)، دار الوعي (حلب -دمشق)، دار الوفاء (المنصورة -القاهرة))

(د) رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وہ افعال مقدسہ جو آپ نے ابتداءً انجام دیئے اور ان کی واجب، مندوب اور مباح ہونے کے اعتبار سے شرعی حیثیت معلوم ہو گئی وہ امت کے لئے تشریعی حیثیت رکھتے ہیں، اور مکلفین کے حق میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ان افعال کا حکم آیہ کریمہ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الأحزاب ۲۱) کے مطابق ثابت ہو جائے گا۔

(ہ) وہ افعالِ طیبہ جو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سرانجام دیئے لیکن ان کی شرعی حیثیت معلوم نہ ہو۔۔۔ البتہ یہ معلوم ہو کہ ان افعال کے اکتساب سے قربت مقصود ہے جیسے بعض عبادات کو بغیر مواظبت کے بجالانا۔۔۔ تو اس قسم کا فعل امت کے حق میں مستحب ہو گا، اور اگر کسی فعل میں قربت (ثواب) مقصود ہونے کا بھی علم نہ ہو تو اس قسم کا فعل امت کے حق میں مباح کی حیثیت رکھتا ہے جیسے مزارعت اور خرید و فروخت وغیرہا۔

سنتِ تقریریہ

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی موجودگی میں کسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کوئی قول کیا۔۔۔ یا کسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کوئی فعل سرزد ہوا۔۔۔ یا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عدم موجودگی میں کسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کوئی قول و فعل صادر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اس کا علم ہوا اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا تو اس قول یا فعل کو سنتِ تقریریہ کہتے ہیں۔ آپ کا سکوت اس فعل کے جواز واباحت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر وہ قول و فعل ناجائز ہوتا تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ضرور اس کی ممانعت فرما دیتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی یہ شان نہیں

کہ وہ کسی باطل یا ناپسندیدہ قول و فعل پر خاموش رہتے، جیسے حربیوں کے بچوں کا مسجد میں کھیلنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کھیل کو دسے منع نہ کرنا سنتِ تقریریہ کی مثال ہے۔

لیکن کسی فعل پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا استبشار واستحسان اور اظہار خوشنودی محض سکوت وعدم انکار سے اظہر واکدّ ہے جیسے منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گہری سیاہ رنگت اور ان کے والد گرامی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گورا رنگ ہونے کی وجہ سے طعن کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ دونوں حضرات مسجد (نبوی) میں ایک ہی چادر اوڑھے ہوئے استراحت کر رہے تھے مگر چادر کے چھوٹا ہونے کی بناء پر دونوں کے قدم نظر آرہے تھے۔ قیافہ شناس نے دونوں کے قدم دیکھ کر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ قدم اصل اور فرع (باپ اور بیٹے) کے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا چہرۂ انور خوشی وسرور سے تمتما اٹھا فَظَهَرَ السُّرُوْرُ عَلٰی وَجْهِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَام۔[1]

* جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: جب کوئی مقدمہ پیش آگیا تو کیسے فیصلہ کروگے؟ انہوں نے عرض کیا میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا میں سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور کتاب اللہ میں نہ پاؤ تب؟ عرض گزار ہوئے میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا

---

[1] (حاشیہ اصول الفقہ لدکتور حسین حامد حسان، ص ۲۱۲)

اور حقیقت تک رسائل حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کے سینے کو تھپکتے ہوئے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰہِ لِمَا یُرْضِی رَسُولَ اللّٰہِ۔

ترجمہ: خدا تعالیٰ کی حمد وستائش ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نمائندے کو وہ توفیق ارزانی فرمائی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو خوش کرے۔[1]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زیارتِ نبوی اور صحبتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی بدولت تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفوس سے شادکام تھے اس لئے ہر قسم کی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض سے پاک تھے علاوہ ازیں سنت تقریریہ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال ہیں جن پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سکوت واستبشار کی مہرِ تصدیق ثبت ہے، اس لئے اصولیین حنفیہ نے ان پر بھی سنت کا اطلاق کیا ہے۔

حضرت ملا جیون صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام پذیر ہیں:

اَلسُّنَّۃُ تُطْلَقُ عَلٰی قَوْلِ رَسُوْلِ وَفِعْلِہٖ وَسُکُوْتِہٖ وَعَلٰی اَقْوَالِ الصَّحَابَۃِ وَاَفْعَالِھِمْ۔

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول، فعل وسکوت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔[2]

اس سلسلہ میں چند احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات ملاحظہ ہوں:

تَرَکْتُ فِیکُمْ أَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا: کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُولِہٖ۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج۳، ص ۳۳۰، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

[2] (نور الانوار، ص ۱۷۹)

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان دونوں پر مضبوطی سے عامل رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت ہے۔[1]

اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر و عمر۔

میرے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اقتداء کرنا۔[2]

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔

ترجمہ: تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔[3]

أَصْحَابِي كَالنُّجومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ۔

ترجمہ: میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتداء کروگے تو ہدایت ہی پاؤ گے۔[4]

غرضیکہ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی متابعت اور اقتدائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کفایت کرنا ہی احوط و اسلم و افضل و اولیٰ ہے اور اسی پر طریقتِ نقشبندیہ کا مدار و انحصار ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ایک سوال مقدر کا جواب تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح کفن میت میں عدد مسنون پر زیادتی شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا اور ابتدائے نماز میں لسانی نیت، محدثات اور رافعِ سنت ہیں، کیا قیاس واجتہاد بھی بدعت ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ قیاس واجتہاد بدعت نہیں بلکہ یہ نصوص شرعیہ کے اجمال وابہام کی تفصیل واظہار کرتے ہیں کسی امر زائد کو ثابت

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۶۲، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)
[2] (تهذیب الأسماء واللغات، ج ۲، ص ۱۸۸، دار الکتب العلمیة، بیروت -لبنان)
[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۵۸، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)
[4] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، ص ۱۶۹۶، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

نہیں کرتے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیاس کے متعلق قدرے معلومات فراہم کر دی جائیں۔

وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

قیاس کا لغوی وشرعی معنی

علامۃ الدھر حضرت ملا جیون حنفی صدیقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قیاس کے لغوی اور شرعی معنی کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

اَلْقِیَاسُ فِی اللُّغَةِ اَلتَّقْدِیْرُ هُوَ اِبَانَةُ مِثْلِ حُکْمِ اَحَدِ الْمَذْکُوْرَیْنِ بِمِثْلِ عِلَّتِهِ الْآخَرِ فَاخْتِیْرَ لَفْظُ الْاِبَانَةِ لِاَنَّ الْقِیَاسَ مُظْهِرٌ لَا مُثْبِتٌ۔

یعنی لغتِ عرب میں قیاس تقدیر (اندازہ لگانا) کو کہتے ہیں جیسے قَسَسْتُ الثَّوْبَ بِالزِّرَاعِ میں نے کپڑا میٹر سے ناپا۔۔۔ اصل کی علت کی مانند فرع میں علت کے پائے جانے کی وجہ سے فرع میں اصل کے مماثل حکم کو ظاہر کرنا قیاس کہلاتا ہے۔ اس تعریف میں لفظ ابانۃ اس لئے لایا گیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ قیاس مظھر للحکم ہے، مثبت للحکم نہیں۔ [1]

حضرت علامہ نظام الدین شاشی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قیاس کی شرعی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

اَلْقِیَاسُ الشَّرْعِیُّ هُوَ تَرَتُّبُ الْحُکْمِ فِیْ غَیْرِ الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ عَلٰی مَعْنًی هُوَ عِلَّةٌ لِذَالِکَ الْحُکْمِ فِی الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ۔

یعنی اشتراک علت کی بناء پر منصوص علیہ کے حکم کو غیر منصوص علیہ میں جاری کرنا قیاسِ شرعی کہلاتا ہے۔

---

[1] (نور الانوار، ص ۲۲۸)

حجیتِ قیاس

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو انسان کے تمام شعبہ ہائے حیات کے متعلق رہنمائی کرتا ہے۔ البتہ احکام اسلامیہ دو اقسام کے ہیں کچھ تو صراحتاً کتاب وسنت میں موجود ہیں انہیں منصوص کہا جاتا ہے اور کچھ کتاب وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں جن کا مجتہدین علتِ مشترکہ کی بناء پر منصوص علیہ پر قیاس کرکے استنباط واستخراج کرتے ہیں۔ بنابریں قیاس اصول اربعہ اور **حجج شرعیہ** میں سے ایک مصدر وماخذ ہے جو احکام کا اثبات نہیں بلکہ احکام کا اظہار کرتا ہے اسی لئے جمہور اصولیین اور فقہاء کرام اس کی حجیت شرعیہ کے قائل ہیں۔

چند ایک امثلہ ہدیۂ قارئین ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر ٢)

ترجمہ: تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

اس آیتِ مبارکہ میں اعتبار کا لفظ عبور سے مشتق ہے جیسے کہا جاتا ہے **عبرت النهر** یعنی میں دریا عبور کرکے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف منتقل ہوگیا۔

حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لِاَنَّ الْاِعْتِبَارَ رَدُّ الشَّیْءِ اِلیٰ نَظِیْرِہٖ فکَاَنَّهٗ قَالَ قِیْسُوْا الشَّیْءَ عَلٰی نَظِیْرِہٖ۔

ترجمہ: یعنی کسی شے کو اس کی نظیر (مثال) کی طرف لوٹا دینا اعتبار ہے گویا فرمایا گیا کہ شے کو اس کی مثال پر قیاس کرو۔[1]

---

[1] (نور الانوار، ص ۲۲۸)

قبیلہ بنی فزارہ کا ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا:

إِنَّ امْرَأَتِي جَاءَتْ بِوَلَدٍ أَسْوَدَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ. قَالَ نَعَمْ. قَالَ مَا أَلْوَانُهَا. قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ، قَالَ إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا. قَالَ فَأَنَّى تُرَاهُ. قَالَ عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ. قَالَ وَهَذَا عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ۔

ترجمہ: یعنی میری بیوی نے سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے۔ فرمایا کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا ان کے رنگ کون کون سے ہیں؟ عرض گزار ہوا کہ سرخ۔ فرمایا کیا ان میں کوئی گندمی رنگ کا بھی ہے؟ عرض کی ہاں! گندمی رنگ کا بھی ہے۔ فرمایا وہ کہاں سے آگیا؟ عرض کیا ممکن ہے وہ کسی رگ کے فساد کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جوابًا ارشاد فرمایا وہی رگ کا فساد یہاں بھی پایا جاسکتا ہے۔[1]

مذکورہ بالا روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نوزائیدہ بچے کے سیاہ رنگ کو اونٹ کے گندمی ہونے پر قیاس فرما کر امت کے لئے قیاس کی اجازت مرحمت فرمادی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلیفۂ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو نماز کی امامت پر قیاس فرما کر کہا:

رضيه النبي صلى الله عليه وسلم لديننا أفلا نرضاه لدنيانا۔

---

[1](سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۴ ۲۴۵، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارے دین (امامت نماز) کے لئے پسند فرمایا ہے تو ہم اپنے دنیوی معاملات کے لئے انہیں پسند کیوں نہ کریں؟[1]

یونہی جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کرتے وقت زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کرتے ہوئے کہا:

وَ اللّٰہِ لَاُقْتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الزَّکَاۃِ وَ الصَّلَاۃِ۔

تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صدیقی رائے کی تائید کرتے ہوئے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد و قتال فرمایا۔[2]

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایک مکتوب میں قیاس کرنے کی جو نصیحت فرمائی وہ ملاحظہ ہو:

الْفَهْمَ الْفَهْمَ فِيمَا يُخْتَلَجُ فِي صَدْرِكَ، فَمَا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْقُرْآنِ وَ السُّنَّةِ، فَتَعْرِفُ الْأَمْثَالَ وَ الْأَشْبَاهَ، ثُمَّ قِسِ الْأُمُورَ عِنْدَ ذَلِكَ، وَ اعْمِدْ إِلَى أَحَبِّهَا إِلَى اللهِ، وَ أَشْبَهِهَا فِيمَا تَرَى۔

یعنی خوب غور و فکر کرو اس مسئلہ کے متعلق جو تمہیں پیش آئے اور اگر اس کا حکم کتاب و سنت میں نہ ہو تو اشباہ و امثال میں غور و خوض کر کے ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کرو پھر اس پر اعتماد کرنا جسے تم اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ محبوب پاؤ اور وہ حق کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتی ہو۔[3]

---

[1](شرح مسند ابی حنیفۃ، ج ۱، ص ۵۳، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان)

[2](اصول الفقہ لدکتور حسین حامد حسان، ص ۲۵۹)

[3](السنن الصغیر للبیهقی، ج ۴، ص ۱۳۳، دار النشر: جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، کراتشي-باکستان)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ اسے قرآن مجید سے اخذ کرتے اگر قرآن کریم میں نہ ملتا تو سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات سے مستنبط کرتے۔ اگر سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بھی نہ ملتا تو حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادات عالیہ سے اخذ کرتے۔ بہ روایتے جس امر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم متفق ہوتے اس سے اخذ کرتے فَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْہِ اَمْرٌ بِرَأیِہٖ اگر وہاں بھی نہ ملتا تو پھر اس معاملے میں اپنی رائے (قیاس) سے کام لیتے۔[1]

استخراجِ مسائل کے سلسلے میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ کار ملاحظہ ہو:

انما اعمل اولا بکتاب اللہ ثم بسنتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقضیۃ ابی بکر وعمر وعثمان وعلی ثم اقضیۃ بقیۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم ثم اقیس بعد ذلک۔

یعنی میں پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔۔۔ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر۔۔۔ پھر حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں پر۔۔۔ پھر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں پر۔۔۔ پھر اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔[2]

ایک اور مقام پر آپ یوں فرماتے ہیں:

اِنِّیْ اُقَدِّمُ الْعَمَلَ بِالْکِتَابِ ثُمَّ بِالسُّنَّۃِ ثُمَّ بِاَقْضِیَۃِ الصَّحَابَۃِ مُقَدِّمًا مَا اِتَّفَقُوْا عَلٰی مَا اِخْتَلَفُوْا وَحِیْنَئِذٍ اَقِیْسُ۔

---

[1] (سنن الدارمی، ص ۳۳)

[2] (الأصول الأربعة في ترديد الوهابية، ج۷، ص ۲، مکتبة أهل السنة والجماعة)

ترجمہ: میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں، پھر سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات پر، پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متفقہ فیصلوں پر، پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مختلف فیہ اقوال پر، پھر سب سے آخر میں قیاس کرتا ہوں۔ [1]

واضح رہے کہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک مجتہدین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت فرمودہ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات پر عمل کرنا قیاس کے مقابلے میں اولیٰ ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک اعرابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادائے نماز کے لئے آئے اور ضعف بصر کی وجہ سے گڑھے میں گر گئے تو بعض مقتدی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتقاضائے بشریت ہنس پڑے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ضَحِکَ مِنْکُمْ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الْوَضُوْءَ وَالصَّلَاةَ جَمِيْعًا۔

تم میں سے جو قہقہہ لگا کر ہنسا ہے وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے۔

حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وضو نہ ٹوٹتا کیونکہ نقضِ طہارت کی علت خروجِ نجاست ہے لیکن اس قیاس کو ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی وجہ سے ترک کر دیا گیا اور حدیث پاک پر عمل کیا گیا۔ [2]

ایسے ہی حفظ وعدالت میں معروف رواۃ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات اگر مجتہدین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قیاس کے مخالف ہوں تو قیاس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

---

[1] (الخیرات الحسان)

[2] (اصول الشاشی مع حاشیہ، ص ۷۵)

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ۔

آگ پر پکائی گئی چیز کے استعمال سے وضوء کرنا ہو گا۔

تو اس پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں کہا:

اَرَأَیْتَ لَوْ تَوَضَّأْتَ بِمَاءٍ سَخِیْنٍ اَکُنْتَ تَتَوَضَّأُ مِنْهُ فَسَکَتَ۔

آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر آپ گرم پانی سے وضو کریں تو کیا آپ کو دوبارہ وضوء کرنا پڑے گا؟ اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے۔

اِنَّمَا رَدَّهٗ بِالْقِیَاسِ اِذْ لَوْ کَانَ عِنْدَهٗ خَبَرٌ لَرَوَاهُ۔

حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بذریعہ قیاس اس روایت کو مسترد کر دیا۔ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معانی الآثار میں متعدد روایات نقل فرمائی ہیں جن میں روایتِ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم منسوخ ہے۔[1]

بینہ

واضح رہے کہ جو قیاسِ شریعت مطہرہ، سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات اقوال صحابہ اور فتاویٰ آئمہ کے مخالف ہو وہ ناقابلِ اعتبار اور مذموم قیاس ہے۔ ایسے ہی قیاس کے متعلق امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے اِیَّاکُمْ وَاَصْحَابَ الرَّأْیِ اہل رائے سے بچو![2]

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول گرامی ہے:

البول في المسجد أحسن من بعض قياسهم۔

---

[1](اصول الشاشی، ص ۷۵ وغیرھا)

[2](اصول سرخسی، ج ۲، ص ۱۳۴)

لوگوں کے بعض قیاس مسجد میں بول کرنے سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۴۴ تا ۳۹۰)

[1] (تهذيب التهذيب، ج ١١، ص ٢٣٠، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

مکتوب نمبر ۱۸۷

[خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ طریقِ رابطہ (تصورِ شیخ) مقصود تک پہنچانے والے راستوں میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس بیان میں کہ رابطہ (تصورِ شیخ) مُرید کے لئے ذکرِ الٰہی کرنے سے بھی زیادہ نافع ہے۔

جو مکتوب آپ نے دوستوں کو لکھا تھا، نظر پڑا اور تحریر شدہ حالات سے واقفیت ہوئی۔

جاننا چاہیئے کہ بناوٹ اور تکلف کے بغیر شیخ سے رابطے کا حصول پیر و مُرید کے درمیان مناسبتِ تام کی نشانی ہے، جو افادے کا سبب ہے۔ اور کوئی راستہ بھی طریقِ رابطہ (تصورِ شیخ) سے زیادہ قریب نہیں۔ دیکھیں یہ دولت کس سعادت مند کو عطا کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں۔

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق

ترجمہ: رہبر کا سایہ ذکرِ حق کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

زیادہ بہتر کرنا نفع کے اعتبار سے ہے، یعنی مُرید کے لئے رہبر کا سایہ اس کے ذکرِ حق کرنے سے زیادہ نفع مند ہے۔ کیونکہ مُرید کو اس وقتِ مذکور یعنی اللہ جل وعلا کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہوتی تاکہ براستۂ ذکر اسے مکمل نفع حاصل ہو۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔]

تشریح

اس مکتوب شریف میں مناسبت کے معنی، رابطۂ شیخ کی اقسام اور رابطۂ شیخ کی شرعی حیثیت کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے اور ان تین اُمور کی تشریح کرنا ضروری ہے تا کہ سالکین ان چیزوں سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر سکیں۔ یہ مکتوب ہے تو بہت چھوٹا مگر اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں سب سے پہلے اجمالی طور پر روحانی مناسبت کی بات کی ہے کہ پیر اور مُرید میں مناسبت ہونی اشد ضروری ہے اگر پیر و مُرید میں مناسبت نہ ہو تو افادہ واستفادہ ممکن نہیں ہو تا یعنی نہ تو پیر مُرید کو افادہ دے سکتا ہے اور نہ ہی مُرید اپنے پیر سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اولو العزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مشارب میں تفاوت ہے۔ یعنی ان علیہ السلام کے مشارب جُدا جُدا ہیں اسی طرح صوفیاء کرام کے مشارب میں بھی تفاوت موجود ہے بعض صوفیاء کرام آدمی مشرب، بعض موسوی مشرب، بعض ابراہیمی مشرب، بعض عیسوی مشرب اور بعض محمد مشرب ہوتے ہیں تو اس لئے اگر پیر اور مُرید ہم مشرب ہوں یعنی مثلاً پیر محمدی المشرب ہو اور مُرید بھی محمدی المشرب ہو تو مُرید اپنے پیر سے بہت زیادہ استفادہ کر سکتا ہے اور اگر اس کے بر عکس ہوں یعنی پیر تو آدمی مشرب ہو اور مُرید محمدی المشرب تو ایسا مُرید اول تو اس پیر سے کچھ استفادہ حاصل نہیں کر سکتا اور اگر استفادہ ہو بھی تو بہت کم ہوتا ہے بلکہ جب یہ پیر اپنے مُرید پر توجہ کرتا ہے تو اس کی یہ توجہ اور تصرف مُرید کی باطنی استعداد ختم کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ مگر آج کل کوئی پیر کسی مُرید سے یہ نہیں کہتا کہ میں آدمی المشرب ہوں جبکہ آپ محمدی المشرب ہیں اس لئے میں آپ کی تربیت نہیں کر سکتا اس لئے آپ کسی

اور جگہ رجوع کریں کیونکہ اس طرح کہنے میں پیر اپنے نفس کی تذلیل سمجھتا ہے اور ایسے ہی کوئی مُرید کسی پیر سے اس طرح نہیں کہتا کہ میں اپنے باطن میں کسی قسم کا احساس نہیں پاتا۔

اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مشارب کی مناسبت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ کے ساتھ ہے اور ہر نبی علیہ السلام کا اسمِ مربی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کوئی نہ کوئی صفت ہوتی ہے اور سالک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کی وجہ سے ظلاً اس مشرب پر فائز ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی صفت صفتِ تکوین ہے تو جو آدمی مشرب ہو اس کا منبع فیض ظلِ صفتِ تکوین ہے، حضرت ابراہیم ونوح علیہما السلام کی صفت صفت العلم ہے تو جو مُرید ابراہیمی ونوحی مشرب ہو اس کا منبع فیض ظلِ صفت العلم ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ سے شیونات ہے تو جو مُرید موسوی مشرب ہو اس کا تعین ظلِ شیونات ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت صفتِ قدرت اعتبارات ہے تو جو مُرید عیسوی مشرب ہو اس کا ظِل اعتبارات ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صفت شان العلم ہے تو جو مرید محمدی مشرب ہو اس کا منبع فیض ظلِ شان العلم ہے۔ تو اگر پیر اور مُرید میں یہ مناسبت موجود ہو تو یہ دونوں ایک دوسرے سے افادہ واستفادہ کر سکتے ہیں اور اگر ان دونوں میں یہ مناسبت نہ ہو تو پھر افادہ واستفادہ ممکن نہیں۔ اس لئے پیر پر لازم ہے کہ اگر توجہات کے ذریعے مشارب سے آگاہ ہو تو طلبِ صادق رکھنے والے کو بیعت کر لے اور اگر نہیں سمجھتا تو خود بھی استخارہ کرے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دربار میں عرض کرے کہ یا اللہ! اس شخص نے مجھ سے بیعت کرنے کا ارادہ کیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ مجھ سے اس کی تربیت کرنے میں کوتاہی ہو جائے یا میں اپنی توجہ اور تصرف سے اس کی استعداد کو برباد کرنے

کا سبب بن جاؤں اگر اس مرید کی میرے ساتھ مناسبت ہے تو یا اللہ میری رہنمائی فرما اور اسی طرح مُرید کو بھی استخارہ کرنے کی تلقین کرے۔ آج کل پیر اور مُرید دونوں میں سُنت کا یہ عمل ختم ہو چکا ہے نہ تو پیر استخارہ کرتا ہے کہ اس مُرید کی مناسبت کی تصدیق ہو جائے اور نہ ہی مُرید کو استخارہ کرنے کی تلقین کرتا ہے تو اس لئے پیر و مُرید دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیثِ مبارکہ اور طریقت کی خلاف ورزی کے مرتکب بن گئے۔ مختصر یہ کہ جس پیر نے بھی مُرید کی استعداد کو جانچے بغیر اس کو ذکر دے دیا اُس نے اس مُرید کو برباد کر دیا چاہے یہ عمل میں کروں یا میرا کوئی خلیفہ کرے یا کوئی اور۔

دوسری اہم بات جو اس مکتوب میں بیان کی گئی ہے وہ رابطۂ شیخ ہے۔ ایک تو صحبتِ شیخ ہے کہ شیخ صحبت میں مُرید پر توجہ کرے اور مُرید اس سے فیض اخذ کرے، شیخ وعظ و نصیحت کرے اور مُرید اسے غور و فکر سے سُنے اور اس پر عمل کرے اس کو محفل و مجلس کہا جاتا ہے۔

جبکہ رابطہ مُرید کا وہ فعل ہے جو کسی قسم کے تکلف کے بغیر عالَمِ مثال میں اپنے شیخ کی صورت کا مشاہدہ کرے اس کے یہ معنی نہیں کہ شیخ حقیقت میں اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے بلکہ مُرید عالَمِ مثال میں اپنے شیخ کو دیکھتا ہے جس طرح انسان کسی کو خواب میں دیکھے۔

اور رابطۂ شیخ کی تین اقسام ہیں:

اول: شیخ موجود نہ ہو اور مُرید ذکر کرنے کے لئے کسی جگہ بیٹھا ہوا ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنے ذہن میں یہ تصور رکھے کہ میرا شیخ میرے آمنے سامنے تشریف فرما ہے اور میرے شیخ کا قلب میرے قلب کی طرف متوجہ ہے اور ان کے قلب سے میرے قلب میں فیض منتقل ہو رہا ہے۔

دوم: مُرید کا یہ تصور کرنا کہ میرا شیخ میرے قلب میں تشریف فرما ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہے۔

سوم: جب مُرید ذکر واذکار یا نفی اثبات کرنے کے لئے بیٹھے تو اسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو بعینہٖ اپنا شیخ تصور کرے اور جو کیفیات کا ورود میرے شیخ پر ہوتا ہے ان سب کیفیات کو ورود مجھ پر بھی ہو رہا ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق

ترجمہ: رہبر کا سایہ ذکرِ حق کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فضیلت کے لحاظ سے ایسا نہیں کہا کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء کے ذکر کی فضیلت کے اندازے سے بھی بہت زیادہ ہے چونکہ ابتدائی سالک کی اسمِ ذات یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مناسبت نہیں ہوتی اس لئے وہ اس سے اخذ نہیں کر سکتا تو اس لئے مُرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ کہے کہ میرا شیخ صاحبِ کمال ہے اور طریقِ رابطہ کے ذریعے سے وہ میرے باطن کو فیوضاتِ روحانی سے منور کر رہے ہیں۔

ابتدائی طالب کی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی اس لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دس لاکھ مرتبہ اسمِ ذات کا ذکر کیا ہے مگر ابھی تک ہمارا قلب ذاکر نہیں ہوا اس کی وجہ ان کے دل میں غرور و تکبر کا پیدا ہونا ہے اور وہ یوں کہ ایسا شخص سوچتا ہے کہ میں بلاواسطہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں ہوں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل کا جُدا معاملہ ہے لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قانون ہے کہ اس کے ساتھ وسائل یعنی قرآن عظیم الشان، سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور شیخِ کامل و مکمل کے واسطے سے ہی رابطہ کیا جاسکتا ہے نہ کہ بلاواسطہ۔ جب سالک ان وسائل پر عمل پیرا ہو تو پھر اسماء اللہ کے ساتھ مناسبت پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جوبات تحریر فرمائی ہے بعض معاندین نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا ایک رہبر کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر پر فضیلت دینا شرک ہے لیکن یہ لوگ نفع کے لحاظ والی بات کو بیان نہیں کرتے۔

رابطۂ شیخ کی شرعی حیثیت کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پر غور فرمائیں:

* حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ یوسف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ساتویں کمرے میں بند تھے اور جب بی بی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ورغلانا چاہا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اس وقت عالم مثال میں فوراً حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ پُرنور نمودار ہوگیا اور اُنہوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ پر زور سے مُکا مارا۔

* تصورِ شیخ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر قرآن عظیم الشان کا نزول جاری تھا کہ کچھ دن حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف نہ لائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب آسمان کی جانب دیکھتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بغیر کسی تکلف کے ہوا میں حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ اقدس نظر آتا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ رابطہ شرک ہے تو پھر ہمارا سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا قسم کے واقعات کو مفسرین نے کیوں نقل کیا ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تو قبل از

نبوت اور بعد از نبوت شرک سے پاک تھے۔ یہ معترضین رابطہ کو قصورِ عقل کی وجہ سے شرک کہتے ہیں یا ان کو دینِ اسلام سے واقفیت ہی نہیں ہے۔ اب اگر ہم ان معاندین کی باتوں میں آکر یہ کہنا شروع کر دیں کہ رابطہ شرک ہے تو جب ہم علمِ ظاہری حاصل کرتے ہیں جو کہ ایک عبادت ہے اور دورانِ تدریس طالب یا شاگرد کی توجہ اپنے مدرس یا استاد کی جانب ہوتی ہے یا استاد اپنے شاگرد سے کہتا ہے کہ درس کے دوران میری طرف متوجہ رہو تو کیا اس توجہ کی وجہ سے ایک استاد اور اس کے شاگرد مشرک قرار دے دیئے جائیں گے؟ جبکہ یہ شرک نہیں بلکہ صرف ایک معنوی استفادہ ہے پس یہ دونوں توجہ کی اقسام یعنی مُرید کا اپنے شیخ کی جانب متوجہ ہونا اور طالب یا شاگرد کا اپنے مدرس یا اُستاد کی طرف متوجہ ہونا آپس میں کچھ فرق نہیں رکھتا بلکہ صرف مُرید اور طالب کے استفادے کا ایک سبب اور ذریعہ ہے۔

* حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ ہیں فرماتے ہیں کہ نفسِ کلمہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں بھی رابطہ موجود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کلمہ مبارکہ میں ہر وہ شخص جو کہ محمد کے نام سے مسمّٰی ہے مراد نہیں ہے بلکہ اس کلمۂ مبارکہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں خاص حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ جو کہ معین و مشخص اور رحمۃ للعالمین ہیں مراد ہیں۔ اگر کوئی شخص کلمہ مبارکہ کے تکرار کے وقت خاص حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تصور نہ کرے تو پھر ہمارا کلمہ مبارکہ کا تکرار اور رابطہ دونوں لَغو ہو جائیں گے اور اس طرح ہم اپنے آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت سے خارج کر دیں گے۔ پس یہی کلمہ طیبہ متضمن و مثبت رابطہ ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جملہ شمائل جو کہ احادیث

کی کتب میں موجود ہیں وہ سب بھی مثبت رابطہ ہیں اگر ان شمائل سے مراد رابطہ نہ ہوتا تو پھر شمائل کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مختصر یہ کہ رابطہ شرک نہیں ہے بلکہ ایک معنوی افادہ واستفادہ ہے جو کہ پیر اور مُرید کے درمیان قائم ہوتا ہے۔

(دار المعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تصورِ شیخ کی اہمیت وفضیلت کا تذکرہ فرمارہے ہیں کیونکہ تصورِ شیخ وصول الی اللہ کے لئے سب سے زیادہ مؤثر واقرب طریقہ ہے۔ در حقیقت جب کوئی سالک راہِ سلوک طے کرتا ہے تو عالمِ وجوب کے ساتھ عدم مناسبت کی وجہ سے عالم وجوب کے فیوض وبرکات سے محروم رہتا ہے۔ لہٰذا درمیان میں ذو جہتین واسطہ ہونا چاہیئے جس کا غیب الغیب کے ساتھ بے کیف اتصال بھی ہو اور عالمِ شہادت کی طرف مراجعت کی بدولت منصبِ دعوت وارشاد پر متمکن بھی ہو، جس کی وساطت سے سالک عالمِ قدس کے انوار وتجلیات اور فیوض وبرکات سے مالامال ہو سکے، اسی کو شیخِ کامل مکمل کہتے ہیں۔

بقول شاعر:

زاں روئے کہ چشم تست احول
مقصود تو پیر تست اول

جس کی صحبت وزیارت مرید کے لئے فضل وفتوحات کا باب اول ہوتی ہے بصورتِ دیگر شیخ کی صورت کو قلب میں محفوظ رکھنا رابطہ (تصورِ شیخ) کہلاتا ہے جو سالک کے لئے منفعت کے اعتبار سے

ذکر سے بھی زیادہ سود مند ہوتا ہے اور یہ دولتِ عظمیٰ اور نعمتِ قصویٰ بغیر کسی تکلف کے ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

بینہ

واضح رہے کہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے وقت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی معین و مشخص ذاتِ انور کا تصور، رابطہ (تصورِ شیخ) کا بیّن ثبوت ہے۔ کتبِ احادیث میں شمائل نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا بالالتزام تذکرہ اسی امر کا غمّاز ہے۔ علاوہ ازیں تعلیم وتدریس کے دوران شاگردوں کا استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا بھی تصورِ استاد پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ یوں ہی دورانِ سلوک افاضہ واستفاضہ کے لئے اپنے شیخ کا تصور اور زیارت مریدین کے لئے باعثِ قُرب ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۹۳، ۳۹۴)

مکتوب نمبر ۱۸۸

[خواجہ محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر ہوا:

ان مسائل کے حل میں جو اس نے دریافت کئے تھے۔

میرے برادر عزیز کا مکتوب مرغوب موصول ہوا۔ آپ نے تین اُمور کے متعلق دریافت کیا ہے اے محبت کے نشانات والے، مرتبۂ قلب میں بعض لطائف کا پوشیدہ رہنا صرف ان لطائف پر ہی بند ہے جن کا قلب متضمن ہے۔ وہ لطائف اس میں پوشیدہ نہیں ہیں جو قلب سے ماوراء ہیں۔ کیونکہ ان کے قلب میں پوشیدہ ہونے کے کچھ معنی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ شخص جس کی استعداد مرتبۂ قلب یا روح تک ہے۔ پیر صاحب کا تصرف اسے مراتب فوق تک لے جا سکتا ہے لیکن یہاں ایک باریک بات ہے کہ جو رُوبرو بات چیت سے تعلق رکھتی ہے۔ تحریراً اس کا بیان مشکل ہے۔ نیز ایک بات یہ ہے کہ جب ظاہر باطن کا رنگ اختیار کرلے اور باطن ظاہر کے رنگ سے رنگین ہو جائے تو کیا مشکل ہے کہ ظاہر کے احکام باطن میں اور باطن کے احکام ظاہر میں نمایاں اور پیدا ہو جائیں۔

وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سارا تصوف دو قدم میں طے ہوتا ہے اگر کوئی سالک تصوف کے یہ دو قدم اُٹھالے تو وہ عالَمِ وجوب تک پہنچ سکتا ہے اور ان دو قدموں میں بہت کچھ مخفی و مندرج ہے۔

پہلا قدم یہ ہے کہ لطیفۂ قلب لطیفۂ روح و سِر کا متضمن ہے جس سالک کا لطیفۂ قلب ذاکر ہو جائے تو اس کے لطائفِ رُوح و سِر خود بخود ذاکر ہو جاتے ہیں۔

دوسرا قدم یہ ہے کہ سالک کا لطیفۂ خفی ذاکر ہو جائے تو اس کا لطیفۂ اخفٰی خود بخود ذاکر ہو جاتا ہے اس کے بر عکس اگر لطیفۂ اخفٰی ذاکر ہو جائے تو لطیفۂ خفی اس کے ضمن میں خود بخود ذَاکر ہو جائے گا۔

جب شیخِ کامل و مکمل اپنے مُرید کے لطیفۂ قلب پر توجہ کرے اور اس سے سالک کا لطیفۂ قلب ذاکر ہو جائے تو پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس سالک کو ایسی قوت عطا فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر زندہ اور فوت شدہ اولیاء اللہ سے بھی فیض اخذ کر سکتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس سالک کا لطیفۂ قلب ذاکر ہو جائے تو اس کا لطیفۂ رُوح وسِر خود بخود ذَاکر ہو جاتے ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ لطیفۂ قلب لطیفۂ رُوح وسِر شریعت پر مکلف ہیں یعنی لطیفۂ قلب کا حامل زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرتا ہے، قلب قرآن عظیم الشان کی تلاوت یا احادیثِ مبارکہ سُنتا ہے تو فوراً اسے دِل و جان سے قبول کر لیتا ہے اور جب لطیفۂ قلب قبول کر لیتا ہے چونکہ لطیفۂ رُوح کا لطیفۂ قلب کے ساتھ رابطہ ہے تو لطیفۂ رُوح فوراً یہ کہتا ہے کہ اے لطیفۂ قلب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جن احکامات کا آپ اقرار و تصدیق کر رہے انہیں یں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں سُنے اور دیکھے تھے اور چونکہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں لطیفۂ رُوح پر صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ فعلیہ اور شیونات سے فیض آتا تھا تو اس لئے یہ تینوں لطائف (لطیفۂ قلب، لطیفۂ رُوح اور لطیفۂ سِر) شریعت کے مکلف ہوئے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ لطیفۂ خفی اور لطیفۂ اخفٰی شیونات سے اوپر ہیں اس لئے ان دونوں لطائف کو تحریر میں نہیں لایا جا سکتا کیونکہ بعض باتوں کو تحریری شکل میں لانا ممکن ہی نہیں ہوتا یعنی جو لطائف لطیفۂ سِر کے مقام سے فوق درجہ پر ہیں اُن کے بارے میں بیان کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ یہ دو لطائف (لطیفۂ خفی اور لطیفۂ اخفٰی) شریعت پر مکلف نہیں ہیں۔

وہ شیخِ کامل و مکمل جو محمدی مشرب ہو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُسے یہ طاقت عنایت فرمائی ہوتی ہے کہ وہ بہت زیادہ قصرِ قاصر سے اپنے تصرف کی وجہ سے کسی مُرید کو جو دوسرے مشارب (آدمی مشرب، عیسوی مشرب، موسوی مشرب اور ابراہیمی مشرب) میں سے ہو اسے محمدی مشرب کے مقام پر لے جائے۔ اس کے برعکس اگر شیخ عیسوی مشرب ہو تو وہ اپنے تصرف سے کسی مُرید کو عیسوی مشرب پر نہیں لے جاسکتا یا اگر شیخ موسوی مشرب ہو تو یہ اپنے تصرف سے کسی مُرید کو موسوی مشرب پر نہیں لے جاسکتا۔ علیٰ ھذا القیاس مختصر یہ کہ صرف محمدی مشرب شیخ ہی یہ تصرف کر سکتا ہے۔

تصوف سے عوام الناس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شیخ کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیر صاحب! آپ ایسا تصرف فرمائیں کہ میرا فلاں مشکل کام آسان ہو جائے یا تصرف فرمائیں کہ میں اس ملک کا وزیرِ اعظم بن جاؤں افسوس کہ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ تصرف تو پیری مُریدی اور مشارب کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کسی کو تصرفات کی دولت سے نوازا ہو تو اسے غلط جگہوں پر استعمال نہیں کرنا چاہیئے ہاں صرف اتنی بات ہے مشائخِ عظام دُعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص کی فلاں مشکل آسان فرما۔

دیوانِ حافظ میں حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

حافظ وظیفۂ تو دُعا گفتن ست و بس

دربندِ آن مباش کہ نشنید یا شنید

ترجمہ: اے حافظ! تیرا وظیفہ صرف دُعا کرنا ہے اس فکر میں نہ رہو کہ اُس نے سُنا ہے یا نہیں سُنا۔

مشائخِ عظام کا کام صرف دعائیں کرنا ہے نہ کہ دُنیاوی اُمورات میں تصرف کرنا کیونکہ تصرفات تو صرف باطنی اُمور کے لئے مخصوص ہیں انہیں دُنیاوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا مناسب نہیں۔

جس انسان کا ظاہر باطن کی طرح اور باطن ظاہر کی طرح ہو جائے تو وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں میں شمار ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اپنے ظاہر کو اسلامی طور طریقے کے مطابق ڈھال لیا ہو مگر باطن میں خبیث ورذیل اور چوروزانی ہو تو ایسا شخص ہرگز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دوستی پر مشرف نہیں ہو سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرا باطن بہت صاف وستھرا ہے اگر ان کا باطن صاف وستھرا ہوتا تو یہ صفائی ان کے ظاہر پر کیوں دکھائی نہیں دیتی اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم کا حُلیہ مبارک کیوں نہیں اپناتے۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

بَر زبان تسبیح ودِل گاؤ خر

این چنیں تسبیح کے دارد اثر

ترجمہ: ظاہری طور پر زبان پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وِرد ہو لیکن دِل میں گائے اور گدھے کے خیالات ہوں تو ایسی تسبیح اور وِرد ووظائف کا کیا اثر ہو گا؟

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تین سوالات کے جوابات مرحمت فرمارہے ہیں سوال اول کا جواب ملاحظہ ہو:

جب کوئی سالکِ راہِ طریقت کسی شیخ کامل مکمل کے زیرِ نگرانی باقاعدہ سلوک طے کرتا ہے اور سنت و شریعت کی پابندی کے ساتھ اذکار واوراد کا التزام کرتا ہے تو انوار و تجلیات اور فیوض وبرکات کا ورود ونزول اس کے قلب پر شروع ہو جاتا ہے۔۔۔ ما سویٰ اللہ اور اشیائے متکثرہ اس کے زاویۂ یادداشت سے گم ہو جاتے ہیں۔۔۔ اور محبتِ الٰہیہ اس کے قلب و نظر پر مستولی ہو جاتی ہے جسے اہلِ طریقت فنائے قلبی سے موسوم کرتے ہیں (جبکہ فنائے نفس کے دوران سالکین کو اپنا آپ بھی بھول جاتا ہے)۔

جبھی جاکے مکتبِ عشق میں درسِ مقامِ فنا لیا
جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سبھی صاف دل سے بھلا دیا

لطیفۂ قلب کی جامعیت کی بناء پر لطیفۂ روح اور لطیفۂ سِر قلب کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے ان میں بھی لطیفۂ قلب کی برکات واثرات نفوذ و سرایت کر جاتے ہیں۔ چونکہ لطائفِ ثلاثہ (قلب، روح، سِر) مکلف بالشرع ہیں اس لئے ان تینوں لطائف کے دوران سالکین عبادات واعمالِ صالحہ کے بڑے حریص ہوتے ہیں، جبکہ لطیفۂ خفی اور اخفٰی قلب کے ماتحت نہیں بلکہ اس سے ماوراء ہوتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سوال دوم کا جواب مرحمت فرمارہے ہیں، چونکہ تخلیق استعداد حق تعالیٰ سبحانہٗ کا کام ہے اس لئے شیخ کسی مُرید میں روحانی استعداد تو پیدا نہیں کر سکتا البتہ کسی صاحب استعداد مرید کو صاحبِ تصرف شیخ توجہاتِ قدسیہ اور تصرفاتِ باطنیہ کے ذریعے

مراتبِ عالیہ پر پہنچا بھی سکتا ہے اور کسی دوسرے مشرب سے نکال کر محمدی المشرب بھی بنا سکتا ہے مگر صاحبِ تصرف شیخ خال خال ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ العزیز کو بذریعہ تصرف موسوی المشرب سے محمدی المشرب بنا دیا تھا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سوال سوم کا جواب تحریر فرمارہے ہیں۔ دراصل ظاہر اور باطن کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ظاہر کے اثرات باطن پر مرتب ہوتے ہیں اور باطنی برکات ظاہر سے عیاں ہوتی ہیں۔ چونکہ علمائے حقیقت اور عرفائے طریقت کے ظاہر، باطن سے اور باطن، ظاہر سے رنگین ہوتے ہیں اس لئے ان کی ذوات نہایت پرکشش اور شخصیات جاذبِ نظر ہوتی ہیں۔ بنا بریں وہ لوگوں کے لئے سراپا رُشد وہدایت اور باعثِ برکت ورحمت ہوتے ہیں۔ شاید حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے ارشاد گرامی ''جس کو ہماری چُپ سے فائدہ نہیں اس کو ہمارے بولنے سے بھی فائدہ نہیں'' کا یہی مفہوم ہو۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۹۷ تا ۴۰۰)

مکتوب نمبر ۱۸۹

[شرف الدین حسین بدخشی کی طرف صادر ہوا:

اس بیان میں کہ بے فائدہ تعلقات میں گرفتار ہونے کے باوجود فقراء کی یاد ان کے ساتھ شدید مناسبت اور تعلق کا اظہار کرتی ہے، اور کمی دُنیا پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے، اور باطنی سبق کو تمام کاموں سے عزیز رکھنا چاہیئے، اور اس بیان میں کہ احکامِ شریعت سے سرتابی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ پورے احسان اور عجزوزاری سے انہیں قبول کرنا چاہیئے، اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہٖ الطاھرین اجمعین

عزیز وارشد فرزندِ ارجمند شرف الدین حُسین کا مکتوب شریف موصول ہو کر مؤجب فرحت و تازگی ہوا۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ بے فائدہ گرفتاریوں اور مصروفیتوں کے باوجود فقراءدور از کار کی یاد ذہن سے محو نہیں ہوئی۔ اس یاد سے شدت مناسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہی چیز افادہ اور استفادہ کا سبب ہے۔ بعض واقعات جو آپ نے درج کئے تھے اچھے اور عمدہ ہیں اور باطنی ارتباط پر قوی دلیل ہیں۔

اے فرزند کمینی دُنیا کی طراوت و تازگی پر فریفتہ نہ ہونا اور اس کے بے معنی کرّو فرّ پر عاشق نہ ہونا کیونکہ یہ بے حقیقت اور بے اعتبار ہے۔ آج اگر یہ معنی ذہن میں نہیں آتا تو کل ضرور آجائے گا۔ لیکن اس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

کوشش از بارِ دُرِ گراں شدہ است
نشنود نالہ وفغانِ مرا

ترجمہ: اس کے کان موتیوں کے زیور سے بھاری ہوئے ہیں، اس لئے وہ میرے نالے اور فغاں کو نہیں سُنتے۔

چاہیئے کہ باطنی سبق کو خداوند تعالیٰ جلّ شانہٗ کی عظیم نعمتوں سے جانتے ہوئے اس کے تکرار پر فریفتہ اور حریص رہیں۔ اور پانچ وقت کی نماز سُستی اور کوتاہی کے بغیر باجماعت ادا کرتے رہیں۔ اور چالیس روپے میں سے اللہ تعالیٰ کا احسان جانتے ہوئے فقراء اور مساکین کو دیں۔ اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب اور پرہیز کریں، اور مخلوقات پر مشفق اور مہربان رہیں۔ نجات اور رستگاری کا طریقہ یہی ہے۔ وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے مُرید کو فرماتے ہیں کہ آپ دنیا کے کاموں میں مختلف صورتوں میں مصروف ہونے کے باوجود بھی فقرأ سے محبت رکھتے ہیں اور اکثر اوقات ہمیں خط اور دوسرے آنے جانے والوں کے ذریعے سے یاد کرتے رہتے ہیں تو یہ محبت آپ کو فائدہ دے گی کیونکہ اگر فقرأ سے مناسبت کا یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو انسان چند ہی دنوں میں فقرأ اور ان کی مجالس کو فراموش کر دے اور ان کی محافل سے حاصل ہونے والے اثرات کو گُم کر دے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس یہ تنبیہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مُرید اپنے مُرشد کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور وہ دور ہے اور اکثر اوقات اپنے مُرشد کی مجلس میں حاضر نہیں ہو سکتا تو اُسے چاہیئے کہ خط کے ذریعے سے اپنی کیفیات، کشفیات اور جو خواب وغیرہ دیکھے اُسے بیان کرے اگرچہ خواب اور کشف، ولایت و تصوف کی شرائط میں سے نہیں ہیں مگر پھر بھی مُرشد

مُرید کی ان سب کیفیات کو مد نظر رکھ کر اس کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے جو کہ مُرید کے حق میں بہت زیادہ بہتر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مُرید کو ذکر کے تکرار میں ہمہ وقت حریص رہنا چاہیئے اور مُرید کو اپنے مُرشد کے ساتھ باطنی طور پر بھی رابطہ میں رہنا ضروری ہے جس کا طریقہ مشائخ اپنے مُریدین کو بتا دیتے ہیں۔ صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے اور پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتے رہنا چاہیئے اور ایک دوسرے پر مشفق رہنا چاہیئے اور بخل سے دور رہنا چاہیئے اور بالخصوص اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کے ساتھ بُخل سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ان کے تین حقوق ہیں ایک اسلام کا، دوسرا قُرب کا اور تیسرا پڑوسی کا اور حرام و مشتبہ چیزوں سے دور رہنا چاہیئے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان اور صوفیاء کرام کے خواص میں سے ہے۔

(دارالمعرفت، جلد ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ اہلِ دُنیا کے قلوب کا دنیوی مصروفیات کے باوجود اہل اللہ کی یاد سے معمور ہونا ان کے ساتھ گہری مناسبت کا آئینہ دار ہے۔ یہی شدتِ مناسبت اور غایتِ ارادت اہل اللہ سے فیوض وبرکات اور دعاؤں کے حصول کا مؤجب ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز یہ نصیحت فرمارہے ہیں کہ دنیوی جاہ و جلال کا شیفتہ اور ظاہری شان و شوکت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جملہ دنیوی امور فانی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد اور لائقِ اعتبار نہیں ہیں اس لئے ان کے ساتھ قلبی محبت اور باطنی تعلق استوار نہیں کرنا

چاہیئے۔ اگرچہ یہ بات عقلِ عیار کی سمجھ سے بالا ہے مگر کل روزِ قیامت حقیقت بے نقاب ہونے پر سوائے کفِ افسوس ملنے کے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔

بقول شاعر:

گوشش از بارِ دُر گراں شدہ است
نشود نالہ وفغانِ مرا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز پانچ ایسی نصیحتیں فرمارہے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر سالکینِ طریقت دنیوی برکات اور اُخروی نجات سے سر فراز ہوسکتے ہیں:

نصیحتِ اول

جب کوئی طالبِ صادق اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ اِلَّا اللہ کے جذبہ سے سرشار ہو کر کسی شیخِ کامل و مکمل کی خدمت بابرکت میں بیعت وتربیت کی خاطر حاضر ہوتا ہے تو شیخ روحانی نسبت اور باطنی سبق اس کے قلب میں القاء فرمادیتاہے جس کے مسلسل تکرار اور سُنت وشریعت پر مواظبت کی بدولت بالآخر وہ واصل باللہ ہو جاتا ہے۔

نصیحتِ دوم

نصیحتِ دوم میں پنج وقتہ نماز کو بغیر کسی سُستی وغفلت کے باجماعت ادا کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے تاکہ معالہ صورتِ نماز سے گزر کر حقیقتِ نماز تک پہنچ جائے، اور **سالک الصلاۃ معراج المؤمنین**[1] کے مرتبہ پرفائز المرام ہو جائے۔

---

[1](روح المعانی،ج ۱،ص ۸۹،الناشر:دارإحیاءالتراث العربي-بیروت)

نصیحتِ سوم

نصیحتِ سوم میں فریضۂ زکوٰۃ کو نہایت عاجزی وانکساری اور منت وزاری کے ساتھ ادا کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے تاکہ یہ عملِ خیر شرفِ قبولیت پا سکے، کیونکہ صدقات پہلے دستِ قدرت میں جاتے ہیں بعد ازاں فقرا ٔو مساکین کو ملتے ہیں۔

نصیحتِ چہارم

نصیحتِ چہارم میں محرمات ومشتبہات سے احتراز کی تلقین فرمائی گئی ہے کیونکہ مشتبہات کا مرتکب حرام کردہ اشیاء کی طرف خوامخواہ ملتفت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ۔[1] سے عیاں ہے۔بلکہ مشائخِ نقشبندیہ تو بربنائے تقویٰ وورع مباحات سے بھی اجتناب کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔

نصیحتِ پنجم

نصیحتِ پنجم میں مخلوق خدا کے ساتھ شفقت ونرمی کے ساتھ پیش آنے کی تلقین فرمائی گئی ہے کیونکہ مخلوق پر ظلم واستبداد، قہرِ خداوندی کا مؤجب اور رحمتِ باری سے محرومی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاسَ۔[2] سے واضح ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۴۰۴تا۴۰۷)

---

[1] (صحیح مسلم، ج۸، ص۲۹۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح البخاری، ج۲۲، ص۳۶۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

مکتوب نمبر ۱۹۰

[میر محمد نعمان بدخشی کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی طرف صادر ہوا:

ذکرِ الٰہی جل سلطانہٗ کے دوام پر اُبھارنے اور بلند مرتبہ طریقۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اور طرز و طریقۂ ذکر اور دوسرے مناسب اُمور کے بیان میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و آلہ الطاہرین اجمعین

تُو اس بات کو جان اور آگاہ رہ کہ تیری سعادت بلکہ تمام انسانوں کی سعادت اور سب کی فلاح و نجات اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ کے ذکر میں ہے۔ جہاں تک ہو سکے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مستغرق اور مصروف رکھنا چاہیئے۔ اور ایک لحظہ کے لئے بھی غفلت کو جائز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دَوامِ ذکر، طریقۂ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں ابتداء میں ہی میسر آجاتا ہے۔ اور "نہایت ابتداء میں درج ہے" کے طریقہ پر حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طالب کے لئے اس بلند مرتبہ طریقہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے، بلکہ لازم و واجب ہے۔ پس تجھ پر لازم ہے کہ قبلۂ توجہ کو ہر طرف سے ہٹا کر کلیۃً اس طریقہ علیا کے بلند مرتبہ اکابر کی طرف کرے۔ اور ان کے باطن سے ہمت اور توجہ طلب کرے۔ ابتداء میں ذکر کرنے سے چارہ نہیں۔ چاہیئے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو کیونکہ دِل کے گوشت کا ٹکڑا قلبِ حقیقی کے لئے حجرے اور گھر کی مانند ہے۔ اور اسمِ مبارک "اللہ" کو اس قلب پر گزارے۔ اس وقت قصداً کسی بھی عضو کو حرکت نہ دے۔ کلیۃً قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے اور خیال میں بھی قلبِ صنوبری کو جگہ نہ دے، اور اس طرف متوجہ نہ ہو۔ کیونکہ مقصودِ قلب کی طرف توجہ ہے نہ کہ

اس کی صورت کا تصور۔ اور لفظِ مبارک اللہ کے معنیٰ کو بے مثال اور بے کیف ملاحظہ کرے اور کسی صفت کو بھی اس کے ساتھ نہ ملائے اور اس کے حاضر وناظر ہونے کو بھی لحاظ وخیال میں نہ لائے۔ تاکہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی بلندی سے صفات کی پستی کی طرف نہ آئے۔ اور اس سے شہود ووحدت وکثرت میں نہ پڑے اور بے کیف ذات کی گرفتاری سے چون اور کیف والی شے کے ساتھ آرام نہ پکڑے۔ کیونکہ جو چون اور کیفیت رکھنے والی شے میں نمایاں ہوگا وہ بے کیف نہیں ہوسکتا۔ اور جو کچھ کثرت میں نمودار ہوتا ہے واحدِ حقیقی نہیں ہوسکتا۔ بے چون ذات کو چون کے دائرے سے باہر تلاش کرناچاہیئے، بسیطِ حقیقی کو احاطۂ کثرت سے باہر طلب کرنا چاہیئے۔

اور اگر بوقت ذکرِ الٰہی بے تکلف پیر کی صورت ظاہر ہو تو اسے بھی دل میں لے جائے، اور دل میں بٹھا کر ذکر کرے۔

تم جانتے ہو پیر کیسی ہستی ہے؟ پیر وہ ذات ہے کہ جنابِ قدسِ خداوندی جل شانہٗ تک پہنچنے کے راستے میں اس سے استفادہ کرتے ہو، اور اس سے راہ میں طرح طرح کی مدد واعانت حاصل کرتے ہو، خالی کُلاہ اور چادر اور شجرہ جو مروج ہو چکا ہے پیری مُریدی کی حقیقت سے خارج ہے۔ اور عادات ورسوم سے داخل ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ شیخِ کامل ومکمل کا کُرتا بطور تبرک اپنے پاس رکھے، اور اس کے ساتھ اعتقاد واخلاص سے زندگی گزارے، شیخ کے کُرتے کو پاس رکھنے میں ثمرات ونتائج کا قوی احتمال ہے۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ خواب اور واقعات اعتماد واعتبار کے لائق نہیں۔ کوئی شخص اگر اپنے آپ کو خواب یا واقعہ میں بادشاہ یا قطبِ وقت دیکھے تو حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ہاں خواب اور واقعہ سے باہر عالمِ حقیقت اور نفس الامر میں اگر بادشاہ یا قطب بن جائے تو ماننے کے لائق ہے۔

لہٰذا بیداری میں اگر احوال ومواجید ظاہر ہوں تو ان پر اعتماد کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ اور تم جانتے ہو کہ ذِکر کا نفع اور اس پر آثار ونتائج کا مرتب ہونا شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے اس لئے فرائض اور سُنتوں کی ادائیگی اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب میں پوری احتیاط کرنی چاہیئے، اور چھوٹی بڑی بات میں عُلماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان کے فتویٰ کے تقاضا کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے مُریدین کو تلقین فرماتے ہیں کہ دُنیوی واُخروی سعادت دینِ اسلام کی پابندی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر میں ہے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں مشائخِ عظام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وہ ذکر اسمِ ذات (اللہ) مُریدین کو قلب کے لطیفہ سے شروع کراتے ہیں اور پھر رُوح، سِر، خفی واخفٰی کی طرف لے جاتے ہیں، جب شیخ اپنے مُرید کو قلب کے لطیفہ میں اللہ کا ذکر عطا کر دیتا ہے تو مُرید اللہ کو اپنے قلب میں بے چون وبے چگون ملاحظہ کرتا ہے۔ اللہ کو بے چون وبے چگون ملاحظہ کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مُرید ایک الف، دو لام اور ایک ھا کو اپنے قلب میں ملاحظہ کرتا ہے بلکہ مُرید کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنے قلب میں اس طرح بے چون وبے چگون یاد کرے کہ میں اس ذات کو پکارتا ہوں جس نے مجھ کو پیدا فرمایا اور وہی مجھ کو فانی کرے گا اور وہی ساری کائنات کا خالق ومالک ہے۔

بعض صوفیاء کرام "اللہ" کے لفظ کو کسی چیز پر لکھ کر رکھ لیتے ہیں اور اپنے سامنے رکھ کر اس کی طرف دیکھتے رہتے ہیں یا آئینہ رکھ کر اس کو اپنے قلب میں نقش کرتے ہیں یا اس کے علاوہ دوسرے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ میں اُن پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے تمام طریقے غلط ہیں جو امامانِ

طریقت کی تعلیمات کے خلاف ہوں، کیونکہ مُرید کا قلبی ذکر اسم اللہ ہے اور ذکر کے وقت صوفی ذاتِ بحتِ خداوند کریم کا ملاحظہ کرتا ہے کہ اُس اللہ کا ذکر کرتا ہوں جس نے مجھ کو پیدا فرمایا اور وہی مجھ کو فانی کرے گا اور وہ ساری کائنات کا خالق ومالک ہے۔ اور صوفی کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو بے مثل وبے مانند تصور کرے نہ تو کسی چیز کا اور نہ ہی کسی قسم کے حروف کا تصور کرے کیونکہ ان سب کی اس کے سامنے کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس طرح ایمان رکھے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ موجود ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس ذکر کی وجہ سے جس میں سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو بے چون وبے چگون تصور کرتا ہے اس کے وسیلہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات تک پہنچتا ہے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مستجمع جمیع اسماء وصفات اللہ کا اسم ہے یہی وجہ ہے علماءِ اہلِ سُنت وجماعت اور صوفیاء کرام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء الحسنٰی کے ننانوے (۹۹) ناموں میں سے اللہ کے اسم کو چُنا ہے اور مُرید کو بھی اسی اسم (اللہ) کی تلقین فرمائی ہے تو مُرید کو چاہیئے کہ جس وقت ذکر میں مشغول ہو تو وَجد کی خواہش یا کوشش نہ کرے بلکہ اپنے ذہن میں بھی یہ بات نہ آنے دے مگر آج کل ہمارے مُریدین اور دوسرے سالکین اپنے مشائخ سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ فلاں شخص پر وَجد آتا ہے ہم پر کیوں نہیں آتا؟ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں حکم یہ ہے کہ کوئی بھی سالک وَجد کی خواہش یا طلب نہ کرے جب اسم اللہ مستجمع جمیع اسماء وصفات ہے اور سالک اسمِ اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو پھر وجد کی کیا ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو زمین پر گرائے یا اُچھلے کودے اور چیخیں مارے۔

جس وقت سالک ذکر کرنے میں مصروف ہو تو چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کی جانب متوجہ نہ ہو جس طرح کہ بعض کُتب میں لکھا ہوتا ہے کہ آپ فلاں ذِکر کریں تو آپ کا فلاں کام ہو

جائے گا یا فلاں ذکر کریں تو آپ کو تجارت میں بہت نفع ہو گا وغیرہ یعنی سالک کو چاہیئے کہ ذکر کرتے وقت اس کی ان صفات کی طرف نہ تو متوجہ ہو اور نہ ہی ان کو اپنے ذہن میں لائے کیونکہ جو سالک اس طرف متوجہ ہو گیا، اس کو یہی چیز میسر ہو جاتی ہے لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قُرب کا راستہ اس سے گُم ہو جاتا ہے پھر ایسا سالک اپنے شیخ سے یہ شکوہ نہ کرے کہ میں ذاتِ بحت تک کیوں نہیں پہنچا کیونکہ دورانِ ذکر اس کی منشاء ذاتِ بحت تک رسائی کی نہیں تھی بلکہ اس کی منشاء تو وجد، دُعاؤں کی قبولیت اور توجہ میں اثرات وغیرہ جیسے اُمور تھے نہ کہ ذاتِ بحت کی تلاش تو سالک کو چاہیئے ذکر واذکار صرف اور صرف ذاتِ بحت تک رسائی کے لئے کرے دُنیاوی اُمورات کو آڑے نہ آنے دے۔ حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ہے کہ جب کوئی گندم کاشت کرتا ہے تو اس میں اس کی غرض گندم کے دانے حاصل کرنا ہوتا ہے گھاس، سبزہ اور بھوسہ وغیرہ تو اسے خود بخود مل جاتا ہے یعنی جس سالک کا مقصد صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو اس کے سارے دُنیوی کام بھی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

آج کل اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں جس طریقے سے ذکر کیا جاتا ہے آیا یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں تھا یا نہیں؟ اوّل تو ایسے لوگ ذکر سے ہی ناواقف ہوتے ہیں اور اگر ذکر سے واقف بھی ہو جائیں تو پھر ان کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ علماءِ محققین اور صوفیاء کرام نے اپنی رائے سے ذکر واذکار کے طریقے ایجاد کئے ہیں۔ حالانکہ ان کے یہ شکوک وشبہات غلط ہیں۔

کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰہَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔[1]

حدیثِ مبارکہ میں علیٰ کل احیانہ سے مراد ہے ہر وقت یعنی سفر، حضر، کھانے، پینے، اُٹھنے، بیٹھنے، جاگنے، سونے اور چلنے، پھرنے وغیرہ نیز ان سب حالتوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ عظام جس طرح سے ذکر کرتے ہیں اس میں ان کی کوشش دائمی ذِکر کی کیفیت حاصل کرنا ہے تو اس میں کیا بُرائی ہے؟ جبکہ دلیل کے طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فعل بھی موجود ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے سے ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس فعل کی اطلاع بھی دے دی گئی ہے۔

بعض معترضین جو یہ کہتے ہیں کہ دائمی ذکر جس میں غفلت کو بالکل راہ نہ ہو ممکن نہیں ہے تو ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ فعل کیا ہے تو ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کرتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادے گا۔

ذکر کے دوران اپنے قلب کی شکل وبناوٹ کو اپنے خیال میں بھی جگہ نہ دے بلکہ اس طرح خیال کرے کہ میرے قلب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد ہورہی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں عقائد کی رو سے ایک اہم مسئلے کی جانب اشارہ کیا ہے جو کہ آج کل زبانِ عام پر جاری ہے اور وہ ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو حاضر

---

[1] (صحیح البخاری، ج۳، ص۱۰۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

وناظر جاننا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کی شان میں ان الفاظ کا استعمال کرنا درست نہیں ہے عقائد کی رُو سے اللہ سبحانہٗ وتعالٰی وراء الوراء لا مکان اور بے جہت ذات ہے اور جب کوئی اس طرح کہے گا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی حاضر وناظر ہے تو اس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کے لئے مکان، جسم اور جہت کا قائل ہونا اور اسے نہایت بلندی سے پستی کی جانب لانا لازم آئے گا جبکہ وہ ذاتِ بابرکات ان چیزوں سے منزہ وپاک اور عظیم ہے بلکہ اس طرح کہنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی اپنی صفتِ علم کے ساتھ ہم سب پر عالم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ الاقدس نے رَسمی رواجی پیری ومُریدی سے منع فرمایا ہے یعنی جو آج کل صرف کُلاہ، چادر اور شجرہ دینے کے رسم ورواج پر موقوف ہو چکا ہے جس میں مُرید کو ٹوپی یا شجرہ دے کر خلیفہ بنا لیا جاتا ہے۔ تصوف میں تو ذکر واذکار، عروج ونزول اور مقامات کو طے کرنا شامل ہے اس کے بعد کہیں جا کر خلافت کی باری آتی ہے تو جب ان مذکورہ مقامات سے سالک عاری وخالی ہو گا تو صرف کُلاہ، چادر اور شجرہ دینے سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ تبرکات یعنی اپنے پیر کے جوتے، پگڑی، کپڑے اور چادر وغیرہ تبرک کے طور پر انسان اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور ان سے بہت سے ثمرات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

ہندوستان میں ایک سید زادہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا حضرت میں ایک غریب سیّد زادہ ہوں اور سر پر جوان بیٹیوں کا بوجھ ہے۔ سادات گھرانے کی نسبت ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ بھی نہیں لے سکتا، آپ میرے دینی بھائی ہیں اور سیّد بھی ہیں آپ میری کچھ مدد کریں۔ آپ نے اس کو عزت وتکریم کے ساتھ بٹھایا اور خادم سے بلا کر کہا کہ آج کوئی نذر ونیاز آئی خانقاہ میں؟ تو خادم نے عرض کی سیّدی ابھی تک تو کوئی نہیں آتی لیکن جیسے ہی

آئی میں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔ آپ نے سیّد زادے کو تسلی دی اور کہا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو وہ غیب سے کوئی نہ کوئی انتظام فرمادے گا مگر تین دن گزر گئے کوئی نیاز نہ آئی سیّد زادہ بھی مایوس ہو گیا کہ یہاں تو میری کوئی مدد ہی نہیں ہو سکی۔ ایک دن اس نے اجازت طلب کی حضرت محبوبِ الٰہی کو بہت دُکھ ہوا کہ مہمان خالی ہاتھ گھر سے جارہا ہے آپ نے اس کو چند پَل کے لئے روکا اور اندر سے اپنے نعلین لا کر دے دیئے اور کہا بھائی اس فقیر کے پاس تمہیں دینے کے لئے اپنے ان جوتوں کے علاوہ کچھ نہیں وہ سیّد زادہ جوتے لے کر چل پڑا اور سوچنے لگا کہ ان پُرانے اور بوسیدہ جوتوں کا کیا کروں گا؟ حضرت نے میرے ساتھ اچھا مذاق کیا ہے۔ ان ہی دنوں اُس وقت کا بادشاہ سلطان محمد تغلق کسی جنگی مہم سے واپس آرہا تھا اور حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ بھی تھے سلطان کے ساتھ تھے اور چونکہ آپ ایک قابلِ قدر شاعر تھے اس لئے دربارِ سلطانی میں اہمیت کے حامل تھے۔ آپ نے سلطان کی شان میں قصیدہ کہا تو سلطان نے خوش ہو کر آپ کو ساتھ لاکھ چیتل (سکہ رائج الوقت) سے نوازا اپنے سفر سے واپسی پر جب ابھی لشکرِ سلطانی دہلی سے باہر ہی تھا اور رات کو پڑاؤ کیا گیا تو اچانک حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چلاّ اُٹھے کہ مجھے اپنے مُرشد کی خوشبو آرہی ہے۔ مصاحب بولے امیر حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو دہلی سے کافی دور ہیں تو آپ کو ان کی خوشبو کیسے آگئی مگر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے قرار ہو کر نکل پڑے اور خوشبو کا تعاقب کرتے کرتے ایک سرائے تک جا پہنچے جہاں ایک کمرے میں ایک شخص اپنے سر کے نیچے کچھ رکھ کر سویا ہوا تھا اور خوشبو وہاں سے آرہی تھی۔ آپ نے اس کو جگایا اور پوچھا کیا تم حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ سے آرہے ہو؟ وہ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا اور بولا ہاں آپ نے اشتیاق سے پوچھا کیسے ہیں میرے مُرشد؟ وہ شخص بولا وہ تو ٹھیک ہیں میں ان

کے پاس مدد کے لئے گیا تھا مگر اور کچھ تو دیا نہیں ہاں اپنے پُرانے بوسیدہ جوتے ضرور دیئے ہیں یہ سُنتے ہی حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت غیر ہو گئی اور کہنے لگے کہاں ہیں میرے مُرشد کے نعلین؟ تو اس نے ایک کپڑا کھول کر دکھا دیئے آپ نے ان کو پکڑ کر چوما اور اپنی آنکھوں سے لگایا اور کہنے لگے کیا تو ان کو بیچے گا؟ اس نے کہا آپ میرا مذاق کیوں اُڑاتے ہیں؟ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بولے مذاق نہیں میرے پاس اس وقت سات لاکھ چیتل ہیں وہ لے لو اور میرے مُرشد کے نعلین مجھے دے دو اگر چاہو تو دہلی چلو تمہیں اتنی ہی رقم اور دے دوں گا۔ ساتھ لاکھ چیتل کا سُن کر وہ چکرا گیا اور بولا نہیں بس میرا تو چند ہزار سے گزارا ہو جائے گا مگر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زبردستی سات لاکھ چیتل دیئے اور ساتھ میں سپاہی اور ایک تحریر بھی دے دی تاکہ کوئی اس پر شک نہ کرے اور پھر امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حالت میں خانقاہِ مُرشد میں داخل ہوئے کہ جوتے اپنی دستار میں لپیٹ رکھے تھے اور سر پر رکھے بڑھے چلے آرہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مُسکراتے ہوئے پوچھا خسرو! ہمارے لئے کیا لائے ہو؟ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا سیّدی آپ کے نعلین لایا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا کتنے میں خریدے ہیں؟

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ شعر پڑھا کہ:

جمادی چند دادم جان خریدم

بحمد اللہ عجب اَرزان خریدم

ترجمہ: میں نے چند روپوں پر جان (رُوح) کو خرید لیا ہے اللہ تعالیٰ کی حمد سے میں نے بہت ہی سستا سودا خریدا ہے۔

دوسرے مکاتیب کی طرح یہاں پر بھی ذکرِ خفی کی تعلیم دی گئی ہے اس ضمن میں عرض یہ ہے کہ ذکرِ جہر سے ہمیں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ اس کے بارے میں بھی دوسرے سلاسل کی تعلیمات موجود ہیں۔ البتہ ذکرِ جہر کی بھی چند شرائط ہیں ان کو مدِ نظر رکھ کر ذکرِ جہر بھی کیا جاسکتا ہے، البتہ ذکرِ خفی ہر لحاظ سے بہتر ہے اور دوسرے اذکار پر فضیلت رکھتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَفَضْلُ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ الَّذِي لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعُونَ ضِعْفًا، إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، وَجَمَعَ اللهُ الْخَلَائِقَ لِحِسَابِهِمْ، وَجَاءَتِ الْحَفَظَةُ بِمَا حَفِظُوا وَكَتَبُوا، قَالَ لَهُمْ: انْظُرُوا هَلْ بَقِيَ لَهُ مِنْ شَيْءٍ؟ فَيَقُولُونَ: مَا تَرَكْنَا شَيْئًا مِمَّا عَلِمْنَاهُ وَحَفِظَاهُ إِلَّا وَقَدْ أَحْصَيْنَاهُ وَكَتَبْنَاهُ، فَيَقُولُ اللهُ: إِنَّ لَكَ عِنْدِي حَسَنًا لَا تَعْلَمُهُ وَأَنَا أَجْزِيكَ بِهِ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ۔

ترجمہ: ذکرِ خفی جس کو ملائکہ حفظہ کے علاوہ دیگر مخلوق نہ سُنے وہ (ذکرِ جہر سے) ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے، جب روزِ قیامت ہو گا اور اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور حفظہ فرشتے اپنے محفوظ کردہ اعمال لے کر حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا دیکھو میرے اس بندے کے کچھ اعمال تمہارے پاس باقی تو نہیں؟ تو وہ عرض کریں گے یا اللہ! ہمارے علم میں اس کے جو جو اعمال تھے وہ ہم نے ان صحیفوں میں درج کر کے محفوظ کر لیئے ہیں ان کے علاوہ ہم نے کچھ چھوڑا نہیں ہے۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں! آپ کا میرے پاس ایک ایسا عمل ہے جس کو تُو نہیں جانتا اور اس کا بدلہ میں ہی آپ کو دوں گا اور وہ عمل آپ کا ذکرِ خفی ہے، انتہٰی۔ [1]

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۴۳۶، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

اس حدیث میں طریقتِ عالیہ نقشبندی کی طرف ہی ترغیب دی ہے کہ دیگر سلاسل کی بجائے آپ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخِ عظام کی مجالس کو اختیار کریں اور ان سے طریقۂ ذکرِ خفی اخذ کریں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سنہ ۴۰۰ اور سنہ ۵۰۰ ہجری کے درمیانی عرصہ میں ہم عصر گزرے ہیں آپ دونوں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پیش ہوئے اور عرض کی کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں خیراتِ ذکرِ دائمی سے نوازیں غور طلب بات ہے کہ یہ دونوں حضرات دو مختلف سلاسل (سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ) کے بڑے مشائخ میں سے ہیں اور ہم ان کی اقتداء بھی کرتے ہیں جبکہ آپ دونوں نے حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت کی خواہش کی اور حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی خواہش کے مطابق ان کو خیراتِ ذکرِ دائمی عنایت فرمادی۔

لیکن آج کل اگر کوئی شیخ یا سالک کسی دوسرے شیخ کی مجلس میں جائے اور اس سے خواہشِ فیوضات کرے تو اس کا شیخ ناراض ہو جاتا ہے کہ آپ کیوں فلاں شیخ کی مجلس میں گئے ہیں۔ہاں!اس میں صرف ایک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ اگر جانے والا شخص اپنے شیخ کے بارے میں متردد و متزلزل نہ ہو تو وہ جس جگہ بھی جانا چاہے جا سکتا ہے اور فیض حاصل کر سکتا ہے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور اگر متردد و متزلزل ہو تو پھر دوسرے مشائخ کے پاس نہ جائے۔ مگر خیال رہے کہ اس مذکورہ بحث میں شیخ سے مراد وہ شیخ ہے جو شریعتِ غراً محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، اہل سنت

وجماعت کے عقائد اور جس سلسلے سے اس کی نسبت ہو اس کے مطابق آپ کو توجہ اور تلقین کر چکا ہو۔

طریقت کے فیوضات وبرکات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک مسلمان شخص شریعت کے بتائے ہوئے حلال وحرام اور مشتبہ اُمور کو پہچانے اور ان کے مطابق عمل کرے لیکن آج کل حلال وحرام اور مشتبہ چیزوں میں تمیز ہی ختم ہو چکی ہے اگر کوئی سالک شہودی کیفیت کا مالک ہے اور اس کے پیٹ میں ارادتاً حرام لقمہ چلا گیا تو چالیس ایام تک اس کی شہودی کیفیت بند ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی کشف وشہود درست نہیں ہوتا لیکن آج کل تو ہمارے سب کام مشتبہ ہوتے ہیں اور دو چار نمازیں پڑھ کر یا دو چار دن ذکر واذکار کر کے ہماری خواہش ہوتی ہے کہ ہمیں کشف وشہود جیسی کیفیات میسر آجائیں اور مشائخ کے پاس جا کر اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے پیٹ حرام اور مشتبہ چیزوں کے مرکز بنے ہوئے ہیں ہمیں کشف وشہود کی خواہش سے پہلے اپنے باطن کی بیماری کا ازالہ کرنا چاہیئے تاکہ حرام اور مشتبہ کاموں سے نجات میسر ہو جائے اور ہمارا باطن صاف ہو جائے اور کشف وشہود کھل جائے تاکہ ہمارے قلب کو یقین کی اعلیٰ دولت نصیب ہو۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولا ساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین آمین

(دارالمعــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان **محمد سعید احمد مجددی** فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی **قدس سرہٗ العزیز** طریقتِ نقشبندیہ کے ذکر کی افضلیت بیان فرما رہے ہیں۔ در حقیقت حق تعالیٰ کا ذکر ایسی نعمتِ کبریٰ اور دولتِ قصویٰ ہے جس کی کثرت کی بدولت بندۂ مؤمن دارین کی سعادتوں اور کونین کی عظمتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی **قدس سرہٗ العزیز**

نے جمیع سلاسلِ طریقت کے پیر ماذون اور جملہ نسبتوں کے امین ہونے کے باوجود مشائخ نقشبندیہ کے اختیار فرمودہ ذکر کی فضیلت وفوقیت کا قول کیا ہے، کیونکہ دائمی ذکر بطریق اندراج النہایہ فی البدایہ طریقتِ نقشبندیہ میں ہی ممکن ہے۔ اس لئے طالبانِ طریقت پر واجب اور لازم ہے کہ وہ طریقتِ نقشبندیہ کو اختیار کریں تاکہ دوامِ ذکر کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوسکیں۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ طریقتِ نقشبندیہ میں دائمی ذکر نقشبندیوں کے مرشدِ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وساطت سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے جاری وساری ہوا۔

جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَذْكُرُ اللَّهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔[1]

دائمی ذکر قلب سے ہی ممکن ہے جو کلام وطعام وغیرہا کے دوران بھی جاری رہتا ہے منقطع نہیں ہوتا۔

شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

كان يذكر الله۔۔۔ إلخ۔۔ لا يتصور هذا الذكر إلا بالقلب فإن الذكر اللساني لا يتصور في كل أحيانٍ لأن الإنسان لا يخلوا إما أن يكون نائمًا أو يقظان فالنائم يكون غافلًا عن ذكر اللسان وكذلک اليقظان إذا كان في القاذورات فذكر اللسان ههنا مكروه بخلاف الذكر

[1] (سنن ابن ماجه، ج ا، ص ۱۰۲، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

القلبي فإن تعلّق القلب بجناب الباري في النوم و اليقظة سواءٌ۔۔۔ و لذا قال شيخنا المجدد رضي الله تعالیٰ عنه الحالة المنامة فوق حالة اليقظة لعدم تعلق الباطن بالظاهر و حالة السكرات فوق حالة المنام و حالة البرزخ فوق حالة السكرات و حالة العرصات فوق حالة البرزخ و حالة أهل الجنة فوق حالة أهل العرصات لأنهم يرون الله عيانًا۔

یعنی کان یذکر الله۔۔۔ إلخ۔۔۔ ذکرِ قلبی کے بغیر محصور نہیں ہو سکتا اور ذکرِ لسانی ہمہ وقت متصور نہیں ہو سکتا، کیونکہ انسان دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا، عالمِ خواب میں ہو گا یا عالمِ بیداری میں، عالمِ خواب میں ذکر لسانی سے غافل ہوتا ہے ایسے ہی بیت الخلاء کے اندر عالم بیداری میں ذکر لسانی سے غافل ہوتا ہے کیونکہ ذکر قلبی کے برعکس وہاں ذکر باللسان مکروہ ہے۔ جبکہ عالمِ خواب اور عالمِ بیداری میں دونوں حالتوں میں قلب کا تعلق باللہ مساوی ہوتا ہے اسی لئے ہمارے شیخ سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں باطن کے ظاہر کے ساتھ عدم تعلق کی بناپر حالتِ نیند، حالتِ بیداری سے فوق ہے، حالتِ سُکرات، عالمِ خواب سے فوق ہے اور عالمِ برزخ حالتِ سُکرات سے بالا ہے۔ عرصہ ٔقیامت کی حالت، حالتِ برزخ سے بالا ہے اور اہلِ جنت کی حالت حالتِ عرصات سے بڑھ کر ہے۔[1]

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو عیاناً دیکھیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ (یونس ٢٦) لفظ زیادہ کی حدیث میں رؤیتِ باری تعالیٰ سے تفسیر کی گئی ہے اور ان تمام اشیاء کا تعلق قلبی ذوق سے ہے نہ کہ ایسے شخص کے لئے جو محض ظاہری استقامت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩) سے عیاں ہے۔

---

[1] (انجاح الحاجه حاشيه سنن ابن ماجه، ص ٢٦)

اور حدیث شریف میں ہے:

خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ، وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي۔

بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بھوک کے لئے کافی ہو۔ [1]

اور دوسرے مقام پر ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

لِفَضْلِ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ الَّذِي لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعُونَ ضِعْفًا۔

یعنی ایسا ذکرِ خفی جسے ملائکہ حفظہ بھی نہ سن سکیں ستر درجے افضل ہے۔ [2]

اور روزِ قیامت اللہ تعالیٰ مخلوق کو حساب و کتاب کے لئے جمع فرمائے گا تو ملائکہ حفظہ اعمال نامے لے کر حاضر ہوں گے، اللہ تعالیٰ ملائکہ کو مخاطب ہو کر فرمائے گا اس بندۂ مؤمن کے اعمال میں سے کوئی چیز بچ تو نہیں گئی ملائکہ عرض گزار ہوں گے ہم نے اپنی دانست اور یادداشت کے مطابق اس کے ہر عمل کو شمار بھی کر لیا ہے اور لکھ بھی لیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس بندۂ مؤمن سے مخاطب ہو کر فرمائے گا:

إِنَّ لَکَ عِنْدِي حَسَنًا لَا تَعْلَمُهُ وَأَنَا أَجْزِيکَ بِهِ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ۔

میرے پاس تیری ایک ایسی نیکی بھی ہے جسے تو بھی نہیں جانتا اور میں تجھے اس کی جزا دیتا ہوں، اور وہ نیکی ذکرِ خفی ہے۔ [3]

اس حدیث کو حضرت امام سیوطی نے بدور سافرہ میں اور حضرت ابویعلیٰ موصلی نے ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔ [4]

---

[1] (مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۲، الناشر: عالم الکتب -بیروت)

[2] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۴۳۶، الناشر: دار الفکر، بیروت -لبنان)

[3] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۴۳۶، الناشر: دار الفکر، بیروت -لبنان)

[4] (انجاح الحاجه حاشیه سنن ابن ماجه، ص ۲۶)

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ بعض طالبانِ طریقت جمیع سلاسلِ طریقت کے جامع، مشائخِ نقشبندیہ کی خدمت میں دیگر سلاسلِ طریقت میں بیعت ہونے پر اصرار کرتے ہیں، ایسے سالکین کو دیگر سلاسل میں بیعت کرنے کے باوجود نقشبندی ذکر ہی القاء و تلقین کرنا چاہیئے تاکہ اسے بھی نقشبندی فقیر کے ہاتھ پر شرفِ بیعت کی بدولت دائمی ذکر نصیب ہو سکے۔ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز اور حضرت سیدنا خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ العزیز نے شیخ المشائخ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ العزیز کی خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہو کر نسبتِ نقشبندیہ اور دائمی ذکر کی ہی خیرات مانگی تھی۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ نقشبندی صوفیاء کو اپنے شیخ کامل و مکمل کی طرف کلیۃً متوجہ وملتفت رہنا چاہیئے تاکہ ان کی توجہاتِ قدسیہ کی بدولت دائمی ذکر میسر ہو سکے۔

بقول شاعر:

اے خواجہ بکوئے اہلِ دل منزل کن
در پہلوئے اہلِ دل دلے حاصل کن
خواہی کہ ببینی جمالِ محبوب ازل
آئینہ تو دل است رو در دل کن

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے طریقتِ نقشبندیہ کے ذکر کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ سالکین کو دورانِ ذکر قلبِ صنوبری (مضغۂ گوشت) وغیرہا کسی عضو کو قصداً حرکت نہیں دینا چاہیئے

اور نہ ہی قلبِ صنوبری کی صورت کا خیال کرنا چاہیئے، بلکہ محض قلب کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے اور اسی پر اسمِ مبارک اللہ، اللہ کا خیال گزارنا چاہیئے جو بالآخر شیخ کی توجہاتِ قدسیہ اور کثرتِ ذکر کی بناپر قلبِ حقیقی (لطیفۂ قلب) میں سرایت کرکے طردِ کسلت اور رفعِ غفلت کا باعث ہوتا ہے۔ فھو المقصود

یہ ایسا عجیب طریقہ ہے کہ سالک پر سوئے ہوئے بھی غفلت طاری نہیں ہوتی بلکہ وصال کے بعد بھی صوفی یادِ خدا سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہوتا۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ ابتدائے سلوک میں ذکر دوامِ اسمِ ذات یعنی استحضارِ اسمِ ذات ہوتا ہے جو منتہائے سلوک میں استحضارِ ذات پر منتج ہوتا ہے، اسی کو دوامِ حضور مع اللہ کہتے ہیں۔

حضرت خواجہ خاقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی

کہ یک دم باخدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا:

جے محبوب پیارا اک دن وسے نال اساڈے

جاناں میں ہما پکھیر وچھا تا جال اساڈے

بینہ نمبر ۲

یہ امر مستحضر رہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ اشخاص وافراد کے لحاظ سے نہیں بلکہ سبق کے اعتبار سے سب سے اوسع واعلیٰ ہے۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ مشائخِ نقشبندیہ پہلے روز ہی مُریدوں کے قلوب میں لفظ اللہ نقش کر دیتے ہیں۔ امام الطریقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ العزیز کو جب کسی درویش نے آوی میں آگ دہکانے کے دوران برتنوں پر اسم اللہ نقش کرتے ہوئے دیکھا تو وہ آپ کے حضور یوں عرض گزار ہوا:

یاشہِ نقشبند نقشِ مرا بہ بند
نقشِ چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز دورانِ ذکر اسم مبارک اللہ کو بے چون اور بے چگون ملحوظ خاطر رکھنے کی تعلیم فرمارہے ہیں، کیونکہ جب سالک حق تعالیٰ سبحانہٗ کی ذاتِ بحت کو ملحوظ رکھتا ہے اور اس کی ذات بے مثل و بے کیف کا تصور کرتا ہے تو اسے ذاتِ تعالیٰ تک رسائی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور اگر دورانِ ذکر صفات کی طرف ملتفت ہوتا ہے تو جس صفت کی طرف متوجہ ہو گا اسی صفت تک رسائی میسر ہو گی۔ لہٰذا اسی صفت پر قناعت کر بیٹھنے کی وجہ سے ذات تک رسائی سے محروم رہے گا جو دوں ہمت اور کم ظرف ہونے کی علامت ہے، کیونکہ مقصودِ ذات ہے، صفات نہیں۔ اسی لئے خواجگانِ نقشبندیہ پہلے روز ہی صفات کی بجائے اسمِ ذات کا سبق دیتے ہیں تا کہ سالکین چون و چگون کائنات اور صفات کی طرف التفات ہی نہ کریں۔ چونکہ اشیائے کائنات، صفات و اسماء وافعال کے ظلال ہیں اس لئے ذات کو چھوڑ کر صفات کی طرف متوجہ ہونے والے سالکین کائنات کی شکلوں، صورتوں، رنگینیوں اور کثرتوں میں گم ہو کر اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھتے ہیں اور واصل باللہ ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

بینہ

واضح رہے کہ اگر دورانِ ذکر بے تکلف صورتِ شیخ نمودار ہو جائے تو سالکین کو اسے بھی قلب کی طرف لے جا کر قلب کی طرف ہی متوجہ رہنا چاہیئے تاکہ اس کی توجہ منتشر نہ ہو بلکہ قلب پر ہی مرکوز رہے، کیونکہ شیخ بالذات مقصود نہیں بلکہ شیخ مقصودِ حقیقی تک پہنچنے کا وسیلۂ جلیلہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ شیخ کون ہوتا ہے۔ بندۂ مؤمن کا مقصود حقیقی حق تعالیٰ ہے اور اس تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ شیخِ کامل و مکمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدة ۳۵) سے عیاں ہے۔ اس لئے طالبِ مولیٰ کو کسی ایسے دانائے راہ مرد کی تلاش کرنی چاہیئے جس سے شرفِ بیعت اور اخذ نسبت کے بعد اس کی توجہاتِ قدسیہ اور تصرفاتِ باطنیہ، طالب کو حریمِ قدس جل سلطانہٗ تک پہنچادیں۔ محض کسی شیخ کے شجرۂ طریقت، چادر اور ٹوپی وغیرہ سے مقصودِ حقیقی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ سب رسومات وعادات ہیں جن کا حقیقتِ مشیخیت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ اہل اللہ کے ملبوسات و تبرکات باعثِ خیر وبرکت ضرور ہوتے ہیں، جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سالکینِ طریقت کی ایک غلط فہمی کا ازالہ فرمارہے ہیں کہ دورانِ سلوک سنت و شریعت اور ذکر و فکر کی پابندی کی وجہ سے ایسے واقعات اور خوابیں آتی ہیں جن میں وہ اپنے آپ کو اعلیٰ مراتب پر فائز پاتا ہے، اس لئے وہ بزعم خویش خود کو اپنے مُرشد و مربی سے بے نیاز سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور اس زعمِ باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب مجھے مزید کسی تربیت اور ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت نہیں، یوں وہ منزل مقصود تک رسائی سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس لئے اس قسم کے خواب اور واقعات لائقِ اعتبار نہیں، البتہ عالمِ بیداری میں کسی سالک کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آ جائے تو قابلِ اعتماد ہوتا ہے، کیونکہ اچھے خواب سالکینِ طریقت کی بلند روحانی استعداد کی خبر دیتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں واقعات اور منامات کے متعلق قدرے معلومات فراہم کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

واقعات

واقعات جمع ہے واقعہ کی جو حادثہ، حال، کارزار، جنگ، عرصہٗ قیامت وغیرہا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ اصطلاح صوفیاء میں واقعہ اس امر کو کہا جاتا ہے جو سالک کے قلب میں واقع ہو، خواہ بیداری کی حالت میں ہو یا نیند کے عالم میں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس وقت سالک کے حواس ظاہری معطل ہوں۔ یاد رہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ واقعات کے مشاہدے میں نیند کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ وہ مشغولیتِ اذکار اور محویتِ مراقبات کی وجہ سے مسدود الحواس ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظاہری حواس دنیا کی طرف سے بند ہو جاتے ہیں اور باطنی حواس خالق کی طرف کھل جاتے ہیں پھر پردۂ غیب سے ان پر القاء والہام کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء

منامات

منامات جمع ہے منام کی جو نوم سے مأخوذ ہے جس کا معنی نیند ہے۔

فاضل اجل علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نوم کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

النوم: حالة طبيعية تتعطل معها القوى بسبب ترقي البخارات إلى الدماغ۔

یعنی نوم ایسی طبعی حالت کو کہا جاتا ہے جس میں دماغ کی طرف بخارات اٹھنے کی وجہ سے قوائے جسمانی معطل ہو جاتے ہیں۔[1]

* علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

الرُّؤيَا: ما يرى في المنام۔

جو چیز عالمِ نیند میں دکھائی جائے اسے خواب کہا جاتا ہے۔[2]

* عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواب کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

الرؤيا هی مطالعة النفس فی الصور المنطبعة فی الحس المشترک من أفق المتخيلة عند غفلتها و فراغها عن مطالعة المحسوسات فی النوم او الإغماء او نحو ذلک۔

یعنی نفسِ انسان جب نیند یا بے ہوشی یا استغراق وغیرہا کی حالت میں جسمِ ظاہری کی تدبیر سے فارغ و غافل ہو جاتا ہے تو اسے قوتِ خیالیہ کے افق سے حسِ مشترک میں منعکس صورتیں دکھائی دیتی ہیں جسے خواب کہا جاتا ہے۔[3]

خواب کی اقسام

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خواب کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں:

وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: فَالرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ بُشْرَى مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالرُّؤْيَا يُحَدِّثُ بِهَا الرَّجُلُ نَفْسَهُ، وَالرُّؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

---

[1](التعريفات، ج ۱، ص ۲۴۸، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت -لبنان)

[2](المفردات في غريب القرآن، ج ۱، ص ۳۷۵، الناشر: دار القلم، الدار الشامية -دمشق بيروت)

[3](التفسير المظهری، ج ۵، ص ۱۳۷، الناشر: مكتبة الرشدية -الباكستان)

یعنی خواب کی تین اقسام ہیں:

اول: اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتا ہے۔

دوم: آدمی اپنے آپ سے گفتگو کرتا ہے (اسے حدیثِ نفس اور منتشر الخیالی کہا جاتا ہے)۔

سوم: شیطان کی طرف سے ڈرانا ہے۔[1]

قسم اول

صاحبِ تفسیر مظہری علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواب کی اقسام ثلاثہ میں یوں رقم طراز ہیں:

و اما الّتي هی صحیحة فهی الهام و اعلام من الله تعالی لعبده علی شيء مما فی خزائن الغیب، او علی شيءمن مکنونات صفاته و أحواله و درجات القرب له من الله تعالی حتّی تکون له بشارة۔

یعنی نیک خواب وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے کے لئے غیبی خزانوں میں سے کسی چیز پر الہام واطلاع ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے پوشیدہ صفات، خفیہ احوال اور درجاتِ قرب پر آگاہی واطلاع کرنا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ چیز بندۂ مؤمن کے لئے بشارت بن جاتی ہے۔[2]

جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان رؤیا المؤمن کلام یکلم به العبد ربه في المنام۔

---

[1](المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج۴، ص ۳۹۰، الناشر: دار المعرفة -بیروت)

[2](التفسیر المظهری، ج۵، ص ۱۳۷، الناشر: مکتبة الرشدیة -الباکستان)

یعنی بندۂ مؤمن کا خواب کلام ہوتا ہے جو اپنے رب سے خواب میں کرتا ہے۔[1]

انبیائے کرام علیہم الصلوات کے خواب اسی قبیل سے ہوتے ہیں کیونکہ وہ شیطانی اثرات اور وہمی معارضات سے معصوم ہوتے ہیں اور نیند ان کی مبارک آنکھوں تک محدود رہتی ہے اور ان کے قلوب جاگتے ہیں۔بنابریں وہ الہامی حقائق کو خیالی اختراعات سے متمیز کرلیتے ہیں۔

نیز صاحبِ تفسیرِ مظہری اولیائے کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ کے خوابوں کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

رؤيا الصلحاء اعنى الأولياء الذين زكوا أنفسهم بالرياضات وأزالوا عنها الكدورات الجبلية وتنزهوا عن ظلمات الذنوب والآثام وتجلى بواطنهم باقتباس أنوار النبوة صالحة صادقة الا نادرا وذلك عند عروض كدورة بأكل شيء من المشتبهات أو زائدا على الحاجة بحيث تولدت منه كدورة ما أو لاجل لمم من المعصية فانهم غير معصومين أو لانعكاس من صحبة العوام فرؤيا الأولياء شبيهة بالوحى ولذلك قال رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم رؤيا المؤمن جزء من ستة وأربعين جزءا من النبوة۔

یعنی اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ریاضاتِ شاقہ کے ذریعے اپنے نفوس کا تزکیہ، جبلی کدورات کا ازالہ اور گناہوں کی تاریکیوں سے اپنے آپ کو پاک کیا ہوتا ہے اور انوارِ نبوت کے اقتباس سے اپنے بطون کو منور کیا ہوتا ہے اس لئے ان کے خواب صالح اور صادق ہوتے ہیں۔اسی بناء پر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خواب وحی کے مشابہہ ہوتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔[2]

---

[1] (فتح الباری،ج۸،ص ۱۱۸،دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت -لبنان الطبعة الثانية)

[2] (التفسير المظهری،ج ۱،ص ۱۸۶۱،ناشر:مكتبة رشديه،پاكستان)

انبیائے کرام علیہم الصلوات کے خواب وحیٔ قطعی ہوتے ہیں، اسی لئے حضرت سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے جیسا کہ إِنّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ (الصافات ۱۰۲) سے عیاں ہے۔

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خواب وحی کے ساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے صادق ہوتے ہیں مگر نادرۃً معاملہ برعکس بھی ہو جاتا ہے جس کی وجوہات درج ذیل ہو سکتی ہیں:

۱۔ مشتبہ لقمہ کھانے کی وجہ سے کدورت لاحق ہو جاتی ہے۔

۲۔ زائد از ضرورت کھالینے سے کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔

۳۔ ارتکابِ معصیت (گناہِ صغیرہ) کی وجہ سے کدورت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اہل اللہ معصوم نہیں ہوتے۔

۴۔ عامۃ الناس کے ساتھ مخالطت کی وجہ سے آئینۂ قلب مکدر ہو جاتا ہے۔

قسم ثانی

خواب کی دوسری قسم حدیثِ نفس ہے۔

ما تراه النفس من صور الأشياء التي راتها فى اليقظة او تفكر و اخترعها المتخيلة من غير اصل لها فى الواقع وتسمى تلك الرؤيا حديث النفس۔

یعنی انسان خواب میں ان چیزوں کی صورتیں دیکھتا ہے جو اس نے عالمِ بیداری میں دیکھی ہوتی ہیں یا وہ تفکر و تدبر کے دوران خلافِ اصل صورتیں اختراع کرتا ہے جن کی واقع میں کوئی اصل نہیں ہوتی۔ اس رؤیا کو حدیثِ نفس سے موسوم کیا جاتا ہے۔[1]

---

[1] (التفسير المظهرى، ج۵، ص ۱۳۷، الناشر: مكتبة الرشدية -الباكستان)

قسم ثالث

ما ألقاه الشيطان فی خیاله وتمثل له تخویفا او ملاعبة فان الشیطان یجری من الإنسان مجری الدم وتسمی تلک الرؤیا الرؤیا السوء وتخویف الشیطان و الحلم۔

یعنی جو شیطان انسان کے خیال میں القاء کرتا ہے اور اسے ڈرانے یا اس کا دل بہلانے کے لئے مثالی صورت میں متمثل ہو کر آتا ہے کیونکہ شیطان خون کی مانند جسمِ انسانی میں گردش کرتا ہے۔ ایسے خواب کو رؤیا سوء، تخویف الشیطان اور حلم کہا جاتا ہے۔ [1]

خواب کے اعتبار سے انسانوں کے درجات

خواب دیکھنے کے اعتبار سے انسان کے تین درجات ہیں جن کی تفصیلات کے لئے حضرت علامہ مظہری اور حضرت علامہ عسقلانی رحمہا اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ تصریحات بتغییر یسیر پیش خدمت ہیں:

* انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے خواب وحی ہونے کے لحاظ سے قطعی اور صادق ہوتے ہیں البتہ بعض خواب قابلِ وضاحت اور لائقِ تعبیر ہوتے ہیں۔

* اہل اللہ کے خواب اجزائے نبوت ہونے کی بناء پر زیادہ تر صادق ہوتے ہیں اس لئے ان کے بعض خوابوں کی تعبیر کی ضرورت بھی نہیں ہوتی جبکہ عامۃ الناس کے خواب خیالاتِ فاسدہ اور نفسانی کدورات وغیرہا کی بناپر اکثر فاسد اور اضغاث احلام ہوتے ہیں، البتہ بعض صادق بھی ہوتے ہیں۔

---

[1] (التفسیر المظھری، ج۵، ص۱۳۷، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ-الباکستان)

اس لئے ان کی بھی تین اقسام ہیں:

۱۔ مستورین

اس قسم کے لوگوں کے خواب صادق اور اضغاثِ احلام دونوں برابر ہوتے ہیں۔

۲۔ فساق

ان کے خواب صادق کم اور اضغاث احلام زیادہ ہوتے ہیں۔

۳۔ کفار

ان کے خواب بہت کم صادق ہوتے ہیں، جس طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کے قیدی ساتھیوں کے خواب اور شاہِ مصر کا خواب۔

مختصر یہ کہ جس طرح کافر بہت کم صادق ہوتے ہیں اسی طرح ان کے خوابوں کا صادق ہونا بھی نادر الوقوع ہوتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۱۲ تا ۴۲۸)

مکتوب نمبر ۱۹۱

[خانخاناں کی طرف لکھا گیا:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب اور اس بیان میں کہ تکالیفِ شرعیہ میں آسانی اور سہولت کی پوری رعایت کی گئی ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ

تمام تعریفیں اُس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس راستے کی ہدایت دی اور ہمیں ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی تھی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا۔ بے شک ہمارے رب تعالیٰ کے رسولِ حق کے ساتھ تشریف لائے۔ سعادتِ اَبدی اور نجاتِ سرمدی انبیاء کرام (اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی سلامتی ان سب پر عموماً اور ان سب سے افضل پر خصوصاً نازل ہوتی رہیں) کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ فرضاً اگر ہزار سال بھی عبادت کی جائے اور ریاضتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ کو بروئے کار لایا جائے تو بھی اگر ان بزرگوں (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی متابعت کے نور سے منور اور روشن نہ ہوں تو بارگاہِ ایزدی میں ان کی ایک جَو برابر قیمت نہیں۔ اور دوپہر کے سونے کے ساتھ جو سراسر غفلت اور بے کاری ہے لیکن ان بزرگوں (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حکم کے مطابق ہو وہ مجاہدات اس نیند کے برابر نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مجاہدات چٹیل اور خالی میدان کی طرح بے فائدہ سمجھے جائیں گے۔ یہ خداوند جلّ شانہٗ کی کمال مہربانی ہے کہ تمام شرعی تکالیف اور دینی اُمور میں نہایت ہی آسانی اور سہولت کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً رات دن کے آٹھ پہر میں صرف سترہ رکعت (فرض) نماز ادا کرنے کی تکلیف دی گئی ہے، اور ان کے ادا کرنے میں سارا ایک گھنٹہ بھی صرف نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں نماز میں قرآت جس قدر میسر آسکے اسی پر کفایت

کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اگر قیام مشکل ہو تو بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر بیٹھ کر ادا کرنا مشکل ہو تو لیٹ کر ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اور جب رکوع و سجود مشکل ہو تو اشارے سے ادا کرنے کا حکم ہے، اور وضو میں اگر پانی کے استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو تو تیمم کو اس کی جگہ مقرر کیا ہے۔ اور زکوٰۃ میں چالیس حصوں میں سے صرف ایک حصہ فقرآ و مساکین کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے۔ اور اسے بھی بڑھنے والے مالوں اور چَرنے والے مویشیوں پر منحصر کیا ہے، اور تمام عمر میں صرف ایک حج فرض کیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے بھی راستے کے خرچ، سواری اور راستے میں خطرہ نہ ہونے کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ اور دائرۂ مباح کو وسیع اور کشادہ کر دیا ہے۔ چار آزاد عورتیں نکاح کے ساتھ اور زَر خرید لونڈیاں جس قدر چاہیں مباح فرمائی ہیں۔ اور طلاق کو نکاح کی تبدیلی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اور کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں زیادہ مباح اور کم حرام کی ہیں وہ بھی بندوں کی بہتری اور ان کے فائدے کی خاطر۔

مثلاً ایک بدمزہ ضرر ونقصان سے لبریز شراب کو حرام کیا ہے اور اس کے عوض بے شمار فائدے مند اور خوش ذائقہ اور خوشبودار شربتوں کو جائز اور مباح قرار دیا ہے۔ عرقِ لونگ اور عرقِ دار چینی میں ان کے خوش مزہ اور خوشبودار ہونے کے باوجود اس قدر فائدے اور منافع ہیں جو بیان میں نہیں آسکتے۔ کڑوی، بدمزہ، بدبُو، بدخُو، حوش و حواس کھونے والی اور پُر خطر (شراب) کو خوشبودار اور خوشگوار چیز سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں میں حلال و حرام کے اعتبار سے جو فرق ہے وہ الگ ہے اور وہ فرق و تمیز جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور نارضامندی کی وجہ سے ہے الگ ہے۔

یوں ہی اگر بعض ریشمی کپڑوں کو حرام کیا ہے تو کیا ڈر ہے؟ جبکہ کئی طرح کے قیمتی اور دیدہ زیب کپڑے ان کے عوض حلال کر دیئے ہیں اور پشمینہ اور صوف کا لباس جو عام طور پر مباح ہے ریشمی لباس سے کئی درجے بہتر ہے۔ پھر ریشمی لباس بھی صرف مردوں کے لئے حرام ہے عورتوں کے لئے حلال اور جائز ہے۔ اور اس کے منافع بھی مَردوں کو ہی پہنچتے ہیں اور یہی سونے چاندی کا حال ہے کہ ان سے عورتوں کے زیورات در حقیقت مَردوں ہی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بے انصاف اس آسانی اور سہولت کے باوجود (اسلام پر چلنا) مشکل اور دُشوار جانے تو وہ مرضِ قلبی میں مبتلا اور باطنی بیماری میں گرفتار ہے۔ بہت سے کام ایسے ہیں جن کا کرنا تندرست لوگوں کے لئے آسان ہوتا ہے، لیکن کمزور لوگوں کے لئے ان کی انجام دہی نہایت ہی مشکل ہوتی ہے۔ اور مرضِ قلبی سے مراد آسمان سے نازل شدہ خدا تعالیٰ کے احکام پر دِلی یقین کا نہ ہونا ہے۔ ایسے لوگوں کو اس وقت جو تصدیق حاصل ہے وہ صرف صورتِ تصدیق ہے نہ کہ حقیقتِ تصدیق۔ حقیقتِ تصدیق کے حصول کی علامت احکامِ الٰہیہ کی بجا آوری میں آسانی کا پایا جانا ہے۔ ورنہ بے فائدہ رَنج اٹھانے کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ: مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو اور اللہ اپنے قریب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اُسے جو رجوع لائے۔

ہر متبعِ ہدایت اور مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

افسوس! آج کل مسلمان سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتیں فراموش کرتے جارہے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

قِیلُوا، فَإِنَّ الشَّیَاطِینَ لَا تَقِیلُ۔

ترجمہ: قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیاطین قیلولہ نہیں کرتے۔ [1]

قیلولہ نمازِ ظہر سے قبل تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے کو کہتے ہیں اور یہ عمل سُنت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی قیلولہ کیا ہے۔ اس سے یادداشت کی قوت بڑھتی ہے اور کام کاج کی تھکاوٹ دور ہوتی ہے اور جسمانی توانائی بحال ہو جاتی ہے گویا کہ انسان رات کو سوکر دوسرے دِن کے لئے بیدار ہوا ہے۔ اس طریقے کو سُنت سمجھ کر اپنانے والا اُس ساری عبادت وریاضت کرنے والے سے بدرجہا بہتر ہے جو شرع شریف سے ثابت نہ ہو۔ کیونکہ سُنت کے اندر بے شمار نورانیت، برکات اور فوائدِ ظاہری وباطنی پنہاں ہیں۔ سُنت ہی کی نظر سے نکاح پر غور فرمالیں۔ جو شخص نکاح کی استطاعت رکھنے کے باوجود یہ سُنت ادا نہیں کرتا وہ لازمی طور پر خواہشاتِ نفسانی کو غیر شرعی طریقوں سے پورا کرتا ہے اور غضبِ الٰہی کا حقدار ٹھہرتا ہے لیکن جو شخص اپنی منکوحہ کی جائز ضروریات اور مہر ادا نہیں کر سکتا اس کے لئے

---

[1] (الجامع الصحیح للسنن والمسانید، ج ۱۲، ص ۲۹۴)

نکاح مسنون نہیں ہے کیونکہ نکاح سے مقصود محض شہوت پرستی نہیں ہے بلکہ بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری اَمر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔

ترجمہ: نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے بھی نکاح کی استطاعت ہو تو اسے نکاح کر لیناچاہیئے کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جو کوئی نکاح کی استطاعت نہ رکھتاہو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے خواہشاتِ نفسانی میں کمی کاباعث ہو گا۔[1]

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز انبیائے کرام علیہم الصلوات کی بالعموم اور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بالخصوص متابعت کی تلقین فرمارہے ہیں۔

دراصل انبیائے کرام علیہم الصلوات حق تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ بندے ہیں کہ جن کی ذواتِ مقدسہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رُشد وہدایت اور وعظ ونصیحت کے لئے نمونہ بنایاہے اس لئے ان سے صادر ہونے والے جملہ اعمال وافکار اور عبادات واطوار بندوں کے لئے باعثِ رُشد وہدایت اور ذریعۂ نجات وبرکت ہیں۔ جبکہ بندوں کے اپنے ذاتی وضع کردہ افکار ومجاہدات اور عبادات وریاضات انوار وبرکات سے یکسر محروم ہوتے ہیں اس لئے ان پر عمل پیرا ہو کر انسان واصل باللہ

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۵، ص ۱۹۴۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

نہیں ہو سکتے۔ پس انبیاء کرام علیہم الصلوات کے پیروکار ہی دنیوی خیر وصلاح اور اُخروی نجات وفلاح سے مالامال ہوسکتے ہیں۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ عبادات وصدقات، مطعومات ومشروبات اور مناکحات وملبوسات جیسے تمام ماموراتِ دینیہ اور احکامِ شرعیہ میں حق تعالیٰ سبحانہٗ نے اپنے بندوں کے لئے آسانی وسہولت رکھی ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ (البقرة ١٨٥) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ۔[1] سے عیاں ہے اس لئے بندۂ مؤمن کو بغیر کسی کراہتِ قلبی اور غفلتِ جسمانی کے امورِ شرعیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات پر کاربند ہونا چاہیئے تاکہ اسے رضائے الٰہی جیسے نعمتِ کبریٰ اور دولتِ قصویٰ حاصل ہو سکے، جیسا کہ آیہ کریمہ: وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ (التوبة ٧٢) سے واضح ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ جو لوگ تکلیفاتِ شرعیہ میں اس قدر سہولتوں اور رعایتوں پر عمل پیرا نہیں ہوتے وہ امراضِ قلبیہ اور عللِ معنویہ میں مبتلا ہیں۔ ان کے قلوب حقیقتِ تصدیق اور ان کے نفوس حقیقتِ ایمان سے محروم ہیں کہ جن پر عباداتِ شرعیہ اور احکاماتِ دینیہ گراں اور شاق گزرتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۳۲ تا ۴۳۴)

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۹، المکتبة الفاروقیة)

مکتوب نمبر ۱۹۲

[شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا:

میرے عزیز اور رُشد وہدایت والے بھائی نے استفسار کیا تھا کہ "گیارہویں عرضداشت میں جو حضرت خواجہ (باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی طرف لکھی گئی تھی واقع ہوا ہے کہ ایک رنگین مقام میں (اس فقیر) کا گزر ہوا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے بلند تر ہے" اس کلام کے کیا معنی ہیں؟ اللہ تعالیٰ تجھے رُشد وہدایت عطا کردے تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عبارت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت کو مستلزم نہیں۔ خاص کر جب کہ لفظ "ہم" بھی موجود ہے جس کے معنی "بھی" کے ہیں (جس سے صرف ایک طرح کی شرکت ظاہر ہوتی ہے) اور اگر تسلیم بھی کرلیں کہ یہ عبارت فضیلت کو مستلزم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ کلمات اور اس طرح کے دوسرے کلمات جو اس عرضداشت میں واقع ہوئے ہیں، ان واقعات میں سے ہیں جو اپنے پیر ومُرشد کی طرف تحریر کئے گئے ہیں اور اس گروہِ صوفیاء میں یہ بات طے شدہ ہے کہ واقعات میں جو کچھ پیش آئے صحیح ہو یا غیر صحیح بے تکلف اپنے پیر کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ غیر صحیح میں بھی تاویل وتعبیر کا احتمال ہے۔ لہٰذا ان کے اظہار سے چارہ نہیں اور جس بات کو ہم بیان کررہے ہیں اس میں اپنے معنی کے لحاظ سے کچھ خرابی نہیں۔ علماءِ کرام نے اس کا ایک اور حل بھی تجویز کیا ہے کہ جزئیات میں سے ایک جز میں غیر نبی کو اگر نبی پر فضیلت لازم آجائے تو کچھ حرج نہیں۔ بلکہ ایسی فضیلت کا وقوع بھی ہوچکا ہے، جیسے شہداء کے بارے میں فضیلت کی وہ باتیں وارد ہوچکی ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق وارد نہیں۔ اس کے باوجود فضلِ کلی نبی کی ذات کے لئے ہی ہے علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات۔ لہٰذا ایسی صورت میں غیر نبی کو اس جزئی کے کمالات میں سیر واقع ہو اور اپنے

آپ کو اس مقام سے بلند تر پائے تو اس کی گنجائش ہے، اگرچہ وہ مقام بھی اسے نبی کی متابعت سے ہی نصیب ہوا ہے، اور نبی کے لئے بھی مطابق:

من سن سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها۔

ترجمہ: جو شخص نیک طریقہ جاری کرے، تو اس کے جاری کرنے کا اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب اُسے ملے گا۔[1]

مکمل حصہ ملتا ہے، تو جب غیر نبی کی نبی پر فضیلتِ جزئی جائز ہے تو غیر نبی پر بطریقِ اولیٰ فضیلتِ جزئی ثابت ہو سکتی ہے، لہٰذا ہمارے اس کلام میں بالکل کوئی اشکال نہیں۔ وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں اپنا واقعہ تحریر فرمایا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک رنگین مقام دیکھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے بلند تر تھا اور میں نے اپنے آپ کو بھی اسی مقام کے پَرتَو سے رنگین و منقش پایا یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس رنگ سے رنگین تھے میں بھی اسی رنگ سے رنگین ہو گیا۔ لیکن اس بات میں میری غرض یہ نہیں تھی کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت رکھتا ہوں بلکہ میں نے اپنے واقعہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمتِ مبارکہ میں عرض کیا ہے کہ مجھ پر یہ کیفیت وارد ہوئی ہے اور یہ حالت و کیفیت جو کہ میں دیکھتا ہوں اچھی ہے یا بُری؟ چونکہ سالک کا اپنی ہر کیفیت کو اپنے پیر کی خدمتِ مبارکہ میں عرض کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے پیر حضرت خواجہ باقی

---

[1] (عمدة القارى، ج٨، ص ٩٧، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمتِ مبارکہ میں اپنی ساری کیفیت عرض کر دی کہ اس کی اچھائی اور بُرائی مجھے معلوم نہیں اور نہ ہی میرا عقیدہ اس طرح کا ہے کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت رکھتا ہوں۔ اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ چلیں ہم مانتے ہیں کہ فضیلت کی بات نہیں کی مگر یہ بات تو کی ہے کہ جس رنگ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنگین تھے میں بھی اُسی رنگ سے رنگین ہو گیا اور اس بات سے برابری کا ثبوت ملتا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نہ تو کوئی مساوی ہے نہ ہو گا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ولی کا مقامِ استقرار ایک ہی ہوتا ہے جسے ہم تعینِ وجوبی کہتے ہیں اور مقامِ عروج دوسرا کوئی بھی ہو سکتا ہے یعنی مقامِ استقرار اور مقامِ عروجات علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

ان دونوں مقامات کی وضاحت یوں ہے کہ وہ مقام جو ایک ولی اللہ کو عطا کر دیا جائے اور وہ ولی اللہ اس مقام میں آرام پذیر ہو چکا ہو اسے مقامِ استقرار کہا جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ لاتعداد ایسے مقامات بھی دورانِ راہ ولی اللہ کو پیش آتے ہیں جن کی اس ولی کو محض سیر کروائی جاتی ہے اور وہ ولی ان مقامات تک عروج کر کے واپس اپنے اصلی مقام پر متمکن ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک ولی اپنے اصل مقام سے اوپر واقع مقامات کی طرف بھی عروج کر جاتا ہے لیکن سیر کرنے کے بعد واپس اپنے مقام کی طرف لوٹ آتا ہے یہی اس مکتوب کا لبِ لباب ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے اصل مقام سے جب عروج کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام میں جا پہنچے لیکن یہ محض عروج تھا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ

دعویٰ نہیں کیا تھا کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام میں قرار پذیر ہو چکا ہوں کہ ایسی بات شرکت کو متضمن ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے محال ہے۔

یہ بات بھی جاننی چاہیئے کہ کُلی فضیلت بہت ساری جزئیات پر مشتمل ہوتی ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چھوٹے مقام کا حامل شخص اپنے سے بہت بلند مقام کی حامل شخصیت سے کسی جزئی معاملے میں فضیلت حاصل کر لیتا ہے لیکن اس سے اس کی فضیلتِ کُلی ہر گز ثابت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر شہید ایک نبی علیہ السلام کے مقابلے میں بہت نیچے کا مقام رکھتا ہے لیکن شہید کو غسل نہیں دیا جاتا جبکہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو غسل دے کر دفن کیا جاتا ہے۔ غسل کے بغیر دفن کیا جانا محض ایک جزئی فضیلت ہے جس سے وہ فضیلتِ کُلی کا حقدار نہیں بنتا۔

دوم: فضیلتِ کُلی رکھنے والے خوش نصیب حضرات ذاتِ اقدس جل شانہٗ کے ساتھ واصل ہوتے ہیں اور ان کا باطن ہمہ تن مشغول بحق رہتا ہے لیکن ان کے مقابلے میں فضیلتِ جزئی والے ذاتِ الٰہی کی بجائے صفاتِ الٰہی اور ان کی تفصیلات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے خالق ومالک کے ساتھ وصل تھے اور اُنہوں نے صفتِ قدرت کی طرف التفات نہیں فرمایا جبکہ ان کے مصاحب حضرت آصف برخیار ضی اللہ تعالیٰ عنہ صفاتِ الٰہی کے ساتھ وصل تھے اور اُنہوں نے صفتِ قدرت کی بدولت تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے کی مقدار میں ہزاروں میل کی دوری سے لا کر حاضر کر دیا۔ کیا اس بات سے حضرت آصف برخیار ضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت ثابت کی جاسکتی ہے؟ نہیں ہر گز نہیں، اور اسی ضمن

میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم الصلوات والتسلیمات کے واقعات کی مثال بھی قابلِ غور ہے جو عقلِ سلیم والوں کے لئے ایک قوی دلیل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس بارے میں حقائق ودقیقاتِ عمیق کو سپردِ قلم کیا ہے جن کی وضاحت اور حاصل یہ ہے کہ تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے محبوبین ہیں جبکہ اولیاء کرام کی دو اقسام ہیں: بعض تو مقامِ محبوبین پر مشرف ہوتے ہیں اور اکثر محبین میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر جو حضرات محبوبین میں سے ہوں وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بحت اور صفات کے اصل کے ساتھ معارفِ ذاتی کے ذریعے واصل ہوتے ہیں لیکن محبین کے لئے اس مقام میں قدم رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی یعنی جو اولیاء کرام درجۂ محبین میں ہوں، اُنہیں ذاتِ بحت سے کچھ حصہ نہیں ہوتا بلکہ وہ صفاتِ الٰہیہ کے ظلال میں قرار پذیر ہوتے ہیں محبوبین کو سیر اجمالی عنایت کی جاتی ہے اور محبین کو سیر تفصیلی۔ سیر تفصیلی کی تمثیلاتِ ظلال کے ساتھ رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ محبوبین اس سیر کی طرف التفات نہیں کرتے لیکن چونکہ محبین کو سیر تفصیلی کی بعض جزئیات کا علم عطا کیا جاتا ہے اس لئے اس طرح کے علوم ہی اُس کی جزئی فضیلت کو ظاہر کرتے ہیں لیکن بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ یہ جزئی فضیلت کُلی فضیلت پر فوقیت نہیں رکھتی۔ اب اس کسوٹی میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وحضرت خضر، حضرت سلیمان علیہم الصلوات والتسلیمات اور حضرت آصف برخیار ضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات نیز حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے آگے گزر کر جانے کو ڈال کر حقیقتِ معاملہ کا تصور کرلیں تو تردّد دور ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

ہر نقاب روے جانان را نقان دیگریست

ہر حجابے را کہ طے کردی حجابِ دیگریست

ترجمہ: محبوب کے چہرے پر پڑے ہوئے ہر نقاب کے نیچے ایک اور نقاب موجود ہوتا ہے یعنی جب ایک حجاب ہٹ جائے تو دوسرا حجاب (دیدار میں رکاوٹ بن کے) آجاتا ہے۔

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ عروجی سیر کے دوران جب میرا گذر مقامِ محبوبیت سے ہوا تو:

"خود را ہم بانعکاسِ آں مقام رنگین و منقش یافت"۔

اس فقیر نے مقامِ محبوبیت کے انعکاس سے اپنے آپ کو رنگین و منقش پایا جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے قدرے بلند تھا۔[1]

اس مکتوب کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے چند اُمور سامنے آتے ہیں:

اس جملہ میں "ہم" کا لفظ استعمال فرمایا گیا جس کا اردو ترجمہ "بھی" ہے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میں اس مقامِ محبوبیت میں متمکن ہوا یا اس میں داخل ہوا۔

یہ بھی نہیں فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو اس مقام سے رنگین و منقش پایا بلکہ یہ فرمایا کہ اس مقام کے انعکاس (پرتو) سے اپنے آپ کو رنگین پایا جیسے اگر کوئی چیز آفتاب کے عکس سے روشن ہو

[1] (مکتوب نمبر ۱۱، دفتر اول)

جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ چیز آفتاب ہوگئی ہے، جس سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آپ کی فضیلت وبرتری کا وہم از خود مرتفع ہو جاتا ہے۔ نیز وصولِ مقام میں اور پَرتَوِ مقام سے رنگین ہونے میں کتنا فرق ہے، اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔

آپ ایک دوسرے مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

شخصے کہ خود را از حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل داند امر او از دو حال خالی نیست زندیق محض است یا جاہل صرف۔۔۔ کسیکہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق گوید زاز جرگہ اہلسنت می براید فکیف کہ خود را افضل داند۔

جو شخص اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھے اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ زندیقِ محض ہے یا جاہلِ مطلق۔۔۔ صرف وہ شخص جو حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھتا ہے وہ اہلِ سنت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو گا جو اپنے آپ کو سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھے۔[1]

بر سبیلِ تنزل اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ اس قسم کے احوال ومشاہدات میں سے ہے جن کا صوفیائے طریقت کے مسلّم قاعدہ کے مطابق صحیح ہوں یا غلط من وعن اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کرنا مریدین پر لازم ہوتا ہے تاکہ شیخ اس واقعہ کی مناسب تعبیر فرما کر سالک کو بذریعہ توجہات وتصرفات راہِ سلوک کی تکمیل کروا سکے۔

---

[1] (مکتوب نمبر ۲۰۲، دفتر اول)

صوفیائے محققین کے نزدیک عارفین کے دو مقام ہوتے ہیں:

مقامِ استقرار   مقامِ عبور

عارف کا مبدأ فیض (اسمِ مربی) اس کا مقامِ استقرار کہلاتا ہے۔ جہاں اسے قرار و تمکن اور اقامت نصیب ہوتا ہے اور جہاں سالک کو قرار و تمکن نہ ہو بلکہ وہاں سے صرف اس کا مُرور و گذر ہو، اسے مقامِ عبور کہا جاتا ہے جو سالک کا محض حال و مشاہدہ ہے، دلیلِ فضیلت نہیں بلکہ صاحبِ مقامِ استقرار، صاحبِ مقامِ عبور سے افضل ہے کیونکہ وہ وہاں فائز المرام ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ اس مکتوب شریف میں اسی مکتوب گرامی کی وضاحت فرمائی گئی ہے جس کی بعض عبارات کو غلط مفہوم کا لبادہ پہنا کر کچھ بدنہاد اور شر پسند عناصر نے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے خلاف جہانگیر بادشاہ کو بھڑکایا تھا، نتیجتاً اس نے آپ کو قلعہ گوالیار میں محبوس کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں علماءِ وقت کو بھی دھوکہ دیا گیا تھا جو بلا تحقیق آپ قدس سرہٗ العزیز کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے مگر حقیقتِ حال آشکارا ہونے پر بعض نے توبہ و معذرت کر لی تھی۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ولی کی حضرت نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت کا تذکرہ فرمارہے ہیں دراصل جب کوئی سالک راہِ طریقت کسی شیخ کامل مکمل کے زیرِ نگرانی شریعتِ محمدیہ اور سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی تعمیل، اوامر کا اکتساب اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے تو محض عنایتِ ایزدی سے اس پر فضل و فتوحات کے ابواب کھلتے ہیں اور اسے بلند ترین مدارج و منازل اور کمالات نصیب ہوتے ہیں۔

ان روحانی عروجات وکمالات کے دوران اگر کسی صاحبِ استعداد سالک کو کسی نبی علیہ السلام کے مقام سے بلند عروج وکمال نصیب ہو جائے تو اس قسم کی جزوی فضیلت ممکن بلکہ واقع ہے چونکہ اس بندۂ مؤمن سالک کو یہ کمال ومرتبہ اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی متابعت بجالانے سے حاصل ہوا ہے اس لئے اس نبی علیہ السلام کو اس کمال سے پورا پورا حظ واجر ملے گا۔ جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات: من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها۔[1] اورمَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ۔[2] سے عیاں ہے۔ لیکن وہ ولی (سالک) اس کمال کے حصول میں گو مقدم اور پیش رو ہے مگر امتی کو متبع اور خادم وطفیلی ہو کر اسے یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے جہاں اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ ہمسری اور برابری کا شائبہ بھی نہیں، کیونکہ ہمسری کا دعویٰ کفر ہے۔[3]

بلکہ اسے انبیاء واصدقاء اور شہداء وصلحاء کی معیت میسر ہوگی، جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِکَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء ۶۹) سے واضح ہے۔

سراج الملۃ والدین علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدۂ بدء الامالی میں رقم طراز ہیں:

وَلَمْ يَفْضُلْ وَلِيٌّ قَطُّ دَهْرًا
نَبِيًّا اَوْ رَسُوْلًا فِي اِنْتِحَال

یعنی کسی زمانے میں کوئی ولی کسی نبی یا رسول (علیہ السلام) سے افضل نہیں ہوا۔

---

[1] (عمدۃ القاری، ج۸، ص ۹۷، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)
[2] (صحيح مسلم، ج ۹، ص ۲۸۶، المکتبة الفاروقية)
[3] (مکتوب نمبر ۸۷، دفتر سوم)

حجۃ الاسلام حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقیدۃ الطحاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

لَا نُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَنَقُولُ: نَبِيٌّ وَاحِدٌ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيعِ الْأَوْلِيَاءِ۔

یعنی ہم اولیائے کرام میں سے کسی ولی کو انبیائے عظام علیہم الصلوات میں سے کسی نبی پر فضیلت نہیں دیتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایک نبی علیہ السلام بھی جمیع اولیاء سے افضل ہے۔ [1]

امام اہلسنت علامہ ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام پذیر ہیں:

قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اَنَّ النَّبِيَّ اَفْضَلُ وَاِنْ كَانَتْ دَرَجَتُهُ اَدْوَنَ مِنْ دَرَجَاتِ النَّبُوَّةِ۔

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام ولی سے افضل ہے اگرچہ درجاتِ نبوت میں اس کا درجہ ادنیٰ ہو۔ [2]

قدوۃ الکاملین سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یک نفس انبیاء فاضل تر از ہمہ روزگارِ اولیاء۔

حضرت نبی علیہ السلام کا ایک سانس مبارک ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ساری زندگی سے فاضل تر ہے۔

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ولی کی نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت کے متعلق رقم طراز ہیں، ملاحظہ ہو:

بلے فضلِ کُلی بر کل مخصوص بآن سرورست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اما کمالے باشد کہ راجع بفضلِ جزئی بود رواست کہ مخصوص ببعضے انبیائے کرام وملائکہ

---

[1] (شرح العقيدة الطحاوية، ج ۱، ص ۴۹۲، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

[2] (التمهيد، ص ۷۵)

عظام باشد علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات وہیچ قصورے در فضل کلی او نہ کند علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در احادیثِ صحاح آمدہ است کہ بعضے از کمالات در افرادِ امتان باشد کہ انبیاء غبطہ آن نمایند علیہم الصلوات والتسلیمات وحال آنکہ فضل کلی مر انبیاء راست بر جمیع افراد امتان ونیز در حدیث آمدہ است کہ شہداء فی سبیل اللہ بہ چند چیز بر انبیاء مزیّت دارند شہداء رااحتیاج بغسل نیست وانبیاء را غسل باید داد وبر شہداء نمازِ جنازہ نیامدہ است چنانچہ مذہبِ امام شافعی ست وبر انبیاء نمازِ جنازہ باید کرد ودر قرآن فرمودہ کہ شہداء را شما موتیٰ نہ پندارید کہ احیاء اند وانبیاء را موتیٰ فرمودہ این ہمہ فضائل جزئیہ اند قصورے در فضل کلی انبیاء ندارند۔

یعنی ہاں کل پر کلی فضیلت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے لیکن وہ کمال جو جزوی فضیلت کی طرف راجع ہے جائز ہے کہ وہ بعض انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہوں اور ان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلتِ کلی میں کوئی قصور واقع نہ ہو۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ امتیوں کے افراد میں بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات بھی رشک کرتے ہیں۔ [1]

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و سلم إِنَّ مِنْ عِبادِ اللّٰہِ لأُنَاسًا مَاھُمْ بِأَنْبِیَاءَ وَ لاَ شُھَدَاءَ یَغْبِطُھُمُ الأَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ تَعَالَی قَالُوا یَا رَسُولَ اللّٰہِ تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ. قَالَ ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللّٰہِ عَلَی غَیْرِ أَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَ لاَ أَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَھَا فَوَاللّٰہِ إِنَّ

[1] (مکتوب نمبر ۱۲۲، دفتر سوم، مکتوبات امام ربانی)

وُجُوهَهُمْ لَنُورٌ وَإِنَّهُمْ عَلَى نُورٍ لاَ يَخَافُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلاَ يَحْزَنُونَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ، وَقَرَأَ هَذِهِ الآيَةَ (أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو انبیاء وشہداء نہیں لیکن روز قیامت بارگاہِ الوہیت میں ان کے مقاماتِ عالیہ کو ملاحظہ فرما کر انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ان پر رشک فرمائیں گے۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمیں بتائیے کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو رحم کے رشتوں اور مالی لین دین کے علاوہ فقط رضائے الٰہی کے لئے باہم محبت کریں گے۔ قسم بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے اوپر نور ہوگا وہ نہیں ڈریں گے جب لوگوں کو خوف ہوگا، وہ غم نہیں کھائیں گے جب لوگ غمگین ہوں گے پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ۶۲) [1]

حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کو امتوں کے تمام افراد پر کلی فضیلت حاصل ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ چند چیزوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوات پر فضیلت ومزیت رکھتے ہیں۔

عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أنه قَالَ: (أَكْرَمَ اللّٰهُ تَعَالَى الشُّهَدَاءَ بِخَمْسِ كَرَامَاتٍ لَمْ يُكْرِمْ بِهَا أَحَدًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا أَنَا أَحَدُهَا أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ قَبَضَ أَرْوَاحَهُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَهُوَ الَّذِي سَيَقْبِضُ رُوحِي وَأَمَّا الشُّهَدَاءُ فَاللّٰهُ هُوَ الَّذِي يَقْبِضُ أَرْوَاحَهُمْ بِقُدْرَتِهِ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَا يُسَلِّطُ عَلَى أَرْوَاحِهِمْ مَلَكَ الْمَوْتِ، وَالثَّانِي أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ قَدْ غُسِّلُوا بَعْدَ الْمَوْتِ وَأَنَا أُغَسَّلُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالشُّهَدَاءُ لَا يُغَسَّلُونَ وَلَا حَاجَةَ لَهُمْ إِلَى مَاءِ الدُّنْيَا، وَالثَّالِثُ أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ قَدْ كُفِّنُوا وَأَنَا أُكَفَّنُ وَالشُّهَدَاءُ لَا يُكَفَّنُونَ بَلْ يُدْفَنُونَ فِي ثِيَابِهِمْ، وَالرَّابِعُ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمَّا

[1] (سنن أبي داؤد، ج۳، ص ۳۱۱، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

مَاتُوا سُمُّوا أَمْوَاتًا وَإِذَا مُتُّ يُقَالُ قَدْ مَاتَ وَالشُّهَدَاءُ لَا يُسَمَّوْنَ مَوْتَى، وَالْخَامِسُ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ تُعْطَى لَهُمُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشَفَاعَتِي أَيْضًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَمَّا الشُّهَدَاءُ فَإِنَّهُمْ يَشْفَعُونَ فِي كُلِّ يَوْمٍ فِيمَنْ يَشْفَعُونَ۔[1]

شہداء کو غسل کا احتیاج نہیں اور انبیائے کرام علیہم الصلوات کو غسل دینا چاہیئے، شہداء کے لئے نمازِ جنازہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہیئے اور قرآن مجید میں فرمایا کہ شہداء کر مردہ نہ جانو کہ وہ زندہ ہیں وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران ١٦٩) اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو موتٰی فرمایا: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر ٣٠) یہ سب جزوی فضائل ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوات کے فضلِ کلی میں کوئی قصور (کمی) پیدا نہیں کرتے۔

ایک مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز یوں رقم طراز ہیں:

ہیچ ولی از اولیائے این امت کہ خیر الامم است باوجودِ افضلیتِ پیغمبر خویش بمرتبہ ہیچ نبی از انبیاء نرسد اگرچہ اورا بواسطہ متابعت پیغمبر خویش از مقام مابہ الافضلیت نصیبے حاصل شود فضل کلی انبیاء راست اولیاء طفیلی اندر۔

یعنی یہ امت کو خیر الامم ہے کے اولیاء میں سے کوئی ولی اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی افضلیت کے باوجود نبیوں علیہم الصلوات میں سے کسی نبی علیہ السلام کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اگرچہ اسے (ولی کو) اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے

[1] (تفسیر القرطبی، ج ۴، ص ۲۷۶، الناشر: دار الکتب المصریۃ-القاھرۃ)

وساطت سے وہ مابہ الافضلیت مقام حاصل ہوا ہے پھر بھی کلی فضیلت انبیاء علیہم الصلوات کو ہی ہے اولیاء کرام علیہم الرحمۃ طفیلی ہیں۔ [1]

عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز کا اس سلسلہ میں ایک سوال کا جواب ملاحظہ ہو:

سوال: آنکہ مقرر و مبیّن ست کہ فضلِ کلی مر انبیاء راست علیہم الصلوٰۃ والسلام بر جمیع افرادِ امت و در حدیث صحیح آمدہ است کہ بعضے کمالات در بعضے افرادِ اُمت ست کہ مزیت بر انبیاء دارد کَالشُّھَدَآءِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ احتیاج بغسل ندارند و بلفظ موتی نخواندہ و انبیاء بغسل محتاج اند و لفظ موتی خواندہ۔

جواب: این فضل راجع بفضلِ جزئی ست کہ در آں محذور نیست ہر حائک و حجام بصنعت بر عالمِ ذی فنون فضل دارد و فضلِ کلی مر انبیاء و عالم است۔

یعنی یہ امر مسلم اور واضح ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کو تمام افراد امت پر کلی فضیلت حاصل ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بعض کمالات بعض افرادِ اُمت میں ایسے ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوات پر فضیلت و مزیت رکھتے ہیں جیسا کہ شہداء فی سبیل اللہ غسل کی حاجت نہیں رکھتے اور وہ لفظ موتٰی سے نہیں پکارے جاتے اور انبیائے کرام علیہم الصلوات (بعد از وصال مبارک) غسل کے محتاج ہیں اور ان کے لئے لفظ موتٰی بولا جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلت جزوی فضیلت کی طرف راجع ہے کہ اس میں کوئی استحالہ نہیں ہر جولاہا اور حجام اپنے ہنر و پیشہ کے اعتبار سے

---

[1] (مکتوب نمبر ۲۸۷، مکتوبات شریفہ، دفتر اول)

صاحبِ فنون عالم پر فضیلت رکھتا ہے اور کلی فضیلت انبیائے کرام علیہم الصلوات اور عالم کے لئے ہی ہے۔[1]

سوال: نبی ہر چند افضل است از ولی اما لازم ہست کہ ہر چہ ولی می داند از معارف نبی را نیز معلوم باشد یا نہ، وایضًا ہر معارفے کہ نبی را باشد لازم ہست کہ مرسل را باشد یا نہ۔۔۔الخ۔

جواب: فضل کلی مر انبیاء راست علیہم الصلوات والتسلیمات بر اولیاء ہیچ ولی بمرتبہ ہیچ نبی نرسد لیکن در فضل جزئی مناقشہ نیست اگر بعضے از مزایا ومعارف خاص بہ ولی باشد موجب فضل کلی نبود مجوز است بلکہ واقع است ہر گاہ در ولی و نبی فضل جزوی واقع باشد اگر نبی نسبت بر سول بہ بعضے از مزایا و معارف مخصوص بود بطریق اولی جائز باشد ہر چند فضل کلی مرسل را بود چنانچہ قصہ حضرت موسٰی و حضرت خضر را علٰی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام خود نوشتہ اند۔

یعنی کلی فضیلت تو انبیائے کرام علیہم الصلوات کو اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالٰی پر حاصل ہے اور کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا لیکن جزوی فضیلت میں کوئی تنازع نہیں ہے۔ اگر بعض فضائل ومعارف ولی ہی کے لئے خاص ہوں تو وہ کلی فضیلت کا باعث نہیں ہوتے، یہ جائز بلکہ واقع ہے۔ جب ولی اور نبی علیہ السلام میں جزوی فضیلت واقع ہوتی ہے تو اگر نبی بعض فضائل ومعارف میں رسول

[1] (مکتوب نمبر ۲۴، مکتوبات معصومیہ، دفتر سوئم)

(علیہ السلام) کی بہ نسبت مخصوص ہو تو یہ بطریقِ اولیٰ جائز ہو گا۔ اگرچہ کلی فضیلت رسول کے لئے ہی ہو گی جیسا کہ حضرت موسٰی و حضرت خضر علی نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کا قصہ ہے۔ [1]

نبیرۂ امام ربانی علامہ عبد الاحد وحدت فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فضیلتِ جزئی کے متعلق ارقام پذیر ہیں:

قال فی الجواهر المنظومة شرح فقه الاکبر للامام الاعظم رضي اللّٰه تعالیٰ عنه سأل رجل عن أبي حنيفة هل يجوز أن يعلم النبي من العلوم و المعارف ما لا يعلمه الرسل وهل يحصل للولي من المزايا و المعارف ما لا يحصل للنبي فأجاب عنه رضوان اللّٰه تعالیٰ عليه الفضل ثابت للمرسل على الأنبياء عليهم السلام و الأنبياء على من سواهم و لا يصل أحد من الأنبياء مرتبة أحد من المرسلين عليهم السلام و لا يصل أحد من الأولياء مرتبة أحد الأنبياء و لكن لا مناقشة في الفضل الجزئي، انتهٰی۔

منها قال الآمدي في البدائع يجوز فضل الجزء للولي على النبي منها قال أبو السعيد في تفسيره يجوز فضل المفضول على الافضل جزئيًا۔

منها قال في موضع آخر في تفسيره المذكور و كفى بهم الشهدآء شرفًا أن لم يجئ إطلاق الأموات عليهم و قد جاء ذلک الإطلاق على الأنبياء عليهم الصلوات و التسليمات۔

منها ما أشار إليه المحقق الدواني في شرح العقائد من جواز فضل للمفضول على الفاضل بالفضل الجزي۔

منها ما وقع في حواشي التجريد نقلاً عن الصديق الأكبر رضي اللّٰه تعالیٰ عنه في حق الإمام المهدي رضوان اللّٰه عليه هو يفضل بعض النبيين أي فضلاً جزئيًا و أما إدعاء لزوم الفضل الكلي نعوذ باللّٰه من ذلک فمردود باطل لا يتصدى له إلا جاهل۔

[1] (مکتوب نمبر ۳۶، مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم)

یعنی جواہر المنظومہ شرح الفقہ الاکبر للامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا کوئی نبی علیہ السلام ان علوم ومعارف کو جان سکتا ہے جن کا رسل عظام علیہم السلام کو علم نہ ہو اور کیا کسی ولی کو وہ علوم ومعارف حاصل ہو سکتے ہیں جو کسی نبی علیہ السلام کو حاصل نہ ہوں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا فضیلت تو رسل عظام کو انبیائے کرام علیہم الصلوات پر ثابت ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوات کو غیر انبیاء پر۔ انبیائے کرام علیہم الصلوات میں سے کوئی نبی بھی کسی مرسل کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے لیکن فضیلتِ جزئی میں کوئی بحث نہیں ہے۔

حضرت علامہ آمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدائع میں فرماتے ہیں کہ ولی کی نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت جائز ہے۔

حضرت ابو سعید اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفضول کی افضل پر جزوی فضیلت جائز ہوتی ہے۔

تفسیر مذکورہ میں ایک اور مقام پر ارقام پذیر ہیں کہ شہداء کے لئے یہی شرف کافی ہے کہ ان پر اموات کا اطلاق نہیں ہوا (وَ لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ (البقرۃ ۱۵۴)) حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات پر میت کا اطلاق ہوا ہے (إِنَّکَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر ۳۰))

حضرت محقق دوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ مفضول کی فاضل پر جزوی فضیلت جائز ہے۔

حواشی تجرید میں حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض انبیاء کرام علیہم الصلوات پر جزوی فضیلت حاصل ہے۔رہا یہ امر کہ فضیلتِ کلی کے لزوم کا دعویٰ کرنا وہ مردود اور باطل ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس کے در پے تو کوئی جاہل ہو گا۔[1]

بینہ

واضح رہے کہ غوث الثقلین سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کے قول خُضْنَا فِیْ بَحْرٍ لَمْ یَقِفْ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِیَاءُ (ہم نے اس بحر میں غوطہ لگایا جس کے کنارے پر انبیاء کرام علیہم الصلوات بھی کھڑے نہیں ہوئے) سے بھی فضیلتِ جزوی ہی مفہوم ہوتی ہے لیکن مقولہ اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ کے مصداق کلی فضیلت انبیائے کرام علیہم الصلوات کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

کتبِ عقائد میں ہے:

لا یبلغ وليّ درجة الأنبیاء۔

کوئی ولی نبی کے درجہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔[2]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۳۸ تا ۴۵۰)

---

[1](الجنات الثمانیہ، ص ۸۸، ۸۹)

[2](شرح العقائد النسفیة، ج ۱، ص ۳۳۵، الناشر: دائرة البرکات، کھوسي (بالکاف الفارسي)، اعظم کرھ۔ الهند)

مکتوب نمبر ۱۹۳

[فرقۂ اہلِ سنت وجماعت کی رواں کے موافق عقائد کو درست کرنے اور احکامِ فقہیہ یعنی حلال وحرام وفرض وواجب وسُنت مندوب ومکروہ (جن کا علمِ فقہ ذمہ دار ہے) کے سیکھنے کی ترغیب میں، اور اسلام کی غربت اور اس کی تائید وترقی کے لئے برانگیختہ کرنے کے بیان میں سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰہُ تَعَالٰی نَاصِرُکُمْ وَمُعِیْنُکُمْ عَلٰی کُلِّ مَا یَعِیْبُکُمْ وَیَشِیْنُکُمْ

ترجمہ: حق تعالیٰ اس چیز پر جو آپ کو عیب دار اور داغ دار کرے آپ کا مددگار اور معاون رہے۔

اربابِ تکلیف پر پہلے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی رؔواں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ کیونکہ عاقبت کی نجات ان ہی بزرگواروں کے بے خطا رؔواں کی تابعداری پر موقوف ہے۔ اور فرقۂ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے تابعدار حضرات ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں۔ اور ان علوم سے جو کتاب وسُنت سے حاصل ہوئے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب وسنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی وگمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیالِ فاسد میں کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس ان کے اخذ کردہ معانی میں سے کسی معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے، اور ان عقائدِ حقہ کی درستی کے لئے امامِ اجل تورپشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ بہت مناسب اور عام فہم ہے۔ اپنی مجلس شریف میں اس کا ذکر کرتے رہا کریں۔ لیکن

رسالہ مذکورہ چونکہ استدلال پر مشتمل ہے اور اس میں طول وبسط بہت ہے۔ اس لئے کوئی ایسا رسالہ جو صرف مسائل ہی کو شامل ہو بہتر اور مناسب ہے۔ اسی اثنا میں فقیر کے دل میں گزرا کہ اس بارہ میں ایک ایسا رسالہ لکھے جو اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد پر مشتمل ہو، اور سہل مأخذ ہو، اگر ہو سکا تو جلد ہی لکھ کر خدمت میں بھیجا جاوے گا۔

ان عقائد کے درست کرنے کے بعد حلال و حرام و فرض وواجب وسُنت ومندوب ومکروہ جن کا علمِ فقہ (متکفل ہے) کا سیکھنا اور اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض طالبوں کو فرمائیں کہ فقہ کی کتاب جو فارسی عبارت میں ہو، جیسے مجموعہ خوانی اور عمدۃ الاسلام مجلس میں پڑھتے رہا کریں۔ اور اگر نعوذ باللہ ضروری اعتقادی مسئلوں میں سے کسی مسئلہ میں خلل پڑ گیا۔ تو نجاتِ آخرت کی دولت سے محروم ہو گیا۔ اور اگر عملیات میں سُستی واقع ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ توبہ ہی سے معاف کر دیں۔ اور اگر مواخذہ بھی کریں گے تو پھر بھی نجات تو ہو ہی جائے گی، تو عمدہ کام عقائد کا درست کرنا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال ومواجید کو ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت وجماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر تمام خرابیوں کو ہم پر جمع کر دیں، لیکن ہماری حقیقت کو اہل سنت وجماعت کے عقائد سے نواز دیں تو پھر کچھ خوف نہیں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَاِیَّاکُمۡ عَلٰی طَرِیۡقَتِہِمُ الۡمَرۡضِیَّۃِ بِحُرۡمَۃِ سَیِّدِ الۡبَشَرِ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفۡضَلُھَا وَمِنَ التَّسۡلِیۡمَاتِ اَکۡمَلُھَا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سیّد البشر علیہ وآلہٖ الصلوت والسلام کی طفیل طریقۂ پسندیدہ پر ثابت قدم رکھے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں یہ نصیحت فرمائی کہ اہل سنت وجماعت کے عقائد کو اختیار کریں اور محققین علماء سے اپنے عقائد کو سیکھیں جب تک کسی بات کی صحیح معلومات نہ ہوں تو ہر کس وناکس کی باتوں پر عمل نہ کریں تاکہ فرقۂ ناجیہ سے دوسرے گمراہ فرقوں میں داخل نہ ہو جائیں کوشش کرنی چاہیئے غور طلب بات ہے کہ چار سو سال قبل حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ بات فرمائی ہے کہ محققین علماء کے عقائد کو اپنائیں ہیں۔ اب اس زمانے میں تو ہمارے عقائد میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں اور فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے علاوہ دوسرے گمراہ فرقوں کے عقائد ہم میں سرایت کر چکے ہیں ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ابتدائی حالت میں سب سے آسان فہم کتابیں جو نور الظلم اور ابو المنتہٰی کے نام سے مسمٰی ہیں اسے علماء محققین سے پڑھ کر ان سے اپنے عقائد درست کریں اور صوفیاء کرام کی مجالس میں ان دونوں کتابوں سے اہل سنت وجماعت کے عقائد بیان کرنا اشد ضروری سمجھیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت امام تورپشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالے کی بات کی ہے کہ اس کو اپنی مجلس میں پڑھا کریں مگر یہ کتاب چونکہ استدلال اور طولِ بحث پر مشتمل ہے ابتدائی طالب وسالک کو اس سے اخذ کرنے میں دُشواری ہوتی ہے میں کوشش کروں گا اہلِ سنت وجماعت کے عقائد پر ایک آسان فہم رسالہ لکھوں اور یہ عمل وخدمت حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سرانجام دی، حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنی کتاب مبدأ ومعاد میں تمام ضروری عقائد بیان فرمائے ہیں مگر عقائد کی جتنی بھی کُتب موجود ہیں وہ سب کی سب حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے مکتوبات میں بہت تفصیل اور سادہ الفاظ

کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس جب سادات کو اہل سنت وجماعت کے عقائد سیکھنے کی تاکید فرمارہے ہیں تو جو لوگ زندگی میں عقائد سے واقفیت نہیں رکھتے ان کے لئے دُگنی تاکید ہے کہ اپنی محافل ومجالس میں عقائد کی مذکورہ دو کُتب سے مسائل بیان کریں اور عقائد کو درست کرنے کے بعد حلال وحرام وفرض وواجب وسُنت ومندوب ومکروہ جن کا علمِ فقہ سے سیکھنا اور اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے اس کے بعد تصوف کی باری آتی ہے کیونکہ اگر عقائد کے ضروری مسائل میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہو جائے تو انسان نجاتِ آخرت کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر عملیات میں سُستی واقع ہو جائے تو ممکن ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ توبہ سے معاف فرمادیں اور اگر پکڑ ہو گی تو پھر بھی اُس غفور رحیم کے فضل وکرم سے نجات کی اُمید تو ہے اس لئے سب سے اہم وضروری کام اپنے عقائد کو اہل سنت وجماعت کے عقائد پر عمل پیرا کرنا ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز شریعتِ مطہرہ کے مکلفین اور طریقتِ صوفیاء کے سالکین کو نصیحت فرمارہے ہیں کہ جملہ ضروریاتِ شریعت وطریقت میں سے اعتقادِ صحیح بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور وہ علمائے اہل سنت وجماعت کی کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرمودہ اقوال وافعال اور اصول وفروع میں متابعت وملازمت ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ مفاہیم ومعانی، آثارِ صحابہ اور اقوالِ سلف صالحین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے اخذ کئے ہیں، اس لئے نجاتِ ابدی اور فلاحِ سرمدی اہل سنت وجماعت کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

شیخ الاسلام امام بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کنز الاصول میں رقم طراز ہیں:

الْعِلْمُ نَوْعَانِ: عِلْمُ التَوْحِيدِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُ الشَّرَائِعِ وَالْأَحْكَامِ وَالْأَصْلُ فِي النَّوْعِ الْأَوَّلِ هُوَ التَمَسُّكُ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَمُجانَبَةُ الْهَوَى وَالْبِدْعَةِ وَلُزُومُ طَرِيقِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ وَمَضَى عَلَيْهِ الصَّالِحُونَ وَهُوَ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ أَدْرَكْنَا مَشَايِخَنَا ، وَكَانَ عَلَى ذَلِكَ سَلَفُنَا أَعْنِي أَبَا حَنِيفَةَ وَأَبَا يُوسُفَ وَمُحَمَّدًا وَعَامَّةَ أَصْحَابِهِمْ رَحِمَهُمُ اللّٰہُ۔

یعنی علم کی دو قسمیں ہیں:

توحید وصفات کا علم　　　　شرائع واحکام کا علم

اصل علم نوعِ اول میں ہی منحصر ہے اور وہ کتاب و سنت کا تمسک اور نفسانی خواہشات و بدعات سے اجتناب ہے اور اہل سنت وجماعت کے طریقہ پر ملازمت ہے۔ اہل سنت وجماعت وہ طریقہ ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ تھے اور اسی طریقہ پر ہم نے اپنے مشائخ واسلاف یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے دیگر اصحاب کو پایا ہے۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

بمقتضائے آرائے صائبہ اہل سنت وجماعت کہ فرقۂ ناجیہ اند ونجات بے اتباع این بزرگواران متصور نیست واگر سرِ مو مخالفت است خطر در خطر است این سخن بکشف صحیح والہام صریح نیز بہ یقین پیوستہ است احتمال تخلف ندارد۔

---

[1](کشف الأسرار شرح أصول البزدوی، ج ۱، ص ۱۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: یعنی اہل سنت وجماعت کی درست آراء کے مطابق عقائد کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہی ناجی گروہ ہے، ان بزرگوں کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں ہے، اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہوئی تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات کشفِ صحیح اور الہامِ صریح سے بھی یقین کے ساتھ پیوستہ ہوگئی ہے جس میں خطاء کا کوئی احتمال نہیں ہے۔[1]

قطب ربانی حضرت امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

یَجِبُ عَلَیْہِ ذَالِکَ لِئَلَّا یَضِلَّ فِیْ نَفْسِہٖ وَیُضِلَّ غَیْرَہٗ۔

یعنی بندۂ مؤمن پر واجب ہے کہ وہ اہل سنت وجماعت کے ساتھ متمسک رہے، تاکہ نہ خود گمراہ ہو اور نہ دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے۔[2]

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز عقائدِ ضروریہ کی اہمیت بیان فرمارہے ہیں کہ متکلمین اہل سنت وجماعت کے بیان فرمودہ اعتقادات سے اگر سرِمو مخالفت بھی پائی گئی تو اخروی نجات کا معاملہ مخدوش ہو جائے گا، ہاں! اگر اکتسابِ اعمال میں غفلت ہوگئی تو ارحم الراحمین اور غنیٔ مطلق کی بارگاہِ قدس سے نجات کی امید ہے، یونہی احوال ومواجید بھی عقائد اہل سنت کے ساتھ معارضہ کی مجال نہیں رکھتے کیونکہ یہ سب اعمال واذکار کا ثمرہ ہوتے ہیں۔

قدوۃ الاخیار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ الغفار ارشاد فرماتے ہیں:

اگر تمام احوال ومواجید رابما بدہند وحقیقت ما را بعقائدِ اہلِ سنت وجماعت متحلی نسازند جز خرابی ہیچ نمی دانیم واگر تمام خرابی ہارا برما جمع کنند وحقیقتِ ما را بعقائد اہل سنت وجماعت بنوازند باکے نداریم۔ (البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۵۴ تا ۴۵۷)

---

[1] (مکتوب نمبر ۵۹، دفتر اول)

[2] (میزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۲)

[ایک درویش لاہور کی طرف سے آیا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ شیخ جیو پُرانی منڈی کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے حاضر ہوئے تھے اور میاں رفیع الدین نے ان کی التفات کے اظہار کے بعد کہا کہ نواب شیخ جیو نے اپنی حویلی میں جامع مسجد بنائی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلیٰ ذَالِکَ۔ حق تعالیٰ ان کو زیادہ توفیق عنایت فرمائے۔ مخلصوں اور یاروں کی اس قسم کی باتیں سُن کر بہت ہی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت غریب ہو رہا ہے۔ آج اس کی تقویت میں ایک چتیل کا صرف کرنا کروڑہا روپیوں کے بدلے قبول کرتے ہیں۔ دیکھیں کون سے بہادر کو اس دولتِ عظمٰی سے مشرف فرماتے ہیں۔ دین کی ترقی اور مذہب کی تقویت ہر وقت خواہ کسی سے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے۔ لیکن اس وقت میں کہ اسلام غریب ہوتا جاتا ہے۔ اہلِ بیت کے آپ جیسے جوانمردوں سے نہایت ہی زیبا اور خوب ہے۔ کیونکہ یہ دولت آپ جیسے بزرگوں کے خاندان کی خانہ زاد ہے۔ اس کا تعلق آپ سے ذاتی ہے اور دوسروں سے عارضی۔ حقیقت میں نبی علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اسی عظیم القدر اَمر کے حاصل کرنے میں ہے حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم ایسے زمانہ میں موجود ہوئے ہو کہ اگر اَوامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو ترک کرو تو ہلاک ہو جاؤ۔ اور تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ اگر اَوامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو بجالائیں گے (مبتدا موجود، خبر محذوف) اب یہ وہی وقت ہے اور یہ لوگ وہی لوگ ہیں۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند

کس بمیداں در نمے آید سواراں راچہ شد

ترجمہ: توفیق وسعادت کا گیند میدان میں پڑا ہے سواروں کو کیا ہو گیا ہے کہ اسے اُٹھانے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھتا۔]

تشریح

یہاں مساجد کے بارے میں ایک فقہی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک وہ جامع مسجد ہوتی ہے جہاں امیر المؤمنین کے حکم پر لوگ مضافات سے آکر شہر میں موجود اس جامع مسجد میں نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین ادا کرتے ہیں دوسری وہ مسجد جو گاؤں یا قصبے میں ہو اور وہاں پانچ وقت اذان اور باجماعت نمازیں ادا کی جاتی ہیں، تیسری قسم کی وہ مسجد ہوتی ہے کہ کسی شرعی قاضی یا وزیر سے مسجد دُور ہو اور وہ وہاں نہ جا سکتا ہو اور وہ اپنے گھر یا حویلی کے اندر ایک جگہ مسجد کے نام پر مخصوص کر دے جس طرح نواب شیخ جیو نے اپنی حویلی میں ایک مسجد بنائی اور چوتھی قسم کی مسجد وہ ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں نماز کی جگہ مخصوص کرے کہ میں اپنے گھر کے فلاں کمرے میں فلاں جگہ پر نماز پڑھوں گا۔

کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ, كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ، أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے قطات کے گھونسلے جتنی یا اس سے بھی چھوٹی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر تیار کرے گا۔ [1]

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج ۱، ص ۴۷۵، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

قطات کبوتر کی طرح ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو زمین پر ہی تھوڑی سی جگہ بنا کر وہاں انڈے دیتا ہے اگر کوئی شخص شہر کی جامع مسجد یا گاؤں کی مسجد نہیں بنا سکتا تو کم از کم اپنے گھر میں ہی مسجد کے لئے ایک جگہ کا انتخاب تو کر سکتا ہے کہ میں یہاں نماز پڑھوں گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پوچھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے گھروں میں نماز کی ادائیگی کے لئے جگہیں مخصوص کر لیا کرتے تھے اور پھر اس جگہ پر نماز اور ذکر واذکار کیا کرتے تھے۔ اس لئے ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم عبادت کے لئے ایک جگہ مخصوص کریں تاکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ثواب عطا فرمائے اور روزِ قیامت ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور اتنا تو عرض کر سکیں کہ میں نے اپنے گھر میں مسجد کے لئے ایک جگہ مخصوص کی تھی۔

[کافرِ لعین گوبند اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا۔ اور کافرِ ہنود مردود کی بُری شکست کا باعث ہوا۔ خواہ کسی نیت سے اس کو قتل کیا ہو، اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا ہو، بہر حال اس میں کُفار کی خواری اور اہلِ اسلام کی ترقی ہے۔

اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے بہت پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ پادشاہ وقت نے شرک کے سَر کی کھوپڑی کو توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بُت پرست اہلِ شرک کا رئیس اور اہلِ کُفر کا امام تھا خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اللہ تعالیٰ انہیں خوار کرے۔

اور دین کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دُعاؤں میں اہلِ شرک کو اس عبارت میں لعنت ونفرین فرمائی ہے:

اَللّٰھُمَّ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَخَرِّبْ بُنْیَانَھُمْ وَخُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔

ترجمہ: یا اللہ تو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر اور ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو ویران کر اور ان کو ایسا پکڑ جیسے غالب طاقتور پکڑتا ہے۔

اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت، کُفر اور اہلِ کُفر کی خواری میں ہے۔ جزیہ سے مقصود کُفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے۔ جس قدر اہلِ کُفر کی عزت ہو اسی قدر اسلام کی ذِلت ہے۔ اس سر رشتہ کو اچھی طرح نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔ اکثر لوگوں نے اس سر رشتہ کو گم کر دیا ہے اور بد بختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبة ۷۳)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان پر سختی کرنا دین کی ضرورت میں سے ہے۔ کفر کی باقی رسمیں جو پہلے زمانہ میں پیدا نہ ہوئی تھیں۔ اس وقت کے بادشاہِ اسلام کو اہلِ کُفر کے ساتھ وہ توجہ نہ رہی۔ مسلمانوں کے دل اس سے بہت پشیمان ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ پادشاہِ اسلام کو ان بد مذہبوں کی رسموں کی بُرائی سے مطلع کریں اور ان کے دور کرنے میں کوشش کریں۔ شاید پادشاہ کو ان بقایا رسوم کی بُرائی کا علم نہ ہو۔ اور اگر وقت لحاظ سے مناسب سمجھیں تو بعض علمائے اہلِ اسلام کو اطلاع دیں تاکہ وہ آکر اہلِ کُفر کی بُرائی ظاہر کریں۔ کیونکہ احکامِ شرعی کی تبلیغ کے لئے خوارق و کرامات کا اظہار کرنا کچھ درکار نہیں۔ قیامت کے دِن کچھ عذر نہ سنیں گے کہ تصرف کے بغیر احکامِ شرعی کی تبلیغ نہیں کی۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بہترین موجودات سے ہیں جب احکامِ شرعی کی تبلیغ کرتے تھے اور اُمت کے لوگ معجزہ طلب کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ معجزات خدا کی طرف سے ہیں۔ہم پر احکام کا پہنچانا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت شاید حق تعالیٰ ایسا اَمر ظاہر کر دے جو ان لوگوں کے حق ہونے کے اعتقاد کا باعث ہو جائے۔ بہر حال مسائلِ شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینا ضروری ہے۔ جب تک یہ واقع نہ ہو، اس امر کی ذمہ داری علماء اور پادشاہ کی بار گاہ کے مُقرب لوگوں پر ہے۔یہ کس قدر بڑی سعادت ہے کہ اس گفتگو میں کسی جماعت کو تکلیف پہنچے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکام کی تبلیغ میں کون سی تکلیفیں ہیں جو برداشت نہیں کیں۔اور کیسی کیسی مصیبتیں ہیں جو ان کے پیش نہیں آئیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بہتر و مہتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

ما أوذي نبي مثل ما أوذيت۔

ترجمہ: کسی نبی کو ایسی اذیت نہیں پہنچی جیسی کہ مجھے ایذا پہنچی ہے۔ [1]

عمر بگزشت وحدیثِ دردِ ما آخر نشد

شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

ترجمہ: عمر گزر گئی لیکن ہمارے عشق کی داستان ختم نہ ہوئی،رات گزر گئی اس لئے میں افسانے کو مختصر کرتا ہوں۔]

[1] (لمعات التنقیح، ج۸، ص ۱۷۴، الناشر: دار النوادر، دمشق -سوریا)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ہمیں ایک بنیادی عقیدے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مؤمن مسلمان کے فوت ہونے پر خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ گوبند کافر اور گوبند جیسا عمل کرنے والے کے مرنے پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے اس طرح لعین کے مرنے پر اگر زبان سے خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا دل میں تو خوشی کا اظہار ضرور کرنا چاہیئے۔

حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، احمد شاہ ابدالی اور مغل خاندان کے اچھے با ایمان مسلمان لوگوں نے ہندوستان پر جزیہ رکھا مگر آج مسلمان وہاں اتنے تنگ ہیں کہ جزیہ بھی دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی مال واولاد کو زبردستی لوٹا اور قتل کیا جاتا ہے ان کا وہاں زندگی گزارنا بہت کٹھن اور مشکل ہو چکا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ابتداء میں جو جزیہ مسلمانوں نے ان ہندوؤں پر مقرر کیا تھا وہ ہم نے ختم کر دیا اور اب اس کے اثرات بھگت رہے ہیں اور اس طرح اسلام کے نقصان کا سبب بن گئے۔ دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مسلمانوں کے ذریعے اس نقصان کی تلافی ان کفار پر دوبارہ جزیہ رکھنے کی صورت میں قائم فرمائے، آمین۔

علماء کرام، صوفیاء عظام اور اہل اسلام کو چاہیئے کہ مسلمانوں میں جو رسوم اور بُرے اعمال دیکھیں ان کو مٹانے کی کوشش کریں جس طرح آج کل نئی نسل نے بالخصوص اہلِ کُفر کے عادات واطوار کو اپنایا ہوا ہے اور ہر کام میں ان کی پیروی کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں ان کے سامنے کُفر اور اہلِ کُفر کی برائی بیان کریں اور ان کی توجہ اپنے آپ پر شرعی احکامات لاگو کرنے کی جانب مبذول کرائیں کیونکہ شریعت کے احکامات کے بیان کے لئے کرامات کے اظہار کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔

روزِ قیامت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کا یہ عذر قبول نہیں کریں گے کہ میں نے شریعت کے احکامات اس

وجہ سے اپنی اولاد، مُریدین، دوست احباب اور دوسرے لوگوں تک نہ پہنچائے کہ میرے پاس تصرف وکرامات نہیں تھیں بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پوچھے گا کہ آپ صاحبِ تبلیغ تھے تو آپ نے اپنی اولاد، مُریدین، دوست احباب اور دوسرے لوگوں کو تبلیغ کیوں نہیں کی؟ مگر آج کل ہم اتنے کمزور وخوار ہو چکے ہیں کہ حق بات بھی اپنی اولاد، مریدین، دوست احباب اور دوسرے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرسکتے چاہیئے کہ لوگوں کو وعظ و تبلیغ کے ذریعے خلافِ شرع اُمورات سے منع کریں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے جب کفار معجزہ طلب کرتے تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان سے فرماتے تھے کہ میں معجزہ ظاہر کرنے پر مسئول وذمہ دار نہیں بلکہ یہ معجزات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ظاہر فرماتا ہے اور میں تو صرف اسلام کی تبلیغ پر مامور کیا گیا ہوں۔ آج کل بعض پیر اپنے مُریدین سے کہتے ہیں کہ میں جب چاہوں کرامت کا صدور کرسکتا ہوں، حالانکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ معجزات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ظاہر فرماتا ہے میں تو صرف اسلام کی تبلیغ پر مامور کیا گیا ہوں اظہارِ کرامت پر گرفت کا کہنا یا عقیدہ رکھنا سحر واستدراج، گمراہی اور بے دینی اور سراسر غلط ہے۔ اور اسی طرح آج کل بعض لوگ اس طرح بھی کہتے ہیں کہ میں فلاں ولی سے اس وقت بیعت کروں گا جب وہ مجھے کوئی کرامت دکھائے گا۔ جب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے معجزات باذن اللہ ہیں تو اولیاء کرام کی کرامات بطریقِ اولیٰ باذن اللہ ہیں اس طرح کا عقیدہ رکھنا بھی سراسر گمراہی اور بے دینی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان بے دین اور فاسد عقائد سے بچائے رکھے، آمین۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ہنود مردود کے مذہبی رہنما کے قتل پر خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں اور اسے مشرکوں کی شکستِ عظیم قرار دیا ہے۔ در حقیقت آپ کی تحریک احیائے دین اور آپ کے معاون ارکانِ سلطنت "جرگہ ٔ ممدان دولتِ اسلام" کامیابی سے ہمکنار ہو رہے تھے، اور دینِ اسلام کو پھر سے انگڑائی لینے کا موقع مل رہا تھا اور مطلق العنان بادشاہِ اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر بادشاہ اسلام کی طرف مائل ہو رہا تھا اس لئے اس نے غیرتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی کی بناءپر متعصب ہندو لیڈر گروار جن کو قتل کروادیا، کیونکہ فساد اور بغاوت کرنے والے غیر مسلموں کو عموماً ان کے رہنماؤں کو خصوصاتہِ تیغ کرنے اور ان کی کمین گاہوں کو مسمار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الأنفال ١٢)

ترجمہ: کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور (جوڑ) پر ضرب لگاؤ۔

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ (التوبة ١٢)

ترجمہ: توکفر کے سرغنوں سے لڑو۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مشرکین کے خرانٹ اور خبیث طبع بوڑھوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے:

اقْتُلُوا شُيُوخَ الْمُشْرِكِينَ۔[1]

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج٣، ص٧، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

یونہی مسجدِ ضرار جلائی اور گرائی گئی کیونکہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازباز اور تفرقہ اندازی کا مرکز تھی جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں مذکور ہے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ زیرِ نظر متن کی تصحیح میں معرب مکتوبات حضرت مولانا نور احمد امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے فارسی و عربی قاعدہ کے مطابق یوں سمجھا ہے "کافرِ لعین گوبند و آل او" حالانکہ انہوں نے حاشیہ پر گرو گوبند کو محی الاسلام اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہم عصر لکھا ہے اور سلطان اورنگ زیب، جہانگیر بادشاہ کے پوتے ہیں ان کا عہدِ سلطنت حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے وصال مبارک کے بعد کا ہے۔

جبکہ علامہ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تصحیح فرمودہ متن سے پہلے کی اشاعتوں میں یہ جملہ یوں مرقوم ہے:

دریں وقت کشتنِ کافرِ لعین گویندوال بسیار خوب۔[1]

اس سلسلہ میں عصرِ حاضر کے عظیم محقق پروفیسر محمد اقبال مجددی مدظلہٗ ارقام پذیر ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز نے کسی سکھ گرو کا نام نہیں لکھا بلکہ سکھوں کے مذہبی مرکز گویندوال کو ہدفِ تنقید بنایا ہے کہ اس مرکز گویندوال میں رہنے والے کافر کے قتل کا واقعہ بہت خوب ہے، گویندوال سکھوں کا فکری و مذہبی مرکز تھا وہاں ان کے اہم گردوارے موجود ہیں۔ گرو امرداس (۱۵۵۲ تا ۱۵۷۴ء) کا گردوارہ بھی یہیں ہے اور ان کی مذہبی کتاب گرنتھ بھی اسی مقام پر زیرِ نگرانی گرو ارجن (۱۴۰۴ء تا ۱۵۸۱ء) مرتب ہوئی تھی، گویا

---

[1] (مکتوبات شریفہ، مطبوعہ مطبع مرتضوی، دھلی)

گوبندوال سکھوں کا مذہبی و فکری مرکز تھا۔ اسی لئے احمد شاہ درانی نے ایک حملے کے دوران اسے جلا کر خاکستر کر دیا تھا گویا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کا اشارہ سکھوں کے پانچویں گردوارجن کے قتل سے متعلق ہے جو ۱۶۰۴ء کو ہوا، گرو گوبند سنگھ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[1]

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کفار کی فوجوں کو منتشر و مغلوب کرنے کے لئے جہاں لشکر سپاہ کی تنظیم و تجہیز فرمائی ہے وہاں بارگاہِ ایزدی میں فتح و نصرت کے لئے لشکر دعا کا بھی اہتمام فرمایا ہے، تا کہ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (الأنفال ۱۰) کا مفہوم بھی عیاں ہو جائے اور کفار کی تخریب و تفریق کے لئے دعائے مضرت بھی فرمائی ہے، تا کہ وہ مسلمانوں کی ہیبت و رعب سے مرعوب بھی ہو جائیں۔

جیسا کہ کتبِ سیر میں مذکور ہے:

اَللّٰھُمَّ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَخَرِّبْ بُنْیَانَھُمْ وَخُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُقْتَدِرٍ۔

یعنی اے اللہ! کفار کی جمعیت کو منتشر کر دے، ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دے، ان کے گھروں کو برباد کر دے اور ان کی ایسی گرفت فرما جیسے غالب طاقتور گرفت کرتا ہے۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تاکید فرمارہے ہیں کہ غیر شرعی رسومات، ناشائستہ حرکات، عوامی مشکلات اور نامساعد حالات سے حاکم وقت کو مطلع کرنا باشعور اور صائب الرائے علماء و وزراء کی ذمہ داری ہے تا کہ بادشاہ ان کی اصلاح و تلافی کے لئے مناسب اقدام کر سکے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۸ ۴ تا ۴۶۱)

---

[1](مقدمہ البینات شرح مکتوبات، ص ۷۰، مقاماتِ مظھری، ص ۴۶)

مکتوب نمبر ۱۹۴

[ملت کی ترقی اور دین کی تائید کی ترغیب میں اور اس کے متعلق بیان میں صدر جہاں کی طرف لکھا:

سَلَّمَکُمُ اللہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت و عافیت سے رکھے۔ احکامِ شرعیہ کے جاری ہونے اور مذہبِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دُشمنوں کی خواری کی باتیں سُن کر ماتم زدہ مسلمانوں کے دِل کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مالک و قدیر سے سوال ہے کہ اپنے نبی بشیر و نذیر علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس بڑے کام میں ترقی بخشے۔ مجھے یقین ہے کہ اسلام کے مقتدا یعنی ساداتِ عظام اور علمائے کرام خلوت و جلوت میں اس دینِ متین کی ترقی اور اس صراطِ مستقیم کی تکمیل کے درپے ہوں گے۔ بھلا کوئی بے سر و سامان اس بارہ میں کیا دم مارے۔ آپ نے سُنا ہو گا کہ بادشاہِ اسلام اسلامی استعداد کی خوبی سے علماء کا خواہاں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذَالِکَ۔

آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا۔ وہ علماء کی ہی کمبختی سے ظہور میں آیا تھا۔ اس بارہ میں اُمید ہے کہ پورا پورا تتبع مدِ نظر رکھ کر علمائے دیندار کے انتخاب کرنے میں پیش دستی کریں گے۔ علمائے بد دِین کے چور ہیں، ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ و ریاست و بزرگی حاصل ہو جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ فِتْنَتِہِمْ۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے بچائے۔ ہاں ان میں سے جو بہتر ہیں وہ سب خلقت سے اچھے ہیں کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ تولیں گے اور ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ شَرُّ النَّاسِ شِرَارُ

الْعُلَمَاءِ وَخَيْرُ النَّاسِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔ سب لوگوں سے بُرے بُرے عالم ہیں، اور سب خلقت سے اچھے اچھے عالم ہیں۔

دوسری التماس یہ ہے کہ بعض نیتیں آمادہ کرتی ہیں کہ اپنے آپ کو لشکر میں پہنچائے۔ لیکن ماہِ مبارک رمضان کے نزدیک آنے کے باعث حضرت دہلی میں ٹھہرنے کا اتفاق ہو گیا ہے۔ ان شاء اللہ اس مبارک مہینے کے گزرنے کے بعد ان عزیزوں کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔ وَالسَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس مکتوب میں ہمیں تنبیہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو شخص مسلمان اور عادل ہو اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے بادشاہی کا منصب عطا فرمادے تو اس کے لئے علماءِ حق کے مشورے اور اجتماعات بہت مفید ہیں کیونکہ جو عالم محقق، راسخ العقیدہ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، وہ جب کسی بادشاہ کے قریب ہو تو اس کے سامنے حقیقتِ اسلام کو بیان کرکے اسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا پابند رہنے پر زور دیتا ہے لیکن شریر علماء اس بادشاہِ وقت کو خلافِ شریعت مشورے دے کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ناراضگی کا سبب بنادیتے ہیں، تو اس لئے جو عالم مسائلِ حقہٗ سے باخبر ہو اور بادشاہ کے سامنے مسائلِ حقہٗ بیان نہ کرے وہ گونگا شیطان ہوتا ہے۔

حضرت احوص بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ، وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔

ترجمہ: بُرے لوگوں میں سب سے زیادہ بُرے بُرے علماء ہیں اور بہتر لوگوں میں سب سے زیادہ بہتر بہتر علماء ہیں۔ [1]

پس اگر کسی عالم نے غلط فتویٰ دیا تو اس سے ساری دُنیا میں شَر پھیل جاتا ہے اور اگر کسی عالم نے خیر کا فتویٰ دے دیا تو اس سے ساری دُنیا میں خیر پھیل جاتی ہے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ مسلمان شخص اقتدار میں پہنچ جائے تو اسے کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کے ارد گرد اچھے محقق، راسخ العقیدہ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرنے والے علماء کی نشست وبرخاست رہے تاکہ یہ بادشاہ شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہ کرے اور یہ وقتاً فوقتاً اسے شریعت کے احکامات سے آگاہ کرتے رہیں۔ چونکہ اسلاف میں سے علماء حق نے بھی بادشاہِ وقت کے سامنے صدائے حق بلند کی ہے جیسے حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ تعالیٰ اگرچہ انہیں بہت زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے دینِ حقہٗ کی خاطر یہ سب کچھ بڑی خوشی کے ساتھ برداشت کیا اور ان کی اس قربانی کی وجہ سے ساری اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تا قیامت ایک بڑے فتنے سے بچ گئی تو اس لئے علماء حق کو چاہیئے کہ بادشاہِ وقت میں جو خرابیاں دیکھیں انہیں روکنے کی کوشش کریں نہ کہ اس کی تائید کرنے لگیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں توفیق عنایت فرمائے کہ جن مسائل اور حقائق کو عام لوگوں، بادشاہوں اور امراء کے آمنے سامنے بیان کرناواجب ہے ہم ان کو بخوبی بیان کر سکیں۔

(دارالمعرفت، ج۳)

[1] (سنن الدارمی، ج۱، ص۱۳۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز علمائے سوء کی مذمت بیان فرمارہے ہیں اور برصغیر میں پیدا ہونے والے فتنوں کا ذمہ دار انہیں ہی ٹھہرارہے ہیں جن کو آپ نے نہایت جرأت وحکمت وغیرتِ اسلامی کے ساتھ بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ آپ کی تجدیدی کاوشیں بارآور ہوئیں، جہانگیر بادشاہ اکبر سے مختلف ثابت ہوا، آپ نے بارہ مطالبات کئے تھے جنہیں جہانگیر نے قبول کرلیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس نے تعلیماتِ اسلامیہ اور احکامِ شرعیہ سے آگاہی کے لئے جیّد علماء کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ مکتوب الیہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چونکہ دورِ اکبری میں جاہ پسند اور دنیادار علمائے سوء کی وجہ سے ہندوستان میں دینِ اسلام کا حلیہ بگڑا تھا اس لئے نہایت چھان بین کے بعد متقی، متدین اور متشرع علماء کا انتخاب کرنا چاہیئے، بلکہ ایک مکتوب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں "ایک ہی دیندار عالمِ آخرت اس کام کے لئے کافی ہے" کیونکہ بدترین مخلوق برے علماء ہیں اور بہترین مخلوق اچھے علماء ہیں۔

جیسا کہ حدیث میں ہے:

أَلاَ إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ، وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔ [1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۲۶۴)

---

[1](سنن الدارمی، ج ا، ص ۴۱۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

مکتوب نمبر ۱۹۵

[شریعت کی ترقی پر ترغیب دینے اور اسلام اور اہلِ اسلام کی کمزوری پر افسوس ظاہر کرنے کے بیان میں صدر جہاں کی طرف صادر فرمایا:

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَ اَبۡقَاکُمۡ حق تعالیٰ آپ کو سلامت اور باقی رکھے۔ بادشاہوں کا احسان چونکہ تمام خلقت پر ہے اس لئے مخلوقات کے دل اس مضمون کے موافق کہ جُبِلَتِ الۡخَلَائِقُ عَلٰی حُبِّ مَنۡ اَحۡسَنَ اِلَیۡھِمۡ مخلوقات اپنے محسن کی محبت پر پیدا کی گئی ہیں۔ اپنے محسنوں کی طرف مائل ہیں۔ پس بادشاہوں کا جس قدر احسان عام لوگوں پر ہوتا ہے اس ارتباط اور تعلق کے باعث اتنا ہی بادشاہوں کے نیک اور بُرے اخلاق اور بُری اور بھلی عادات لوگوں میں اثر کر جاتی ہیں۔ اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیۡنِ مُلُوۡکِھِمۡ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہیں۔ گزشتہ زمانہ کے حالات اس بات کے مصداق ہیں۔

اب جب کہ سلطنتوں میں انقلاب آ گیا ہے۔ اور دُشمنی اور فساد نے اہلِ مذہب کو بگاڑ دیا ہے اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے وزیروں اور امیروں اور بزرگ عالموں پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترقی میں لگائیں اور سب سے اول اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں۔ کیونکہ تاخیر میں خیریت ظاہر نہیں ہوتی، اور غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بے قرار ہیں۔ گزشتہ زمانے کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں بے قرار ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا تدارک نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔ جب بادشاہ سُنتِ سُنیہ مصطفٰی علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہ کے مُقرب بھی اس بارہ میں اپنے آپ کو الگ

رکھیں اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہلِ اسلام بیچاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا،

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے

ہم سلیماں ہم پری ہم اہر من بگریستے

ترجمہ: جو چیز مجھ سے گم ہوئی ہے وہ اگر سلیمان سے بھی گم ہو جاتی تو سلیمان اور پَریاں اور جِن سب روتے۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا

صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ترجمہ: مجھ پر ایسے مصائب ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ مصائب دنوں پر ٹوٹتے تو وہ دن راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

اسلامی نشانوں میں سے ایک نشان اسلامی شہروں میں قاضیوں کا مقرر کرنا ہے۔ جو گزشتہ زمانہ میں محو ہو گیا تھا۔ سرہند میں جو اہلِ اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے، کئی سال سے کوئی قاضی نہیں۔

حاملِ رقیمہ ہذا قاضی یوسف کے باپ دادا جب سے سرہند آباد ہوئے ہیں قاضی ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ بادشاہوں کے بہت اسناد ان کے پاس ہیں۔ اور صلاح و تقویٰ سے بھی آراستہ ہیں۔ اگر بہتر سمجھیں تو اس عظیم الشان کام کو اس کے حوالہ فرمائیں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ الْحَقَّۃِ عَلٰی مَصْدَرِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعتِ حقہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے۔]

تشریح

ہر ملک، علاقے اور گھر میں ایک بادشاہ، امیر اور سربراہ ہوتا ہے، اگر کسی گھر کا سربراہ شریعتِ غراٴ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا پابند ہو تو اس کے اہلِ خانہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہوئے شریعتِ غراٴ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پابندی کرتے ہیں، یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تہجد، ذکر واذکار اور نیک مجالس میں اُٹھنا بیٹھنا رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی ملک کا بادشاہ صالح اور شریعتِ غراٴ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تابعدار ہو تو رعایا بھی اس کی تابعداری کرتے ہوئے شریعتِ غراٴ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پابندی کرتی ہے اس کی مثال حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے ان کے زمانے میں جتنے بھی لوگ تھے سب نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ احکاماتِ شریعت کے پابند تھے اور یہ کوشش بھی کرتے تھے کہ ان کی فوج بھی نمازی ہو جائے اور اگر کسی ملک کا بادشاہ یا کسی گھر کا سربراہ فاسد ہو تو پھر وہاں شریعت کی پابندی کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی ملک کا بادشاہ اپنے ملک میں اور کسی علاقے کا امیر اپنے علاقے میں اور کسی گھر کا سربراہ اپنے گھر میں شریعت کے احکامات نافذ نہ کرے تو پھر اہلِ اسلام ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیئے کہ شرعی احکامات کا نفاذ سب سے پہلے اپنے آپ پر پھر اپنے گھر میں، پھر اپنے علاقے اور درجہ بدرجہ اپنے پورے ملک میں کریں۔ یہ سب باتیں ایک ملک کے بادشاہ پر لازم ہیں کہ اپنی رعایا کو کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی تلقین کرے اگر بادشاہِ وقت ان باتوں کو پسِ پُشت ڈال دے گا تو اس سے ملک کا نظام درہم برہم رہے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہ۔

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک راعی وذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔[1]

دوسری اہم بات جو اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ مختلف ممالک میں انقلاب کی وجہ سے دُشمنی اور فساد نے اہلِ مذہب کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، جس کی وجہ سے اب علماء کرام اور صوفیاء عظام پر لازم ہے کہ اُن کی جتنی طاقت اور حیثیت ہے وہ ساری کی ساری دین کی خدمت میں صَرف کر دیں۔ دین کے جن احکامات کو دُشمنی اور فساد کی وجہ سے لوگوں نے منہدم کر کے بگاڑ دیا ہے اُس کی ترقی میں دن رات ایک کر دیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ تمسّکَ بسُنَّتي عندَ فَسادِ أُمَّتي فلهُ أجرُ مائة شَهيدٍ۔

ترجمہ: فسادِ اُمت کے دور میں میری ایک سُنت کو سینے سے لگانے والے اور اپنانے والے کو سو شہید کا ثواب ملے گا۔[2]

(دار المعرفت، ج۳)

---

[1](صحیح البخاری، ج۸، ص ۲۵۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2](مرقاة المفاتيح، ج ١، ص ٢٨٤، الناشر: دار النوادر، وهو من إصدارات إدارة الثقافة الإسلامية -وزارة الأوقاف الكويتية)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ انسانی جبلت میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ اپنے محسن خواہ صالح ہو یا طالع کے عادات واطوار کو اپنا لیتی ہے، یوں اس کی شخصی زندگی کی تعمیر و تخریب میں اس کے محسن کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ چونکہ بادشاہِ وقت رعایا کی فلاح و بہبود وغیرہا کے لئے اصلاحات نافذ کرتا ہے، جس سے لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں، اس لئے لوگ بحیثیت قوم اجتماعی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ سابقہ حکمران جلال الدین اکبر چونکہ خود ملحد و بے دین تھا اس لئے اس کے گمراہ کر اخلاق واطوار رعایا میں سرایت کر گئے، نتیجتًا رعایا الحاد و بے دینی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گئی لیکن اس کا جانشین جہانگیر بادشاہ اکبر سے مختلف واقع ہوا، ہماری تجدیدی کاوشیں کارگر ثابت ہوئی ہیں، دینِ اسلام نے انگڑائی لی ہے، بادشاہِ وقت اسلام کی طرف مائل ہوا ہے اس لئے اعلیٰ عہدوں پر فائز وزراء اور علماء پر لازم ہے کہ وہ فرصتِ اول میں اسے اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ مبادہ وہ پھر غیر شرعی خرافات کی طرف مائل ہو جائے اور مسلمان پھر اسی اضطراب والتہاب میں مبتلاء ہو جائیں۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۷۰)

مکتوب نمبر ۱۹۶

[منصورِ عرب کے نام صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ وہ راستہ جس کو ہم طے کرنے کے در پے ہیں، سب سات قدم ہے۔ اور ہر قدم پر سالک اپنے آپ سے دور اور حق سبحانہٗ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔

آپ کا مرحمت نامہ بڑے نیک وقت میں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ خاص لوگ عام لوگوں کی یاد سے فارغ نہیں ہیں، اور بزرگ لوگ غریبوں کی غمخواری سے خالی نہیں ہیں جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ حق تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے مخدوم!

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است

ترجمہ: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو بہت اچھی ہے۔

یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں، سب سات قدم ہے۔ دو قدم عالمِ خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ عالمِ اَمر سے۔

پہلے قدم پر جو سالک عالمِ اَمر میں رکھتا ہے تجلیٔ افعال ظاہر ہوتی ہے، اور دوسرے قدم پر تجلیٔ صفات۔ اور تیسرے قدم پر تجلیاتِ ذاتیہ کا ظہور شروع ہونے لگتا ہے، پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ ترقی ہوتی جاتی ہے جیسے کہ اس حال کے جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں، لیکن یہ سب کچھ حضرت سیّد اولین وآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت پر منحصر ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ راہ صرف دو قدم ہے، اس سے ان کی مراد مختصر طور پر عالمِ خلق اور عالمِ اَمر ہے۔ تاکہ طالبوں کی نظر میں یہ کام آسان دکھائی دے۔

ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم پر سالک اپنے آپ سے دور ہوتا جاتا ہے، اور حق تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور ان قدموں کے طے کرنے کے بعد فنائے اَتم ہے۔ جس پر بقائے اکمل مرتب ہے، اور ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حاصل ہونا اس فناوبقا پر موقوف ہے۔

ایں کار دولت است اکنون تا کرا رسد

ترجمہ: یہ دولت مندی کا کام ہے، دیکھیں اب یہ کسے عطا کرتے ہیں۔

ہم نامراد فقیروں کو اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت ہے۔ سوائے اس کے کہ اہلِ کمال کے صاف پانی سے اپنے کام ودہاں کو سیر اب و شیریں کریں۔

گر نداریم از شکر جُز نام بہر
این بسے خوشتر کہ اندر کام زَہر
آسماں نسبت بعرش آمد فرود
ورنہ بس عالی است پیشِ خاک تود

ترجمہ: اگرچہ شکر سے مجھے صرف اس کا نام ہی حاصل ہے لیکن یہ اس سے بہتر ہے کہ میرے منہ میں زہر ہو۔ آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے مگر خاک کے تودے سے بہت بلند ہے۔

[وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا]

تشریح

تصوف کے سات قدموں میں سے پہلا قدم یہ ہے کہ سالک کا قلب ذاکر ہو جاتا ہے اور جس سالک کا قلب شیخ کی توجہ سے ذاکر ہو جائے تو اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ کے انوارات وارد ہونے لگتے ہیں سالک اپنے قلب کو محسوس کرتا اور اسے ذاکر سمجھتا ہے یہ سالک کی ابتدائی حالت

ہوتی ہے ایسا سالک ولیٔ ظلی ہوتا ہے نہ کہ ولیٔ اصلی۔ کیونکہ اس سالک کو صرف ولایت کے ایک شعبے سے واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ ولیٔ اصلی کی ابتداء لطیفۂ روح سے ہوتی ہے اور اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ ثمانیہ، ثبوتیہ، حقیقیہ کے انوارات وارد ہوتے ہیں تو جس سالک پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ ثمانیہ، ثبوتیہ، حقیقیہ کے انوارات وارد ہوں یہ ولیٔ اصلی کہلاتا ہے۔

عالمِ اَمر میں پانچ لطائف یعنی قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی ہیں۔ اب اگر کوئی سالک یہ کہے کہ میرا قلب ذاکر ہے یا نہیں اور مجھ پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ اور صفاتِ ذاتیہ کے انوارات وارد ہوتے ہیں یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی سالک نسیانِ ماسوٰی پر مشرف ہو جائے یعنی جس وقت سالک ذکر کے لئے بیٹھے تو اس سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز یعنی اہل و عیال، مال و دولت، غرور و تکبر اور جاہ و جلال سب کچھ بھول کر ذکرِ الٰہی میں مشغول اور متوجہ رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سالک کے قلب پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ کے انوارات وارد ہو رہے ہیں، اور جب نسیانِ ماسوٰی نہ ہو تو ایسے سالک پر کبھی مال و دولت، کبھی غرور و تکبر اور کبھی جاہ و جلال کا شوق پیدا ہوتا ہے اور ایسا سالک صرف اس راستے پر چل رہا ہے اور ابھی تک اُس نے منازلِ سلوک کی کوئی منزل بھی مکمل طور پر طے نہیں کی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سالک کا قلب اس وقت فانی ہوتا ہے جس وقت یہ نسیان ماسوٰی اللہ پر مشرف ہو جائے تو اس کا قلب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیاتِ افعال کا مرکز بن جاتا ہے اور ان صفات کا فیض ہمیشہ سالک کے قلب میں جاری رہتا ہے۔ گرفتاری ماسوٰی اللہ زنگ کی مانند ہے جس وقت سالک کے قلب سے زنگ دور ہو جاتا ہے تو گرفتاری ماسوٰی اللہ ختم ہو جاتی ہے تو اس کے قلب میں انوارات کے ظہور کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور جس

سالک میں نسیانِ ماسویٰ اللہ دور نہ ہو تو ایسے سالک کا قلب مظہرِ تجلّیٔ صفاتِ فعلیہ بھی نہیں بن سکتا۔ حالانکہ سب عوام الناس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں مگر ان کے قلب میں ماسوی اللہ یعنی اہل وعیال، مال ودولت، غرور وتکبر، خواہشاتِ نفسانی اور جاہ وجلال وغیرہ کی محبت موجود ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ ولیٔ ظلی کے مقام کو بھی نہیں پہنچتے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

رو تو زنگار از رُخِ خود پاک کن

بعد از آن آن نور را اِدراک کن

ترجمہ: جائیں اور اپنے دل کے صفحے سے زنگ کو صاف کریں اس کے بعد آپ صفاتِ فعلیہ کے نُور کو تلاش کر سکتے ہیں۔

بعض سالکین اپنے شیخ کے پاس آ کر ان سے توجہ کی خواہش کرتے ہیں، اور شیخ سارا دن اُن پر توجہ کرتا رہتا ہے مگر سالکین پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

اس کے بارے میں حضرت عبد القادر بیدل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فیض خواہی دَر وداعِ اُلفتِ زنگار کوش

چوں صفاتِ آئینہ است گیرد جہانِ دیگری

ترجمہ: اگر آپ میں سے کوئی فیض حاصل کرنے کا خواہش مند ہو تو اُسے چاہیئے کہ اپنے دل کا زنگ صاف کرنے کی کوشش کرے تاکہ صفات سے اس کے دِل کے آئینہ پر اَنوارات کا ظہور ہو۔

دوسرا قدم لطیفۂ رُوح کا تصفیہ ہے جس وقت روح بدن کی قید سے خلاصی پالے تو اس سالک کی روح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیاتِ صفاتِ ذاتیہ کی لیاقت پیدا کرکے اس کا مرکز بن جاتی ہے۔ روح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بدن کے کنویں میں گری پڑی ہے، جب تک آپ کنویں سے نکل نہ آئے وہ کسی بھی حالت سے واقف نہ تھے۔ اسی طرح روح بھی زندانِ بدن میں قید ہے جب سالک کا قلب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیاتِ صفاتِ فعلیہ کی لیاقت پیدا کرکے اس کا مرکز بن جائے تو اس کے قلب کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس طرح روح زندانِ بدن کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے اور اس طرح سالک کی رُوح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے تجلیاتِ صفاتِ ذاتیہ، ثمانیہ، ثبوتیہ، حقیقیہ کی لیاقت پیدا کرکے ان کا مرکز بن جاتی ہے اور اگر قلب کا دروازہ نہ کھلے تو روح زندانِ بدن میں ہی قید رہتی ہے۔ اولیاء کرام کی اَرواح بدن کے اس کنویں سے باہر آچکی ہیں جب سالک کی روح قیدِ بدن سے آزاد ہو جاتی ہے تو اس سالک کی ابتداء ولایتِ صغریٰ اور انتہاء ولایتِ کبریٰ میں ہوتی ہے جبکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے اور صفاتِ ذاتیہ کی اصل تجلیات عموماً حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر وارد ہوتی ہیں جو سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی تابعداری نہ کرے اس پر یہ کیفیت حرام ہے۔ اکثر اولیاء کرام کی ولایت، ولایتِ صغریٰ ہے جس میں ان اولیاء کرام پر صفاتِ فعلیہ سے تجلی ظلال ہوتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ولایتِ کبریٰ ہے جس میں ان پر صفاتِ ذاتیہ سے تجلیٔ اصلی ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ مقامِ نبوت مقامِ ظلیت سے بہت بلند تر ہے وہ اولیاء کرام جو حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے کمالات یا ان کی نبوت کے کمالات پر مشرف ہوتے ہیں وہ اس مقام پر ولایتِ صغریٰ کے مقامات کے کمالات طے کرنے کے بعد اس کمال

تک پہنچتے ہیں اور جو اولیاء کرام ولایتِ صغریٰ کے مقامات کے کمالات طے نہ کریں وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے کمالات یا ان کی نبوت کے کمالات پر مشرف نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ خیال رہے اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ اولیاء کرام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے برابر ہو گئے بلکہ اولیاء کرام کا حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے کمالات یا ان کی نبوت کے کمالات پر مشرف ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل فرماتے تھے تو اسی طرح جو اولیاء کرام ولایتِ صغریٰ کے مقامات کے کمالات کی تکمیل کر لیتے ہیں تو وہ کمالاتِ نبوت پر مشرف ہو کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کو اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر اور رُشد و ہدایت کی طرف رہنمائی اور دعوت دینے لگتے ہیں۔ جو اولیاء کرام نبوت کے کمالات میں رسوخِ کامل رکھتے ہوں وہ اپنے مریدین کو مراتبِ ظلال طے کرائے بغیر ہی کمالاتِ اصلیہ تک پہنچا سکتے ہیں اور جو پیر نبوت کے کمالات میں رسوخِ کامل نہیں رکھتے وہ اپنے مُریدین کو بغیر مراتبِ ظلال کے کمالاتِ اصلیہ تک نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی مریدین کی تربیت اور نہ ہی دعوت وارشاد کر سکتے ہیں۔ نیز ان کے مریدین کے گمراہ ہونے کے امکانات بھی درپیش رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اوقات شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس لئے پیر کا صاحبِ رسوخ ہونا لازمی وضروری ہے تاکہ یہ پیر جو بھی دعوت وارشاد کرے وہ شریعتِ غراَ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہو اگر اس سے دعوت وارشاد کرنے میں کسی قسم کی غلطی ہو جائے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ رات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اس کو تنبیہ ہو کہ تم نے یہ بات غلط کی اور اب اس کی اصلاح کر لو کیونکہ جو اولیاء کرام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیاتِ صفاتِ ذاتیہ، ثمانیہ، ثبوتیہ، حقیقیہ پر مشرف ہو جاتے ہیں انہیں رات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے

رہنمائی ضرور ملتی ہے کہ فلاں گناہ پر مداومت کی بجائے توبہ واستغفار کر۔ آج کل ہم سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اول تو ہمیں توبہ کا خیال ہی نہیں آتا اور نہ ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں ہم آہ وزاری کرتے ہیں کہ یا اللہ میں نے آج فلاں کی دل آزاری اور غیبت کی ہے یا آج میں نے فلاں شخص کے ساتھ ظلم وزیادتی کی ہے مجھے معاف فرما ایک طرف تو ہم خلافِ شریعت کام کرتے ہیں اور دوسری طرف ہم مغرور ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے بہت اچھا کیا کہ فلاں شخص اسی لائق تھا۔

جو ولی حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے کمالات یا اُن کی نبوت کے کمالات پر مشرف ہو جائے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس ولی کو یہ تصرف عطا فرما دیتا ہے کہ وہ ولی اپنے مرید کے سارے مراحل ایک ہفتہ یا ایک ماہ میں طے کروادے مگر شرط یہ ہے چونکہ گرفتاری ماسویٰ اللہ زنگ کی مانند ہے تو جس وقت تک سالک کے قلب سے زنگ دور نہ ہو جائے تو اس وقت تک سالک کے قلب میں انوارات کے ظہور کی قابلیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جس طرح کہ خاندانِ مجددیہ میں مشہور ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے فرزندِ ارشد حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو مراتبِ ظلال (قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ) کے مراحل طے کروائے بغیر سیدھا کمالاتِ اصلیہ (ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ ملاء الاعلیٰ) پر ایک ہفتہ میں پہنچا دیا کیونکہ ان کے قلب کا زنگ پہلے سے ہی پاک وصاف ہو چکا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس بھی صاحبِ کمالاتِ نبوت تھے۔ منقول ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو ایک ہفتہ کی صحبت سے فنائے قلب اور ایک ماہ کی صحبت سے فنائے نفس کے تمام مراحل طے کروا دیئے تھے۔

تیسرا قدم جس پر تجلیاتِ ذاتیہ کا ظہور شروع ہونے لگتا ہے وہ لطیفۂ سر ہے یعنی لطیفۂ سر میں تجلیٔ شیونات، (چوتھا قدم) لطیفۂ خفی میں تجلیاتِ صفاتِ سلبیہ جو کہ اعتبارات کو راجع ہیں اور (پانچواں قدم) لطیفۂ اخفٰی میں تجلی شانِ جامع حاصل ہوتی ہے جو کہ نادر الوجود ہے اور یہ بہت کم اولیاء کرام کو حاصل ہوتی ہے۔ ان سب کو مراحل کہا جاتا ہے جو ہر ایک سالک کے لئے طے کرنے ضروری ہیں لیکن افسوس کہ ہم ابھی تک اپنے قلب کا زنگ دور نہیں کر سکے اور باتیں بڑی بڑی کر جاتے ہیں۔

تجلی ذاتی کا اطلاق دو اقسام پر ہوتا ہے: اول بہ معنی عام، دوم بہ معنی خاص۔

اول: تجلی ذاتی بمعنائے عام اس تجلی کو کہا جاتا ہے جو صفاتِ ثمانیہ زائدہ سے بلند تَر ہو جیسے تجلیٔ شیونات اور اعتبارات۔

دوم: تجلیٔ ذاتی بمعنائے خاص اس تجلی کو کہا جاتا ہے جو تجلیٔ شیونات اور اعتبارات سے بھی بلند تر ہو یعنی یہ تجلی ذاتِ بحت حق تعالیٰ کے ساتھ مربوط ہو۔

اس مکتوب شریف میں جس تجلی ذاتی کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد تجلیٔ ذاتی بمعنائے عام ہے۔ تو جو ولی ان تجلیات (شیونات، اعتبارات اور شانِ جامع) کو حاصل نہ کرلے وہ ذاتِ بحت حق تعالیٰ کی تجلی کے قابل نہیں ہو سکتا۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے عروجات تجلیاتِ صفاتِ ذاتیہ، ثمانیہ، ثبوتیہ، حقیقیہ سے شروع ہوتے ہیں، جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک تجلی ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس تجلی کی تاب نہ لا کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے تو پھر ہم کون ہیں جو بلاواسطہ اور ایک دم واصل ہو جائیں؟ تو اس لئے جب تک کوئی ولی ہو بہو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری اور یہ مراحل طے نہ کرلے اس کو یہ تجلیات میسر نہیں آ

سکتیں۔ یہاں تک پانچ مقامات کی تفصیل بیان ہو گئی ہے اب بقیہ دو مقامات جو عالمِ خلق سے مربوط ہیں اور یہ تزکیہ نفس اور تزکیہ عناصرِ اَربعہ سے عبارت ہیں یہ دو مقامات جو عالمِ خلق سے مربوط ہیں ان کا تعلق عناصرِ ثلاثہ کے پہلے مقام نفس کے ساتھ ہے، نفس میں آگ، ہوا اور پانی تصفیہ ہوتے ہیں جب تک ایک قدم نفس اور یہ تین عناصر تصفیہ نہ ہو جائیں اس وقت تک کوئی سالک تجلیٔ ذات کی لیاقت پر مشرف نہیں ہو سکتا اور چوتھا عنصر عنصرِ خاکی ہے جب عنصرِ خاکی تزکیہ و تصفیہ ہو جائے تو ایسا سالک مظہرِ تجلیاتِ ذاتِ بحت ہو جاتا ہے اور اس طرح سالک ہر ایک قدم پر اپنے آپ سے دور اور حق تعالیٰ سے بلا کیف نزدیک ہوتا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس سالک کی خواہشاتِ نفسانی بالکل مٹ جاتی ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

چشم بند و لب ببند و گوش بند
گر نہ بینی سرِّ حق بَر من بخند
اے بندہ بمن گریز و خود را ایلہ کن
گر شاہِ جہان نشدی آنگاہ گیلہ کن
بنشین بہ گدایان دَرِ دوست کہ ہر کس
بنشست بایں طائفہ شاہی شد و بر خواست

ترجمہ: آنکھ، لب اور کانوں کو بند کرو اگر آپ نے اَسرارِ حق کا مشاہدہ نہ کیا تو پھر مجھ پر ہنسنا، اے بندے میری طرف آ جاؤ، اگر آپ تصوف کے بادشاہ نہ بن گئے تو پھر مجھ سے گلہ شکوہ کرنا۔ اُن لوگوں کے دروازے پر جا کر بیٹھو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

کے دوست ہیں، کیونکہ جو لوگ ان کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں وہ یہاں سے بادشاہ بن کر نکلتے ہیں۔

اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ان قدموں کے طے کرنے کے بعد فنائے اَتم ہے جس پر بقائے اَتم واَکمل مرتب ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بقا عالمِ وجوب کے انعکاسات کو قبول کرنے سے عبارت ہے اور اَتمیتِ بقا، اَتمیتِ فنا کے ساتھ مربوط ہے جس اندازے سے فنا اَتم واَکمل ہوگی اُسی اندازے سے بقا بھی کامل ترین ہوگی۔

فنائے اَتم کی دو اقسام ہیں:

اول: ایک لطیفہ کی فنائے اَتم

دوم: عارف کی فنائے اَتم

یہاں فنائے اَتم سے مراد عارف کی فنائے اَتم ہے نہ کہ فنائے لطیفہ اس لئے کہ یہ معارف انتہاء کے معارف ہیں۔

(دارالمعـــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے راہِ سلوک کو سات قدم کہا ہے۔ عالمِ خلق کے دو قدم سے لطیفۂ نفس اور عناصرِ اربعہ مراد ہیں اور عالمِ اَمر کے پانچ قدم سے قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی لطائفِ خمسہ مراد ہیں۔ طریقتِ نقشبندیہ مجددیہ میں طئ سلوک عالمِ اَمر کے لطائف سے شروع کرتے ہیں جبکہ دیگر سلاسلِ مقدسہ میں عالمِ خلق سے شروع کرتے ہیں۔ جب سالک کا لطیفۂ قلب ما

سویٰ اللہ کی گرفتاری سے آزاد اور گناہوں کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے تو اس میں انوار و تجلیات کے ظہور کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ حق تعالیٰ کی افعالی تجلیات کا مظہر بن جاتا ہے۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

رو تو زنگار از رخ خود پاک کن

بعد ازاں آن نور را ادراک کن

حضرت بیدل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

فیض خواہی در وداع الفت زنگار کوش

چوں صفات آئینات گیر د جہانِ دیگری

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ جب عالمِ اَمر کے لطائف میں فنائیت حاصل ہو جائے تو ولایت صغریٰ نصیب ہوتی ہے اور ان لطائف کا عروج آسمانوں تک ہوتا ہے اور جب لطائفِ عالمِ خلق (نفس و قالبی) کو بذریعۂ سلطان الاذکار وغیرہا فنائیت حاصل ہوتی ہے تو اسے ولایتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ ان لطائف کا عروج عرش سے اوپر تک ہوتا ہے۔ ولایتِ صغریٰ میں فیضانِ ولایت نصیب ہوتا ہے جبکہ ولایتِ کبریٰ میں فیضانِ نبوت میسر ہوتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ لطیفۂ قلب پر تجلیاتِ افعالیہ، لطیفۂ روح پر تجلیاتِ صفاتیہ اور لطیفۂ سر پر تجلیاتِ ذاتیہ شیونیہ کا ورود ہوتا ہے۔ لطیفۂ خفی میں تجلیٔ صفاتِ سلبیہ کا فیض نصیب ہوتا ہے جو

اعتبارات کی طرف راجع ہیں جبکہ تجلیٔ شانِ جامع ذاتِ بحت احدیت کا فیض، لطیفۂ اخفٰی میں میسر ہوتا ہے۔

بینہ نمبر ۳

یاد رہے کہ تجلیٔ ذاتی کا اطلاق دو قسم پر آتا ہے:

اول: بمعنی عام　　　　دوم: بمعنی خاص

تجلی ذاتی بمعنائے عام وہ تجلی ہوتی ہے جو صفاتِ ثمانیہ زائدہ سے بلند تر ہوتی ہے جیسے تجلیٔ شیونات و اعتبارات۔

تجلی ذاتی بمعنائے خاص وہ تجلی ہوتی ہے جو تجلیٔ شیونات و اعتبارات سے بھی بلند تر ہوتی ہے اور وہ ذاتِ بحت حق تعالیٰ کے ساتھ مربوط ہوتی ہے۔ اس مکتوب شریف میں تجلیٔ ذاتی سے مراد تجلیٔ ذاتی بمعنائے عام مراد ہے۔

بینہ نمبر ۴

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جو سالک لطیفۂ سِر میں فنائیت سے مشرف ہو جاتا ہے اسے خلافتِ مقیدہ سے نواز کر بیعت کی اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے تاکہ دوسروں کو ذکر و فکر کی تلقین و تعلیم کے دوران اس کی خود بھی تکمیل ہو جائے اور وہ مرتبۂ بقا تک رسائی حاصل کر لے جبکہ خلیفۂ مطلق بقا اور تزکیۂ نفس سے مشرف ہو چکا ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے راہِ سلوک کو اجمالاً دو قدم قرار دیا ہے، تاکہ سالکین نہایت جوش و جذبہ کے ساتھ سلوک طے کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لیں اور سُنت و شریعت پر

کاربند اور اوراد و وظائف کے پابند ہو جائیں تا کہ وہ دورانِ سلوک نفسانی خواہشات اور بشری نقائص سے دور ہو جائیں اور انہیں حق تعالیٰ کا قرب بلا کیف حاصل ہو جائے۔

بقول شاعر:

بہ نشیں بہ گدایاں در دوست کہ ہر کس
بنشست بایں طائفہ شاہی شد و برخواست

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ ایسا مرشدِ گرامی جو کمالاتِ نبوت میں رسوخِ کامل رکھتا ہو وہ اپنے مریدین کو مراتبِ ظلال طے کروائے بغیر کمالاتِ اصلیہ تک پہنچا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے فرزند ارجمند عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز کو مراتبِ ظلال طے کروائے بغیر یکبارگی کمالاتِ اصلیہ تک پہنچا دیا تھا۔ یونہی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ العزیز کے متعلق منقول ہے کہ آپ صرف ایک ہفتہ میں مریدین کو فنائے قلب سے مشرف فرما دیتے تھے اور جو مرید ایک ماہ آپ کی خدمت بابرکت میں رہتا تھا اسے فنائے نفس نصیب ہو جاتی تھی۔

بینہ نمبر ۲

یاد رہے کہ عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے لطائفِ عشرہ طے کرنے کے بعد فنائیتِ تامہ حاصل ہوتی ہے جس پر بقائے اکمل مترتب ہوتی ہے۔ بقا میں سالکین کے اندر انعکاساتِ عالمِ وجوب کی قبولیت کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اس لئے جس قدر فنا میں رسوخ و ملکہ زیادہ ہو گا اسی قدر بقا کامل تر ہو گی اور یہی فنا و بقا ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے حصول کا باعث ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

بینہ نمبر ۳

اہلِ طریقت کے نزدیک فنائے اَتم کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ فنائے اتم جو لطیفہ کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

دوم: وہ فنائے اتم جو عارف کو نصیب ہوتی ہے۔

یہاں اس مکتوب میں فنائے اتم سے مراد فنائے اول نہیں بلکہ فنائے دوم ہے کیونکہ یہ معارف انتہائی معارف میں سے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۷۴ تا ۳۷۸)

اللھم اغفر لکاتبہ و لم سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین

آمین

مکتوب نمبر ۱۹۷

[پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سعادت مند وہ ہے جس کا دل دُنیا سے سَرد پڑ چکا ہو، اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کی حرارت سے گرم ہو، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو راہِ شریعت پر قائم رکھے۔ سعادت مند وہ ہے جس کا دِل دُنیا سے سَرد اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت سے گرم ہو۔ دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ اور اسے چھوڑ دینا تمام عبادتوں کا سَر ہے۔ دُنیا حق تعالیٰ کو بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جب سے اس نے اسے پیدا کیا ہے ایک بار بنظرِ شفقت اس کی طرف نہیں دیکھا، اور دُنیا کے طالب دور کر دینے اور نفرت کے لائق ہیں۔ اور اس نفرت ودُوری کے دَاغ سے دَاغدار ہیں۔

حدیث میں ہے:

أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ۔

ترجمہ: دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ [1]

جب کہ ذاکر لوگ بلکہ ان کے ذَرّاتِ وجود کا ہر ذرّہ اللہ سبحانہٗ کے ذِکر سے پُر ہے تو حق تعالیٰ کا ذِکر کرنے والے اس وعید (ڈانٹ) سے خارج ہیں اور اہلِ دُنیا میں شمار نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ دُنیا اس چیز کا نام ہے جو دِل کو حق سبحانہٗ سے روکے اور اس کے غیر سے مشغول کرے۔ وہ چیز مال واسباب کے قبیلہ سے ہو خواہ مرتبہ اور سرداری کی طلب، اور خواجہ ننگ وناموس ہو۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۵۶۱، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي -مصر)

نصِ قطعی ہے:

فَأَعۡرِضۡ عَنۡ مَنۡ تَوَلَّى عَنۡ ذِكۡرِنَا (النجم ۲۹)

ترجمہ: تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا۔

دُنیا کی ہر چیز بلائے جان ہے۔ دُنیا دار دُنیا میں تو ہمیشہ تفرقہ اور پراگندگی کا شکار رہتے ہیں اور آخرت میں ندامت اور حسرت کرنے والے گروہ میں ہوں گے۔ دُنیا کے ترک کی حقیقت اس کی طرف رغبت کو تَرک کرنا ہے۔ اور تَرکِ رَغبت اس وقت حاصل ہوتا ہے، جبکہ دُنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے اور اس معنیٰ کا حصول اَربابِ جمیعت (اولیاء کرام) کی صحبت کے بغیر مشکل اور دُشوار ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت اگر میسر ہو تو اُسے غنیمت جاننا چاہیئے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینا چاہیئے۔

اور میاں شیخ مزمل کی صحبت اگرچہ تمہارے لئے غنیمت ہے۔ اور ایسے نادر الوجود بزرگ سُرخ گندھک سے بھی زیادہ نایاب ہیں۔ تاہم اہلِ کرم کا شیوہ ایثار ہے۔یعنی دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت وضرورت پر فوقیت دیتے ہیں چند روز کے لئے اگر میاں شیخ مزمل کو رُخصت دیں تو بڑی بَرمحل بات ہے۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد ان شاء اللہ العزیز واپس آجائیں گے۔ اور غائبانہ اخلاص تمہارے لئے حاضر و موجودگی کی طرح کا کام کرتا ہے۔ زیادہ گفتگو دردِ سری ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اور تمہیں حضور سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا کی متابعت پر استقامت عطا کرے۔ وَ السَّلَامُ وَ الۡاِكۡرَامُ]

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ فرمان کہ ''دُنیا ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے'' ہم نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی قرآن عظیم الشان کی تلاوت کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ سورۃ الرحمٰن میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ سورج، چاند، ستارے اور درخت غرضیکہ ہر ایک چیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو سجدہ اور اس کا ذکر کرتی ہے۔ حالانکہ وہ چیزیں بھی مخلوق ہیں اور ہم بھی مخلوق ہیں، اور ہم میں دو قسم کے لوگ موجود ہیں ایک صالح لوگ جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہمہ وقت سجدہ ریز ہوتے، ذکر واذکار اور استغفار کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور دوسرے فاسد لوگ جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری، ذکر واذکار اور استغفار سے دُور بھاگنے کی وجہ سے بلا کیف اس سے دُور ہیں۔ ایسے لوگ درخت سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ درخت ہمارے لئے اُگتا ہے ہمیں پھل، سایہ اور لکڑی مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح چاند، سورج اور ستارے وغیرہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں کیونکہ یہ اس کی مخلوق ہیں۔

حقیقی ذاکر لوگ لاکھوں اور ہزاروں مرتبہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذِکر اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے جسم کے سارے ذرات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذِکر کرنے لگیں اگر ان کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف حصوں میں تقسیم بھی ہو جائے تو پھر بھی ان کے بدن کا ہر ذرّہ اور ٹکڑا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذِکر اور اس کے آگے سجدہ کرتا ہے، اس سے ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ بدترین انسان وہ ہے جو کسی انسان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع سے دور کرے، ایسے بدبخت شخص سے دُوری اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ ہم نشیں کی تاثیرات دوسرے ہم نشین میں دکھائی دیتی ہیں اگر دوست شرابی، رشوت خور اور چور وغیرہ ہو گا تو اس کے اثرات دوسرے دوست میں ضرور ظاہر ہونے لگیں گے۔

حضور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اچھے دوست اور بُرے دوست کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً۔

ترجمہ: اچھے دوست اور بُرے دوست کی مثال کستوری اُٹھانے والے اور بھٹی جھونکنے والے کی مانند ہے، کستوری اُٹھانے والا یا تو آپ کو ہدیہ میں (خوشبو) دے دے گا یا آپ اس سے خرید لیں گے یا کم از کم اچھی خوشبو تو پائیں گے، جبکہ بھٹی جھونکنے والا آپ کے کپڑوں کو جلا دے گا یا کم از کم آپ اس سے بدبو پائیں گے۔ [1]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس مثال کے ذریعہ معقول کو محسوس کے قریب کر دیا ہے۔ جس سے صحبت کے اثرات کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ جس طرح کستوری والے کے پاس بیٹھنے سے فائدہ ہی فائدہ ہے اسی طرح اچھی صحبت اختیار کرنے سے انسان خیر اور

[1] (صحیح البخاری، ج۷ ا، ص ۲۱۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بھلائی میں رہتا ہے جبکہ بھٹی جھونکنے والے کے پاس بیٹھنے سے نقصان ہی نقصان ہے اسی طرح بُری صحبت اختیار کرنے سے انسان خساری میں ہی رہتا ہے۔

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے ان کے ساتھ بیٹھنے اور ان سے محبت کرنے کی فضیلت میں کتاب وسُنت میں بہت ساری نصوص وارد ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ:

لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔

ترجمہ: صرف مؤمن شخص کی صحبت اختیار کر، اور تیرا کھانا صرف متقی شخص کھائے۔[1]

جیسا کہ عمر بن محمد البکری الیافی نے اپنی کتاب دیوان عمر الیافی میں فرمایا ہے:

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْئَالْ وَسْئَلْ عَنْ قَرِيْنِه
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِىْ

ترجمہ: کسی بھی آدمی کے بارے میں مت پوچھو! بلکہ اس کے دوستوں کے متعلق پوچھو، کیونکہ دوست اپنے دوستوں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

دور شو از اختلاطِ یارِ بد

یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

مارِ بد تنہا ہمیں بر جان زند

یارِ بد بر جان و بر ایمان زند

---

[1](سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۰۰، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)

ترجمہ: بُرے دوست کی صحبت سے دور بھاگو، کیونکہ برادوست بُرے سانپ سے بھی خطرناک اور جان لیوا ہے۔ کیونکہ سانپ کے ڈسے ہوئے کو صرف جان کا خطرہ ہے، جبکہ بُرے دوست کے ڈسے ہوئے کو جان کے ساتھ ایمان کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے سالکین کو اپنے خلفاء کی مجالس میں بیٹھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ شیخ مزمل کی صحبت سالکین کے لئے کبریتِ احمر ہے، یعنی ان کی محفل میں بیٹھنے سے آپ سونا بن جائیں گے مگر آج کل ہمارے نفس میں بغض وکینہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ اگر شیخ اپنے مُریدین سے کہے کہ میرے فلاں خلیفہ کی مجلس میں جاکر بیٹھا کریں تو بعض کہتے ہیں کہ میں تو پُرانے مریدین سے ہوں اور مجھے سلوک میں اتنے سال ہو گئے ہیں جبکہ یہ خلیفہ صاحب تو نیا، نیا صوفی بنا ہے اس لئے میں اس کی محفل میں کیوں بیٹھوں، حالانکہ اس طرح کہنا اپنے ساتھ زیادتی اور ظلم ہے، کیونکہ پیربھائی کی محفل میں توجہات حاصل کرنے کے لئے بیٹھنا ایک بہت بڑی غنیمت کی بات ہے ان کی توجہات اور کلام سے فائدہ اٹھاناچاہیئے کیونکہ اگر شیخ اس دُنیا سے رخصت ہو جائے تو ان خلفاء ہی کی صحبت مریدین کو وصول کے راستے پر گامزن رکھنے میں اہم کردار اور پُل کی سی حیثیت رکھتی ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ مُرید یہ احساس کرے کہ یہ میرے شیخ کی طرف سے مقرر کردہ خلیفہ ہے اور یہ مجھ سے زیادہ تجربہ کار، صاحبِ توجہ اور صاحبِ علم وتقویٰ ہے۔

(دارالمعــــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز دنیا اور اہل دنیا کی مذمت بیان فرمارہے ہیں کیونکہ دنیوی مال و منال، شاہی جاہ و جلال، اور عارضی عزت و شہرت وغیرہا یادِ حق سے غافل کر دیتے ہیں۔ یادِ خدا سے غافل کر دینے والی اشیاء قابلِ اعراض اور لائقِ اجتناب ہیں۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا (النجم ۲۹) سے عیاں ہے۔ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیز بھی یادِ خدا سے غافل کر دے وہی دنیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دُنیا اللہ تعالیٰ کی مغضوبہ ہونے کی وجہ سے لائقِ ملامت اور اہلِ دُنیا قابلِ لعنت ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللَّهِ۔[1] سے عیاں ہے۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں منظوم فرمایا:

اہل دنیا چہ کہین و چہ مہین
لعنۃ اللہ علیھم اجمعین

جبکہ نواہی سے اجتناب، اوامر کا اکتساب اور اعمالِ صالحہ بجالانے والے ذاکرین ایسے ازلی سعادت مند ہوتے ہیں جن کے قلوب دنیوی نجاستوں سے پاک اور محبتِ الٰہیہ سے آباد ہوتے ہیں۔ سنت و شریعت کی پابندی اور سلطان الاذکار کرنے کی بدولت ان کے جسم کا بال بال یادِ الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۵۶۱، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی -مصر)

ذراتِ وجودم ہمہ رادوست گرفت　　　باقی نماند بر من جز پوست

ان کے انفاس قدسیہ اور توجہاتِ عالیہ کی بوباس فضاؤں کو لطیف اور زمین کو شریف بنادیتی ہے اس لئے اہل اللہ کے ملبوسات متبرک اور مقامات مقدس ہوتے ہیں۔

بینہ نمبر ۱

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ ترکِ دُنیا کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی رغبت ترک ہو جائے اور ترکِ رغبت اسی وقت متحقق ہوتا ہے جب اس کا ہونا نہ ہونا مساوی ہو جائے۔ اس کا حصول اربابِ جمعیت کی صحبت کے بغیر دشوار ہے۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ جب کوئی سالک کسی اہلِ جمعیت شیخِ کامل مکمل کے زیرِ تربیت عروجی مدارج اور نزولی مراتب طے کرتا ہے تو وہ رفعِ غفلت کی بناپر ذکر سے گزر کر مذکور کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور بقول شاعر اس کی کیفیت کچھ یوں ہوتی ہے:

وہ اسے یاد کرے جس نے بھلایا ہو کبھی

ہم نے اسے بھلایا نہ کبھی یاد کیا

حضور مع اللہ بلا غیبوبۃ کے مرتبہ پر فائز المرام عارف کو اگر کسی عملِ خیر کی دعوت دی جائے تو حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ کے مقولہ کے مطابق وہ عمل خیر اس عارف کے لئے مشاہدہ میں رکاوٹ بنتا ہے، کیونکہ وہ مذکور کے جلوؤں میں محو ہوتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۴۸۱ تا ۱۴۸۳)

اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولا ساتذیھم ولاھل بیتھم اجمعین آمین

مکتوب نمبر ۱۹۸

[خانخاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس زمانہ میں فقرا کی دولت مندوں کے ساتھ آشنائی بڑی دشوار بات ہے، اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

دُعا ہے کہ فتوحاتِ مکیہ (صوفیائے کرام کے کلماتِ قدسیہ کا مطالعہ) فتوحاتِ مدینہ (اتباعِ شریعتِ مطہرہ) کی چابی اور مؤجب بنے۔ بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ آپ کا التفات نامہ گرامی جو فقرا کے نام لکھا تھا موصول ہو کر زیادتیٔ محبت کا باعث ہوا۔ تمہیں بشارت ہو، پھر بشارت ہو۔

مخدوم گرامی اس زمانہ میں فقرا کے لئے دولت مندوں کے ساتھ آشنائی اور تعارف پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر فقرا لکھنے اور کہنے میں تواضع اور حُسنِ خُلق اختیار کریں جو فقر کے لوازمات میں سے ہے تو کوتاہ اندیش لوگ بدظنی کے تحت گمان کرتے ہیں کہ فقرا لوگ لالچی اور محتاج ہیں۔ اس بدظنی میں اپنی دُنیا اور آخرت کا نقصان کر بیٹھتے ہیں، اور ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر فقرا لوگ بے نیازی کا سلوک کرتے ہیں جبکہ وہ بھی لوازماتِ فقر سے ہے تو کم فہم لوگ اپنے اوپر قیاس کرکے اسے بد خلقی قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں فقیر اور درویش بھی متکبر اور بد خلق ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ استغناء اور بے نیازی بھی فقر کے لوازمات میں سے ہے، کیونکہ ضدین کا جمع ہونا اس جگہ محال نہیں رہا۔ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کو جمع اضداد سے پہچانا۔ اگرچہ مدعیانِ عقل وفکر اس مقدمے کو تسلیم نہیں کرتے، اور محال قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کا تسلیم نہ کرنا کچھ غم کی بات نہیں۔ کیونکہ ولایت کا مقام ان کی عقل و نظر سے بلند تر

ہے۔ باقی حالات میر صاحب اور مولانا صاحب تفصیل سے عرض کر دیں گے۔ وَ السَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہوتا ہے۔]

تشریح

فتوحاتِ مکی حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ہے جو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کے موضوع پر تحریر فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوحاتِ مکی میں اپنے کشف و شہودات کو بیان فرمایا ہے تو جس وقت کوئی فتوحاتِ مکی کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ اس کی مشکلات کو فتوحاتِ مدنی کے ذریعے حل کرے اور فتوحاتِ مدنی سے ہماری مراد شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے۔یعنی سالک سوچے کہ یہ کشف وشہود کون سی حدیث کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، اگر کوئی کشف و شہود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی احادیث کے ساتھ مطابقت نہ رکھے تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ جو کوئی بھی فتوحاتِ مکی کا مطالعہ کرے اس کے پاس استدلال کے طور پر احادیثِ مبارکہ کی کتب کا ہونا ضروری ہے، اور اگر کسی کے پاس ذخیرۂ حدیث اور استدلالِ حدیث نہ ہو اور نہ ہی احادیث تلاش کرنے کی لیاقت رکھتا ہو تو ایسے شخص کو ان علماء کی جانب رجوع کرنا چاہیئے جو علمِ ظاہری اور علمِ باطنی یعنی تصوف پر عبور رکھتے ہوں اور اگر ایسے حالات وسہولیات میسر نہ ہوں تو فتوحاتِ مکیہ یا اس جیسی سُکری احوال پر مشتمل دوسری کتابوں کا مطالعہ ایمان کے لئے خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شیخ اپنے مریدین سے کہے کہ آپ کا وضو ہو یا نہ ہو ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ صوفیاء کرام تو ذکر کے لئے غسل اور وضو کے ساتھ تیاری کرتے ہیں اور یہ شیخ اپنے مریدین سے کہتا ہے کہ اگر آپ کا وضو ہو یا نہ ہو ہمہ وقت

ذکر میں مشغول رہیں اور یہ سراسر حدیث کی خلاف ورزی ہے لیکن در حقیقت اس شخص نے نہ تو اس حدیث کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی حدیث کی تعلیمات سے واقف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ [1]

حدیثِ مبارکہ میں كُلِّ اَحْيَانِه سے مراد ہے ہر وقت یعنی سفر و حضر، کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، جاگنے سونے اور چلنے پھرنے، وضو اور بغیر وضو وغیرہ نیز ان سب حالتوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اور قرآن عظیم الشان کو چھونے کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعة ۷۹)

ترجمہ: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم الشان کو بغیر وضو یا جنابت کی حالت میں ہاتھ لگانے سے منع کیا گیا ہے مگر اس کے علاوہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات اور صنع میں سوچ و فکر اور قلب سے اس کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ کوئی شخص بے وضو اور جُنب ہی کیوں نہ ہو تب بھی اسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ [2]

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۲، ص ۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی)، کتاب الطھارۃ، باب الغسل مخالطۃ الجنب وما یباح لہ، الفصل الاول، ج ۱، ص ۲۵۵)

اسی لئے صوفیائے عظام اپنے مُریدین کو وضو اور بغیر وضو دونوں حالتوں میں ذکرواذکار کرنے کی تلقین فرماتے ہیں جو صوفی بھی کسی کو فتوحاتِ مکی سے کوئی مسئلہ بیان کرے تو اسے تلاش کرنا چاہیئے کہ آیا فتوحاتِ مکی کی یہ بات احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ اب احادیث کو سمجھنا تعلیم و تعلم والے کا کام ہے کہ اس کی علمی قابلیت کتنی ہے مگر صوفیاء کرام کی ہر بات اور ان کا ہر کلام احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہوتا ہے اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ فتوحاتِ مکی کی چابی فتوحاتِ مدنی ہے۔

فتوحاتِ مکی میں زیادہ تر مسائل توحیدِ وجودی کے موضوع پر ہیں تو جو صوفی فتوحاتِ مکی کا مطالعہ کرے تو اس کو سوچنا چاہیئے کہ آیا اہل سنت وجماعت اور مذاہب اربعہ کے آئمہ کرام توحیدِ وجودی کا مشرب رکھتے تھے یا توحیدِ شہودی کا تو اس وقت احادیث اور عقائد کی چابی سے یہ عقیدہ کھل جائے گا تو فوراً صوفی کو اس بات کی جانب متوجہ ہو جانا چاہیئے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ تصوف میں توحیدِ وجودی کے موضوع پر بھی بات کی گئی ہے اور اگر یہ کیفیات صوفیاء کرام پر گزری ہیں تو مجھ پر بھی آسکتی ہیں اور اگر مجھ پر یہ کیفیات وارد ہوئیں تو میں کوشش کروں گا اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاؤں گا کہ وہ مجھے اپنے فضل وکرم سے توحیدِ وجودی کی کیفیات سے توحیدِ شہودی کی کیفیات کی طرف لے جائے اور دعا کرتا رہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کتاب کو اس کے لئے سببِ اتباعِ سُنت اور مؤجبِ تعمیلِ احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بنادے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس خانِ خاناں کو نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ توحید الوجودی کے مسائل آپ کے مناسبِ حال نہیں ہیں اس لئے اس کا مطالعہ نہ کریں بلکہ ہمہ وقت سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کرتے رہیں۔

دوسری بات جو اس مکتوب میں بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی عالم یا پیر دولت مند لوگوں کے ساتھ تواضع اور عاجزی سے پیش آئے اور ان کو عزت دے تو کہتے ہیں کہ یہ دنیوی رابطے بڑھانے اور لالچ کے لئے اس طرح کر رہے ہیں اور اگر کوئی عالم یا پیر ان دولت مند لوگوں سے مستغنی ہو جائے یعنی امراء کو کسی قسم کی کوئی توجہ اور اہمیت نہ دے تو پھر کہتے ہیں کہ فلاں عالم یا پیر میں بہت غرور و تکبر ہے غرضیکہ کسی حال میں بھی عالم یا پیر کو نہیں چھوڑتے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ضدین پر عمل کرنا چاہیئے یعنی ان دونوں حالتوں میں ان امراء کے ساتھ دوستی نہیں کی جاسکتی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک حقیقی شیخ غریب کے لئے تواضع اور عاجزی اختیار کرے لیکن امراء سے مستغنی رہے اس لئے کہ اگر عالِم یا پیر امراء سے مستغنی نہ ہو اور ان کے پیچھے پیچھے دوڑے تو کچھ عرصہ تک تو یہ سلسلہ جاری رہے گا مگر ایک نہ ایک دن امراء، علماء ومشائخ کے پیچھے باتیں بنانا شروع کر دیں گے اور ہتک آمیز رویہ اپنائیں گے جس سے دین اور تصوف کی بدنامی ہوگی۔ اس لئے چاہیئے کہ امراء سے دوری اختیار کریں اور غرباء کی دعوت کو قبول کریں۔ ہاں اگر کسی امیر شخص میں دین کا شوق دیکھیں تو اس کی تالیف قلب کی نیت سے اس سے نشست وبرخاست کر سکتے ہیں لیکن وہ بھی ایک اندازے کے مطابق اور محض رضائے الٰہی کی خاطر۔

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ ایسی کتب جن کے علوم ومعارف، مکشوفات والہامات، شریعتِ مطہرہ سے بظاہر متصادم ہوں کے مطالعہ سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ توحیدِ وجودی کے احوال ومواجید پر مشتمل ہوتے ہیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات نے توحیدِ وجودی کی تعلیم وتبلیغ نہیں فرمائی۔۔۔

چونکہ یہ صوفیائے کرام کے الہامات ہیں اور الہام ظنی ہوتا ہے جبکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کے علوم وحی ہوتے ہیں اور وحی قطعی ہوتی ہے اس لئے فتوحاتِ مکیہ کی بجائے فتوحاتِ مدنیہ (احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات) کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی متابعت کا التزام کرنا چاہیئے، جو حق تعالیٰ کی رضا ومحبوبیت کا باعث ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱) سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کی معروف تصانیف لطیفہ ہیں جو وحدت الوجود کے علوم ومعارف پر مشتمل ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عربی قدس سرہٗ العزیز مقربینِ بارگاہ میں سے ہیں اس لئے ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ البتہ ان کے بیان کردہ معارفِ عجیبہ سے احتراز کرنا چاہیئے یہی احوط واسلم رستہ ہے۔

ما را با نص کار است نہ بفص فتوحاتِ مدنیہ از فتوحاتِ مکیہ مستغنی ساختہ است۔[1]

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تواضع اور استغناء کو فقر کے لوازمات قرار دے رہے ہیں۔ دراصل علمائے راسخین اور عرفائے کاملین حق تعالیٰ کے اخلاق وصفات سے متخلق و متصف ہوتے ہیں اس لئے وہ صفاتِ الٰہیہ کے مظہر ہوتے ہیں۔ بنا بریں لوگوں کی رشد وہدایت اور تعلیم وتربیت کے لئے کبھی جمالی انداز میں تواضع و محبت سے پیش آتے ہیں اور کبھی اُمراء و عمائدینِ سلطنت کے تکبر و تبختر کو روندنے کے لئے جلالی انداز میں استغناء سے پیش آتے ہیں۔

نہیں فقر و سلطنت میں کچھ امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

اس لئے جو کوتاہ بین اور حرماں نصیب اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے اہل اللہ پر حریص و متکبر ہونے کے فتوے داغتے ہیں وہ اہل اللہ سے بدگمان ہو کر دنیوی خسران اور اخروی حرمان کا شکار ہو جاتے ہیں، جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات ۱۲) سے عیاں ہے۔

بقول شاعر:

از قیاس خندہ آمد خلق را
کو چہ خود پنداشت صاحب دلق را
کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

[1] (مکتوب نمبر ۱۰۰، دفتر اول)

بینہ نمبر ۱

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارقام پذیر ہیں کہ حضرت شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول: عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ۔ اربابِ فکر و نظر کے نزدیک محال ہے، اس لئے آپ استغناء کا اظہار کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ ولایت کے اطوار، نظر و خرد سے بالا ہیں اس لئے عقلاء کی تنقید کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ حق تعالیٰ اعتبارات و شیونات، تقدیسات و تنزیہات کا مستجمع ہے۔ بنابریں اس کی صفات متغائر ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ: هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید ۳) سے عیاں ہے۔ جب بندۂ مؤمن اس کی صفاتِ متغائرہ سے متصف و متخلق ہوتا ہے، تب ہی اس پر جمع اضداد کے مقولہ کی حقیقت کھلتی ہے۔

بقول اقبال مرحوم:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۸۷ تا ۴۹۱)

مکتوب نمبر ۱۹۹

[ملا محمد امین کابلی کی طرف صادر فرمایا:

وِرد اور مشغولی کے قبول فرمانے میں جس کا انہوں نے اظہار کیا تھا۔

مبارک خط جو محبت واخلاص کی زیادتی سے بھرا ہوا اور دوستی وخلوص پر مشتمل تھا، پہنچا اور خوشی کا باعث ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو عافیت بخشے۔ آپ نے چونکہ کسی وِرد کی طلب ظاہر کی تھی، اس لئے برادرِ سعادت مند مولانا محمد صدیق کو بھیجا گیا ہے۔ تاکہ اس طریقہ علیہ کے ذکر میں آپ کو مشغول کریں، اور جو کچھ فرمائیں اس کے بجالانے میں بڑی کوشش کریں۔ اُمید ہے کہ بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ چونکہ ذکر کا تلقین کرنا صرف لکھنے سے ہی کافی نہ تھا اور حضور اور صحبت سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے برادرِ مذکورہ کو بھیجنے کی تکلیف دی گئی ہے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

ملا محمد امین کابلی نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے وِرد وذکر کی خواہش کی تھی کہ میں کیا ذکر کروں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے فرمایا کہ میں نے اپنے فلاں خلیفہ کو آپ کے پاس بھیج دیا ہے جو آپ کو ذکر کی تلقین کریں گے۔ آپ ان کی تلقین پر عمل کرتے ہوئے اس ذکر پر ہمیشگی اختیار کریں جس سے آپ کو بہت سے ثمرات حاصل ہوں گے۔ نیز سلسلۂ نقشبندیہ میں ذکرِ قلبی کے علاوہ استغفار، لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلي العظيم، ختمِ خواجگان، ختمِ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اور ختمِ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پڑھے جاتے ہیں جن کا طریقہ اور اجازت خلفاء نقشبندیہ کو عطا کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنی موجودگی میں اس کی طرف رہنمائی کر دیتے ہیں۔

سبحان اللہ شیخ ایسا ہونا چاہیئے جو اپنے خلیفہ سے فرمائے کہ فلاں جگہ چلے جائیں اور فلاں شخص کو ذکر کا طریقہ بتادیں چونکہ اس کی مناسبت آپ کے ساتھ ہے۔ آج کل اگر کوئی تصوف کا متلاشی کسی شیخ کے پاس آ جائے تو وہ شیخ یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ آیا راہِ حق کے اس متلاشی کے باطن کی نسبت میرے باطن کے ساتھ ہے کہ نہیں اور اگر نہیں تو اُسے یا تو اپنے کسی خلیفہ کے حوالہ کر دے یا پھر کسی ایسے کامل شیخ کی مجلس اختیار کرنے کا مشورہ دے جس کے ساتھ اس کی مناسبت ہو۔ اور قانون یہ ہے جس سالک کی مناسبت جس پیر یا خلیفہ کے ساتھ ہو اُسے اُسی علاقے یا جگہ میں جو پیر یا خلیفہ ہو اسی کے حوالہ کرنا چاہیئے۔ یعنی لاہور والے کو لاہور کے خلیفہ، ملتان والے کو ملتان کے خلیفہ اور کراچی والے کو کراچی کے خلیفہ کے حوالہ کرے اور اس سالک سے کہے کہ میرے اس خلیفہ نے جو چیز میرے سینے سے اخذ کی وہ اسے آپ کے قلب میں منتقل کر دے گا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسے اپنے اس فضل سے نواز رکھا ہے۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اہل اللہ کی صحبت ومجالست کی تلقین فرمارہے ہیں کیونکہ محض اوراد ووظائف سے برکات اور مطالعہ کُتب سے علوم تو حاصل ہو جاتے ہیں، مگر تزکیۂ نفس اور معرفتِ خداوندی جل سلطانہٗ اہل اللہ کی صحبت پر ہی موقوف ہے، بلکہ دوران سلوک ہر سبق کے لئے شیخ کی توجہ ضروری ہوتی ہے۔

اے عالم دانا کہ بدیں علم ضروری

نزدیک بمطلوب نہ بلکہ تو دوری

تاخانۂ دل رانہ کنی مخزنِ توحید
حق راشناسی تو بدین کنزو قدوری

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۴۹۶)

مکتوب نمبر ۲۰۰

[مُلا شکیبی اصفہانی کی طرف صادر فرمایا:

نفحات کی مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں جن کی تشریح طلب کی گئی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضور سید المرسلین اور اُن کی آلِ پاک پر صلوٰۃ وسلام کا نزول ہوتا رہے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ نفحات کی وہ عبارات جو مغلق اور مشکل ہیں کی شرح اس بنا پر چند کلمے لکھنے کی جرأت کی ہے۔

میرے مخدوم ومکرم! عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے جو بغیر کسی رہبر کے نہ چلے ہوئے راستے پر چلے، فرماتے ہیں کہ ''ان میں سے بعض کو مغلوبی نے اپنی پناہ میں نگاہ رکھا اور مستی ان کے سَر کا سائبان ہوگئی اور جو باتمیز تھا اس کے سَر کو قطع کر دیا''۔

راہِ مسلوک (جاری) سے مراد (واللہ اعلم) سلوک کا راستہ اور دس مشہور مقامات کا ترتیب وار اور مفصل طور پر طے کرنا ہے اور راستے میں نفس کا تزکیہ ُقلب کے تصفیہ پر مقدم ہے۔ اور اس میں انابت وتوبہ ہدایت کی شرط ہے۔ اور راہِ نامسلوک سے مراد جذبہ اور محبت کا راستہ ہے، اور اس میں تصفیہ ُقلب تزکیہ ُنفس پر مقدم ہے، اور یہ اجتبا کا راستہ ہے جس میں انابت وتوبہ کی شرط نہیں۔ اور یہ راستہ محبوبوں اور مُرادوں کا راستہ ہے بَرخلاف پہلے راستے کے کہ وہ محبوں اور مُریدوں کا راستہ ہے۔

تو ان میں سے بعض جو قوتِ جذبہ اور محبت کا غلبہ (کہ مغلوبی اور مستی سے یہی مراد ہے) رکھتے تھے۔ آفاقی اور اَنفسی یعنی ظاہری اور باطنی شیطانوں کی شرارت سے محفوظ رہے۔ اور ان کے بہکانے

اور گمراہ کرنے سے بچے رہے، اگرچہ ان کو کوئی رہبر نہ تھا۔ لیکن فضلِ ایزدی نے ان کی رہبری کی اور ان کے مطلوبِ حقیقی تک پہنچا دیا، اور ان میں سے جو باتمیز تھا یعنی جذبہ کی قوت نہ رکھتا تھا۔ اور محبت کا غلبہ اس کے حق میں مفقود تھا۔ چونکہ کوئی اس کا رہبر نہ تھا اس لئے دین کے دُشمنوں نے اس کو رستہ سے بہکا دیا۔، اور اس کو ہلاک کر دیا، اور اسے دائمی موت میں گرفتار کر دیا۔

اور منجملہ وہ دو تُرک تھے جن کی نسبت حُسینِ قصاب نے رمز و اشارہ سے حکایت کی ہے کہ "میں ایک بڑے قافلے کے ساتھ ایک راستہ میں جا رہا تھا کہ اچانک اس قافلہ سے دو تُرک باہر نکل گئے اور نا مسلوک راستہ کو اختیار کیا" غرض وہ رستہ جس پر بڑا قافلہ جا رہا تھا، وہ راہِ سلوک ہے جو دس مشہور مقامات کو مفصل اور ترتیب وار قطع کرنے سے طے ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر مشائخ خاص کر متقدمین اسی راستے سے اپنے مقصد تک پہنچتے ہیں، اور غیر جاری راستہ جو ان دونوں تُرکوں نے اختیار کیا اور حُسینِ قصاب نے اس راہ میں ان کی متابعت کی وہ جذبہ اور محبت کا راستہ جو اس مشہور اور جاری راہ کی نسبت وصول الی اللہ کے بہت نزدیک ہے، اور اس راہ کا مقدمہ لذت اور آرام پانا ہے۔ جو حِس سے بے حِس ہونے اور شعور سے بے شعور ہونے کا باعث ہے اور اس حالت سے رات مراد لی ہے۔ اور جب خلق سے یہ بے حس اور بے شعور ہونا حق تعالیٰ کے حضور اور شعور کو شامل ہے تو اس حضور اور شعور کو چاند کے لفظ سے بیان فرمایا۔

یہ مقام کچھ شرح چاہتا ہے گوش ہوش سے سُننا چاہیئے کہ جسد کا مدبر رُوح ہے، اور قالب کا مُربی قلب ہے۔ قوائے جسدی قوتِ روحانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور جسمانی حواس قلب کی نورانیت سے مستفاد ہیں، پس ناچار حق تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف قلب اور رُوح کو توجہ کرنے کے وقت جو طریقِ جذبہ میں لازم ہے ابتدائے حال میں کہ کمی اور نقص کا وقت ہے جسد کی تدبیر اور قالب کی

تربیت میں فتور پڑ جاتا ہے۔ جو حِس کے بے کار ہونے اور شعور سے بے خبر ہونے کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور قوے اور اعضاء کی سُستی تک پہنچا دیتا اور بے اختیار زمین پر سُلا دیتا ہے۔

اس حالت کو شیخِ اَجل شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فتوحاتِ مکیہ میں سماعِ روحی سے تعبیر کیا ہے۔ اور وہ سماع جس میں حرکتِ دوری اور رَقص ہے اس کو طبعی سماع کہا ہے۔ اور اس سے منع کرنے میں بڑا مبالغہ کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ظاہری غیبت باطنی حضور کو شامل ہے اور جسد کا بے حس ہونا شعورِ روحی پر مشتمل ہے، جس کی تعبیر چاند سے مناسب ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ چاند کا سیاہ بادل میں چھُپ جانے سے مراد صفاتِ بشریہ کا ظہور ہے۔ جو مبتدیوں کے اس حضور و آگاہی کو پَردہ میں چھُپا لیتا ہے۔ اور یہ پردہ میں آ جانا درمیانی حالات تک ہی ہے۔ کیونکہ ابتداء سے گزر کر درمیان میں آ جانے والوں کے لئے پوری پوشیدگی نہیں ہوتی صرف کچھ قدرے ہوتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان ہی معنوں سے کہا ہے کہ جب آدھی رات ہوئی پھر چاند بادل سے نکلا اور ان دو جوانمردوں کے قدموں کے نشان کو میں نے پھر معلوم کیا۔ کیونکہ حالتِ بسط میں جو حضور و آگاہی کا وقت ہے راستہ روشن ہو جاتا ہے اور مسافت زیادہ طے کی جاتی ہے۔ جب صبح ہوئی یعنی وہ غیبت و ذہول دور ہو گیا اور وہ حضور و آگاہی زیادہ ہو گئی، اور خلق کی توجہ کے ساتھ جمع ہوئی۔ اس حضور کا کنایہ آفتاب طلوع ہونے سے کیا ہے، اور پہاڑ سے مراد بشریت کا وجود ہے جو اس وقت پر ظاہر کیا گیا۔ کیونکہ اس راستے میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ کے بعد ہے اور چونکہ وہ دونوں تُرک قوتِ جذبہ اور محبت کا غلبہ رکھتے تھے۔ اس لئے بہادروں کی طرح بشریت کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ایک دم میں اُس کے اُوپر جا پہنچے۔ اور ایک قسم کی فنا سے مشرف ہوئے اور حُسینِ قصاب میں چونکہ

اس طرح کے جذبہ کی قوت نہ تھی بڑی محنت سے اس پہاڑ پر چڑھا۔ لیکن وہ بھی ان تُرکوں کی متابعت کی برکت سے میسر ہو اور نہ اس کا سر اُڑا دیتے اور ہلاک کر دیتے۔

لشکر گاہ اعیانِ ثابتہ کے مرتبہ سے مراد ہے جو حقائقِ امکانی کے تعینات اور وجوب علمی تعین کا جامع ہے کہ بے نہایت خیمے ان تعینات سے کنایہ ہے۔ اور ان کے درمیان ایک بڑا خیمہ جس کو سلطانی خیمہ کہا اس سے تعینِ علمی وجوبی کی طرف اشارہ ہے اور جب حُسینِ قصاب نے سُنا کہ وہ سلطانی خیمہ ہے تو خیال کیا کہ اب مطلب کو پہنچ گیا۔ چاہا کہ سُکر و مستی کی سواری سے جس کی مدد کے بغیر یہ راہ طے نہیں ہو سکتا۔ نیچے اُترے اور مطلوب کو پا کر آرام کرے، ابھی دایاں پاؤں (جو روح سے مراد ہے کیونکہ اس راہِ نامسلوک میں قلب و رُوح کے پاؤں سے چلتے ہیں نہ کہ علم و عمل کے پاؤں سے کیونکہ یہ راہِ سلوک سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اول چیز جو مستی سے نکلتی ہے یہی روح ہے اور پھر قالب نکلتا ہے جس سے مراد بایاں پاؤں ہے) رکاب سے نکالا ہی تھا کہ اس کے کان میں الہام پہنچا کہ سلطان خیمہ میں نہیں ہے۔ اور واقعی اسی طرح ہے اور حُسینِ قصاب چونکہ جذب کی قوت نہ رکھتا تھا، تھوڑی سی بشارت سُن کر مستی سے نکل آیا۔ اور وہ دو تُرک چونکہ جذبِ قوی اور غلبہ محبت رکھتے تھے، اس قسم کی بشارتوں پر فریفتہ نہ ہوئے، اور بہادروں کی طرح اُوپر چڑھ گئے۔ حُسینِ قصاب اگر ہزار سال تک بھی انتظار کرے ہرگز سلطان کو خیمہ میں نہ پائے گا۔ کیونکہ وہ وراء الوراء ہے۔

قولہ: گھوڑے پر چڑھ کر شکار کو گیا ہے، یعنی خوبصورت مظہروں اور جلوہ گاہوں پر بیٹھا ہے۔ اور عاشقوں کے دِلوں کو شکار کر رہا ہے، یہ آواز اور یہ بات حُسینِ قصاب کے فہم و سمجھ کے موافق تھی۔ جو تنزل کے طور پر اس سے کی گئی۔ ورنہ جس جگہ وہ ذاتِ تعالیٰ و تقدس ہے وہاں بیٹھنا اور شکار کے لئے جانا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

لاوہو زان سـرائے روز بہی

بازگشتند و جیب و کیسہ تہی

ترجمہ: لوگ لاہو (معرفت) کی پُر رونق سرا سے جیب اور کیسہ خالی لے کر واپس لوٹ آئے۔

اس عبارت سے ایک اور معنی دلِ سُست میں آئے جو مقامِ تفرد اور کبریائی کے مناسب ہیں۔ اگرچہ یہ معنی بھی اس پاک بارگاہ جل شانہٗ کے لائق نہیں ہیں لیکن دوسرے معنوں سے زیادہ بہتر اور مناسب ہیں۔ اور وہ معنی یہ ہیں کہ وہ وحدت پر جو تعین اول ہے اور مرتبہ واحدیت سے بڑھ کر ہے بیٹھا ہے اور چونکہ مرتبۂ وحدت میں تمام علمی اور عینی تعینات کا استہلاک اور فنا ہے۔ اس لئے شکار کو جو وحوش و طیور کے ہلاک کا باعث ہے۔ اس مقام کے مناسب جان کر شکار کے لئے گیا ہوا فرمایا:

شیخ محمد معشوق طوسی اور امیر علی عبو بادشاہ کی شکار گاہ میں پہنچ گئے اور اس کا شکار ہو گئے۔ لیکن معشوق طوسی زیادہ آگے اور زیادہ قریب ہے اور حُسینِ قصاب پادشاہ کے واپس آنے کی اُمید پر واحدیت کے خیموں ہی میں رہا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْمُرَادِ وَمَا فِیْهِ مِنَ الصَّوَابِ وَالسَّدَادِ۔ اور حقیقتِ مراد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس میں بہتری اور صواب اُسی کو معلوم ہے۔

میرے مخدوم طریقۂ نقشبندیہ قدس سرہم کے بزرگواروں نے اسی نامسلوک راستہ کو اختیار کیا ہے اور یہ غیر مقررہ رستہ ان بزرگواروں کے طریقہ میں مقررہ راہ بن گیا ہے۔ اور بے شمار لوگوں کو اسی راہ سے توجہ و تصرف کے ساتھ مطلب تک پہنچاتے ہیں۔ اس طریق کے لئے وصول لازم ہے۔ بشرطیکہ پیرِ مقتداء کے آداب کو مدِ نظر رکھا جائے، کیونکہ اس طریق میں بوڑھے اور جوان اور عورتیں اور بچے وصول میں برابر ہیں۔ بلکہ مُردے بھی اس دولت سے اُمیدوار ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ میں نے حق تعالیٰ سے ایسا طریق مانگا ہے جو بلاشبہ مطلوب تک پہنچانے والا ہے۔

اور حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ نے جو خواجہ نقشبند کے خلیفہ ٔ اول ہیں، اس معنی کی وضاحت کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے:

گر نشکستی دل وِدربانِ راز
قفل جہان راہمہ بکشادمے

ترجمہ: اگر راز و بھید کے دربان کا دل ٹوٹنے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں تمام جہان کے تالے کھول دیتا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَلٰی طَرِیۡقَةِ ھٰؤُلَاءِ الۡاَکَابِرِ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان بزرگواروں کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔وَالسَّلَامُ]

تشریح

نفحات الانس حضرت مولانا عماد الدین نور الدین عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک کتاب ہے جو وحدت الوجود کے قائل تھے، اس کتاب میں بعض مغلق و مشکل الفاظ درج ہیں جن کی تفصیل آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مکتوب میں بیان فرمائی ہے چاہے ان مسائل کا تعلق تصوف سے ہو یا عقائد سے۔ صوفیاء عظام اکثر عقائد اور تصوف ہی کے موضوع کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ بعض بعض فقہی مسائل پر بھی بحث کی جاتی ہے، ہماری یہاں مختصر سطریں لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس موضوع کے بعض باریک نکات کو سپردِ قلم کیا جائے تاکہ قارئین کرام کے دلوں میں پیدا ہونے والے سوالات کے جواب مل جائیں۔

بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ ہمیں رہبر یا پیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور ہم اس کے بغیر بھی چل سکتے ہیں جو لوگ اس طرح کہتے ہیں اُن کا اس سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو رہبر نہیں مانتے بلکہ اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمیں تصوف کے لئے کسی رہبر یا پیر کی ضرورت نہیں ہے۔

ایسا شخص تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا:

اول: یہ کہ ایسا شخص پیری و مُریدی سے بالکل مُنکر ہے۔

دوم: اگر پیری و مُریدی سے منکر نہیں ہے تو پھر اُسے اپنی باطنی کیفیات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

سوم: اس کو تسکینِ قلب حاصل ہوگی اسی لئے وہ کسی رہبر کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

اگر کوئی شخص سلسلہ پیری و مُریدی سے منکر ہو جیسا کہ معاندین یا دین کی سمجھ نہ رکھنے والے لوگ ہیں تو ان کی بات اس وجہ سے غلط ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو کہ اولین وآخرین پیغمبر ہیں امام الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہونے کے باوجود ہماری تعلیم کے لئے چالیس سال بعد نبوت کا اعلان واظہار فرمایا۔ دوسری بات یہ ہے جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف وحی آئی تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تین مرتبہ اپنی بغل میں لیا اور اسے تعلیمی شکل دی۔ اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مقام اور عروج حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت بلند تر ہے۔ اب جب حنفی لوگ سوال کرتے ہیں کہ آیا پیری و مُریدی ضروری ہے تو انسان کو تعجب ہوتا ہے کہ اس سائل کو آج تک کسی عالِم نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے

قول و فعل پر عمل کرنے کی تاکید اور تعلیم نہیں دی کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تو خود یہ عمل فرمایا ہے اور سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مجلس اقدسہ میں بیٹھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے فیض حاصل کیا ہے اور سب تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلسِ اقدسہ میں بیٹھ کر ان سے فیض حاصل کیا اور یہ سلسلہ تواتر سے سینہ بہ سینہ آج تک چلا آرہا ہے، اور اسی طرح علمِ ظاہری کا معاملہ بھی ہے جب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے قرآن عظیم الشان کی تلاوت فرماتے اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی رہنمائی فرماتے اور اس طرح قرآن عظیم الشان کا یہ سلسلہ تواتر سے سینہ بہ سینہ آج تک چلا آرہا ہے اب سائل کو اس میں کیا وہم ہے کہ وہ کہتا ہے کہ پیری و مُریدی جائز ہے یا نہیں۔

دوسری اہم بات استعداد کی ہے باوجودیکہ ہم میں استعداد موجود ہے مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ہماری استعداد کیا ہے۔ استعداد دو قسم کی ہوتی ہے، ایک استعداد جذب والی ہوتی ہے اور دوسری استعداد سلوک والی جو عالَمِ خلق کی ترتیب سے شروع ہو کر عالمِ اَمر میں پہنچتی ہے تو سب سے پہلے سالک کو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ میری استعداد جذبے والی ہے یا سلوک والی۔ اگر کسی سالک کی استعداد سلوک والی تھی اور پیر نے اس کی تربیت جذبے کے لحاظ سے کرسی تو اس نے اس سالک کو ترقی کرنے سے محروم کر دیا اور اگر کسی سالک کی استعداد جذبے والی تھی اور پیر نے اس کی تربیت

سلوک کے لحاظ سے کی تو اس پیر نے مُرید کی استعداد کو ضائع کر دیا۔ تو اس لئے جس پیر نے سالک کی استعداد جاننے سے پہلے مُرید کر لیا اس سالک کو ذکر دینا پیر کے جرم میں شامل ہے۔

راہِ سلوک سے مُراد قلب، روح، سِر، خفی، اخفٰی، نفسی، قالبی اور عناصرِ اربعہ ہیں اور یہ قالبی کے ساتھ متعلق ہیں اور جذبہ سے مراد یہ ہے کہ بلاواسطہ پہنچنا اگر یہ پہنچنا رہبر کے بغیر ہو تو مُرید راستے میں ہی رہ جاتا ہے یعنی اپنے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا اور اپنی استعداد کو ضائع کر دیتا ہے۔ یعنی سالک پہلے اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کی بارگاہ میں توبہ اور انابت اختیار کرے اور انابت سے مراد دستِ بیعت دینا اور قلب و نفس کو متاثر کرنا ہے یعنی جب سالک توبہ و انابت کر لے تو پھر اپنی خواہشاتِ نفسانی کو ترک کرنے اور اپنے قلب کو (اہل و عیال، مال و جائیداد اور جاہ و جلال وغیرہ کی محبت کے) زنگ سے صاف کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ محب گناہوں سے توبہ، انابت اور رجوع کرتا ہے جبکہ محبوب کی ابتداء ہی سے رجوع ہوتی ہے جس طرح کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم تھے، آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ ماں کے پیٹ میں ہی ولی تھے، جب دس سال کے ہو گئے تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایمان لے آئے۔ کیونکہ ابتداء ہی سے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا رجوع اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کی جانب تھا، تو محبوب کے بغیر کسی رہبر اور استاد کے اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کی وحدانیت اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آتا ہے۔ مختصر یہ کہ محبوب وہ ہوتا ہے جس نے کبھی بھی زنا، چوری، غیبت اور رشوت وغیرہ جیسے گناہ نہ کئے ہوں، یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالٰی نے قرآن عظیم الشان میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے جو احکامات دیئے ہیں محبوب بچپن ہی سے ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ جبکہ محب گناہوں سے آلودہ ہوتا ہے، پھر کہتا ہے کہ یا اللہ! اس سے پہلے جو گناہ مجھ سے سرزد ہو چکے ہیں میں اُن سے تیری بارگاہ میں توبہ اور معافی کا طلبگار ہوں اور آئندہ مجھے مزید گناہوں

سے بچالے۔ ہم سارا دِن بازاروں میں پھر کر فسق و فجور کرنے، نامحرم عورتوں پر نظر ڈالنے اور ان کی آوازیں سُننے جیسے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم محبوب ہیں۔ حالانکہ اس طرح کہنا بالکل غلط اور خواب خیالی ہے اس طرح کے لوگ محب ہوتے ہیں اور ان کے لئے سلوک کا راستہ طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔

(دارالمعـــرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز یہ نصیحت فرمارہے ہیں کہ راہِ سلوک کو شیخ کامل مکمل کے بغیر طے کرنا باعثِ ضلالت و گمراہی ہے کیونکہ دورانِ سلوک رحمانی خطرات، شیطانی تلبیسات اور انوار والوان کے درمیان امتیاز کرنا کسی راہ بین اور راہ دان شیخِ طریقت کا ہی کام ہے، جیسا کہ آیات کریمہ: لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ (الأعراف ۱۶) اور وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (الحجر ۳۹) اور وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا (الکھف ۱۷) سے واضح ہے۔

بقول دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

دریں ورطـــہ کشتی فروشـــد ہزار
کہ پیـــدا نشد تختـــہ بر کنـــار

جب مرشد کامل کی دستگیری نصیب ہو جائے تو اس کی صحبت وارشاد کے جملہ آداب و شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے "مردہ بدست غـــال" کے مصداق اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا چاہیئے اور ہر قسم کے اعتراض وانکار سے کلیۃً اجتناب کرنا چاہیئے، جیسا کہ آیہ کریمہ: فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ (الکھف ۷۰) سے عیاں ہے۔

بقول شاعر:

چوں گر فتی پیر را تسلیم شو
ہم چو موسیٰ زیرِ حکم خضر رو

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ سنت و شریعت کا باغی اور راہِ طریقت سے نابلد شیخ ناقص ہوتا ہے اس کی مثال نیم حکیم جیسی ہوتی ہے جو وصول الی اللہ کی راہ میں حائل اور سالکین کی طلب و شوق میں فتور کا باعث ہوتا ہے، اس کی صحبت زہرِ قاتل اور اس سے طریقہ اخذ کرنا اپنی استعداد و صلاحیت کو ضائع کرنا ہوتا ہے، وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دست نباید داد دست

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ وصول الی اللہ کے لئے تین بنیادی ارکان واساسی امور ہیں جو سالکین کے پیشِ نظر رہنے چاہئیں:

۱۔ فضلِ خدا ۲۔ شیخِ کامل مکمل ۳۔ حق تعالیٰ کا عطا فرمودہ علم و شعور

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے وصول الی اللہ کے دو رستوں کا ذکر فرمایا ہے:

اول: راہِ مسلوک دوم: راہِ نامسلوک

راہِ مسلوک کو سلوک کا رستہ کہا جاتا ہے، اور راہِ نامسلوک کو جذب کا رستہ کہتے ہیں۔ اکثر متقدمین اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے راہِ اول کے ذریعے سلوک طے کیا۔ اس رستہ میں عالمِ خلق کے لطائف سے سلوک شروع کرواتے ہیں۔ پہلے نفس کا تزکیہ کرواتے ہیں، آخر میں تصفیۂ قلب کی دولتِ قصویٰ عطا فرما دیتے ہیں۔ ریاضاتِ شاقہ، مجاہداتِ شدیدہ اور ترکِ حیوانات وغیرہا کی بنا پر اس کا دورانیہ کافی طویل ہوتا ہے۔

جبکہ راہِ دوم میں ترتیب و تفصیل نہیں بلکہ غلبۂ محبت اور جذبہ درکار ہوتا ہے۔ اس میں عالمِ اَمر کے لطائف سے سلوک شروع کرواتے ہیں۔ سنت و شریعت کا پابند بنا کر توجہات قدسیہ اور تصرفاتِ باطنیہ کے ذریعے واصل باللہ کر دیتے ہیں۔ ان ہی راہِ نامسلوک والوں کو نقشبندی بزرگ کہا جاتا ہے۔

امام الطریقہ غوث الخلیقہ حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ العزیز نے بارگاہِ قدس جل سلطانہٗ میں دو خصوصی دعائیں کی تھیں جو مستجاب ہوئیں:

۱۔ ذکرِ قلبی خفی　　　　۲۔ ایسا رستہ جو بہر حال موصل ہو

از حق سبحانہٗ و تعالیٰ طریقے خواستہ ام کہ البتہ موصل باشد۔

جانشینِ شاہِ نقشبند حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ العزیز نے خوب فرمایا:

گر نشکستے دلِ دربانِ راز
قفلِ جہاں راہمہ بکشادمے

کسی عربی دان شاعر نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

لَو مَا خَشِیتُ مَلَالَ قَلْبِ الْخَازِنِ
لَفَتَحْتُ اَقْفَالَ الْعَوَالِمِ کُلِّهَا

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۹۹ تا ۵۰۳)

مکتوب نمبر ۲۰۱

[ایک استفسار کے جواب میں کوچک بیگ حصاری کی طرف لکھا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔ جناب کوچک بیگ حصاری نے پوچھا ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ علوم سب کے سب دو تین حرفوں میں مندرج ہیں۔ اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ظاہراً اس شخص نے علم وسماع اور کتابوں کے مطالعہ کی رُو سے کہا ہو گا۔ کیونکہ متقدمین بزرگوں سے اس قسم کی باتیں سَر زد ہوئی ہیں۔

حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بِسْمِ اللّٰہِ کی بَا میں مندرج ہیں۔ بلکہ اس بَا کے نقطہ میں۔ اور اگر وہ شخص اس بات میں کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا امر دو حال سے خالی نہیں۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام علوم دو تین حرفوں میں عام طور پر مندرج ہیں، خواہ ان دو تین حرفوں کو اس کے معلوم کے ساتھ مخصوص کیا ہو یا نہ کیا ہو تو صدق کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اگر کہے کہ سب علوم کو دو تین حرفوں کے ضمن میں مجھ پر منکشف کیا ہے اور ان دو تین حرفوں کے صفحہ میں تمام علوم کا مطالعہ کرتا ہوں تو وہ جھوٹا مدعی ہے اس بات کا یقین نہ کرنا چاہیئے۔ وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی اتباع کی اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

خالقِ لایزال نے عربی زبان کے ۲۹ حروف ہجا بنائے ہیں اور ان ہی ۲۹ حروف سے پورے قرآن عظیم الشان کی عبارت بنی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی احادیث مبارکہ میں آیاہے کہ قرآن عظیم الشان کے ہر ایک طرف میں ایک ہزار تجلیات موجود ہیں تو اب اس حقیقت سے انکار ممکن نہ رہاکیونکہ اس معرفت پر حدیثِ مبارکہ وارد ہو چکی ہے۔ہاں اگر کوئی صاحبِ کشف کہے کہ میں صرف دو تین حروف میں ہی سارے علوم کامشاہدہ کرتا ہوں تو اس کا کشف ماننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اگر اس کی بات کومان لیا جائے تو پھر دوسرے حروف کے حقائق کدھر جائیں گے؟ (دارالمعرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک استفسار کا جواب مرحمت فرمارہے ہیں کہ تفصیلی علوم ومعارف وغیرہا کو اجمالاً چند حروف وظروف ونکات میں اندراج کیا جاسکتا ہے۔ جیسے بیج میں پودے کے تنے،شاخیں، پھل اور پھول پنہاں ہوتے ہیں۔خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تاجدارِ اجمیر شریف نے اناساگر کے تالاب کے سارے پانی کو کرامۃً لوٹے میں سمودیا۔[1]

(البینات شرح مکتوبات،ج۴،ص۵۰۷،۵۰۸)

اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین

آمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین وخاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

---

[1] (سیر الاخیار،ص ۲۸۲)

مکتوب نمبر ۲۰۲

[میرزا فتح اللہ خان کی طرف صادر فرمایا:

ان لوگوں کے حال پر افسوس کرنے میں جنہوں نے اپنے آپ کو ان بزرگوں کی عقیدت کی لڑی میں پرویا اور پھر بلاوجہ ان بزرگواروں سے قطع تعلق کر لیا۔

ثَبَّتَنَا اللہُ سُبحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الْمُسْتَقِیْمَۃِ الْمَرضِیَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ اور سیدھے راستہ پر ثابت قدس رکھے۔

ایک دن مشائخِ نقشبندیہ قدس سرہم کی غیرت کی نسبت گفتگو ہو رہی تھی کہ اس اثناء میں اس بات کا بھی ذکر درمیان آیا کہ اُن لوگوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے اپنے آپ کو ان بزرگواروں کی جماعت میں داخل کیا ہے یا ان کے ضمن میں اپنے آپ کو لائے ہیں۔ اور انہوں نے قبول فرمایا ہے۔ اور پھر بلاوجہ وبے سبب ان بزرگواروں سے تعلق کاٹ لیا۔ اور ظن وگمان سے دوسرے کے دامن کو جا پکڑا ہے اس ضمن میں آپ کا اور قاضی سنام کا بھی ذکر ہوا تھا۔ یہ بات ٹھیک معلوم نہیں شاید ایک لمحہ تک ہوتی رہی ہو گی۔ اور وہ بھی خاص موقعہ پر مبنی تھی۔ بعد ازاں خدا نہ کرے کہ فقیر نے کسی مسلمان کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا ہو یا دل میں کینہ چھپا رکھا ہو، اپنی خاطر شریف کو اس بات سے جمع رکھیں۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارا طریقِ دعوت اسماء کا طریق نہیں ہے۔ اس طریقہ کے بزرگواروں نے ان اسماء کے مسمّٰی میں فنا ہونا اختیار کیا ہے اور ابتداء ہی سے ان کی توجہ احدیتِ صَرف کی طرف

ہے اور اسم وصفت سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتے یہی وجہ ہے کہ اوروں کی نہایت ان کی بدایت میں مندرج ہے۔

قیاس کن زِگلستانِ من بہارِ مرا

ترجمہ: میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔

اب چونکہ اس تذکرہ نے بے شمار نقلوں کی وجہ سے ایک نئی صورت پیدا کرلی ہے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اُس طرف سے کئی قسم کی وہمی باتیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ان کے دفع کرنے کے لئے یہ چند کلمے لکھنے کی جرأت کی۔ آپ کی ناآشنائی سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی آپ کی آشنائی سے کچھ نقصان پہنچتا ہے، صرف آپ کی خیر خواہی ملحوظ و منظور تھی لیکن اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (جو اپنے ضرر پر آپ راضی ہو وہ شفقت و مہربانی کا مستحق نہیں ہوتا) مثل مشہور ہے۔ یقیناً جان لیں کہ اُس فقیر نے آپ کے ضرر کا ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی ان شاء اللہ تعالیٰ کرے گا۔ وہ تو صرف ایک بات تھی جو از روئے غیرت کے جو درویشوں کو ہونی چاہیئے، مناسب موقع پر کہی گئی تھی، دل میں کسی قسم کے فکر کو دخل نہ دیں۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانے اس کا امر دو حال سے خالی نہیں ہے، یا وہ زندیقِ محض ہے یا جاہلِ صَرف۔ چند سال ہوئے کہ اس فقیر نے اس سے پہلے بھی فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے بارہ میں ایک مکتوب آپ کی طرف لکھا تھا پھر تعجب کی بات ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد بھی آپ اس قسم کی باتیں پسند کرتے ہیں۔ وہ شخص جو حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل کہے اہل سنت وجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنے آپ کو افضل جانے۔ اور

اس گروہ میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خسیس کُتے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے۔

سلف کا اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام انسانوں سے افضل ہیں، وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے بر خلاف کرے۔

اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل وحشی جو ایک مرتبہ خیر البشر علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں پہنچا، اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو خیر التابعین ہیں کئی درجے بہتر ہے۔

پس ایسے شخص کے حق میں اس قسم کی باتوں کا خیال کرنا عقل دور اندیش سے دور ہے جس عبارت سے لوگوں کے دلوں میں یہ وہم پیدا ہوا ہے اس کو غور سے دیکھنا چاہیئے اور اصل معاملہ کو سمجھنا چاہیئے۔ صرف حاسدوں کی تقلید کرنی مناسب نہیں۔ حالانکہ مشائخ نے غلبہ سُکر میں بہت نامناسب باتیں کہی ہیں، چنانچہ شیخ بسطام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ تو ایسی باتوں سے افضل ہونے کا گمان نہیں کرسکتے کہ یہ عین بے دینی ہے، اور فقیر کے کلام میں تو اس قسم کی باتوں کا ذکر تک بھی نہیں ہے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

جن مُریدین نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے بیعت ہونے کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو چھوڑ کر دوسرے کے دامن کو جا پکڑا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ان مریدین کو خط میں تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے سلسلہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں

داخل ہونے کا ارادہ کرے تو ہم اپنی مرضی سے نہ تو اسے قبول کرتے ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں اسے داخل کرتے ہیں جب تک کہ اس پر استخارہ نہ کر لیں تو جب میں نے بعد از استخارہ آپ کو قبول کر لیا اور اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا تو آپ نے بلاوجہ اور بے سبب مجلس کو کیوں ترک کر دیا۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ان کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے خواص میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے مُریدین کو تسلی دیتے ہیں کہ ان کے دِلوں میں مُریدین کے لئے کوئی کینہ و کدورت نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی یہ نیت ہوتی ہے کہ ان کی وجہ سے کسی مسلمان کی دل آزاری ہو یا اسے تکلیف پہنچے کیونکہ اولیاء اللہ کے خواص میں یہ بات شامل ہے کہ جو ان کی محفل میں نہ بھی آئے اس سے ناراض نہیں ہوتے بلکہ اس کی ہدایت اور ثابت قدمی کے لئے دُعا گو رہتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے ان مُریدین سے ایک اہم بات یہ فرماتے ہیں کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں اسماء الحسنٰی کے خواص کی طرف دعوت نہیں دی جاتی کہ سالکین اللہ الصمد، آیت الکرسی یا سورۃ الاخلاص کے خواص واثرات کے درپے رہیں بلکہ ان کی دعوت تو مسمّٰی کے لئے ہوتی ہے جو کہ ذاتِ بحت ہے لیکن آج کل اکثر لوگ اس لئے مرید بنتے ہیں کہ فلاں اِسم کا ورد کروں تاکہ میرا رزق فراخ ہو جائے یا میں لوگوں کو مسخر کروں، اگر طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں کوئی رزق کی فراخی اور تسخیرِ مخلوق کے لئے ذکر کرے تو یہ بہت بُرا عمل شمار ہوتا ہے کیونکہ ذکر واذکار کرنے سے ہمارا مقصد صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے نہ کہ دُنیوی اُمورات کا حصول۔

جس وقت سالک اسماء اور ان کی کیفیات کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس وقت مؤکلاتِ شیطانی اس پر حملہ کرتے ہیں اور اسے ورغلاتے ہیں کہ تم سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہتر ہو نیز اسماء الحسنٰی کے وظیفے میں مصروف کرکے شیطان سالک کو اس کے اصل کام سے ہٹا دیتا ہے اور سالک رضائے الٰہی والے کام کو چھوڑ کر دُنیاوی لالچ و حرص میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے صوفیوں کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی ہدایت دے، آمین۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں اگر کوئی خلیفہ یا مُرید اپنے آپ کو خسیس کُتے سے بھی بدتر نہ جانے تو وہ اس طریقہ کے مشائخ کے کمالات سے فیض یاب نہیں ہو سکتا کیونکہ خسیس کُتا بھی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مخلوق ہے جو کہ اپنے مالک کا بے حد وفادار ہوتا ہے اس کے مالک کے گھر میں اگر کوئی شخص دو تین دفعہ آجائے تو پھر یہ اسے نہیں کاٹتا بلکہ اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ کوئی خلیفہ یا مُرید اپنے دل میں یہ بات نہ لائے کہ میں فلاں شخص سے بہتر ہوں بلکہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ عاصی، فاسد اور بدتر جانے۔ تاکہ اس کے نفس کا تکبر، عجز وانکساری میں تبدیل ہو۔

ایک فاسق اور شرابی شخص کے دل میں بھی کبھی نہ کبھی یہ خیال ضرور آتا ہے کہ میں بہت گنہگار اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا مجرم ہوں، اس لئے وہ توبہ کا راستہ اختیار کرتا ہے مگر ایک عالم اور صوفی کے دل میں جب شیطان یہ وسوسہ ڈال دے کہ تم سب سے بہتر ہو تو اس کا یہ تکبر اسے توبہ کے راستے کی طرف نہیں جانے دیتا۔ اگر ایک سالک نے کسی شیخِ کامل و مکمل کے ساتھ بیعت کی تو اس کی بیعت کا یہ سلسلہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شاہی قصرات سب کچھ مہیا

ہو سکتے تھے مگر جو لوگ غریب ہوتے تھے یہ اُن کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکثر یہ بات کہتے کہ کاش ہم درخت یا پتھر ہوتے باوجود اس کے کہ ان کو دُنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد دُنیا میں افضل ترین شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں مگر پھر بھی ان میں انتہائی درجہ کی عجز وانکساری تھی۔ مگر آج اگر کوئی عالم، خلیفہ یا مُرید اس طرح کہے کہ میں فلاں فلاں سے بہتر ہوں تو شاید اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو آزمائش میں ڈال دے اور پھر وہ خود اپنے آپ کو سب سے بدترین سمجھنے لگے۔ صوفیاء کرام کو چاہیئے کہ کبھی کبھار اپنے آپ کو ملامت بھی کر لیا کریں، مثال کے طور پر کسی دن دورانِ نماز اپنے آپ کو بے وضو ظاہر کر کے صف سے نکل پڑے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے تا کہ نفس کو شدید دھچکا لگے اور وہ ذلیل وخوار ہو جائے۔

مگر خیال رہے کہ خلافِ شرعی اُمورات کا مرتکب نہ بنے جس طرح کہ فرقۂ ملامتیہ اپنے آپ کو ملامت کرنے کے لئے شریعت کی خلاف ورزیاں کرنے لگتے ہیں۔

(دار المعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز خواجگانِ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غیرت کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ جب کوئی سالک کسی نقشبندی شیخ کے زیرِ تربیت یا زیرِ ضمنیت ہو اور وہ شیخِ گرامی اس کی روحانی آبیاری اور باطنی تربیت میں گہری دلچسپی بھی لے رہا ہو پھر مرید بغیر کسی وجہ کے قطع تعلق کر کے کسی اور سلسلہ میں داخل ہو جائے تو اس کی منزل کھوٹی اور روحانی موت واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اہل اللہ والدین کی طرح غیرت مند ہوتے ہیں۔ خصوصاً خواجگانِ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

نسبتِ صدیقی کے حامل ہونے کی وجہ سے فیوض وبرکات کے بحرِ ذخار ہوتے ہیں، اس لئے یہ گوارا نہیں کرتے کہ ان کا کوئی فقیر بحرِ بیکراں کو چھوڑ کر ندی نالوں کی طرف متوجہ ہو، امام الطریقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ الساری نے ایسی غیرت سکھائی کہ ان کے مرید نے ڈوبتے ہوئے بھی اپنی جان بچانے کی خاطر سیدنا خضر علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہاتھ نہیں دیا۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ نقشبندیوں کا راندہ کسی در سے فیض نہیں پا سکتا، وہ عمر بھر یونہی دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرے گا، یہ نقشبندی غیرت کا فیصلہ ہے۔ البتہ کسی دوسرے سلسلے کا مرید کسی معقول وجہ سے عقیدت توڑ کر نقشبندیوں کی غلامی کا قلادہ زیبِ گلو کرلے تو فیض وبرکت سے محروم نہیں رہے گا، کیونکہ نقشبندی مَلَحَ المشائخ ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ سلسلۃ الذہب ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں سابق مشائخ کرام نیچے والوں کو براہِ راست قبورِ مقدسہ سے فیض دیتے ہیں اس لئے ان میں حصولِ فیض، بطریقِ اویسیت کا غلبہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں اکثر شجرۂ اویسیہ پڑھا جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے سے جمیع اکابرینِ سلسلہ کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور شیخ کی ناراضگی سے سلسلہ کے تمام بزرگ ناراض ہو جاتے ہیں اور اپنے شیخ سے عقیدت میں فرق باعثِ گمراہی اور موجبِ رسوائی ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللہِ سُبْحَانَہٗ

بینہ نمبر ۴

یاد رہے کہ غیرتِ مذموم، لائقِ ملامت ہے جبکہ غیرتِ محمود قابلِ مدحت ہے، جو اربابِ تزکیۂ نفوس اور اصحابِ تصفیۂ قلب کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقتِ نقشبندیہ کا اختصاص و امتیاز بیان فرما رہے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ دعوتِ اسماء کا نہیں بلکہ مسمّٰی کا ہے۔ نقشبندی سالکین تکرارِ اسماء کے ذریعے اشیائے ممکنات اور تسخیرِ کائنات طلب نہیں کرتے بلکہ ان کا مقصود و مرام ذات حق تعالٰی ہوتا ہے، بنا بریں دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں درج کر دی گئی ہے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ حق تعالٰی کے اسماء وصفات کا ذکر و تکرار کرنے والے دو قسم کے طبقات ہیں۔

طبقۂ اولٰی

طبقۂ اولٰی کے ذاکرین اسمائے الٰہیہ کا اس لئے ورد کرتے ہیں تا کہ ان اسماء کے خواص حاصل ہو جائیں، چنانچہ اس قسم کے لوگ یَا صَمَدُ کا وظیفہ تسخیرِ کائنات کے لئے یَا بَاسِطُ کا تکرار وسعتِ رزق کے لئے کرتے ہیں۔

طبقۂ ثانیہ

طبقۂ ثانیہ کے ذاکرین اسماء باری تعالٰی کا تکرار اس لئے کرتے ہیں تا کہ انہیں ذاتِ بحت جل سلطانہٗ تک رسائی نصیب ہو جائے۔

بینہ نمبر ۲

حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفۂ خاص آلومہار شریف فرمایا کرتے تھے کہ ہم سے تسخیرِ کائنات کا وظیفہ نہ مانگو بلکہ ہم سے تسخیراتِ ذات جل سلطانہ کا طریقہ پوچھو۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر ذہن نشین رہے کہ جو شخص ہر قسم کی تعلیمات و تفہیمات اور تنبیہات کے باوجود اپنے غلط مؤقف و عمل پر مصر رہے۔ "زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مصداق سنی ان سنی کر دے وہ قابلِ رحم والتفات نہیں ہوتا، جیسا کہ اَمَّا الرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ مثل مشہور ہے۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز خلیفۂ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد افضلیت پر اجماعِ اُمت بیان فرمارہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلۂ افضلیتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مسئلہ میں سہولت رہے۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

حضرت علامہ جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام پذیر ہیں:

و الامام بعد النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله و اصحابه و سلم أبو بكر رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه ثبتت إمامته بالإجماع ثمّ عمر الفاروق رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه ثمّ عثمان ذو النورين رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه ثمّ عليّ المرتضٰی كرّم اللّٰہ وجهه و الأفضلية بهٰذا الترتيب و معنى الأفضلية أنه أكثر ثوابًا عند اللّٰہِ تبارک وتعالیٰ لَا أنه اعلم و أشرف نسبًا و ما أشبه ذالک۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد امامِ برحق حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ کی امامت اجماع سے ثابت ہوچکی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بالترتیب امام ہوئے اور افضلیت اسی ترتیب کے مطابق ہے اور افضلیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ثواب پانے والے ہیں نہ کہ اس معنی میں کہ وہ سب سے زیادہ عالم اور نسبًا اعلیٰ و معزز ہیں وغیرہا۔ [1]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

اَجْمَعَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَماعَةِ عَلٰى اَنَّ اَفْضَلَ الصِّحَابَةِ أَبُوْبَكْرٍ فَعُمَرُ فَعُثْمَانُ فَعَلِيٌّ رضى الله تعالیٰ عنهم۔

اہل سنت وجماعت کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، ان کے بعد عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ [2]

حضرت علامہ ابوالحسن دوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَلِلصِّدِّيْقِ رُجْحَانٌ جَلِيٌّ
عَلَى الْاَصْحَابِ مِنْ غَيْرِ احْتِمَالٖ

یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بغیر کسی شک واحتمال کے افضلیت حاصل ہے۔ [3]

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الإِمَام الْحق بعد رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عندنَا وَعند الْمُعْتَزلَة وَأكْثر الْفرق أَبُو بكر وَعند الشِّيعَة عَليّ رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ وَلَا عِبْرَة۔

---

[1] (العقائد العضدیہ)
[2] (شرح فقہ اکبر، ص ۱۱۹)
[3] (قصیدہ بدء الامالی)

یعنی ہم اہل سنت وجماعت معتزلہ اور اکثر فرقوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد امامِ برحق سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جبکہ شیعہ کے ہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ [1]

حضرت امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

نثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أولاً لأبي بكر الصديق رضي الله عنه، تفضيلاً له وتقديماً على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم لعثمان بن عفان رضي الله عنه، ثم لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون۔

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دیتے ہوئے اور تمام امت سے مقدم سمجھتے ہوئے سب سے پہلے خلافت کا اثبات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کرتے ہیں، پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اور پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اور وہ خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں۔ [2]

حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا سبب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ذكر المحققون أن فضيلة المبحوث عنها في الكلام هى كثرة الثواب أي عظم الجزاء على أعمال الخير لا شرف النسب وإلا لزم أن يكون ولد النبي أفضل من النبي الذي ليس أبوه نبيًا ولا كثرة الطاعات الظاهرة لأن الثواب ليس على حسب مقدارها لأن إنفاق أحدنا جبل أحد ذهبًا لا يبلغ مدّ الصحابة ولا نصيفهم كما في الحديث الصحيح والسِرُّ في ذالک أن

---

[1] (شرح المقاصد في علم الكلام، ج ٢، ص ٢٨٥، الناشر: دار المعارف النعمانية -باكستان)

[2] (التعليقات الاثريه على عقيدة الطحاوية، ج ١، ص ٥٣)

أصل الخير هو الإخلاص في العمل و محبة الحق سبحانهٗ و دوام الحضور معه وهی أمور باطنة و لذا قال بَکر بنُ عبدالله المزني مافضلکم أبو بکر بصومٍ و صلاةٍ و لٰکن بشيئ في قلبه، إنتهٰی فلا یخفی أن کثرة الثواب لا تعلم إلا بأخبار الشارع و لا مدخل فیها للعقل و المناقب الظاهرة۔

یعنی محققین نے بیان کیا ہے کہ کلام میں مبحوث عنہا کی فضیلت کثرت ثواب ہے یعنی اعمالِ خیر پر جزاء کی زیادتی نہ کہ نسبی شرف ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اس نبی کا بیٹا افضل ہو اس نبی سے کہ جس کا باپ نبی نہیں ہے اور نہ ہی ظاہری اطاعت کی کثرت باعثِ فضیلت ہے۔ کیونکہ ثواب مقدار کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمارا جبل احد کے برابر سونا خرچ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مد اور نصف مُد کو بھی نہیں پہنچتا۔ جیسا کہ حدیثِ صحیح میں ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ نیکی کی اصل عمل میں اخلاص، حق سبحانہٗ کی صحبت اور دوامِ حضور مع اللہ ہے اور یہ تمام باطنی امور ہیں اسی لئے بکر بن عبد اللہ مرنی نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کثرتِ صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں بلکہ جو چیز ان کے قلب مبارک میں ہے اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ کثرتِ ثواب تو حضرت شارع کے آگاہ فرمانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں عقل اور ظاہری مناقب کا کوئی دخل نہیں ہے۔[1]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

افضلهم علی ترتیب الخلافة و المراد بالأفضلیة أکثر الثواب۔

یعنی چاروں خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے اور یہ افضلیت کثرتِ ثواب کی وجہ سے ہے۔[2]

---

[1](النبراس، ص ۲۹۹)

[2](تکمیل الایمان)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

أبو بكر الصديق إمام حق بعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و سلم ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله تعالىٰ عنهم۔۔۔ و لا نعني الأفضلية من جمع الوجوه حتى يعم النسب و الشجاعة و القوة و العلم و أمثالها بل هى عظم نفحه في الاسلام فأمير أمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و سلم و زيراه أبو بكر و عمر بإعتبار الهمة البالغة في إشاعة الحق فإن للنبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و سلم وجهين وجه يا خذ عن الله و جه يعطي الخلق و لهما في العطاء للخلق تاليفًا للناس و جمعًا لهم و تدبيرا للحرب يدٌ طولى۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد امام برحق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ہماری مراد افضلیت من جمیع الوجوہ نہیں ہے، جو نسب، شجاعت، قوت اور علم وغیرہا کو عام ہو۔ بلکہ افضلیت اسلام میں عظیم خدمات کی وجہ سے ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کے لئے امیر اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وزیر اشاعتِ حق (اسلام) میں ہمت بالغہ کے اعتبار سے حضرات ابو بکر صدیق اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دو جہتیں ہیں ایک جہت سے اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں، دوسری جہت سے مخلوق کو عطا فرماتے ہیں۔ لوگوں کی جمع و تالیف اور حربی تدبیر کے لئے اعطائے خلق میں ان دونوں حضرات کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ [1]

---

[1] (العقيدة الحسنة)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

امام بر حق و خلیفۂ مطلق بعد حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب است رضی اللہ تعالیٰ عنہ وافضلیت ایشان بترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ وتابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر آئمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است شیخ ابو الحسن اشعری کہ رئیس اہل سنت است فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است انکار نہ کند افضلیت شیخین را بر باقی صحابہ مگر جاہل یا متعصب حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ می فرماید کہ کسے کہ مرا بر ابی بکر و عمر فضل بدہد مفتری ست اورا تازیانہ زنم چنانکہ مفتری را زنند۔

یعنی حضرت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد امامِ بر حق اور خلیفۂ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان خلفاء راشدین کی افضلیت ترتیبِ خلافت کے لحاظ سے ہے۔ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے ثابت شدہ ہے۔ چنانچہ اسے اکابر آئمہ نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ رئیس اہل سنت شیخ ابو الحسن

اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ افضلیت شیخین باقی تمام امت پر قطعی ہے، دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افضلیتِ شیخین کا سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔[1]

قال علي: لا يفضلني أحد على أبي بكر وعمر إلا جلدته حد المفتري۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھے حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اسے اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو (۸۰ کوڑے) لگائے جاتے ہیں۔[2]

ایک اور مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں اپنے آپ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جاننے والا زندیق یا جاہلِ مطلق ہے۔

شخصے کہ خود را از حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل داند امر او از دو حال خالی نیست زندیق محض است یا جاہل صرف۔[3]

قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، وَخَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ عُمَرُ۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے افضل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔[4]

---

[1] (مکتوبات شریفہ، دفتر دوم، مکتوب ۶۷)
[2] (کنز العمال، ج ۱۳، ص ۲۵، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)
[3] (مکتوب نمبر ۲۰۲)
[4] (سنن ابن ماجه، ج ۱، ص ۷۸، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

بعض الشِّيعَة المنصفين کَعبد الرَّزّاق فَإِنَّهُ قَالَ أفضل الشَّيْخَيْنِ بتفضيل عَلِيّ إِيَّاهُمَا على نَفسه وَإِلَّا لما فضلتهما كفى بِي وزرا أَن أحبه ثمَّ أخالفه۔

ترجمہ: یعنی اکابرین شیعہ میں سے عبد الرزاق نے کہا میں شیخین (حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو اس لئے افضل کہتا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے آپ سے افضل کہا ہے میرے گنہگار ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کا دعویٰ بھی کروں اور پھر ان کے اقوال کی مخالفت بھی کروں۔ [1]

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہل سنت وجماعت کی علامات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مِنْ عَلَامَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَمُحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ۔

شیخین کریمین کی فضیلت اور دونوں دامادوں (حضرات عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی محبت اہل سنت کی علامت ہے۔ [2]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت دینے والا اہلِ سُنت سے خارج ہے۔

کسیکہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق گوید از جرگۂ اہل سنت می براید۔ [3]

---

[1] (الصواعق المحرقة، ج ا، ص ۱۸۰، الناشر: مؤسسة الرسالة-لبنان)
[2] (النبراس، ص ۳۰۲)
[3] (مکتوب نمبر ۲۰۲)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک افضلیت شیخین اور افضلیت عثمان کا منکر بدعتی، گمراہ اور یزید بدنصیب کا ساتھی ہے۔

بالجملہ افضلیتِ شیخین یقینی است و افضلیتِ حضرت عثمان دون او ست اما احوط آن ست کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکہ منکر افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع وضال دانیم۔۔۔واین منکر قرین یزید بے دولت است۔[1]

بینہ نمبرا

واضح رہے کہ خلیفۂ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتقٰی، اکرم، اعظم درجۃ، ارحم، افضل الامۃ، اعلم، اعلم بالسنۃ، اشجع جیسے اسمِ تفضیل کے صیغوں سے ملقب ہیں۔

جیسا کہ درج ذیل آیاتِ کریمہ، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال علماء سے بالترتیب ثابت ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (الليل ١٧)

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ١٣)

أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (التوبة ٢٠)

أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ۔[2]

سمعت أبا جحيفة يقول: دخلت على علي فقلت: يا أفضل الأمة بعد نبيها، فقال: مهلا يا أبا جحيفة أخبرك بأفضل الأمة بعد نبيها؟ قلت: نعم، بأبي و أمي. قال: أبو بكر۔[3]

كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا۔[1]

---

[1](مکتوب نمبر ٢٦٦)

[2](سنن الترمذی، ج٥، ص ٦٦٤، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

[3](المعجم الاوسط، ج ٢، ص ٢٧٢، الناشر: دار الحرمين - القاهرة)

أَنَّهُ كَانَ أَعْلَمَهُمْ بِالسُّنَّةِ۔ [2]

قَالَ علِيّ وَ أنه أشجع الصحابة رضي الله عنهم۔ [3]

هو أعلم الصحابة على الإطلاق۔ [4]

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ صوفیائے محققین کے نزدیک بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیم پر اجماع ہو چکا ہے۔

جیسا کہ صاحب التعرف ارقام پذیر ہیں:

اَجْمَعَ الصُّوْفِيَةُ عَلٰى تَقْدِيمِ اَبِىْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ عَلِيٍّ رضي الله تعالىٰ عنهم۔ [5]

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو سمجھا رہے ہیں کہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے جھنڈے کو لوائے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بلند تر کہہ دیا پھر بھی ہم ان سے بدگمان ہو کر رشتۂ ارادت اور ناطۂ عقیدت منسلک رکھتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر شیخِ بسطامی کی افضلیت کا قول نہیں کرتے بلکہ اسے سُکرِ وقت اور بیانِ حال پر محمول کرتے ہیں۔

فقیر کی عبارت میں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر افضلیت دینے والی کوئی بات نہیں اس لئے حاسدین کی باتوں پر اعتماد کر کے روحانی تعلق منقطع کر لینا مناسب نہیں۔ عبارت کا

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۲، ص ۲۶۸، المكتبة الفاروقية)

[2] (المدخل إلى السنن الكبرى، ج ۱، ص ۱۱۸، الناشر: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي -الكويت)

[3] (تاريخ الخلفاء، ج ۱، ص ۳۳، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز)

[4] (الصواعق المحرقة، ج ۱، ص ۸۵، الناشر: مؤسسة الرسالة -بيروت)

[5] (النبراس، ص ۳۰۳)

بغور مطالعہ کرکے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں اور معاندین کی اندھی تقلید سے اجتناب کریں کیونکہ اس قسم کی تقلیدِ مذموم، باعثِ ہلاکت اور لائقِ مذمت ہوتی ہے۔

بقول کسے:

خلق را تقلید شاں بر باد داد

صد ہزاراں لعنت بر آن تقلید باد

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۱۲تا ۵۲۶)

مفتاح السلوک، جلد ہفتم میں ہے:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا بیان

بعض علماء حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت سے انکار کرتے ہیں حالانکہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مبارک فرماتے ہیں:

لا اجد احدًا فضلنی علیٰ ابی بکرٍ و عمر اا لا جلدته حدّ المفتریّ۔

یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے، اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسّی کوڑے ماروں گا۔[1]

عن علیٍّ رضی اللہ عنہ قال خیر النّاس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکرٍ و خیر النّاس بعد ابی بکرٍ عمر۔

یعنی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔[1]

---

[1](دارالقطنی، صواعق، محرقہ ص ۶۰)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں :

كنّا معاشر اصحاب رسول الله ﷺ و نحن متوافرون نقول افضل هٰذه الامّة بعد نبيّنا ابو بكر ثم عمر ثم عثمان رواه ابن عساكر۔

یعنی ہم صحابہ رسول کا گروہ اور ہم وافر تعداد میں ہوتے تھے، کہا کرتے تھے کہ اس امت میں ہمارے نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔[3]

نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا منع تھا۔یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے اس حدیث میں مذکور اجماع کو تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله ﷺ كنّا نخير تصريح على الاجماع۔

یعنی اس حدیث کے الفاظ کنانخیر میں اجماع پر تصریح موجود ہے۔[4]

---

[1](ابن ماجہ حدیث رقم ۱۰۶، مسند احمد حدیث رقم ۸۳۶)

[2](بخاری حدیث رقم ۳۶۹۷،ابو دائود حدیث رقم ۴۶۲۷)

[3](مرام الکلام ص ۱۴۶ از علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ)

[4](مراحم الکلام ص ۴۶)

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے الفصل الاول فی الاجماع کا عنوان قائم کر کے سب سے پہلے اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نقل فرمایا ہے۔[1]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں:

وعنہ قال اجتمع المہاجرون والانصار علیٰ ان خیر ھذہ الامّۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر و عثمان۔

یعنی تمام مہاجرین اور انصار کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم۔[2]

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر الصّدّیق رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ثم عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ ثم علیّ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ۔[3]

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل سنت کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ شیخین کو افضل مانا جائے اور ختنین سے محبت کی جائے۔ گویا یہ مسئلہ امام صاحب کے نزدیک قطعی ہے اسی لئے اس کا منکر سنیت کی علامت کھو بیٹھتا ہے۔

---

[1] (مطلع القمرین قلمی ص ۶۷)
[2] (مرقاۃ جلد ۱۱ ص ۳۳۴)
[3] (فقہ اکبر مع شرح ص ۶۱، ۶۲)

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی کلامہ دلالۃ علیٰ انّ من فضل علیّا علی الشّیخین فھو خارج من اھل السنّۃ والجماعۃ۔

یعنی امام صاحب کے کلام میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل کہا وہ اہل سنت سے خارج ہے۔ [1]

تمام علماء و صوفیاء اہلسنت کا اجماع:

امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اتّفق اھل السّنّۃ انّ افضلھم ابو بکر ثم عمر۔

یعنی اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ۔ [2]

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجمع اھل السنۃ ان افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیّ ثم سائر العشرۃ ثم باقی اھل البدر ثم باقی اھل احد ثم باقی اھل البیعۃ ثم باقی الصحابۃ ھٰکذا حکی الاجماع علیہ ابو منصور البغدادی۔

یعنی اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی رضی اللہ عنہ، پھر باقی عشرہ

---

[1] (الطریقۃ الاحمدیہ فی حقیقۃ القطع بالافضلیہ ص ٦)

[2] (شرح نووی ج ٢ ص ٢٧٢)

مبشرہ پھر باقی اہل البدر، پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعتِ، پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم۔ ابو منصور بغدادی نے بھی اسی ترتیب پر اجماع نقل کیا ہے۔ [1]

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

ھو افضل الاولیآء من الاوّلین والاخرین وقد حکی الاجماع علیٰ ذٰلک ولا عبرۃ بمخالفۃ الروافض ھنالک۔

یعنی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اگلے پچھلے تمام اولیاء سے افضل ہیں، اس پر اجماع ہے اور اس کی مخالفت کرنے والے رافضی ہیں۔ ان کی مخالفت کا یہاں کوئی اعتبار نہیں۔ [2]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل نہ ماننے والا رافضی ہے اور اس کا عقیدہ خبیث ہے۔ [3]

امام ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفی الروافض انّ من فضل علیّاً علیٰ الثلاثۃ فمبتدع۔

یعنی روافض کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جس نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تین خلفاء پر فضیلت دی تو وہ بدعتی ہے۔ [4]

اس عبارت میں ایسے تفضیلیوں کو رافضی کہا گیا ہے۔ تبیین الحقائق میں بھی یہی عبارت ہے:

وفی الروافض انّ من فضل علیّاً علیٰ الثلاثۃ فمبتدع۔ [5]

---

[1](تاریخ الخلفاء ص ۳۷)

[2](شرح فقہ اکبر ص ۶۱)

[3](الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۸)

[4](فتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۰)

[5](تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۳۵)

امام سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انّ رافضی اذا کان یسبّ الشیخین ویلعنھما فھو کافر وان کان یفضل علیا علیھما فھو مبتدع۔

یعنی رافضی اگر شیخین کو گالی دیتا ہو اور ان پر لعنت بھیجتا ہو تو کافر ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو تو بدعتی ہے۔ [1]

[1] (فتاویٰ شامی ج۳ص ۳۲۱)

مکتوب نمبر ۲۰۳

[ملا حُسینی کی طرف صادر فرمایا:

اس بزرگ گروہ کی محبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ان کا ہم نشین بد بختی سے محفوظ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَحۡسَنَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَحۡوَالَکُمۡ وَ اَصۡلَحَ سُبۡحَانَہٗ اَعۡمَالَکُمۡ وَ اٰمَالَکُمۡ۔

اللہ تعالیٰ آپ کے احوال کو اچھا کرے اور آپ کے اعمال اور اُمیدوں کو نیک کرے۔

آپ کا مکتوب شریف جو فقراء کی محبت کی خبر دے رہا تھا اس کے پہنچنے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ اس بلند گروہ کی محبت کو دن بدن زیادہ کرے، اور ان کی نسبتِ نیازمندی کو سرمایۂ روزگار بنائے اَلۡمَرۡءُ مَعَ مَنۡ اَحَبَّ کے بموُجب ان کا مُحب ان ہی کے ساتھ ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین بدبخت نہیں ہو سکتا۔

حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سوا خدا تعالیٰ کے چند ایسے فرشتے ہیں جو راستوں اور بازاروں میں اہلِ ذکر کی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذاکروں کے گروہ کو کہیں ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہارا مطلب حاصل ہو گیا۔ پس جمع ہو کر اپنے پَروں سے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ جب وہ ذکر سے فارغ ہوتے ہیں تو فرشتے آسمان پر جاتے ہیں۔ پس حق تعالیٰ حالانکہ اپنے بندوں کے حال کو بخوبی جانتا ہے، فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کیسے دیکھا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ خدایا تیری حمد و ثنا کرتے تھے۔ اور تجھ کو بزرگی سے یاد کرتے تھے اور تجھ کو تمام عیوب و نقصان سے پاک بیان کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کیا اُنھوں نے مجھے دیکھا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں دیکھا

ہے۔ پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہو؟ ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ بزرگی اور پاکیزگی سے یاد کریں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا طلب کرتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بہشت مانگتے تھے، حق تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ بہشت کو دیکھ لیں تو پھر اُن کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں پھر اس سے زیادہ اس کی طلب و حرص کریں۔ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دوزخ سے ڈرتے تھے، اور تجھ سے پناہ مانگتے تھے حق تعالیٰ فرماتا ہے کیا اُنہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں دیکھا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیں تو پھر اُن کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں پھر اس سے زیادہ پناہ مانگیں، اور اس سے زیادہ ڈریں اور بھاگیں۔ پھر حق تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو میں نے سب کو بخش دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یارب اس ذکر کی محفل میں فلاں آدمی ذکر کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ کسی دُنیاوی حاجت کے لئے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تھا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِیْ (میں اُس کا ہم نشیں ہوں جس نے میرا ذکر کیا) کے بمؤجب میرے ایسے ہم نشیں ہیں ان کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔[1]

اس حدیث اور پہلی حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ سے لازم آتا ہے کہ ان کے مُحب ان کے ساتھ ہیں اور جو کوئی ان کے ساتھ ہے وہ بدبخت نہیں ہوتا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى مَحَبَّةِ هٰؤُلَاءِ الْكِرَامِ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْهَاشِمِيِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَاتُ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل، حدیث نمبر ۶۲۰۸)

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو ان بزرگوں کی محبت پر ثابت قدم رکھے بحرمت النبی الامی الہاشمی علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسّلام جب تک ذکر کرنے والے اس کا ذکر کریں اور غافل رہیں۔

اور جو آپ نے اپنے احوال کی نسبت شیخ الہ داد کے مکتوب میں لکھا تھا، اس قسم کی نیستی اور گم ہونا بہت طالبوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اپنی ہمت بلند رکھیں اور جو کچھ حاصل ہو، اُس پر قناعت نہ کریں۔

بس بیرنگ است یارِ دِلخواہ اے دِل

قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دِل

ترجمہ: دل کو چاہنے والا یار بہت بے رنگ ہے، اے دل اچانک کسی رنگ پر قناعت نہ کر لینا۔

اس گروہ کی محبت نہایت ضروری ہے حق تعالیٰ ان لوگوں کی صحبت میں داخل کرے۔

گردِ مستان گرد اگرمے کم رسد بوئے رسد

گرچہ بوئے ہم نباشد رویت ایشان بس است

ترجمہ: مستوں کے گرد گھومتے رہو اگر ان سے شراب نہیں ملے گی بُو تو ضرور پہنچے گی، اور اگر بو بھی نہ پہنچے تو ان کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔

اسی طریق پر جو حضرت قبلہ گاہی خواجہ عبد الباقی قدس سرہٗ سے اخذ کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسمِ مُبارک کو کامل توجہ کے بعد بیچونی اور بیچو نگی کے معنے سے دل میں گزاریں۔ اور حاضر وناظر کے معنیٰ کا تصور نہ کریں۔ بلکہ کسی صفت کو ملحوظ نہ رکھیں اسی اسمِ مُبارک کو اچھی توجہ کے بعد ہمیشہ دل میں حاضر رکھیں بعض ضروری باتیں حضور وصحبت پر منحصر ہیں۔ اگر ملاقات میسر ہوئی تو بیان کی جائیں گی، ملاقات کے وقت تک تازہ احوال لکھتے رہیں کیونکہ ان کا مطالعہ غائبانہ توجہ کا باعث ہوتا ہے۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے: **المرء مع من احب** یعنی انسان (قیامت کے دِن) اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ (دُنیا میں) محبت رکھتا تھا۔ یعنی اگر کوئی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ محبت رکھتا ہے تو روزِ قیامت بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا اور اگر کوئی دُنیا اور عیش وعشرت کے ساتھ محبت کرے تو یہ حدیثِ مبارکہ اس پر بھی تطبیق ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اولیاء اللہ اور ذاکرین کی محافل ومجالس میں بیٹھنے کی تاکید کی ہے، تاکہ شقاوت وبدبختی سے بچا جاسکے کیونکہ ان کا ہم نشین شقی وبدبخت نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ ذاکرین کے گروہ میں سے بھی نہ ہو اور دُنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے ان کے پاس آتا جاتا ہو یا صرف ذاکرین کے ساتھ مجلس میں بیٹھتا ہو اگر کوئی شخص مجلس تفسیر القرآن وحدیث یا مجلس وعظ ونصیحت میں بیٹھے تو کم از کم بدبختی سے محفوظ رہے گا اگرچہ اس نے کوئی مسئلہ سیکھا ہو یا نہ سیکھا ہو یا ذِکر کیا یا نہ کیا ہو۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رُومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

گر تُو خواہی ہم نشینی با خدا
ہم نشینی دَر حضورِ اولیاء

ترجمہ: اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ خدا کے ساتھ ہم صحبت ہوں تو اولیاء اللہ کی مجالس میں بیٹھا کریں۔

بعض لوگ حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ (**نعوذ باللہ من ذلک**) انہوں نے اس شعر میں اولیاء اللہ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ مشابہت دی

ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ بندے کی مشابہت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ کسی صورت میں بھی ناممکن ہے۔

مذکورہ حدیث جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: انسان (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ (دُنیا میں) محبت رکھتا تھا۔ [1]

تو جو شخص اولیاء اللہ کے ساتھ محبت کرتا ہے اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ شاید مجھے ان مبارک محافل کی برکات سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مل جائے اور حقیقت میں اسے یہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قُرب مل جاتا ہے۔

کیونکہ حضور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالَی أَنَا مَعَ عَبْدِي حَيْثُمَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ۔

ترجمہ: اللہ عزّوجلّ نے فرمایا ہے جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے نام پر حرکت کرتے ہیں تو میں اس وقت اس کے قریب ہی ہوتا ہوں۔ [2]

اور قُرب کی یہ بات تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے فرمائی ہے، لہٰذا یہ حدیثِ قُدسی ہوئی تو پھر یہ لوگ حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کیوں بلاوجہ اعتراض کرتے ہیں۔ جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے محبت رکھنے والا اس کی رضا کے لئے ذکر کی محفل میں بیٹھ جائے تو ایسا شخص شقاوت وبدبختی سے محفوظ ہوتا ہے۔ افسوس کی

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱۹، ص ۱۴۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح البخاری، ج ۲۳، ص ۵۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بات یہ ہے کہ اگر کسی جگہ پر مداری یا لہو ولعب کی مجلس ہو تو ہزاروں لوگ گھنٹوں کے حساب سے بہت شوق وذوق سے وہاں بیٹھے رہتے ہیں مگر ذِکر واذکار اور وعظ ونصیحت کی مجالس کے لئے لوگوں کے پاس فرصت نہیں ہوتی اور ان کا وہاں پر دل تنگ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کے دل میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے کہ آپ کو تو فلاں فلاں جگہ جانا ہے یا فلاں کام کرنا ہے یا کل پَرسوں چلے جانا اور اس میں عرصہ دراز گزر جاتا ہے مگر وہ کل پَرسوں کے چکر ہی میں لگا رہتا ہے کیونکہ شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ بد بختوں میں سے ہو جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

هَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ سَوْفَ أَفْعَلُ۔

ترجمہ: یہ کام ابھی کرلوں گا کہنے والے ہلاک ہوگئے۔ [1]

اسی طرح غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

اَنَا مِنْ رِجَالٍ لَا یُخَافُ جَلِیْسُھُمْ
رَیْبَ الزَّمَانِ وَلَا یَریٰ مَا یَرْھَبُ

---

[1] (رواه التنویر شرح الجامع الصغیر، حرف التاء، فصل في المحلي بأل من باب التاء المثناة الفوقية، حديث نمبر ۳۳۹۰، ج ۵، میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بالفاظ اَلتَّسْوِیْفُ شِعَارُ الشَّیْطَانِ یُلْقِیْهِ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور حضرت امام دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الفردوس بمأثور الخطاب، باب الالف، حديث نمبر ۱۵۶۴، ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ إِیَّاکَ وَالتَّسْوِیْفَ بِالتَّوْبَةِ نقل کی۔ اور مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب النكاح، باب فيمن يدعوها زوجها فتعتل، حديث نمبر ۷۵۷۱، ج ۴ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ لَعَنَ اللهُ الْمُسَوِّفَاتِ روایت کی ہے۔)

ترجمہ: میں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کے ہم نشین کو زمانے کے حوادث کا کوئی ڈر نہیں، اور نہ ہی کوئی ڈر کی چیز دیکھے گا۔

ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ذکر کی محافل کو اختیار کرنا اپنا شیوہ بنالیں تا کہ بد بختی وشقاوت سے بچ سکیں اور ذکر کی محافل سے مراد صرف جہری و خفی ذکر کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ قرآن وحدیث کے درس کی محافل، عقائد وفقہ کی مجالس، وعظ ونصیحت کی مجالس اور اس کے علاوہ بقیہ دینی مجالس جو بدعات سے پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرمان کے عین مطابق مراد ہوں۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

گفت وگوی عاشقان در کارِ ربّ

این ہمہ عشق است نے ترکِ ادب

ترجمہ: اگر کوئی دین سیکھنے کے لئے گفت وشنید یا مکالمہ کرے تو یہ سوال وجواب کرنا بے ادبی نہیں بلکہ سب عشق ومحبت اور اَدب ہی ہے۔

علماء کرام اور مشائخِ عظام سے مسائل سیکھنے چاہئیں کیونکہ یہ بے ادبی نہیں بلکہ ادب اور محبت میں سے ہے بے ادبی تو یہ ہے کہ ان ہستیوں سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

لوگ اکثر یہ سوال کرتے ہیں آیا ذکر کا حلقہ بنانا احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ تو ان کو مندرجہ بالا طویل حدیث میں "اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سوا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے چند ایسے فرشتے ہیں جو راستوں اور بازاروں میں اہلِ ذِکر کی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذاکروں کے گروہ کو کہیں ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہارا مطلب حاصل ہو

گیا" دلیل کے طور پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بیان فرمائی ہے تاکہ معترضین وسائلین کو تسکین مل سکے۔

دوسری اہم بات جو اس مکتوب میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جو کہ اسمِ ذات ہے اس کا ذکر سالک کس طرح کرے گا بعض سالکین ذکر تو کرتے ہیں مگر وہ اسمِ ذات کے خواص کی تلاش میں رہتے ہیں کہ میرا رزق زیادہ ہو جائے یا میرے تجارتی معاملات درست ہو جائیں یا میری فلاں جگہ شادی ہو جائے یا مجھے کشف وشہود حاصل ہو جائے اور میں لوگوں کے دِلوں کا حال جان سکوں وغیرہ جو سالک اسمِ ذات یا اسماء اللہ تعالیٰ میں سے کسی اور اسم کے خواص کا متلاشی رہتا ہے اس سے آخرت میں اس کو کوئی فائدہ نہیں ملتا بلکہ دُنیاوی اُمور میں اس کا فائدہ ہو جاتا ہے مگر وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت اور رضا سے محروم رہتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ معمولی چیزوں پر اکتفانہ کرے بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت اور نجاتِ اُخروی کی نیت سے ذکر کرے۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللهَ یُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلند (ہمت والے) کاموں کو پسند کرتا ہے۔[1]

اس مکتوب کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے غائبانہ توجہ کا فرمایا ہے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں جو سالکین شیخ سے دور دیگر ممالک میں قیام پذیر ہوں تو شیخ پر لازم ہے کہ اپنے مُریدین پر غائبانہ توجہات کرے اگر کوئی شیخ مُریدین پر غائبانہ توجہات کرنے سے محروم ہو تو ایسا شخص ناقص ہوتا ہے اور اس سے کچھ خیر وبرکات حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ کیونکہ جو شیخ

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج۳، ص ۱۳۱، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاھرۃ)

مشیخیت کے منصب پر بیٹھا ہو اسے اتنی تو معلومات ہونی چاہئیں کہ توجہ کیا ہے اور توجہات کی کتنی اقسام ہیں؟

(دار المعرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز احادیث مبارکہ کی روشنی میں اہل اللہ کی معیت وصحبت کے فوائد وبرکات بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل اہل اللہ کو سنت وشریعت کی تعمیل، تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ نفوس کی تحصیل کی وجہ سے حق تعالیٰ کا قرب ومجالست میسر ہوتا ہے، اس لئے مؤمنین کو اہل اللہ کی معیت وکینونیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹) سے واضح ہے تاکہ انہیں مغفرت ورحمت نصیب ہو سکے جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الأعراف ۵۶) سے عیاں ہے۔

نیز اہل اللہ کی صحبت کی بدولت بندۂ مؤمن شقاوت اصلی اور قساوت قلبی سے محفوظ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔[1] سے آشکارا ہے۔

اہلِ طریقت نے شقاوت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ شقاوتِ اصلی ۲۔ شقاوتِ عارضی

شقاوتِ عارضی انبیائے عظام علیہم الصلوات، علمائے اعلام اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مجالست وصحبت سے زائل ہو جاتی ہے مگر شقاوتِ اصلی زوال پزیر نہیں ہے، اس لئے بندۂ مؤمن کو

[1] (صحیح البخاری، ج۲۰، ص۲۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اپنے خاتمہ کے متعلق ہر وقت مشوش رہنا چاہیئے اور قسام ازل کی بے نیازی سے ڈرتے رہنا چاہیئے جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّ اللّٰہَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦) سے معلوم ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ درروزِ اول
توچہ دانی قلمِ صنع بہ نامت چہ نوشت

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ اہل اللہ کی محبت ایسی نعمتِ عظمٰی اور دولتِ قصوىٰ ہے جو نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات جیسی آلائشوں سے پاک ہوتی ہے۔ چونکہ مشائخ عظام کی محبت محض حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کے لئے ہوتی ہے اس لئے ان کی محبت، حق تعالیٰ کی محبت قرار پاتی ہے جو دنیوی فوائد اور اخروی ثمرات پر منتج ہوتی ہے۔ جیسا کہ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔[1] سے عیاں ہے جس کا پہلا اصول: الْحُبُّ لِلّٰهِ,وَ الْبُغْضُ لِلّٰهِ۔[2] ہے جو صرف یارانِ طریقت میں ہی متحقق ہوتی ہے۔

بینہ نمبر ٢

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اہل اللہ کے ساتھ نسبت وارادت سے اگر بندۂ مؤمن مرتبۂ ولایت پر فائز المرام نہ بھی ہو تو اس کا دنیوی آفات، شیطانی تصرفات اور زمانے کے فتنوں اور حادثوں سے محفوظ ہو جانا ہی کافی ہے۔

---

[1](صحيح البخارى،ج ٩ ا،ص ۵ ۴ ا ،المكتبةالفاروقية)

[2](شعب الايمان،ج ٢ ا ،ص ۵ ٧،الناشر:مكتبةالرشدبالرياض،بالتعاونمع الدارالسلفيةببومباي)

غوث الثقلین سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے خوب فرمایا:

اَنَا مِنْ رِّجَالٍ لَا یَخَافُ جَلِیْسُھُمْ
رَیْبَ الزَّمَانِ وَ لَا یَرٰی مَا یَرْھَبٗ

اے برادر بے نہایت در گہے است
ہر چہ بروئے می رسی بروئے مائیست

بینہ نمبر ۳

یہ امر ذہن نشین رہے کہ جس طرح ملائکہ کرام محافل ذکر کے متلاشی رہتے ہیں، ایسے ہی بندۂ مؤمن کو بھی مجالسِ ذکر و فکر کی تلاش میں رہنا چاہیئے تاکہ ایمان کی تجدید، قلوب کی تنویر اور نفوس کی تطہیر ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

بینہ نمبر ۴

یہ امر مستحضر رہے کہ سالکینِ طریقت کو اہل اللہ کی مجالست اور توجہاتِ قدسیہ کی بدولت تین قسم کی کیفیات نصیب ہوتی ہیں:

۱۔ محض وجد ۲۔ وجد اور سکون ۳۔ سکونِ محض

طریقتِ نقشبندیہ میں یہ تینوں کیفیات پائی جاتی ہیں، علوی نسبت کی بدولت کیفیتِ وجد سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز کے ذریعے آ رہی ہے جبکہ کیفیتِ سکون نسبتِ صدیقی کی بدولت سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز کے ذریعے آ رہی ہے۔

لیکن نسبتِ صدیقی کے غلبہ کی وجہ سے حضراتِ نقشبندیہ میں اخفاء و سکون کا ظہور زیادہ ہوتا ہے جو انہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ گہری مناسبت کی بنا پر ملا ہے۔ آیۂ کریمہ:

فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ (الفتح ۱۸) کی بناء پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں نہایت با ادب اور بے حس و حرکت حاضر باش رہتے تھے۔ جیسا کہ حدیث: جَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّ عَلَى رُؤُوسِنَا الطَّيْرُ۔[1] سے عیاں ہے، جو اقرب الی النصوص، منشاء رسالت علی صاحبہا الصلوات، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالعموم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالخصوص کے طریقہ کے عین مطابق ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سنت فرمایا ہے۔

بس یہی وجہ ہے کہ حضراتِ نقشبندیہ وجد و تواجد اور سماع و رقص سے طبعًا احتراز کرتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقتِ نقشبندیہ کا طریقۂ ذکر بیان فرمارہے ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ کا پہلا سبق استحضار اسمِ ذات بدوں استحضارِ صفات ہے کیونکہ صفات، علمائے متکلمین اہلِ سُنت کے نزدیک نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔ یہ سبق امام الطریقہ حضرت شاہِ نقشبند قدس سرہٗ العزیز نے اجمالی طور پر سکھایا تھا۔ استحضارِ صفات (تصورِ صفات) سے سالک، انوار والوان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو متناہی اور محدود ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ غیر متناہی اور لا محدود ہے۔ جبکہ ذکر اللہ سے مقصود حضور مع اللہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ذکرِ اسمِ ذات اور ذکرِ ذات کو بیان کر دیا جائے تاکہ فہمِ مسئلہ میں سہولت رہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج ۱، ص ۲۰۸، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت)

ذکرِ اسمِ ذات اور ذکرِ ذات یعنی لفظ اللہ اسم جلالت ہے، جو طریقۂ نقشبندیہ کا سبقِ اول اور اسمِ اعظم ہے، جس کے پیہم احصاء و تکرار سے اہل اللہ غافل دلوں اور مردہ جسموں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ ذکرِ اسمِ ذات اور ذکرِ ذات مبتدعین کے نزدیک بدعت ہے حالانکہ یہ متعدد آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آیاتِ مبارکہ: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (المزمل ٨)، بِسْمِ اللّٰهِ، اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (العلق ١)، قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (الأنعام ٩١)، إلخ اور ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللّٰهُ اللّٰهُ۔ [1] سے ثابت ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۲۹ تا ۵۳۴)

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

مکتوب نمبر ۲۰۴

[میر نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اہلِ خسران کے طعنوں سے رَنج محسوس نہ کریں، اور جو کام درپیش ہے اُس میں مشغول رہیں اور دوستوں کی جمعیت اور ترقیوں کے حاصل ہونے میں کوشش جاری رکھیں۔

جناب میر نعمان اہلِ خسران کی پریشان باتوں سے رنج نہ اٹھائیں کہ:

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (الإسراء ۸۴)

ترجمہ: تم فرماؤسب اپنے کَیْنڈے (انداز) پر کام کرتے ہیں۔

آپ کو لائق ہے کہ ان کے بدلے اور مکافات کے درپے نہ ہوں، دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہے۔ ان کی متناقض باتیں ہی ان کے بازار کی رونق کو کم کردیں گی۔

وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ (النور ۴۰)

ترجمہ: اور جسے اللہ نور نہ دے اُس کے لیے کہیں نور نہیں۔

وہ شغل جو درپیش ہے اس میں کوشش کریں، اور اس کے غیر سے آنکھ بند کرلیں کہ:

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ (الأنعام ۹۱)

ترجمہ: پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں کھیلتا۔

اَخی محمد صادق وقت پر آپہنچے، عشرۂ اعتکاف اتفاق سے بجالائے، اور فتوحات اور وارداتِ تازہ سے مشرف ہوئے۔ الحمد للہ کہ تمام دوستوں کے اوقات جمعیت سے گزرے ہیں، اور پے درپے ترقیاں حاصل ہورہی ہیں۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جو تصوف کے خلاف باتیں کرتے ہیں، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ معترضین کی باتوں کی جانب اپنی سوچ وفکر مبذول نہ کریں کیونکہ اگر ہم ان معترضین کے اعتراضات کے جوابات ڈھونڈنے میں لگ جائیں تو ہم اپنے ذکرواذکار سے غافل ہو جائیں گے اور شیطان ہمیں وسوسہ ڈالے گا کہ فلاں شخص تو تصوف کے متعلق بُرا بھلا کہتا ہے اور آپ کے ساتھ عداوت ودُشمنی کے درپے ہے اور اس طرح آپ میں بھی کینہ وعداوت پیدا ہو جائے گا بلکہ آپ کو چاہیئے کہ آپ ایسے شخص کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کریں کہ وہ اپنے غیض وغضب اور عداوت میں مگن رہے اور ہم اُس کی ہدایت کے دعا گو رہیں گے۔ آپ اپنے ذکرواذکار اور ترویج طریقت میں مصروف رہیں جو سالکین آپ کے پاس بیعت کی نیت سے آئیں اُن کو بیعت کریں اور اُن کی اصلاح کے لئے جو مسنون طریقہ ہم نے بتایا ہے اس پر عمل پیرا رہیں۔

(دارالمعـــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو دنیاداروں کی اذیتوں پر صبر وضبط کی تلقین فرمارہے ہیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ وہ انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات، صوفیائے کرام اور علمائے فخام رحمہم اللہ تعالیٰ کو ابتلاء وامتحان کے ذریعے آزماتا

ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (البقرة ۱۵۵) سے آشکارا ہے اس لئے ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ اور طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں۔ تہمتوں اور بیماریوں کے ذریعے آزمایا جاتا ہے جو ان کے لئے روحانی ارتقاء اور بلندی درجات کا باعث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مقولہ: اَلْمُؤْمِنُ لَا یَخْلُوْا عَنِ الْعِلَّةِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَالتُّهْمَةِ سے عیاں ہے، اس لئے سالکین کو ان کے ساتھ الجھنے اور ترکی بہ ترکی جواب دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے، بلکہ ظالموں اور شریروں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرکے ان کے ظلم و شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ مسبعاتِ عشر اَللّٰهُمَّ اکْفِنِیْ شَرَّهُمْ بِمَا شِئْتَ اور اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ جیسی ادعیہ ماثورہ کو حرزِ جاں بنانا چاہیئے۔ تاکہ سالکینِ طریقت آسیبی شرارتوں سے محصور اور انسانی اذیتوں سے محفوظ رہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۳۷ تا ۵۳۸)

مکتوب نمبر ۲۰۵

[خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اصلی مقصود صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال متابعت سے مشرف فرمائے۔ کیونکہ صدیقین کی اصلی غرض اور مقصود یہی ہے۔ اور اس کے سوا سب کچھ جھوٹے وہم اور بیہودہ خیالات ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو اور ہم کو ان سے بچائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ دَائِمًا اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت مصطفٰی علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو ہمیشہ لازم پکڑا۔]

تشریح

تصوف میں سالکین کی باطنی ترقی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مکمل تابعداری کے ساتھ وابستہ ہے جو سالک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طریقہ کی خلاف ورزی کرتا ہے یا اس طرح کے عمل کرتا ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مسنون طریقہ کے مدِ مقابل آکر بدعت بن جاتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ علماء کرام اور صوفیاء عظام کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہر عمل حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی احادیث کے عین مطابق کریں اور جو علماء کرام اور صوفیاء عظام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں نہ تو وہ صحیح عالم ہیں نہ ہی حقیقی صوفی اور نہ ہی صحیح معنوں میں مسلمان ہو سکتے ہیں بلکہ وہ بدعتی ہیں اور اگر ان کے عقائد میں گڑبڑ ہو تو شرک

تک پہنچ جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ انسان جو بھی عمل کرے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرمان کے مطابق ہونا چاہیئے اور اگر بعض سالکین سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تو انہیں چاہیئے کہ اپنے مشائخ عظام سے سیکھیں تاکہ خلافِ شرع اُمور اور بدعات سے بچا جاسکے۔

(دارالمعــرفت، ج ۳)

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین آمین

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان **محمد سعید احمد مجددی** فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے کمال سے شادکام ہونے کی دعا دے رہے ہیں۔ در حقیقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ ایسا بے مثال طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر بندۂ مؤمن حق تعالیٰ سبحانہٗ کے ہاں مرتبۂ صدیقیت اور مقامِ شہادت پر فائز المرام ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الحدید ۱۹) سے عیاں ہے۔ بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو وفورِ شوق میں یہاں تک کہہ دیا: يَالَيْتَنِىْ كُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ جبکہ ترکِ متابعت اور رفعِ عبادت جیسے تصورات سب اوہامِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۴۱، ۵۴۲)

مکتوب نمبر ۲۰۶

[ملا عبد الغفور سمرقندی کی طرف لکھا:

دُنیا اور اس کے ناز و نعمت میں گرفتار ہونے کی بُرائی میں۔

اَللّٰھُمَّ نَبِّھْنَا قَبْلَ اَنْ یُنَبِّھَنَا الْمَوْتُ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَفْضَلُھَا

یا اللہ تو ہم کو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل آگاہ کردے پیشتر اس کے کہ ہم کو موت آگاہ کرے۔

آپ کا شریف اور لطیف خط جو اس دُور افتادہ حقیر کے نام لکھا ہوا تھا پہنچ کر بڑی خوشی کا باعث ہوا۔ جَزَاکُمُ اللہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اے بھائی! آدمی کو چرب اور لذیذ کھانوں اور نفیس اور دیدہ زیب کپڑوں کے لئے دُنیا میں نہیں لائے اور عیش و عشرت اور کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود اس کی ذلت وانکساری اور عجز ومحتاجی ہے جو بندگی کی حقیقت ہے لیکن وہ انکساری اور احتیاج جس کا شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا ہے۔ کیونکہ باطل لوگوں کی وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعتِ روشن کے موافق نہیں ہیں سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اور ان سے سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چاہیئے کہ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقائد کے موافق احکامِ شرعیہ سے عملی اور اقتصادی طور پر اپنے ظاہر کو آراستہ اور پیراستہ کرنے کے بعد اپنے باطن کو ذکرِ الٰہی سے آباد رکھیں۔ اور وہ سبق جو طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم

سے اخذ کیا ہے، اس کا تکرار کریں۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے طریق میں انتہا ابتداء میں درج ہے، اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے اعلیٰ ہے، کوتاہ اندیش ان باتوں کا یقین کریں یا نہ کریں۔ فقیر کا مقصود دوستوں کو رغبت اور شوق دلانا ہے، مخالف اس بحث سے خارج ہیں۔

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است

وانکہ دیدش نقد خود مردانہ ایست

ترجمہ: جس نے اسے افسانہ قرار دیا وہ خود افسانہ ہے یعنی بے حقیقت ہے اور جس نے اسے اپنا مقصد قرار دیا وہ مرد ہے۔

غرض یہ کہ عاقبت کی بہتری ذکر پر وابستہ ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الجمعة ١٠)

ترجمہ: اور اللہ کو بہت یاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

اس مطلب پر گواہ ہے پس ذکرِ کثیر کو برقرار رکھنا چاہیئے اور جو کچھ اس دولت کے نامناسب ہے اس کو دُشمن جاننا چاہیئے نجات کا علاج یہی ہے۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است

پاکیٔ دل ز ذکر رحمٰن است

ترجمہ: جب تک تم میں جان باقی ہے ذکر اور یادِ الٰہی میں لگے رہو کیونکہ دل کی پاکیزگی ذکرِ رحمٰن پر منحصر ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدة ٩٩)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ٢٨)

ترجمہ: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

نص قاطع ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اس پر ثابت اور بر قرار رہنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اصل مقصود یہی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

جامہ فرجی یعنی قبا جو نیک وقتوں میں کئی دفعہ پہنا گیا ہے ارسال کیا گیا ہے، اس کو پہن لیں۔ حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آلِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل تمام کاموں کا انجام بخیر کرے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے جتنے بھی خلفاء ومریدین چاہے وہ دُنیا کے کسی بھی گوشے سے تعلق رکھتے تھے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سب سے پہلے اُن کو اپنے عقائد اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق آراستہ کرنے کی تلقین فرماتے تھے اور اہل سنت وجماعت سے مراد یہ نہیں کہ کوئی شخص صرف اتنا کہہ دے کہ میں اہل سنت وجماعت میں سے ہوں بلکہ اہل سنت وجماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احکامات کو مانیں۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانۂ مبارکہ میں معتزلہ، روافض اور خوارج بھی موجود تھے مگر صرف چار مذاہب اہلِ سنت وجماعت میں شامل اور ایک ہی عقیدے کے حامل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے

واحد ولاشریک ہونے پر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہونے پر، قرآن عظیم الشان کے تمام احکامات پر ایمان لانے اور عمل کرنے پر، خیر وشر اور زندگی بعد الموت کے ثابت ہونے پر ایمان لانا۔ آج کل ہر گروہ کہتا ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت ہیں مگر ان کا ہر عمل اور ہر عقیدہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب اور اہل سنت وجماعت کے خلاف ہوتا ہے، کیونکہ اہل سنت وجماعت تو وہ لوگ ہیں جو مذاہبِ اربعہ کی کتب اور ان کی آراء پر متفق اور عمل پیرا ہوں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم وہ مسائل دریافت کریں اور اس چیز پر عمل کریں جو ہمارے ایمان کے لئے مفید ہو اور وہ مذاہبِ اربعہ کے اتفاقی مسائل پر عمل پیرا ہونا ہے۔ بعض ناسمجھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر ان ناسمجھ لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان حضرات کا اختلاف اصل پر نہیں بلکہ فروعات میں ہے۔ مثال کے طور پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ گھٹنا ستر عورت ہے جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ گھٹنا ستر عورت نہیں ہے۔ انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ گھٹنوں سے اوپر کی جگہ ستر عورت نہیں ہے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ناف ستر عورت ہے جبکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ناف ستر عورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناف کو چُوما ہے اگر ناف ستر عورت ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اسے نہ چومتے، اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چیز سبلین سے خارج ہو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس پر حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہم

اللہ تعالیٰ تینوں متفق ہیں ہاں ان کا اختلاف سبلین کے علاوہ خون کے بدن سے نکلنے پر وضو کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے پر ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر نماز کے دوران نکسیر آ جائے تو نماز کو فوراً توڑیں اور جا کر وضو بنائیں جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر خون سبلین کے علاوہ کسی اور جگہ سے نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات کا اختلاف اصل پر نہیں بلکہ فروعات پر ہے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اپنے ذہن وفکر کو صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احکامات وکتب اور آراء پر متفق اور عمل پیرا ہونے کی طرف مبذول کریں اور اگر ان کے علاوہ آپ کا ذہن وفکر دوسرے فرقوں اور گروہوں کے احکامات وکُتب اور آراء پر متفق اور عمل پیرا ہونے کی جانب مبذول ہو گا تو آپ کو عناد ودُشمنی، کُفر کے فتوے اور ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو گا اسی لئے اہل سنت وجماعت کو پہچاننا بے حد ضروری ہے تا کہ ان پیچیدگیوں سے بچا جا سکے۔

اپنے عقائد کو اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق آراستہ کرنے کی تعلیم کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سالکین سے اپنے باطن کو ذکرِ الٰہی سے آباد رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں کہ سالک اپنے شیخ سے ذکر لینے کے بعد اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، لیٹے اور کروٹ لیتے نیز ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔

کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ (آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ: جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

الشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلَی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَإِذا غفَلَ وسوس۔

ترجمہ: شیطان انسان کے دل سے چپکا رہتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کو دِل سے یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے منقول ہے کہ:

لِکُلِّ شَيْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوبِ ذِکْرُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: ہر چیز کے لئے صفائی ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔[2]

آخری بات جو اس مکتوب میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ملا عبد الغفور سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا جُبہ مبارک ارسال کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ جُبہ خاص اوقات میں پہنا ہوا ہے اور آپ کو جو مشکلات در پیش ہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انہیں اس کی بدولت آسان فرمادے گا اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ذواتِ فاضلہ سے برکات اور فوائد حاصل کرنے کے قائل تھے جبکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہم اور ہندوستان کے دیگر علماء کرام بھی موجود تھے مگر کسی

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۵۰۷، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۵۰۷، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

نے بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ جناب آپ نے کیوں اس طرح کہا ہے کہ میرے جُبہ سے آپ کو برکات وفوائد حاصل ہوں گے؟ یا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس کی طفیل آپ کی مشکلات حل فرمادے گا۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی تلقین فرمارہے ہیں کہ انسانی تخلیق کا مقصد لذیذ مطعومات اور نفیس ملبوسات نہیں ہے بلکہ انسانی آفرینش سے مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت و معرفت ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶) سے عیاں ہے، چونکہ عبادت و عبودیت کی اصل بارگاہ قدس جل سلطانہٗ میں غایت تذلل و عاجزی وانکساری ہے اس لئے وہ سنت و شریعت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ غیر شرعی چلے، دہے اور سجدہ تحیت وغیرہا کا دینِ اسلام میں کوئی تصور نہیں بلکہ اس قسم کا انکسار وافتقار بندے کے لئے مؤجبِ ذلت و خسارت اور باعثِ ندامت و حسرت ہو گا۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ

بینہ نمبر۱

واضح رہے کہ بندۂ مؤمن کے لئے حقیقتًا ناز و نعمت، لطف ولذت اور عیش و عشرت اُخروی زندگی کے لئے مقدر ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ۔[1] سے عیاں ہے۔ اہل اللہ دنیوی عسرت و مصیبت کو نہایت و سعتِ قلبی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

---

[1](صحیح البخاری، ج۱۰، ص۱۱۹، المکتبۃالفاروقیۃ)

بقول شاعر:

دکھاں دی میں سیج وچھائی دکھاں ہار بنائے
دکھ سلامت یار فریدن جنہاں دکھاں یار ملائے

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اہل اللہ دنیوی عزت وشہرت ودولت سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے آدمی شیر سے ڈرتا ہے۔ جبکہ دنیادار کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے جو دلیلِ ناصبوری اور علامتِ ناشکری ہے۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک اہم نصیحت فرمارہے ہیں کہ آئمہ و متکلمین اہل سنت کے بیان فرمودہ معتقدات وتحقیقات کے موافق اعتقاد واعمال بجالانے کے بعد طریقۂ نقشبندیہ کے مطابق ذکرِ قلبی کی کثرت کرناچاہیئے۔

دل چوماہی وذکر چوں آب است
زندگیٔ دل زذکرِ وہاب است

تاکہ سالک توحیدِ عیانی، وصل عریانی اور حضور مع اللہ بلا غیبوبۃ(نسبتِ صدیقی) جیسی نعمتِ عظمٰی سے شادکام ہو سکے جو دنیا میں قلبی اطمینان وبہجت اور آخرت میں کامرانی وراحت کا باعث ہوگا۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۴۶ تا ۵۴۸)

مکتوب نمبر ۲۰۷

[مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ظاہری اور جسمانی قُرب کو دِلوں کے قُرب میں بڑی تاثیر ہے اور اس بیان میں کہ وجد و حال کو جب تک شرع کے میزان پر نہ تولیں نیم دام سے بھی نہیں خریدتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ تمام حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

مدت گزری ہے کہ جناب کی اور حضراتِ مخدوم زادوں کی اور فرزندی جمال الدین حُسین اور باقی عزیزوں اور بزرگوں اور بلند بارگاہ کے خادموں بالخصوص میاں شیخ الہ داد اور میاں الہ دیا کی خیریت کی خبر نہ پہنچی۔ اس کا مانع سوائے اس اَمر کے کچھ نہ ہوگا کہ شاید جناب نے اس دُور افتادہ کو بھُلا دیا ہوگا۔ ہاں بدنوں کے قُرب کو دِلوں کے قُرب میں بڑی تاثیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باوجود اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے چونکہ خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت میں حاضر نہیں ہوئے، ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

کسی شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں یا عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ وہ غُبار جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی درجے بہتر ہے۔

اس طرف کے احوال واوضاع مع متعلقین اور تابعداروں کے بخیر وعافیت ہیں اس بات پر بلکہ تمام نعمتوں پر اور خاص کر اسلام اور حضرت سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ کیونکہ اصلی مقصود یہی ہے اور نجات کا مدار اسی پر ہے اور دُنیا وآخرت کی سعادت کا پانا اسی پر وابستہ ہے۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَ اِیَّاکُمْ عَلٰی ذٰلِکَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ عَلَیْھِمُ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا

ہم کو اور آپ سب کو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل اس متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

کار این است غیر ازیں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔

صوفیوں کی بیہودہ باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا بڑھتا ہے؟ وہاں وجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم درہم سے نہیں خریدتے اور کشف اور الہاموں کو جب تک کتاب وسُنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جُو کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔

طریقِ صوفیہ پر سلوک کرنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کا جو ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے۔ اور فقہی احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو نہ کہ اس کے سوا کچھ اور امر۔ کیونکہ رؤیت کا وعدہ آخرت میں ہے اور دُنیا میں البتہ واقع نہیں ہیں۔ وہ مشاہدات اور تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہیں، وہ صرف ظلال سے آرام پانا اور شبہ اور مثال سے تسلی حاصل کرنا ہے حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔

عجب کاروبار ہے کہ اگر ان کے مشاہدات اور تجلیات کی حقیقت پوری پوری بیان کی جائے تو یہ ڈر لگتا ہے کہ اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور پڑ جائے گا۔ اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر باوجودِ علم کے کچھ بھی نہ کہے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا۔

يَا دَلِيْلَ الْمُتَحَيِّرِيْنَ دُلَّنِيْ بِحُرْمَةِ مَنْ جَعَلْتَهٗ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

اے سرگشتہ اور حیرانوں کو راہ دکھانے والے ہم کو اُس وجودِ پاک کی حُرمت سے سیدھی راہ کی ہدایت کر جس کو تُو نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بنایا ہے۔

کبھی کبھی اپنے احوال کی کیفیات سے اطلاع دیتے رہیں کیونکہ یہ اَمر محبت کے زیادہ ہونے کا مؤجب ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَفْضَلُهَا وَاَكْمَلُهَا

اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

قُربِ ظاہری اور قُربِ جسمانی کو دِلوں کے قُرب میں بہت تاثیر حاصل ہے۔ اور ان دونوں اَقراب (قُربِ ظاہری اور قُربِ جسمانی) کے لئے سب سے پہلے مسلمان ہونا اور اس کے معنیٰ کا جاننا بے حد ضروری ہے وہ یہ کہ مسلمان اس شخص سے عبارت ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا منقاد و مطیع ہو یعنی کلمۂ شہادت پڑھنے کے توسط سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر ایمان لانے والے، فرائض وواجبات پر عمل کرنے اور نواہی سے اجتناب کرنے

والے کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان تو کہے مگر اَوامر و نواہی پر عمل نہ کرے تو ایسا شخص نہ تو قُربِ ظاہری کا حامل ہے اور نہ ہی قُربِ جسمانی کا اور ایسے شخص سے دوری اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ اس شخص نے یہ اقرار کیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ سبحانہٗ و تعالٰی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کی اطاعت کا منقاد و مطیع ہوں اور اس اقرار کے باوجود وہ ان سب سے سرکشی کا مرتکب ہورہا ہے اور جو شخص سرکشی کرے وہ باغی ہوتا ہے اور حاکمِ وقت کا باغی کو قتل کرنا جائز ہے حتٰی کہ باغی کا جنازہ بھی جائز نہیں ہے۔ دوسرا فقہی مسئلہ یہ ہے جس شخص کو کسی نے ساری عمر میں نماز ادا کرتے نہ دیکھا ہو اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے جب تک اس پر دو مسلمان گواہی نہ دیں کہ ہم نے اسے ایک مرتبہ نماز پڑھتے دیکھا ہے یہ قُربِ ظاہری ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے سَترِ عورت کو چھپانا فرض ہے جس طرح آج کل بہت تیزی سے یہ رواج بڑھتا جارہا ہے کہ ایک نِکر اور بُنیان پہنی ہوتی ہے چاہے یہ عمل مرد کرے یا عورت وہ شریعت کے قُربِ ظاہری سے دُور ہے بلکہ یہ بُعدِ ظاہری ہے کیونکہ اس نے اللہ سبحانہٗ و تعالٰی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کی اطاعت سے دوری اختیار کر رکھی ہے۔ مُٹھی بھر داڑھی رکھنا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سُنت جبکہ حقیقت میں واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور سب حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے اس عمل پر دوام فرمایا ہے اگر کوئی فاحشہ عورت باشرع انسان کو دعوتِ زنا دے تو انسان فوراً اپنی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ میری داڑھی، پگڑی اور سفید لباس کو دیکھو میں تو باشرع ہوں اور یہ عمل تو حرام ہے میں یہ ہرگز نہیں کروں گا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالٰی اسے اس گناہ سے بچالیتا ہے اور اگر کسی کا حُلیہ شریعتِ غرّاً محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

کے مطابق نہ ہو اور اُسے کوئی زنا کی دعوت دے تو وہ اپنی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ میں تو ویسے بھی ایک فاسق وفاجر شخص ہوں، زنا سے کیا ہو گا اور بالآخر وہ اس گناہ کی دلدل میں کود پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی جگہ رقص کی محفل لگی ہو تو باشرع شخص کبھی بھی اس محفل میں نہیں جاتا کیونکہ ظاہری قُرب اسے فسق وفجور کی محافل میں جانے پر رکاوٹ کا سبب بنتا ہے اور اسے ایسا کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہر سُنت پر عمل پیرا ہونے سے انسان غیر شرعی کاموں سے رُک جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ قُربِ ظاہری یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کی اطاعت اور پابندی کرنا فساد وگناہ میں رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے۔

اگر تصوف میں کسی سالک پر وجد وحال کی کیفیت آجائے تو اسے شریعت کے ترازو میں تولنا اور کشف وشہود اور الہام جیسی کیفیات کو قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارکہ کی کسوٹی میں پرکھنا بہت ضروری ہے اگر وہ کیفیت شریعتِ غرّاً محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطابق تھی تو اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر شریعت کے خلاف ہو تو اس پر استغفار کرنے کے ساتھ ساتھ اس عمل سے دُور رہے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کی ان کیفیات کی قدر وقیمت جَو کے آدھے دانے کے برابر بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ قُربِ باطنی کی نہیں بلکہ بُعدِ باطنی کی علامت ہے۔

جو لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبتِ اقدسہ میں بیٹھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر ایمان لائے تو درجۂ صحابیت پر مشرف ہوئے کوئی تابعی یا تبع تابعی ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت عمرو بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عمر ثانی کے نام سے جانے جاتے ہیں تاریخِ اسلام اور البدایۃ والنہایۃ میں آپ کو حضرت عمرو بن عبد العزیز رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت زیادہ کرامات وکشف شہود جیسے واقعات ملیں گے ان سب کرامات وکشف وشہود اور تقویٰ کے باوجود وہ غبار جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہمراہ حضور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فضیلت کے لحاظ سے کئی درجے بہتر ہے اور یہ فضیلت محبت کا نتیجہ ہے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے مُریدین کو تلقین فرماتے ہیں کہ صحبتِ شیخ کو لازم پکڑیں اگر آپ لوگ صحبت سے دوری اختیار کریں گے تو پھر کچھ فرق پیدا ہو سکتا ہے، یعنی جو عقائد، مسائل اور احکاماتِ شریعت وتصوف آپ کی غیر موجودگی میں محفل میں بیان ہوتے ہیں آپ اُن سے محروم رہیں گے اور اُن کا دوبارہ میسر آنا مشکل ہو گا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سالک کشف والہام کو ذاتِ بحت تک پہنچنے کا ذریعہ اور تصوف کے مقاصد میں شمار نہ کرے بلکہ سالک کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اسے اہل سنت وجماعت کے عقائد اور فقہی مسائل کو سیکھنے اور عمل کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے ایک صفائی قلب ہوتی ہے اور دوسری صفائی نفس۔ قلب کی صفائی تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے اور نفس کی صفائی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مکمل تابعداری سے حاصل ہوتی ہے ہندوستان کے ہندو جوگی، برہمن اور فلاسفہ یونان اپنے نفس کی صفائی حاصل کرنے کے لئے مجاہدات کرتے ہیں یعنی روٹی نہیں کھاتے، پانی نہیں پیتے، دودھ نہیں پیتے، ابتداء میں ایک روٹی، پھر آدھی، پھر چوتھائی اور پھر آہستہ آہستہ بالکل روٹی کھانا ترک کر دیتے ہیں اور یہ ان کی عادت بن جاتی ہے اس طرح ان کو نفس کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے، پھر وہ لوگوں کے حالات بیان کرتے پھرتے ہیں کہ آپ نے کل یہ کام کیا تھا اور آج فلاں کھانا کھایا ہے وغیرہ۔ حضرت

مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سالک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں پر عمل پیرا نہ ہو تو اس کا نفس بھی ہندو جوگیوں، برہمن اور فلاسفہ یونان کی طرح ہو جاتا ہے، لہٰذا ان چیزوں کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ چیزیں تصوف کے مقاصد میں شمار ہوتی ہیں۔

کشف کی وضاحت اس مثال سے سمجھ لیں کہ اگر کوئی سالک کشف کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پَرکھے بغیر اپنے آپ پر لاگو کریں تو یہ اس طرح ہے جیسے کوئی تانبے پر سونے کا پانی چڑھا دے حالانکہ اصل میں وہ تانبا ہوتا ہے اور کچھ دنوں بعد وہ دوبارہ اپنی اصل حالت پر آجاتا ہے یعنی تانبا بن جاتا ہے۔ تو ہندو جوگی، برہمن اور فلاسفہ یونان اور وہ سالک جو اپنے کشف وشہود کو شریعتِ غرّاَ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ترازو میں تولے بغیر اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ میں ولی ہوں درحقیقت وہ خود بھی تانبا ہیں اور ان کا کشف بھی اور اپنے آپ پر سونے کا پانی چڑھایا ہوا ہے اور جس سالک کا نفس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذِکر اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کی برکت سے تزکیہ وتصفیہ ہو جائے وہ ایسے ہے گویا اُس نے کیمیاگری کے عمل سے خود کو حقیقت سے تانبے سے سونا بنا دیا ہے اور جو تانبا ایک دفعہ سونا بن جائے تو وہ دوبارہ تانبا نہیں بن سکتا۔ اس لئے ہر سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مکمل تابعداری کے ذریعے تانبے سے سونا بنانے کی کوشش کرے، اور جس سالک کا نفس اس طریقے سے تزکیہ وتصفیہ ہو جائے تو اس کا مقام علیین ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

النَّاسُ مَعَادِنُ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا۔

ترجمہ: جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں بہترین تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی بہترین ہیں بشرطیکہ وہ فقہیہ بن جائیں۔[1]

ہم لوگ تصوف میں داخل ہو کر خود کو صوفی تو کہتے ہیں مگر دراصل ہم اذان کی ترتیب والفاظ اور نماز کی ترتیب والفاظ کو بھی درست نہیں کر سکے مثال کے طور پر اگر کسی نے اذان میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی جگہ اَلاٰوْہُ اَکْبَرُ ط اَلاٰوْہُ اَکْبَرُ یااَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی جگہ آلاٰوْہُ اَکْبَرُ ط آلاٰوْہُ اَکْبَرُ یااَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی جگہ اَللّٰہُ اَکْبَارُ ط اَللّٰہُ اَکْبَارُ پڑھا (الھدایة فی شرح الھدایة, ج ا, آخری صفحات) میں لکھا ہے کہ اس شخص کی اذان فاسد اور اس پر اذان کا اعادہ واجب ہے۔ اسی طرح نماز میں تکبیر اولیٰ فرض ہے اور اس کے علاوہ نماز کی بقیہ تکبیریں سُنت ہیں اگر کسی سے تکبیرِ اولیٰ کے علاوہ بقیہ تکبیروں میں سے کوئی تکبیر رہ گئی تو اس کی نماز تو ہو جائے گی مگر یوں سُنت کی خلاف ورزی ہے اور اگر تکبیر کی جگہ غلط الفاظ پڑھ لئے یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط کی جگہ اَلاٰوْہُ اَکْبَرُ ط یااَللّٰہُ اَکْبَرُ ط کی جگہ آلاٰوْہُ اَکْبَرُ ط (یہ استفہام ہے اور اس کے معنی ہیں کہ کیا اللہ بزرگ تر ہے؟ جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بزرگ تر ہے) یااَللّٰہُ اَکْبَرُ ط کی جگہ اَللّٰہُ اَکْبَارُ ط (یہ تثنیہ بن جاتا ہے جس کے معنی ہیں کہ دو اللہ بڑے ہیں) پڑھا تو اس شخص کی نماز تو فاسد ہو ہی جائے گی لیکن ایسے الفاظ پڑھنے سے انسان کُفر تک پہنچ جاتا ہے (الھدایۃ فی شرح البدایۃ، ج ا، آخری صفحات) تو ایسی جاہلانہ صوفیت کا کیا فائدہ؟ اللہ

---

[1] (صحيح البخاری,ج ١١,ص ١٧٦,المكتبةالفاروقية)

سبحانہٗ وتعالیٰ علماء کرام اور صوفیاء عظام سے باز پُرس کرے گا کہ ہزاروں لوگوں نے آپ کے پیچھے اقتداء کی لیکن آپ نے ان کی تربیت نہیں کی اور ان کی اذان و نماز کو کیوں درست نہیں کیا۔ غرور وتکبر کو یکسر چھوڑ کر ہر انسان کو کم از کم اپنی اصلاح کی کوشش تو کرنی چاہیئے اس طرح تو نہیں کہنا چاہیئے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ درست ہے اور ساتھ ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ یااللہ جہاں جہاں میں غلطی پر ہوں وہاں میری ان غلطیوں پر میری اصلاح فرما۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز صحبت کی برکات بیان فرمارہے ہیں کہ جو بندۂ مؤمن اہل اللہ کی عموماً اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خصوصاً جس قدر صحبت وزیارت سے فیضیاب ہوا اسی قدر وہ فیوض وبرکات سے سیراب ہوا۔ جسمانی قرب اور زیارت بالبصر ایسی نعمتِ عظمیٰ ہے جس سے وہ کمالات ومقامات نصیب ہوتے ہیں جو روحانی قرب سے میسر نہیں ہوتے۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خیر التابعین کے لقب سے ملقب ہونے کے باوجود شرفِ صحابیت سے محروم رہ گئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صحابی اور تابعی کی تعریفات کر دی جائیں تاکہ فہمِ مسئلہ میں سہولت رہے۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحابی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كل من صحبه سنة أو شهرا أو يوما أو ساعة أو رآه فهو من اصحابه له من الصحبة على قدر ما صحبه۔

وہ خوش بخت انسان جسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت کا شرف نصیب ہوا ایک برس یا ایک ماہ یا ایک روز یا ایک گھڑی یا اس نے بحالتِ ایمان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت کی، وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ہے اسے اسی قدر شرفِ صحابیت حاصل ہے جس قدر اس نے صحبت اختیار کی۔[1]

حضرت علامہ محمد بن علوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعی کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

هُوَ مَنْ لَقِيَ الصّحَابِيَ مُؤْمِنًا وَمَاتَ عَلَى الْإِيْمَانِ وَاِنْ لَمْ يَصْحَبْهُ وَلَمْ يَرْوِ عَنْهُ كَمَا رَجَّحَهُ ابْنُ الصَّلَاحِ وَغَيْرُهُ۔

تابعی وہ خوش نصیب انسان ہے جس نے بحالتِ ایمان صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ملاقات کا اعزاز پایا ہو اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو اگرچہ نہ ہی ان کی صحبت اختیار کی اور نہ ہی ان سے روایت کی ہو۔ محدث ابن صلاح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے اسی تعریف کو ترجیح دی ہے۔[2]

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے صحابیِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف بھی ملا اور میں نے ان سے ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات بھی سُنا ہے:

رَأَيت أنس بن مَالك، قَائِما يُصَلِّي رَوَى أبو حنيفَة قَالَ: سَمِعت أنس بن مَالك، يَقُول: سَمِعت رَسُول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُول: طلب الْعلم فَرِيضَة على كل مُسلم۔[3]

---

[1] (الکفایة في علم الروایة، ج ۱، ص ۵۱، الناشر: المکتبة العلمیة -المدینة المنورة)

[2] (المنهل اللطیف فی اصول الحدیث الشریف، ص ۲۴۹)

[3] (مسند الامام ابی حنیفة، ج ۱، ص ۲۴، الناشر: مکتبة الکوثر -الریاض)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صحابہ کرام اور تابعین فخام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شرفِ خیریت اور نارِ جہنم سے محفوظ ہونے کا مژدۂ جانفزا سنایا ہے:

خَيْرُ كُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔۔۔۔۔[1]

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِي أَوْ رَأَى مَنْ رَآنِي۔[2]

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص ۱۵۵۱ تا ۱۵۵۳)

---

[1](صحیح البخاری، ج ۹، ص ۱۳۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2](سنن الترمذی، ج ۵، ص ۶۹۴، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

مکتوب نمبر ۲۰۸

[حضرت مخدوم زادہ یعنی محمد صادق کی طرف صادر فرمایا (اللہ تعالیٰ اسے تادیر عقیدت مندوں کے سَروں پر قائم رکھے)

اس سوال کے جواب میں کہ اس طریق کا سالک کبھی اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات دیکھتا ہے کہ اس سے بھی اُوپر چلا گیا ہے، اس میں کیا راز ہے؟

میرے فرزند نے پوچھا تھا کہ اس راہ کا سالک مقاماتِ عروج میں کبھی اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات میں پاتا ہے، بلکہ بعض اوقات یوں محسوس کرتا ہے کہ ان مقامات سے بھی بلند چلا گیا ہے۔

اس معنی کا راز کیا ہے؟ حالانکہ سب کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ فضیلت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے۔ اولیاء جو کچھ حاصل کرتے ہیں یا ولایت کے مقامات تک پہنچتے ہیں، ان ہی کی متابعت سے پہنچتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وہ مقامات اُن مقاماتِ عروج کی نہایت نہیں ہیں، بلکہ ان بزرگواروں کا عروج ان مقامات سے کئی مرتبہ بلند ہے کیونکہ وہ مقامات اسمائے الٰہی جل شانہٗ سے مراد ہے جو ان کے تعیّنات کے مبادی اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے فیوض کے وسیلے ہیں۔ کیونکہ حضرت ذات کو اسماء کے وسیلے کے بغیر عالَم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے، اور غنا کے سوا کوئی نسبت حاصل نہیں ہے۔ آیتِ کریمہ اس معنی پر گواہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦)

ترجمہ: بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔

اور جب یہ بزرگوار مراتبِ عروج سے نزول فرماتے ہیں اور اُوپر کے انوار کو اپنے ساتھ لے کر نیچے آتے ہیں تو ان اسماء میں ان کے مرتبوں کے اختلاف کے بمُوجب جو ان کے طبعی مقامات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اقامت فرماتے ہیں اور وطن بنالیتے ہیں۔ پس اگر کوئی ان کو قرار پذیر ہونے کے بعد ڈھونڈے تو ان کو ان ہی اسماء میں پائے گا، پس وہ بلند استعداد والا جو حضرتِ ذات کی طرف متوجہ ہے ناچار عروج کے وقت ان اسماء میں پہنچے گا اور اس جگہ اُوپر کو گزر جائے گا۔ إِلّٰى مَاشَاءِ اللہ تعالیٰ لیکن جب وہ سالک اوپر سے نیچے آئے گا، اور اس اسم میں جو اس کے وجودی تعین کا مبدأ ہے نزول کرے گا، تو وہ اسمِ ذات ان اسموں سے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات ہیں بہت نیچے ہو گا۔ اور اس جگہ مقامات کا فرق ظاہر ہو جائے گا کیونکہ افضلیت کا مدار اس بات پر ہے کہ جس کا مقام بلند ہے وہی افضل ہے۔ اور جب تک سالک اپنے اسم میں واپس نہ آئے اور اپنے اسم کو ان اسموں سے نیچے معلوم نہ کرے ان بزرگواروں کی افضلیت کو ذوق و حال کے طور پر معلوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ تقلید کے طور پر ان کو افضل کہتا ہے۔ اور پہلے یقین پر ان کی اولیت کا حکم کرتا ہے۔ لیکن اس کا وجدان وذوق اس کے حکم کا مکذب ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں بارگاہِ الٰہی میں التجاء اور زاری اور عجز و نیاز کرنا ضروری ہے تاکہ اصل حقیقت ظاہر ہو جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔

اس جواب کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:

معقولی یعنی اہلِ فلسفہ نے کہا ہے کہ دُھواں خاکی اور آتشی اجزاء سے مرکب ہے جس وقت دُھواں اوپر کو جاتا ہے تو خاکی اجزاء آتشی اجزاء کے ہمراہ اوپر چلے جاتے ہیں۔ اور قاسِر کا قَسر حاصل ہونے سے عروج کر جاتے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر دُھواں قوی ہو تو وہ کرۂ نار تک چڑھ جاتا

ہے۔ اس وقت اجزائے خاکی اجزائے آبی اور اجزائے ہوائی کے مقامات میں جو بالطبع فوقیت رکھتے ہیں پہنچ جائیں گے۔ اور وہاں سے عروج کرکے اوپر چڑھ جائیں گے، اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجزائے خاکی کا مرتبہ اجزائے ہوائی کے رُتبہ سے بلند تَر ہے کیونکہ وہ فوقیت باعتبارِ قَاسِر کے ہے نہ باعتبارِ ذرات کے۔ اور کرۂ نار تک پہنچنے کے بعد جب وہ اجزائے خاکی نیچے گریں گے اور اپنے اصلی مرکز پر پہنچیں گے تو بے شک ان کا مقام آب و ہوا کے مقام سے نیچے ہو گا۔

پس بحثِ مذکورہ میں اس سالک کا عروج بھی ان مقامات سے باعتبارِ قاسر کے ہے اور وہ قاسر گرمیٔ محبت کی زیادتی اور جذبۂ عشق کی قوت ہے۔ اور ذات کے اعتبار سے اس کا مقام ان مقامات سے بہت نیچے ہے۔

یہ جواب جو کہا گیا ہے منتہی کے حال کے مناسب ہے لیکن اگر ابتدا میں یہ وہم پیدا ہو جائے اور اپنے آپ کو بزرگوں کے مقامات میں معلوم کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اور توسط میں ہر مقام کا ظل اور مثال ہے اور مبتدی اور متوسط جب ان کے ظلال میں پہنچتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں، اور ظلال اور حقائق کے درمیان فرق نہیں کر سکتے۔ اور ایسے ہی بزرگوں کے شبہ اور مثال کو جب اپنے مقامات کے ظل میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات میں بزرگوں کے ساتھ مشترک ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہاں شے کے ظل کا نفسِ شے کے مانند ہونا لازم آتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ وَ جَنِّبْنَا عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْمَلَاھِی بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا۔

یا اللہ تو ہم کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل اشیاء کی اصل حقیقت سے پورا پورا آگاہ کر اور لہو و لعب کے ساتھ مشغول ہونے سے بچا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس مشائخِ عظام کا عروج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان بزرگواران کے مراتب ظل سے صفاتِ فعلیہ میں، صفاتِ فعلیہ سے صفاتِ ذاتیہ میں، صفاتِ ذاتیہ سے شیونات میں، شیونات سے اعتبارات میں، اور اعتبارات سے ذاتِ بحت میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اسی کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی نبوت اور اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی ولایت کے مراتب کہا جاتا ہے۔ یہ مکتوب شریف چند مقدمات کے بیان سے حل ہوگا، اور اگر ان مقدمات کو بیان نہ کیا گیا تو پھر اس مکتوب شریف کے موضوع اور مفہوم کو سمجھنا مشکل ہوگا۔

مقدمۂ اول: ذاتِ بحت خداوند قدوس اسماء وصفات کے واسطہ کے بغیر عالم اور عالمیان سے مستغنی ہے اس لئے کوئی بھی شخص اسماءوصفات کے توسط سے فیض لئے بغیر بلاواسطہ اس ذاتِ مقدس وغنی سے استفادہ نہیں کر سکتا بلکہ صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماءوصفات کے توسط سے ہی فیض لے سکتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ (نعوذ باللہ من ذلک) میں اسماءوصفات کے توسط سے فیض نہیں لیتا تو ایسا شخص کبھی بھی ذاتِ بحت سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

تصوف کے ان مراتب کو طے کرنے کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور مشائخ عظام رحمھم اللہ تعالیٰ نے اسماءوصفات کو معیّن ومقرر فرمایا ہے۔ اگر ایک شخص مکمل طور پر ہر قسم کے نیک اعمال بجالاتا ہو اور ان میں کسی قسم کی کوتاہی بھی نہ کرتا ہو لیکن وہ شخص اسماءوصفات سے بے خبر ہو تو ایسا شخص نہ تو ان مراتب ومقامات کو پا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ آج کل اکثر لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے براہِ راست استفادہ حاصل کرتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان کی اس بات پر نفی کی ہے کہ

کوئی شخص بھی اسماء وصفات کے توسط سے فیض لئے بغیر بلاواسطہ اس ذاتِ مقدس و غنی سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦)

ترجمہ: بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔

عالمین سے مراد دونوں جہانوں کی مخلوق ہے جب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ غنی اور بے نیاز ذات ہے تو نہ تو اُسے کسی کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ کسی کا محتاج ہے اسی لئے آسمان و زمین، لوح و قلم، عرش و کرسی اور انسان و ملائکہ نیز مخلوقات میں موجود ہر چیز اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے اسماء وصفات کو بیان کرتی ہے تو اس لئے انسان کے لئے بھی لازمی و ضروری ہے کہ وہ اسماء وصفات سے ہی کام لے کیونکہ اسماء وصفات کے توسط سے فیض لئے بغیر بلاواسطہ اس ذاتِ بحت سے استفادہ ناممکن ہے۔

مقدمۂ دوم: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مبدأ فیض ان کے مراتب میں تعین ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداءِ فیض صفتِ تکوین ہے، حضرت ابراہیم و نوح علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا مبداءِ فیض صفت العلم ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداءِ فیض صفتِ کلام شیونات ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداءِ فیض صفتِ قدرت واعتبارات ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا مبداءِ فیض شانُ العلم ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا مبداءِ فیض اصلی اور اولیاء اللہ کا مبداءِ فیض ظلی ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی ولی دورانِ عروج اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مقام سے اُوپر دیکھے تو اسے چاہیئے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ میرا مبدأ فیض تو ظل ہے اور میں جو مبداءِ فیض کے

اصل کو دیکھ رہا ہوں یہ مشاہدہ ہے در حقیقت میں اس مقام میں نہیں ہوں بلکہ میں کشف یا خواب میں اپنے آپ کو اس مقام میں دیکھ رہا ہوں جس طرح کوئی کشف یا خواب میں اپنے آپ کو آسمان پر دیکھتا ہے حالانکہ در حقیقت وہ زمین پر ہوتا ہے۔

مقدمۂ سوم: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو ہمیشہ بلا واسطہ صفاتِ ذاتیہ، ثمانیہ، ثبوتیہ، حقیقیہ کے اصل سے فیض آتا ہے اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو صفات کے ظل سے فیض آتا ہے۔یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اصلی اور اولیاء اللہ ظلی ہوتے ہیں کوئی ولی اپنے آپ کو کتنا ہی بلند ترَ کیوں نہ دیکھے مگر وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات میں سے کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے اوپر نہیں جاسکتا بلکہ صرف اور صرف اس کی نظر ان مقامات پر پڑ سکتی ہے۔

مقدمۂ چہارم: وہ عارف باللہ جو کہ عارفِ زمان ہو وہ اپنے مبدأ فیض سے اوپر جاسکتا ہے،یعنی اس کی نظر اپنے حقیقی مقام سے بلند مقامات پر پڑ سکتی ہے، مگر پھر وہ واپس اپنے مبداءِ فیض کی جانب لوٹ آتا ہے، اگر کسی سالک کو یہ کیفیت میر ہو جائے تو اسے اپنے اصل کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ میرا مبداء فیض تو ظل ہے نہ کہ اصل۔ اور کشف و شہود اور خواب میں جو چیز مجھے نظر آرہی ہے میرا مقام اس سے بہت نیچے ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میرا مقام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلند ہے تو اس طرح کہنا علماً اعتقاداً اور تصوفاً ہر طرح سے غلط ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعین صفات میں ہے، اور اگر کوئی یوں کہے کہ میرا مقام حضرت مجدد الف ثانی یا حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہم الاقدس سے بلند ہے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ہستیاں زمانۂ اوسط یعنی ۵۰۰ھ تا ۱۰۰۰ھ کے درمیانی عرصہ میں

ہو گزری ہیں اور یہ ہستیاں صاحبِ زمانہ تھیں اگرچہ ان کا مبداءِ فیض ظل سے ہے مگر ان ہستیوں نے ذاتِ بحت تک رسائی حاصل کی ہے، یعنی انہوں نے ذاتِ بحت سے فیض حاصل کیا ہے۔

سالکینِ طریقت کو چاہیئے کہ اپنے اصل کو پہچانیں کہ ان کا اصل مقام صفات کا ظل ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا عینِ صفات۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض سالکین یہ دعویٰ کر بیٹھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ من ذلک) میں مقامِ نبوت پر پہنچ گیا ہوں، حالانکہ یہ کُفری الفاظ ہیں اس لئے سب مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور سالکین پر مکتوبات شریف کا دَرس لینا اور اس کا دقیق مطالعہ بے حد لازمی ہے، تاکہ وہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ولی کا مقام صفات کا ظل ہے اور ولی کا مقامِ نبوت پر پہنچنا ناممکن ہے جس طرح ہم انسان ہیں اور ہمارے ساتھ نفس و شیطان لگے ہوئے ہیں مگر ملائکہ نفس و شیطان سے پاک ہیں اور یہ بات ہر انسان تسلیم کرتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِمَنْ سَعٰی فِیْہِ وَلِوَالِدَیْھِمْ وَلِاَسَاتِذَتِھِمْ وَلِاَھْلِ بَیْتِھِمْ اَجْمَعِیْنَ
آمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم

(دار المعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی کی فہم و تفہیم کے لئے چند تمہیدی امور پیش خدمت ہیں، تاکہ فہمِ مسئلہ میں سہولت رہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

حق تعالیٰ سبحانہٗ قدیم ازلی اور واجب الوجود ہے اور بندہ حادث و ممکن ہے۔ آیہ کریمہ: إِنَّ اللّٰہَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِینَ (العنکبوت ۶) کے مطابق خالق و مخلوق میں عدم مناسبت کی بناء پر افاضہ واستفاضہ کی راہیں مسدود تھیں جبکہ مخلوق کی تربیت و پرورش بھی مشیتِ ایزدی میں مرقوم تھی۔

ذاتِ تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے وراء الوراء ہونے کی بناء پر اس تعالیٰ نے اپنی صفات واسماء کو مخلوق کی طرف متوجہ کر دیا اور ہمارا تعلق ان اسماء وصفات کے ساتھ منسلک کر دیا تا کہ ہم اسماء وصفات کی وساطت سے حق تعالیٰ کے انوار وفیوضات سے مستفیض ہو سکیں، سو ان ہی اسماء وصفات کو بندوں کے مبادی فیوضات اور مرکزِ تجلیات بنا دیا۔ بنا بریں ہر نبی وولی اور مؤمن وکافر کے مبادی فیوض وہی اسماء وصفاتِ رحمٰن، رحیم، ہادی اور ستار وغفار وغیرہا ہیں اور مؤمنین ان اسماء وصفات کے مظہر ہیں جبکہ کفار ناہنجار اسمِ مضل کے مظہر ہیں۔ المختصر ان ہی اسماء وصفات کے ظلال سے بندوں کو فیض پہنچتا ہے۔

انبیائے عظام علیہم الصلوات اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبادی فیوض میں نمایاں فرق ہے۔ انبیائے عظام علیہم السلام کے مبادی فیوضات اصول وصفاتِ الٰہیہ ہیں جبکہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبادی فیوض ان اصول وصفات کے ظلال ہیں۔

ان ہی اسماء وصفات کی وساطت سے انبیائے عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عروجات سے مشرف ہوتے ہیں اور ذاتِ حق سبحانہٗ تک وصلِ بلا کیف سے شاد کام ہوتے ہیں اور اس طرح عالمِ وجوب کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

عام اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا عروج تو ظلال تک ہی ہوتا ہے بعض عرفاء اپنے مبداء فیض سے بھی اوپر گزر جاتے ہیں اور محبوب اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو ذاتِ حق تعالیٰ تک بلا کیف وصل نصیب ہوتا ہے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مبادی فیوضات سے بھی آگے گزر جاتے ہیں۔

صوفیائے طریقت کے نزدیک ایک مقام استقرار ہے اور ایک مقامِ عروج وعبور ہے۔ مقامِ استقرار سے مقامِ عروج وعبور بہت بلند ہوتا ہے جیسے ایک منزل میں رہنے والا گاہے گاہے محل کی دیگر منازل بالا میں بھی چلا جاتا ہے مگر اس کی جائے قیام وہی منزل ہے جہاں وہ مقیم ہوتا ہے۔

مذکورہ مبادیات سے معلوم ہوا کہ عروجِ عارف، انبیائے عظام علیہم السلام کے مبادی فیوض سے افضلیت کا سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عارف کا مقامِ استقرار ظلال وصفات ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کا مقامِ استقرار صفاتِ الٰہیہ ہیں۔ ان کے عروجات لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا اللّٰہُ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس لئے وہ عروجاتِ اولیاء سے بلندتر ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۵۸، ۵۵۹)

مکتوب نمبر ۲۰۹

[میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

رسالہ مبدأ ومعاد کی بعض مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں اور بعض عبارتوں کے بیان میں جو اس کی تائید میں لکھی گئی ہیں۔ اور (ایک) مکتوب کے جواب میں جو اس طریق کی ضروری باتوں پر مشتمل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيۡنَ اَجۡمَعِيۡنَ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور سید المرسلین اور ان کی آلِ پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

میرے سیادت پناہ عزیز بھائی میر محمد نعمان جمعیت سے رہیں اس طرف کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ سرائے فرخ میں رُخصت ہونے کے وقت آپ نے اور برادرم محمد اشرف نے اُس عبارت کے معنی جو رسالہ مبدأ ومعاد میں واقع ہے پوچھے تھے چونکہ وقت نے یاوری نہ کی اس لئے رکاوٹ واقع ہو گئی۔ اب دل میں آیا کہ اُس عبارت کے حل میں کچھ لکھا جائے تاکہ دوستوں کی تسلی اور تشفی کا مؤجب ہو۔

رسالہ کی عبارت یہ ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے رحلت فرمانے سے ہزار اور چند سال کے بعد ایک ایسا زمانہ آرہا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقتِ کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائے گی اور اس وقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا نام حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہو جائے گا۔ اور ذاتِ احد سلطانہٗ کا مظہر بن جائے گی، اور دونوں اسمِ مبارک اپنے مسمّٰی کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے۔ اور پہلا مقام حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے خالی رہے گا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں اور شریعتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موافق عمل کریں گے، اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقام میں جو خالی رہا تھا، قرار پکڑے گی۔

جاننا چاہیئے کہ شخص کی حقیقت اس کے تعینِ وجوبی سے مراد ہے کہ اس شخص کا تعینِ امکانی اس تعین کا ظل ہے اور وہ تعینِ وجوبی اسمائے الٰہی مثلِ اَلْعَلِیْمِ وَالْقَدِیْرِ وَالْمُرِیْدِ وَالْمُتَکَلِّمِ وغیرہ میں سے ایک اسم ہے اور وہ اسمِ الٰہی اس شخص کا رب اور اس کے وجودی فیوض کا مبدأ ہے۔ اور اس اسم کی نسبت حضرتِ ذات کے ساتھ مختلف مراتب میں ہے۔ مرتبۂ صفت میں اور توابع وجودی کہ اس کا وجود ذات کے وجود پر زائد ہے، یہی اسم اطلاق پاتا ہے۔ اور مرتبۂ شان میں بھی کہ اس کی زیادتی ذات پر مجرد اعتبار سے ہے، یہی اسم صادق آتا ہے۔ اور صفت وشان کے درمیان فرق، اُس مکتوب میں جو سلوک اور جذبہ کے بیان میں لکھا گیا تھا، مفصل ذکر پا چکا ہے۔ اگر معلوم نہ ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔ اور شک نہیں ہے کہ شان کا حاصل ہونا بھی اگرچہ مجرد اعتبار ہے۔ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اُوپر اس کے شان کے مناسب اور زائد معنی ہوں جو اس کے وجودِ اعتباری کا مبدأ ہوں، پس اس اسم کو اس مرتبہ سے بھی نصیب حاصل ہے اور اس معنی زائدہ کے فوق میں بھی یہ احتمال جاری ہے۔ لیکن قوتِ بشری اس کے ضبط کرنے سے عاجز ہے۔ اس فقیر

بے بضاعت نے ایک اور مرتبہ کو بھی عبور کیا ہے، لیکن اس مرتبہ کے فوق میں سوائے استغراق اور نیستی کے کچھ حاصل نہیں ہے۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف ۷٦)

ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔

هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: اربابِ نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں اور عاشقِ مسکین کے لئے وہی درد و غم ہے جسے وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

اہل اللہ کی ایک دوسرے پر فضیلت اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق ان مختلف مراتب کے طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ اور اس اسم سے واصل اولیاء بہت تھوڑے ہیں۔ کیونکہ اکثر ان میں سے سلوک اور سیر تفصیلی کے طریق پر تمام مراتبِ امکانیہ سے عروج کرنے کے بعد اس اسم کے ظلال میں سے کسی ظل تک واصل ہیں۔ اور صرف جذبہ کے طریق سے بھی اس اسم تک واصل ہونے کا وہم کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ بے اعتبار اور بے اعتماد ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اس اسم سے عروج کیا ہے، اور مراتبِ متفاوتہ کو کم و بیش طے کیا ہے، وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شخص کی حقیقت جیسے کہ تعینِ وجوبی کو کہتے ہیں تعینِ امکانی کو بھی کہتے ہیں۔ جب یہ مقدمات ختم ہو گئے، تو میں کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام مخلوقات کی طرح عالمِ خلق اور عالمِ اَمر سے مرکب ہیں۔ اور وہ اسمِ الٰہی جو ان کے عالمِ خلق کی تربیت کرنے والا ہے شان العلیم ہے۔ اور وہ جو ان کے عالمِ اَمر کی تربیت فرماتا ہے وہ معنی ہے جو اس شان کے وجودِ اعتباری کا مبدأ ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور حقیقتِ

محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شان العلیم سے مراد ہے اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس معنی سے کنایہ ہے جو اس شان کا مبدأ ہے اور حقیقتِ کعبہ سُبحانی بھی اسی معنی سے مراد ہے۔ اور وہ نبوت جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھی اور اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے۔

اور فرمایاہے کہ:

كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّينِ۔

ترجمہ: میں نبی تھا جبکہ آدم (علیہ السلام) ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے۔ [1]

وہ باعتبارِ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تھی جس کا تعلق عالمِ اَمر سے ہے، اور اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کلمۃ اللہ تھے اور عالمِ اَمر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری اسمِ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دی ہے اور فرمایاہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف ٦)

ترجمہ: اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔

اور وہ نبوت جو عنصری پیدائش سے تعلق رکھتی ہے، وہ صرف حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے۔ اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہ شان اور اس شان کا مبدا ءہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرتبہ کی دعوت پہلی مرتبہ کی دعوت کی نسبت زیادہ اَتم ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

---

[1] (التفسيرالكبير، ج٦، ص ٥٢٥، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

وسلم کی دعوت عالمِ اَمر سے مخصوص تھی اور آپ کی تربیت روحانیوں پر منحصر تھی۔ اور اس مرتبہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دعوت خلق اور اَمر دونوں کو شامل ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تربیت اجساد واَرواح پر مشتمل ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس جہان میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عنصری پیدائش نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ملکی پیدائش پر غلبہ کیا ہوا تھا، تاکہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے اَمر فرماتا ہے کہ:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ (الکھف ۱۱۰)

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے۔

لفظ مِثْلُكُمْ کا لانا تاکیدِ بشریت کے لئے ہے اور وجودِ عنصری سے رحلت کر جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کی جانب غالب ہو گئی اور بشریت کی مناسبت گم ہو گئی۔ اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا۔

بعض اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے کہ ابھی ہم آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دفن سے فارغ نہ ہوئے کہ ہم نے اپنے دلوں میں فرق محسوس کیا۔ ہاں ایمانِ شہودی ایمانِ غیبی سے بدل گیا۔ اور معاملہ آغوش سے گوش تک آ پہنچا، اور دیکھنے سے سُننے تک نوبت آ گئی، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے جب ہزار سال گزرے جو بڑی لمبی مدت اور بڑا دراز زمانہ ہے، تو روحانیت کی طرف اس طرح غالب ہوئی کہ بشریت کی تمام جانب کو اپنے رَنگ میں رنگ دیا۔ حتیٰ کہ

عالمِ خلق نے عالمِ امر کا رنگ اختیار کیا، پس ناچار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالمِ خلق سے جس چیز نے اپنی حقیقت کی طرف رجوع کیا تھا، یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عروج کر کے حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے لاحق ہوگئی اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے متحد ہوگئی۔

اس جگہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق واَمر کا تعینِ امکانی ہے۔ نہ تعینِ وجوبی کہ تعینِ امکانی اس کا ظل ہے۔ کیونکہ تعینِ وجوبی کے عروج کے کچھ معنی نہیں اور اس تعین کے ساتھ متحد ہونا معقول نہیں ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ اور اپنے مقام سے عروج فرما کر تبعیت کے طور پر حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقام میں پہنچیں گے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تقویت کریں گے۔ گزشتہ شریعتوں کا بھی یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبروں کے رحلت فرما جانے سے ہزار سال کے بعد انبیاء کرام اور رسلِ عظام مبعوث ہوتے تھے۔ جو ان پیغمبروں کی شریعت کو تقویت دیتے تھے اور ان کے کلمہ کو بلند کرتے تھے اور جب پیغمبر اولوالعزم کی دعوت وشریعت کا دورہ تمام ہو جاتا تھا تو دوسرا اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا اور نئے سِرے سے اپنی شریعت ظاہر کرتا تھا۔ اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت نسخ وتبدل سے محفوظ ہے اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کے علماء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ عطا فرما کر شریعت کی تقویت اور ملت کی تائید کا کام ان کے سپرد فرمایا ہے۔

بلکہ ایک اولوالعزم پیغمبر کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تابعدار بنا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کو ترقی بخشی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحلت کر جانے سے ہزار سال بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اولیاء جو ظاہر ہوں گے، اگرچہ وہ قلیل ہوں گے مگر اَکمل ہوں گے، تاکہ اس شریعت کی تقویت پورے طور پر کر سکیں۔

حضرت مہدی جن کی تشریف آوری کی نسبت حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت فرمائی ہے، ہزار سال کے بعد پیدا ہوں گے، اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ اس طبقۂ اولیاء کے کمالات اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے کمالات کی مانند ہیں اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت وبزرگی اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا مقام ہے کہ کمال مشابہت کے باعث ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دے سکتے۔

اور ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہو کہ:

لا يدري أوّلهم خير أم آخرهم۔

ترجمہ: نہیں معلوم ان میں سے اول زمانہ کے بہتر ہیں یا آخر زمانہ کے۔[1]

اور یہ نہیں فرمایا کہ:

لَا اَدْرِیْ اَوَّلُھُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُھُمْ۔

میں نہیں جانتا کہ ان میں سے اول کے بہتر ہیں یا آخر کے۔

کیونکہ فریقین میں سے ہر ایک کا حال آپ کو معلوم تھا۔

اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

خیر القرون قرني۔

ترجمہ: سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔[2]

لیکن چونکہ کمالِ مشابہت کے باعث تردّد کا مقام تھا، اس لئے **لَا یُدْرٰی** فرمایا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانہ کو اور تابعین کے زمانہ کے بعد تبع تابعین کے زمانہ کو بہتر فرمایا ہے۔ تو یہ دونوں قَرن بھی یقیناً اس گروہ سے بہتر ہوں گے، پھر یہ طبقہ کمالات میں اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ کیسے مشابہ ہو گا؟ تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس قَرن کا اس طبقہ سے بہتر ہونا اس اعتبار سے ہو کہ اولیاء اللہ کا ظہور کثرت سے ہو گا۔ اور بدعتیوں اور بدکاروں اور گنہگاروں کا وجود کم ہو گا۔ اور یہ اَمر ہرگز اس بات کے منافی نہیں کہ اس طبقہ کے اولیاء اللہ میں سے بعض افراد ان دونوں قَرنوں کے اولیاء سے بہتر ہوں جیسے کہ حضرت مہدی۔

---

[1] (تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج۳، ص ۴۲۵، دار النشر: دار الکتب العلمیة -بیروت/لبنان)

[2] (عمدۃ القاری، ج۲۴، ص ۱۸۵، الناشر: دار إحیاء التراث العربي -بیروت)

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: روح القدس کا فیض اگر دوبارہ مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کام کرسکتے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کرتے تھے۔

لیکن اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اس کی نسبت گفتگو کرنا فضول ہے۔ سابق سابق ہی ہیں اور جنتِ نعیم میں مُقرب ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ دوسروں کا پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنا ان کے ایک سَیر جَو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہے۔

وَ اللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ (البقرۃ ۱۰۵)

ترجمہ: اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے۔

جاننا چاہیئے کہ پہلے بیان سے اس عبارت کے معنی واضح ہوگئے۔ جو رسالہ مبدأ و معاد میں اس عبارت کے اوپر لکھی گئی ہے کہ کعبۂ رُبانی کی حقیقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مسجود ہو گئی۔ کیونکہ کعبۂ رُبانی کی حقیقت بعینہٖ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دراصل اس کا ظِل ہے۔ پس ناچار حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مسجود ہوگی۔ اگر سوال کریں کہ کعبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اولیائے امت کے طواف کے لئے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر متقدم ہے تو پھر یہ بات کس طرح جائز ہوگی؟

میں جواب میں کہتا ہوں کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تنزیہ اور تقدس کی بلندی سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کرنے کے مقامات کی نہایت ہے اور کعبہ کی حقیقت عروجِ کعبہ کے مقامات کی نہایت ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے واسطے مرتبہ تنزیہ پر عروج کرنے کے لئے پہلا مرتبہ حقیقتِ کعبہ ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عروج کی نہایت کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت میں سے کامل اولیاء کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے تو پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے؟

زمین زادہ بر آسمان تاختہ

زمین و زمان را پس انداختہ

ترجمہ: خاک سے پیدا شدہ آسمان پر جا پہنچا اور زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گیا۔

اور دوسری عبارت بھی جو اس رسالہ سے اس مقام میں لکھی گئی تھی حل ہو گئی اور وہ عبارت یہ ہے کہ کعبہ کی صورت جس طرح کہ اشیاء کی صورتوں کی مسجود ہے۔ اسی طرح کعبہ کی حقیقت بھی ان اشیاء کی حقیقتوں کی مسجود ہے کیونکہ مقدماتِ سابقہ سے معلوم ہوا ہے کہ حقائقِ اشیاء اُن اسمائے الٰہی سے مراد ہے جو ان کے وجود اور ان کے وجود کے متعلقات کے فیوض کا مبدا ہے۔ اور حقیقتِ کعبہ ان اسماء کے فوق ہے۔ پس بے شک حقیقتِ کعبہ حقائقِ اشیاء کی متبوع ہو گی۔ ہاں اگر اولیاء میں سے اکمل کو حقیقتِ کعبہ سے بالاتر سیر واقع ہو جائے اور بالاتر انوار کو حاصل کر کے اپنے حقائق کے

مراتب میں جو مراتب عروج میں اشیاء کے طبعی مقامات کی مانند ہیں، نیچے اُتر آئیں تو کعبہ ان کی برکات سے توقع رکھے گا جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور نیز رسالہ مبدأ و معاد میں چند فقرے انبیاء اولوالعزم کے ایک دوسرے سے افضل ہونے میں لکھے گئے تھے۔ ان کے ایک دوسرے کے افضل ہونے کے معنی چونکہ کشف والہام پر مبنی ہیں جو ظنّی ہیں اس لئے اس کے لکھنے اور فضیلت میں تفرقہ کرنے سے ندامت اور توبہ کرتا ہے کیونکہ قطعی دلیل کے سوا اس بارہ میں گفتگو کرنا جائز نہیں۔ **اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللّٰہُ قَوْلًا وَّ فِعْلًا**۔ میں اُن تمام اقوال وافعال سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں توبہ کرتا ہوں اور بخشش مانگتا ہوں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ:

میں نے سرائے فرخ میں پوچھا تھا کہ **طالبوں کو طریقت سکھانا میرے حال کے مناسب ہے یا نہیں** اور تم نے جواب میں لکھا تھا کہ **نہیں**۔

فقیر کو یاد نہیں رہا کہ عام طور پر نفی کی ہو، بلکہ یہ کہا ہو گا کہ شرائط پر مشروط ہے۔ بے شرائط ہرگز مناسب نہیں۔ اور اب بھی اسی طرح جانیں۔ چاہیئے کہ شرائط کو مدِ نظر رکھنے میں بڑی احتیاط کریں اور ہرگز سُستی نہ کریں۔ اور جب تک استخاروں کے ساتھ اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ طریقہ سکھانا چاہیئے تب تک کسی کو نہ سکھائیں اور برادرم مولانا یار محمد قدیم کو بھی اس بات کی طرف رہنمائی کریں اور بڑی تاکید سے کہیں کہ طریقت چلانے میں جلدی نہ کرے۔ کیونکہ مقصود دُکان کھولنا نہیں ہے، بلکہ حق تعالیٰ کی مرضی کو مدِ نظر رکھنا ہے۔ اطلاع دینا شرط ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ نے اپنے مُریدوں کی نسبت گلہ کیا تھا، گلہ تو آپ کو اپنی وضع کی نسبت کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ آپ اس جماعت سے اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ آزار و تکلیف

ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ پیر کو چاہیئے کہ مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو آراستہ اور شان وشوکت سے رکھے نہ یہ کہ ان کے ساتھ اخلاط کا دروازہ کھول دے اور ان سے ہم نشینوں کی طرح سلوک کرے۔ اور حکایت و گفتگو سے مجلس گرم رکھے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے اس مکتوب کے لئے چند ابتدائی مقدمات کی ضرورت ہے لہٰذا سب سے پہلے ضروری ہے کہ سالک ان مقدمات کو اچھی طرح سمجھ لے تاکہ اسے سارے مکتوب کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ جاننا چاہیئے کہ شخص کی حقیقت اس کے تعینِ وجوبی سے مراد ہے کہ اس شخص کا تعینِ امکانی اس تعین کا ظل ہے اور وہ تعینِ وجوبی اسمائے الٰہی مثلِ عَلِیْمٌ وَقَدِیْرٌ وَمُرِیْدٌ وَمُتَکَلِّمٌ وغیرہ میں سے ایک اسم ہے اور وہ اسمِ الٰہی اس شخص کا رب اور اس کے وجودی فیوض کا مبدأ ہے۔ اور اس اسم کی نسبت حضرتِ ذات کے ساتھ مختلف مراتب میں ہے۔ مرتبۂ صفت میں اور توابع وجودی کہ اس کا وجود ذات کے وجود پر زائد ہے، الخ۔ یعنی شخص کی حقیقت چاہے وہ نبی علیہ السلام، ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا عام مسلمان ہو اس کے تعینِ وجوبی سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کا تعینِ امکانی (تعینِ وجوبی) اس تعین کا ظل ہے (انسان کے بدن میں دو قسم کے لطائف ہیں: ایک عالمِ اَمر یعنی قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی اسے تعینِ وجوبی کہا جاتا ہے، اور دوسرا عالمِ خلق یعنی نفس اور عناصرِ اربعہ اسے تعینِ امکانی کہا جاتا ہے۔) اور تعینِ وجوبی اسماء اللہ تعالیٰ میں سے ایک اسم ہوتا ہے مثال کے طور پر عَلِیْمٌ، قَدِیْرٌ، مُرِیْدٌ اور مُتَکَلِّمٌ وغیرہ اسی کو تعینِ وجوبی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی اسم کی وجہ سے یہ شخص وجود میں آیا ہے اور یہی اسم اس کا

رب یعنی پرورش اور تربیت کرنے والا ہے۔ ہر شخص یعنی حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور عام مؤمنین کا تعینِ وجوبی (اسمِ مُربّی) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء میں سے معلوم شدہ اور علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے، یہی اسم اس شخص کا اسمِ مُربّی اور اس کے وجودی فیوض کا مبدأ ہوتا ہے اور اسی اسم سے اس شخص کو فیض آتا ہے۔

مقدمۂ اول: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے رحلت فرمانے سے ایک ہزار اور چند سال بعد حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے متحد ہو جائے گی۔

مقدمۂ دوم: علم کے دو درجے ہیں ایک صفت العلم ہے اور دوسرا شان العلم۔ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شان العلم سے مراد ہے اور یہی صفت عالمِ اَمر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تربیت کرنے والی ہے اور صفت العلم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تخلیق اور وجودِ مبارک کا مبدأ اور فیوض کا واسطہ و سبب ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیضِ وجودی (بشری) صفت العلم ہے اور جس صفت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو نبوت کا فیض آیا وہ شان العلم ہے۔ عالمِ اَمر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فیوض و کمالات کا واسطہ اور مُربّی ہے یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض شان العلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض شان العلم سے بلند تر ہے۔

مقدمہ ٔسوم: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تخلیق کاواسطہ ٔفیوض جُدا اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالات کا واسطہ ٔفیوض جدا اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا جُدا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے حقائقِ وجودی اور حقائقِ کمالات دونوں ایک ہی ہیں یعنی ان حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی جس صفت سے تربیت ہوتی ہے اسی صفت سے ان کو کمالاتِ نبوت بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دونوں حقیقتیں جُدا جُدا ہیں یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صفت العلم ہے جبکہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شان العلم۔

مقدمہ ٔچہارم: حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حقیقتِ کعبہ ٔربانی متحد ہیں یہ وہ مرتبہ ہے جو شان العلم سے بلند تر ہے اور شان العلم حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مُربّی ہے۔

مقدمہ ٔپنجم: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے پہلے ہزار سال کے لئے حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو جُدا زمانہ اور جُدا تاثیر عطا فرمائی مگر جب حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے متحد ہو گئی تو پھر اس نے ایک اور جُداگانہ تاثیر پیدا کرلی۔

مقدمہ ٔششم: ہر انسان دو حقیقتوں کا مالک ہوتا ہے ایک حقیقتِ وجودی اور دوسری حقیقتِ امکانی۔ حقیقتِ وجودی اس مرتبہ ٔوجودی سے عبارت ہے کہ جس سے اس شخص کا فیضانِ وجود اور فیضانِ کمالات کا واسطہ ہوتا ہے اور حقیقتِ امکانی عالمِ خلق سے عبارت ہے۔

مقدمۂ ہفتم: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہر ایک اسم مراتبِ متفاوت رکھتا ہے یعنی ہر صفتِ اضافی پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے، مثال کے طور پر اسمِ وہاب، اسمِ قہار اور اسمِ رحیم وغیرہ مراتبِ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ یعنی ان میں ابتداء، اوسط اور انتہاء کے مراتب موجود ہیں۔ صفت اور شان پر شان العلم اور شان القدرت وغیرہ کی طرح اسم کا اطلاق ہوتا ہے اور وہ مرتبہ جو کہ شیونات سے بلند تر ہے اسے اعتبارات کہا جاتا ہے ان دونوں پر بھی اسم کا اطلاق ہوتا ہے۔

مقدمۂ ہشتم: عالمِ خلق حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے اور عالمِ اَمر حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نبوت حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھی اور وہ حقیقتِ احمدی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ اَمر سے تعلق رکھتی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی روحانیت سے ملائکہ کرام کو مقرر شدہ وظائف کی تعلیم فرماتے تھے یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی روحانیت کی وجہ سے معلم تھے اور ملائکہ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اذکار کی تعلیم فرماتے تھے ملائکہ کے لئے جو وظائف اور اذکار اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مقرر فرمائے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ملائکہ کو ان ہی وظائف اور اذکار کی تعلیم فرمائی تواب جو فرشتہ یَا قُدُّوس یا کسی اور اسم کا ذکر کرتا ہے تو یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اسی روحانی تعلیم کا اثر ہے تو اس وجہ سے ملائکہ بھی عالمِ اَرواح میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت میں شامل ہیں۔ اب مندرجہ بالا مقدمات کی تفصیل اس مکتوب شریف کی تشریح روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے مقام سے عروج فرمائے گی، الخ۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے رحلت فرمانے سے ایک ہزار اور چند سال بعد حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ متحد ہو جائے گی۔ یعنی ہزار سال تک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ خَلق کا مُربّی شان العلم تھا اور ہزار سال کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ خَلق کا مُربّی شان العلم سے بھی بلند تَر ہو جائے گا اور فیوضِ کعبۂ رُبّانی و حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مُربّی اس مرتبۂ مقدسہ میں ہو جائے گا۔ ہزار اور چند سال کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عالَم خلق شان العلم سے منقطع ہو کر شان العلم کے بلند تر مرتبہ سے فیض لے گا تو اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ممکنات سے نسبت کم اور عالَمِ وجوب سے زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد فتنے وفساد زیادہ ہو گئے اور نیابت وظہورِ کامل و مکمل کی ضرورت اور احساس پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ایک کامل و مکمل نائبِ حقیقی مقرر ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

فِيمَا أَعْلَمُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا۔

ترجمہ: میرے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس اُمت کی (رہنمائی) کے لئے ہر سو سال کے بعد ایک ایسا شخص پیدا فرماتا رہے گا جو کہ از سرِ نو دین کی تجدید کرے گا۔ [1]

ہر صدی میں پیدا ہونے والی ایسی شخصیت کے لئے آج تک کسی عالم نے کامل و مکمل کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ محققین علماءِ کرام کے نزدیک کامل و مکمل اور نائبِ حقیقی وہ شخصیت ہوتی ہے جو ہزار سال بعد پیدا ہو اور وہ کامل و مکمل نائبِ حقیقی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔ جب ہزار سال گزر گئے جو کہ بڑی لمبی مدت اور بڑا دراز زمانہ ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم رحلت فرمانے سے ایک ہزار اور چند سال کے بعد اُمت کی جانب متوجہ ہوئے اور بعد ازاں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کُلی توجہ عالمِ وجوب کی جانب مرکوز ہو گئی اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ خَلق نے عالمِ اَمر کو حکم لے کر اس کا رنگ اختیار کر لیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ اَمر کی مناسبت مخلوقات سے کم اور عالمِ وجوب کے ساتھ زیادہ ہو گئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجودِ اقدس پر بشریت غالب آگئی یعنی جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر فائز تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر بشریت غالب تھی جس طرح کہ آیتِ مبارکہ میں موجود ہے کہ: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ (الكهف ۱۱۰) تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے۔ لفظ مِثْلُكُمْ کا لانا تاکیدِ بشریت کے لئے ہے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ

---

[1] (سنن أبي داؤد، ج ۴، ص ۱۷۸، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بشر کا لفظ استعمال ہونے سے ہرگز کوئی یہ مراد نہ لے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہماری طرح بشر نہیں ہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم افضل البشر ہیں اس لئے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات دوسری تمام عورتوں سے افضل ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بطریقۂ اولیٰ افضل البشر ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ (الأحزاب ۳۲)

ترجمہ: اے نبی کی بیبیو تم اَور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر فائز ہوگئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ اَمر کے عالمِ خلق پر غالب آنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر روحانیت یعنی صفتِ ملکی غالب آگئی تو اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مناسبت نہ ہونے کی وجہ مُریدانِ مبتدی کا بلا واسطہ افادہ واستفادہ کرنا کم ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے کسی سے کم ہی سُنا ہوگا کہ میں نے ملائکہ کو خواب میں دیکھا یا اُن سے کچھ فیض اخذ کیا ہے۔ تو اب اگر کوئی کہے کہ میں بلاواسطہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بیعت یا مصافحہ کرتا ہوں تو اس طرح کہنا طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ البتہ کامل ومکمل اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دیدار سے بھی مشرف ہوسکتے ہیں اور ان کی قبور سے بھی فیض حاصل کرسکتے ہیں اور اسی طرح اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبرِ اطہر سے بھی فیض حاصل

کر سکتے ہیں، مگر عام لوگ یا مبتدیانِ طریقت جو ہر وقت یہ کوشش کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے چہرۂ انور سے پردہ ہٹادیں اور ہمیں خواب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے فیض یاب ہو سکیں تو یہ بات انتہائی دشوار ہے، کیونکہ ان میں وہ قابلیت موجود نہیں ہے جو اخذِ فیض کے لئے درکار ہے۔ اور وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ خلق نے عالمِ اَمر کا رنگ اختیار کیا ہوا ہے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عالمِ خَلق عالمِ اَمر ہونے کی وجہ سے عالمِ خَلق سے منقطع ہو کر عالمِ وجوب کی جانب ہو گیا، جبکہ مُریدانِ مبتدی کے عالمِ اَمر پر عالَمِ خلق غالب ہوتا ہے اور اہلِ قبور کا عالمِ اَمر قوی ہوتا ہے تو اسی لئے اہلِ قبور کے ساتھ مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے ان سے استفادہ کرنا بھی تقریباً ناممکن ہے۔ البتہ سالکینِ طریقت جن کے دل کا قفل کسی صاحبِ نظر کی توجہ سے کھل چکا ہو وہ اولیاء عظام کی قبور سے جلدی فیض لے لیتے ہیں کیونکہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بہ نسبت اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے اور اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یوں ہے کہ جو اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ زندہ ہوتے ہیں ان کی کیفیت الگ قسم کی ہوتی ہے مگر جو اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ دُنیا سے رُخصت ہو جاتے ہیں اُن کی قوت زندہ اولیاء اللہ کی بہ نسبت دُوگنی ہو جاتی ہے۔ تو جب مُریدانِ مبتدی اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور سے فیض مشکل سے لیتے ہیں تو جو لوگ تصوف اور بیعت کرنے سے منکر ہیں اُن کا کیا حال ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس

شخص نے کسی چیز کی مٹھاس کو ہی نہ چکھا ہو وہ اس کے مزے کی کیا خبر رکھتا ہو گا ایسا شخص انکار کرنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا ہے؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ دو میم طوقِ عبودیت سے عبارت ہے یعنی اسمِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں دو میم اور اسمِ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ایک میم ہے۔

اور اسی لئے مولانا جلال الدین بلخی رُومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

زاَحمد تا اَحد یک میم فرق است

جہانے اندران یک میم غرق است

ترجمہ: اَحمد اور اَحد کے درمیان ایک میم کا فرق ہے اور یہ دونوں جہان اسی ایک میم میں غَرق ہیں۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب میم عبودیت سے عبارت ہو اور عبودیت بندگی وخدمت اور عبادت وتضرع سے عبارت ہو تو پھر دو میم کا مقام ایک میم سے بلند تَر ہونا چاہیئے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ طوقِ عبودیت علامتِ حدوث وامکان سے عبارت ہے، جب دو میم میں علامتِ حدوث وامکان بہت زیادہ ہو تو پھر ایک میم کا مرتبہ عالمِ وجوب کے لئے نزدیک وبلند تَر ہوتا ہے اور اس میں انعکاسِ وجوب بھی زیادہ ہوتا ہے یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بہ نسبت حقیقتِ احمدی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ قُرب زیادہ ہے۔ پہلی مثال جیسے عرش وکرسی اور ملائکہ ذاتِ بحت سے جتنے انعکاسات یعنی فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں وہ دُنیا میں کوئی نہیں حاصل کر سکتا تو اس لئے ایک میم والا مقام یعنی حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فیض لینے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ

کے زیادہ قریب اور دو میم والا یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فیض لینے کی بہ نسبت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُور ہے۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس طرح عالمِ اَرواح میں ملائکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد وعبادت میں مشغول رہتے ہیں اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رُو سے عالمِ وجوب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد وعبادت میں مشغول ہیں اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رُو سے جس میں دو میم ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالمِ امکان یعنی دُنیا میں بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد وعبادت میں مشغول رہتے تھے ان دونوں حقیقتوں میں عبادتوں کی وجہ سے ایک میم والی یعنی حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عالمِ وجوب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ قُرب زیادہ ہے یہ دونوں طوق عبودیتِ امکانی کے طوق ہیں۔ جس طرح دو میم والی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں دو علاماتِ امکان موجود ہیں اور ایک میم والی حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ایک علامتِ امکان موجود ہے یعنی حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بہ نسبتِ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ وجوب کے لئے نزدیک و قریب تَر ہے لہٰذا دو علاماتِ بندگی میں عالمِ امکان سے مناسبت زیادہ ہے اور ایک علامتِ عبودیت وبندگی میں عالمِ امکان سے مناسبت کم تر اور عالمِ وجوب کے نزدیک و قریب تَر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مراتبِ وجوب کے کمالات کا انعکاس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کے اس مرتبہ یعنی حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں زیادہ ہے۔

جتنے بھی انوارات اور فیوض وبرکات ہیں وہ سب کے سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ سے ہیں اور اسی طرح اسماء وصفات کے لئے بھی جتنے انوارات اور فیوض وبرکات آتی ہیں وہ بھی اسی ذاتِ مقدسہ سے آتی ہیں اور ان اسماء وصفات کی مناسبت مخلوق کے ساتھ زیادہ ہے اس لئے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماءوصفات کے توسط سے اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کے ظل سے فیوض وبرکات پہنچتی ہیں جیسے علم وحیات وغیرہ سے ان کے لئے فیض پہنچتا ہے اور جس اسم سے ان حضرات کو فیض ملتا ہے وہی ان کا مبدأ فیض ہوتا ہے۔ یہ حضرات تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب حاصل ہونے کے بعد اس حقیقت کے مظہر بن جاتے ہیں اور پھر یہ انوارات ان حضرات کے وجود میں ظاہر ہو جاتے ہیں مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا معاملہ دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات سے جُدا ہے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجودِ مبارک کا فیضِ تخلیق صفت العلم اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فیض وکمالات کا مبدأ شان العلم ہے اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فیض وکمالات کا مبدأ شان العلم سے بلند تر ہے پس دیگر حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مبدأ فیض واحد اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبادی فیوض متعدد ہیں۔

جس طرح اوپر بیان ہوا ہے کہ جس سالک کا نفس تزکیہ اور قلب تصفیہ نہ ہو تو وہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور یا زندہ ولی سے فیض جلدی نہیں لے سکتا تو پھر مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ مُریدانِ مبتدی پر توجہات زیادہ کریں تاکہ ان کی توجہات کے ذریعے فیض مُریدانِ مبتدی کے لطائف میں داخل ہو اور ان کو لطائف میں ذِکر کا احساس پیدا ہو اور جو مُریدانِ مبتدی اس

کا تھوڑا سا بھی احساس کر لیں تو اسے بہت بڑی غنیمت جانیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شُکر ادا کریں اور مزید کوشش جاری رکھیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ اس وقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا نام حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہو جائے گا۔ اور ذاتِ احد سلطانہٗ کا مظہر بن جائے گی، اور دونوں اسمِ مبارک اپنے مسمّٰی کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے، الخ۔ یعنی سابق میں اسمِ مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ خَلق کی طرف راجع تھا کہ وہ شان العلم کا مظہر ہے نہ کہ ذاتِ تعالیٰ کا مظہر اور اسمِ مبارک احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ اَمر سے تعبیر ہے اور اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عالمِ خَلق عروج فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ اَمر سے متحد ہو گیا یعنی محمد اور احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دونوں ذاتِ اَحد جل سلطانہٗ کے مظہر بن گئے۔ مختصر یہ کہ دُنیا میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو صفت شان العلم سے فیض آتا تھا مگر جب حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ متحد ہو گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے ذاتِ بحت سے فیض آنا شروع ہو گیا۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالی مقام سے عبارت ہے جو کہ شان العلم سے بھی بلند تَر ہے اور یہ معنی بھی دَر حقیقت شیوناتِ ذاتیہ کی ایک شان سے ہے جو کہ عینِ ذات نہیں ہے پس حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمانا

کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دونوں ذاتِ احد سلطانہٗ کا مظہر بن جائیں گے یہ بات کیا معنی رکھتی ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مظہر شان العلم سے بلند تر معنی رکھتا ہے اور یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کا مظہر نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیونات، زائد وجودِ خارجی نہیں رکھتے اور نہ ہی عینِ ذات ہوتے ہیں اور یہ اللہ جل سلطانہٗ کے اعتباراتِ ذات سے عبارت ہیں مگر اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اعتبارات بھی اسماء وصفات ہیں کہ نہ تو عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جدا ہیں بخلافِ صفات کہ یہ وجودِ زائد رکھتی ہیں اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شیونات کے مراتبِ وجود میں بھی تفاوت ہے پس شیونات کے مظہر کو اللہ جل سلطانہٗ کے ذات کا مظہر کہا جا سکتا ہے اگرچہ یہ بھی اسماء وصفات ہیں۔ برخلافِ مظہرِ صفات کہ اسے اللہ جل سلطانہٗ کی ذات کا مظہر نہیں کہا جا سکتا۔ یعنی صفات کو ہم مظہرِ ذات نہیں کہہ سکتے۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

رسیدہ اَم بمقامے کہ لامکاں آنجا است

نہ نامِ روئے زمین ونہ آسماں آنجاست

دو دیدہ باز مکن دررُوش دولب مکشا

نہ تابِ دیدن ونے طاقتِ بیاں آنجاست

بوادئ کہ گذشتم نہ جائے چون وچرا است

نہ صورت ست ونہ شکل ونہ جسم وجاں آنجاست

چرا تو عاشقِ آن گل نمی شوی بلبل
کہ نے بہار کند گاہ و نے خزاں آنجاست

وبالِ کشتنِ فرہاد بر سرش زآنست
کہ در مقامِ تعشق نہ امتحان آنجاست

خطاست کلمۂ منصور در رہِ وحدت
چہ گونہ صوتِ لب و جنبش زباں آنجاست

بگردِ خانۂ محبوب خود مرو حافظؔ
کہ نیم شب شد و بیدار پاسباں آنجاست

ترجمہ اشعار: میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں جہاں لا مکاں ہے اس جگہ نہ تو زمین کا نام ہے اور نہ ہی آسماں ہے۔ اس کے چہرے پر دونوں آنکھیں نہ کھول، دونوں ہونٹ نہ کھول اُس جگہ نہ دیکھنے کی طاقت ہے اور نہ بیان کرنے کی طاقت۔ جس وادی سے میں گزرا، وہاں چون و چرا کی جگہ نہیں وہاں نہ صورت ہے نہ شکل نہ جسم ہے اور نہ جان۔ اے بلبل تو اس پھول کی عاشق کیوں نہیں ہوتی؟ جو ایسا نہیں ہے کہ کبھی بہار پر آتا ہو اور نہ وہاں خزاں ہے۔ اس کے سَر پر فرہاد کو مار ڈالنے کا اس لئے وبال ہے کہ مقامِ تعشق میں یہاں تک کا امتحان نہیں ہے۔ وحدت کے راستہ میں منصور کا کلمہ غلطی ہے، ہونٹ کی آواز اور زبان کی جنبش وہاں کس طرح ہو سکتی ہے؟ اے حافظؔ اپنے محبوب کے گھر کے گرد نہ جا اس لئے کہ آدھی رات ہو گئی ہے اور وہاں چوکیدار بیدار ہے۔

ان اشعار کے دقائق معنوں سے ثابت ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جو معارف بیان فرمائے ہیں وہ سابقہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکمل طور پر

موافق ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان معارف کو اشعار و کنایات میں بیان فرمایا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان معارف اور کشف و شہود کو نثر کے ذریعے آشکارہ فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقام میں جو خالی رہا تھا، قرار پکڑیں گے، الخ۔ یعنی حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ نزول تک کوئی شخص بھی اس حقیقتِ مقدسہ کا مظہرِ دائمی نہیں ہو سکے گا اگرچہ اس شخص کی سَیر اس سے بلند تَر بھی واقع ہو جائے تب بھی یہ مقام خالی ہی رہے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ اس سے اوپر اس کی شان کے مطابق اور زائد معنی ہوں، الخ۔ یعنی یہ بلند مقام جو کہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حقیقتِ کعبۂ رَبانی ہے اس مقام سے بلند ایک اور بلند مقام ہے جو کہ اعتبارات سے وجود رکھتا ہے اور اعتبارات کے اس مقام سے بلند اعتبارات کے اور بھی دوسرے بلند تر مراتب موجود ہیں، لیکن قوتِ بشری اس کے ادراک سے عاجز ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات تک رسائی حاصل کرے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

زِاعلیٰ بالا و بالا زِ بالا

بلندی ہم نی گنجد دَر آنجا

ترجمہ: اس اعلیٰ مقام سے اوپر اور بھی بلند ترین مقامات موجود ہیں جہاں بلندی کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ اہل اللہ کی ایک دوسرے پر فضیلت اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق ان مختلف مراتب کے طے کرنے کے اعتبار سے ہے، الخ۔ یعنی بعض اولیاء کرام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے ظل تک رسائی حاصل کرتے ہیں جو کہ ولایتِ صغریٰ سے عبارت ہے اور اکثر اولیاء اللہ اسی ولایت پر فائز ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض اولیاء کرام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کی اصل تک بھی رسائی حاصل کر لیتے ہیں، اور اس ولایت کو ولایتِ کبریٰ کہا جاتا ہے، اور یہ ولایتِ کبریٰ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت ہے اور ان میں سے بعض اولیاء کرام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی شیونات تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جو کہ ولایتِ ملاء الاعلیٰ سے عبارت ہے اور بعض خوش نصیب اولیاء کرام حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی کامل اتباع کی بدولت مقامِ نبوت اور تجلیاتِ رسالت اولوالعزم سے بھی فیض یاب ہو جاتے ہیں۔

اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

خاک شو خاک تا بروید گل

کہ بجز خاک نیست مظہر گل

ترجمہ: خاک بنو خاک تا کہ پھول اُگ سکیں، کیونکہ خاک ہی پھولوں کی جائے ظہور ہے۔

جب تک کوئی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاؤں کی خاک نہ بنے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دوستی پر مشرف نہیں ہو سکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس بات پر کیا عقیدہ رکھیں گے کہ آیا حضور نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ نور ہے یا بشر؟ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اور اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دو میم (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) جو کہ عبودیت کے لئے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مخلوق کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر بشریت غالب ہوتی تھی، اس دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سایہ مبارکہ دکھائی دیتا تھا اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خلوت میں ہوتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سایہ مبارکہ دکھائی نہیں دیتا تھا اور وہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سایہ مبارکہ نہیں دیکھا تو یہ اس پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سایہ مبارکہ اس وقت دکھائی نہیں دیتا تھا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خلوت میں ہوتے تھے کیونکہ اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالمِ اَمر میں ملتبس ہوتے تھے اور وہ جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے کہ ہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سایہ دیکھا ہے یہ اس پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سایہ مبارکہ اس وقت دکھائی دیتا تھا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم رُشد وہدایت فرماتے تھے کیونکہ اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالمِ خَلق میں ملتبس ہوتے تھے۔ تو اس لئے ہم نورانیت اور بشریت دونوں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ ہزار سال بعد حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقتِ

احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو کہ عین حقیقتِ کعبہ ہے اس کے ساتھ متحد ہو جائے گی تو اس صورت میں سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم افضل ہوں گے یا کعبۂ رُبانی افضل ہو گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عروۃ الوثقٰی خواجہ معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ کعبۂ رُبانی اپنی حقیقت سے بلند تر عروج نہیں کرتا اور اپنی جگہ پر ہی موجود ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عروجات حقیقتِ کعبۂ رُبانی سے بلند تَر اور غیر متناہی ہیں اس لئے فضیلت حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہو گی لیکن اس سے کوئی یہ مراد نہ لے کہ مدینہ منورہ کی جانب سجدہ کرنے لگے بلکہ ہمیں صرف کعبۂ رُبانی کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس مقام پر حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ثناء کا حق ادا کرنا ممکن ہی نہیں قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی بزرگ ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ حقیقتِ کعبۂ رُبانی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بلند تَر ہے مگر حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بلند نہیں ہے، کیونکہ سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دو حقیقتوں کے جامع ہیں نہ کہ صرف حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے۔ پس کعبہ سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سے کس طرح افضل ہو سکتا ہے جبکہ سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عروجات حقیقتِ کعبہ سے بلند تر ہیں۔

بعض اوقات کچھ صوفیاء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کعبۂ ربانی میرا طواف کرتا ہے تو آیا اس طرح کے الفاظ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے وہ اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ جنہیں حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یعنی ذاتِ بحت یا اعتبارات سے فیض ملتا ہے یا ان کے عروج حقیقتِ کعبۂ ربانی سے اوپر واقع ہوتا ہے اگر وہ اس طرح کے الفاظ استعمال کریں اس کا تو جواز ہے مگر عام اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح الفاظ کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اللھم اجعلنا من الذین ثقلت موازین حسناتہ و لا تجعلنا من الذین خفت موازین حسناتہ اٰمین
یا رحمٰن بحرمۃ شھر رمضان الذي انزل فیہ القرآن

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِمَنْ سَعٰی فِیْہِ وَلِوَالِدَیْھِمْ وَلِاَسَاتِذَتِھِمْ وَلِاَھْلِ بَیْتِھِمْ اَجْمَعِیْنَ
آمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی نہایت دقیق اور مشکل ترین ہے جس کے سمجھنے کے لئے علم ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی آگاہی بھی ضروری ہے اس لئے فہم و تفہیم کی خاطر چند مقدمات پیش خدمت ہیں۔

وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

مقدمۂ اول

ہر شخص اپنی قلتِ استعداد کی وجہ سے ذات حق تعالیٰ سے براہ راست فیض یاب نہیں ہو سکتا، بلکہ اسمائے باری تعالیٰ کے ذریعے مستفیض ہوتا ہے جیسے بندۂ مرحوم، بندۂ مرزوق، بندۂ مقدور، اسمائے الٰہیہ، اسم رحیم، اسمِ رزاق اور اسمِ قادر کے ذریعے سیر اب ہوتا ہے وہ اسم اس شخص کا رب، مربئ حقیقت، مبدأ فیض اور مبدأ تعین کہلاتا ہے۔ چونکہ اسمائے الٰہیہ کا تعلق عالمِ وجوب سے ہے اس لئے اسے تعینِ وجوبی کہا جاتا ہے۔

ہر شخص کے مبدأ تعین کی دو قسمیں ہیں:

تعینِ وجوبی اور تعینِ امکانی

تعینِ وجوبی کو حقیقتِ وجوبی اور تعینِ امکانی کو حقیقتِ امکانی بھی کہتے ہیں، تعینِ وجوبی کے ظل اور انعکاس کو تعینِ امکانی کہا جاتا ہے۔ عالمِ بالا میں عروجی سیر کرنے والے سالکین، تعینِ امکانی کو تعینِ وجوبی سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ وجوب نہیں بلکہ وجوب کا ظلال وانعکاس ہوتا ہے۔ تعینِ وجوبی میں سیر کرنے والے صوفیاء کرام بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ

انسان کی حقیقتِ امکانی سے اس کا عالمِ خلق اور عالمِ اَمر مراد ہے اور اس کی حقیقتِ وجوبی سے وہ مرتبہ مراد ہے جو اس شخص کے فیضانِ وجود اور فیضانِ کمالات کا واسطہ ہے۔

مقدمۂ دوم

لغت میں لفظ حقیقت سے مراد ذاتِ شئ یا کسی لفظ یا عبارت کا بنیادی مفہوم ہے۔ اصطلاح میں کسی شئ کی اصلیت، کنہ، جوہر اور باطنی پہلو مراد ہے جبکہ اہلِ طریقت کے نزدیک حقیقت سے مراد کسی شئ کا مبدأ تعین ہے جہاں سے وہ شئ فیض یاب ہوتی اور تربیت پاتی ہے۔

مقدمہ سوئم

حق تعالیٰ سبحانہٗ کی عادتِ جاریہ ہے کہ دنیا میں زمانے کے اطوار وادوار میں ہزار برس کے بعد انقلاب و تغیر رونما ہوتا رہا ہے اس لئے تقریباً ہزار برس کے بعد اولوالعزم رسل عظام علیہم الصلوات تشریف لاتے رہے، تا آنکہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ختم نبوت کا تاج زیبِ سر کئے جلوہ گر ہوئے۔ اسی اصولِ قدرت کے مطابق حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد بھی ہزارہ دوم میں تغیر و تبدل ناگزیر تھا۔ ہزارۂ سوم کے عقلی و شرعی اور شہودی وکشفی شواہد نہیں ملتے اس کے بعد قیامِ قیامت ہی ہوگا۔ ہزارۂ اول کے اختتام پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا ظہور ہوا، گو آپ نے اس کی صراحت نہیں فرمائی مگر آپ کے مکتوبات شریفہ اور تصانیفِ لطیفہ سے اشارۃً یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ آپ خلافتِ نبوت اور نیابتِ رسالت کے طور پر مسندِ دعوت و تبلیغ اور منصبِ ارشاد و تجدید پر متمکن ہوئے اس لئے علمائے راسخین اور صوفیائے کاملین نے آپ کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ جبکہ قربِ قیامت کی تجدید واصلاح کے لئے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور وارثِ کمالاتِ محمدیہ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریف آوری کی بشارت سنائی گئی۔

مقدمہ چہارم

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جسمِ اطہر کی تخلیق کا مبدأ فیض صفت العلم ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ خلق کی مربی شان العلم ہے۔ اسی شان العلم کو حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا مرتبہ شان العلم سے بلند تر ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عالمِ اَمر کی

مربی اور واسطہ ٔفیوض کمالات ہے۔ یاد رہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا واسطہ فیض تخلیق الگ ہے، حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا واسطہ ٔفیوضِ کمالات جدا ہے اور حقیقت احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا معاملہ وشان علیحدہ ہے جبکہ دیگر انسانوں کے فیضِ وجود اور فیضِ کمالات کا مبدأ ایک ہی ہے۔

واضح رہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے علم وعرفان کی حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات پر جاکر ختم ہوگئی اور اس کی حدِ رفعت کے متعلق بھی لب کشائی نہ ہوئے۔ جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حقیقتِ محمدیہ سے آگے حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ حقیقتِ احمدیہ شان العلم سے بھی بالاتر ہے جس کا ادراک ناممکن ہے اور حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات اور حقیقتِ کعبہ دونوں ایک ہی ہیں۔

مقدمہ ٔپنجم

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مرتبہ ٔنبوت تخلیقِ آدم علیہ السلام سے قبل حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے ساتھ تعلق رکھتا تھا جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔ [1] سے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ آپ کا تعینِ وجوبی تھا کیونکہ عالمِ خلق کی تخلیق نہ ہونے کی بناء پر تعینِ امکانی ابھی منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہوا تھا۔ عالمِ اَمر میں انبیائے عظام، ملائکہ کرام اور اہلِ ایمان موجود تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات عالمِ اَمر کے سارے نظام کی معلم ومربی تھی۔ اس لئے جمیع ملائکہ کرام علیہم السلام نے تسبیحات واسباق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ہی سیکھے تھے۔ بنابریں

---

[1] (روح المعانی، ج۴، ص ۱۳۲، الناشر: دار الکتب العلمیۃ۔بیروت)

جملہ فرشتے آپ کے امتی اور تلمیذ ہیں، جیسا کہ روایت میں ہے: يُسَبِّحُ ذَالِکَ النُّوْرُ وَتَسْبِيْحُ الْمَلَائِكَةِ بِتَسْبِيْحِهِ۔

بقول شاعر:

گر نہ خورشیدِ جمالِ یار گشتے راہِ نموں

از شبِ تاریک غفلت کس نبردے راہ بروں

مقدمہ ششم

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ جیسی صفات کے ساتھ متصف ہونے کی بناء پر عالمِ بالا کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا تعلق بھی عالمِ بالا کے ساتھ ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اَنَا اَحْمَدُ فِي السَّمَاءِ وَمُحَمَّدٌ فِي الْاَرْضِ۔[1] سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دیس عالمِ بالا کی زبان میں وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف ٦) کہا اور جب حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات عبودیت کے دو طوقوں سے ملبوس ہو کر دنیا میں جلوہ گر ہوئی تو اسے حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے موسوم کیا گیا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مرتبۂ نزول تھا، اور حقیقتِ احمدیہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مرتبۂ عروج تھا۔ جب آپ پر حقیقتِ محمدیہ کا غلبہ ہوتا تھا تو آپ سے بشری تقاضوں کا ظہور ہوتا تھا جیسے خورد و نوش، نشست و برخاست وغیرہا اور جب آپ پر حقیقتِ احمدیہ کا غلبہ ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ملکی تقاضوں کا ظہور ہوتا تھا جیسے صیامِ وصال اور عدمِ سایہ وغیرہا۔

---

[1] (مواھب اللدنیه)

مقدمہ ہفتم

حقیقتِ محمدیہ میں طوقِ عبودیت کے غلبہ کے باعث آپ کو اظہارِ بشریت کا حکم تھا، جیسا کہ آیہ کریمہ: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ (الکهف ۱۱۰) سے عیاں ہے۔ مِثْلُكُمْ مثلیت کے لئے نہیں بلکہ بشریت کی تاکید کے لئے ہے تا کہ بشریت وانسانیت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مانوس ہو کر ایمان وہدایت ومعرفت حاصل کر سکے۔ المختصر ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔[1] میں حقیقتِ احمدیہ کا مقامِ نبوت ہے۔ اور قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ (الکهف ۱۱۰) میں حقیقتِ محمدیہ کا مقام نبوت ہے، حدیث میں حقیقتِ احمدیہ کی نبوت کی طرف اشارہ ہے اور آیت میں حقیقتِ محمدیہ کی نبوت کی طرف اشارہ ہے۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ اگرچہ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات منسوخ ہونے سے محفوظ ہے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رحلت مبارک کے ہزار برس بعد تجدید شریعت، تائیدِ ملت اور تخریبِ بدعت کا کام علمائے راسخین اور مجددین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو سونپا گیا تا کہ وہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کی نیابت وخلافت میں ترویجِ شریعت اور احیائے سنت کا فریضہ سر انجام دیں جیسا کہ احادیث مبارکہ: عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔[2] اور إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا۔[3] سے عیاں ہے تا کہ شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات ہر قسم کی بدعات وخرافات سے پاک ہو جائے۔

---

[1] (روح المعانی، ج ۴، ص ۱۳۲، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

[2] (تفسیر کبیر، ج ۱۷، ص ۲۶۷، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

[3] (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۱۷۸، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

بینہ

واضح رہے کہ اس مکتوب گرامی کو نہ سمجھنے کی وجہ سے حاسدین و معاندین نے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز پر دعوائے نبوت کا الزام لگا دیا جس کا جواب آپ نے خود ہی متنِ بالا میں بیان فرما دیا اس کی قدرے تفصیل کچھ یوں ہے۔

تقاضائے حکمتِ ربانی حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات جو عالمِ خلق کی طرف متوجہ و مربی تھی اسے عالمِ بالا کی طرف متوجہ کر لیا گیا تو اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی عمر خیریت اختتام پزیر ہونے کی وجہ سے ہمہ گیر زوال شروع ہو گیا۔ صوفیائے خام، علمائے سوء، امرائے سلطنت اور عمائدینِ مملکت آزاد خیالی کے زعم میں مبتلا ہو کر ہنود و یہود وغیرہا کی رسومات و عادات کے پابند ہو گئے، جلال الدین اکبر کے وضع کردہ دینِ الٰہی نے دینِ اسلام کی اصلی صورت و حقیقت کو بدعات و خرافات کے دبیز پردوں میں چھپا دیا۔۔۔

اندریں حالات ضرورت تھی کسی ایسے مرد وحید اور فردِ فرید کی جو حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی نیابت و خلافت پر متمکن ہو اور اپنی حکمتِ بالغہ، دعواتِ صالحہ، تصرفاتِ باطنیہ اور توجہاتِ قدسیہ سے ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کر دے جو محدثات و منکرات کا خاتمہ کر کے دینِ اسلام کی صحیح صورت اور خدو خال نمایاں کر دے۔ فلہٰذا یہ عظیم فریضہ حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز نے سر انجام دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور حضرت سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظہور تک ہزارۂ دوم میں جتنی بھی اسلامی تحریکیں اٹھیں گی عقائدِ اسلامیہ کی تصحیح، اعمالِ صالحہ کی

تعمیل، ملت کی تعمیر و تشکیل پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے روحانی تصرفات و تاثیرات اور باطنی توجہات وبرکات کار فرما ہوں گی۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رحلتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے ہزار برس بعد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکملیت کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے قارئین اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ ولیٔ اکمل جس نے دینِ اسلام کے فروغ واحیاء کے لئے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں وہ سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی شخصیت ہے۔

بقول شاعر:

نبی نیست لیکن برنگِ نبی
بجوشد زکوئش ہزاراں ولی

آپ کے مُرشد ومربی خواجہ بے رنگ حضرت باقی باللہ احراری قدس سرہٗ العزیز نے آپ کے متعلق خوب کہا:

میاں شیخ احمد آفتابی است کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است واز کمل اولیاء متقدمین خال خالے مثل ایشاں گزشتہ باشند۔

یعنی میاں شیخ سرہندی ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے انوار میں گم ہیں اور کاملین اولیائے متقدمین میں ان جیسا خال خال ہوا ہو گا۔ [1]

[1](حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص ۲۹)

نیز سطورِ بالا میں اولیائے آخرین کے کمالات کا کمالاتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مشابہت کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر مال ومنال اور اوطان واولاد وغیرہا کو قربان کرکے دینِ اسلام کی چہار دانگ عالم میں بالادستی قائم کر دی ایسے ہی قُربِ قیامت تشریف لانے والے علمائے راسخین اور اولیائے کاملین بھی کفر کا قلع قمع کر کے دین اسلام کو روئے زمین پر غالب کر دیں گے۔ دونوں فریقوں میں کمالِ مشابہت کی بنا پر ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دے سکتے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا یُدْرَی أَوَّلُهُ خَیْرٌ أَمْ آخِرُہٗ۔[1] سے عیاں ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اولین وآخرین دونوں فریقوں کے احوال سے آگاہی حاصل تھی اس لئے لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) نہیں فرمایابلکہ لَایُدْرٰی کہالوگوں کو معلوم نہیں، اور خیر القرون قرني۔[2] کہہ کر فریقِ اول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خیریت وفضیلت کو بیان فرما دیا۔ رہے تابعین عظام اور تبع تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تو ان کی خیریت بھی ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: خیر القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔[3] سے ثابت ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں فریقِ آخرین سے ان کی خیریت اہل اللہ کے ظہور کثرت اور بدعتیوں، فاسقوں اور فاجروں کی قلت کے اعتبار سے ہے اور ایسا ہونا فریقِ آخرین کے بعض اولیاء اللہ کا تابعین اور تبع تابعین سے افضل ہونے کے ہرگز منافی نہیں ہے جیسے حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۱۵۲، الناشر: شركةمكتبةومطبعةمصطفى البابي الحلبي -مصر)
[2] (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۲۷، الناشر: دارالکتب العلمية -بيروت)
[3] (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۲۷، الناشر: دارالکتب العلمية -بيروت)

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحامی کرد

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بیان فرمودہ تطبیق بین الاحادیث کی تائید درج ذیل ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات سے بھی ہوتی ہے:

فيهن مثل أجر خمسين رجلا يعملون مثل عملكم، قالوا يا رسول الله: أجر خمسين منهم؟ قال: لا بل أجر خمسين منكم۔

یعنی فسادِ اُمت کے وقت کارِ خیر بجا لانے والوں کے لئے پچاس آدمیوں کے عمل جتنا ثواب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) ان کے پچاس آدمیوں کے عمل جتنا ثواب ہو گا فرمایا تمہارے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر اسے ثواب ملے گا۔ [1]

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو حقیقتِ کعبہ کا عین قرار دے کر اسے حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات کا مسجود فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ محمدیہ اور حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی افضلیت و مفضولیت اور مسجودیت کا اجمالاً تذکرہ کر دیا جائے تاکہ فہمِ مسئلہ میں سہولت رہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حقیقتِ کعبہ کے متعلق ارقام پذیر ہیں:

حقیقتِ کعبہ عبارت از ذاتِ بیچون واجب الوجود است کہ گردے از ظہور وطلب بوے راہ نیافتہ است وشایان مسجودیت و معبودیت ست ایں حقیقت را

---

[1] (کنز العمال، ج۳، ص ۹۲، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)

جل سلطانھا اگر مسجودِ حقیقتِ محمدی گویند چہ محذور لازم آید وافضیلت آں چہ قصور دارد۔

یعنی حقیقتِ کعبہ ذاتِ بیچون واجب الوجود سے عبارت ہے جہاں ظہور اور طلب کی گرد بھی راہ نہیں پا سکتی اور وہ مسجودیت ومعبودیت کے لائق ہے اس حقیقت جل سلطانہا کو اگر حقیقتِ محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) کا مسجود کہیں تو اس میں کیا استحالہ لازم آتا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی افضلیت میں کیا قصور واقع ہوتا ہے۔[1]

ایک مقام پر مسجود کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

صورتِ کعبۂ ربانی مسجود الیہا است مر صورِ خلائق را چہ بشر وچہ ملک حقیقتِ آن نیز مسجود الیہا است مر حقائق آں صور را لا جرم آں حقیقت فوقِ جمیع حقائق آمدہ است وکمالاتِ متعلقہ آں فوقِ کمالاتِ متعلقہ سائرِ حقائق گشتہ گوئیا ایں حقیقت برزخ است درمیانِ حقائق کونی وحقائق الٰہی جل سلطانہٗ۔

جیسے صورتِ کعبۂ ربانی مخلوق کی صورتوں کے لئے خواہ وہ بشر ہوں یا فرشتے مسجود الیہا ہے ایسے ہی حقیقتِ کعبہ بھی ان صورتوں کے حقائق کے لئے مسجود الیہا ہے۔ لازمًا وہ حقیقت تمام حقیقتوں پر فوقیت رکھتی ہے اور حقیقتِ کعبہ کے متعلقہ کمالات تمام حقیقتوں کے متعلقہ کمالات سے فوق ہوئے گویا یہ حقیقتِ کعبہ حقائقِ کونیہ اور حقائقِ الٰہیہ کے درمیان برزخ ہے۔[2]

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۲۴)

[2] (دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۶۳)

حقیقتِ کعبہ اگرچہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے فوق ہے مگر فضیلت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ہی حاصل ہے کیونکہ اگرچہ کعبہ میں ظہورِ تنزیہہ صرف ہے مگر کعبہ مرتبۂ ظہورِ تنزیہہ صرف سے بالا عروج نہیں رکھتا لیکن عروجاتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات ظہورِ تنزیہہ صرف سے بالاتر ہیں، جس طرح زید کا آئینہ میں عکس و ظہور عینِ ذات نہیں بلکہ تمثالِ زید ہے جو عین سے کم تر ہے ایسے ہی ظہورِ تنزیہہ (حقیقتِ کعبہ) مرتبۂ ذات حق جل سلطانہٗ سے پائیں تر ہے جبکہ حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات ذاتِ حق جل سلطانہٗ کی طرف عروج لامتناہی سے شادکام ہے اس اعتبار سے حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات حقیقتِ کعبہ سے فوق ہے۔

حقیقتِ کعبہ اگرچہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے نسبتاً برتر ہے مگر حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے پائین تر ہے۔ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں جس مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے حقیقتِ کعبہ کو ذاتِ بیچون واجب الوجود کہا ہے وہاں ذات بیچوں واجب الوجود سے ذاتِ بحت مراد نہیں بلکہ وہاں حقیقتِ کعبہ سے مظہرِ معبودیت اور شانِ مسجودیت مراد ہے۔

حقیقتِ کعبہ اگرچہ حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے بالا ہے مگر فضیلت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم کے لئے ہی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم محض حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات ہی نہیں رکھتے بلکہ آپ حقیقتِ محمدیہ اور حقیقتِ احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات دونوں کے جامع ہیں۔ حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم کی حقیقتِ جسدی اور حقیقتِ احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم کی حقیقتِ روحی ہے۔ حقیقتِ کعبہ اپنے مقامِ اصلی سے عروج نہیں کرتی جبکہ حقیقتِ محمدیہ علیٰ

صاحبہا الصلوات بفحوائے آیہ کریمہ: وَلَلْآخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْأُولَی (الضحٰی ۴) عروجِ لامتناہی سے مشرف ہے اور حقیقتِ کعبہ عروجاتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے لئے زینۂ اول ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۷۵۵ تا ۷۷۵)

مکتوب نمبر ۲۱۰

[نفحات کی عبارت کے حل کرنے اور بعض ضروری نصیحتوں کے ذِکر میں ملا شکیبی اصفہانی کی طرف لکھا:

آپ کا شریف ولطیف خط جو از روئے شفقت ومہربانی اس حقیر بے سامان کے نام لکھا ہوا تھا شرفِ صدور لایا، اور اس کے مطالعہ سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ سلامت رہیں اور سلامت ہی جائیں اور جب تک رہیں فقرا کی محبت پر رہیں، اور جب جائیں ان کی محبت کا سرمایہ لے کر جائیں اور جب اُٹھیں اُن کی محبت میں اُٹھیں بحرمت اُس وجودِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جس نے فقر پر فخر کیا اور اس کو دولت مندی پر اختیار کیا۔

آپ نے از روئے کرم کے لکھا تھا کہ اُس حکایت کا اصل معاملہ کیا ہے جو نفحات میں شیخ ابن السکینہ قدس سرہٗ کے مُرید کی نسبت مذکور ہے کہ ایک دن دریائے دَجلہ میں غسل کے موقع پر غوطہ لگایا اور سَر دریائے نیل سے جانکلا اور مصر میں چلا گیا اور وہاں شادی کی اور اس کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے اور سات سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اتفاقاً پھر ایک دِن غسل کے لئے دریائے نیل میں غوطہ لگایا اور سَر دریائے دَجلہ میں جانکلا۔ دیکھا کہ اس کے کپڑے جو دریائے دجلہ کے کنارے پر رکھے بدستور موجود ہیں ان کپڑوں کو پہن کر گھر آیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ مہمانوں کے لئے کھانا جو آپ نے فرمایا تھا تیار ہے۔ اِلٰی آخر القُصّہ

میرے مخدوم! اس حکایت کا اشکال اس وجہ سے نہیں ہے کہ برسوں کا کام ایک گھڑی میں کیسے میسر ہوگیا؟ کیونکہ اس قسم کا معاملہ بہت واقع ہوتا ہے۔

حضرت رسالتِ خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شبِ معراج میں عروج کے مرتبے طے کرنے اور وصول کی منزلیں قطع کرنے کے بعد جو کئی ہزار برسوں میں میسر ہو سکیں، جب اپنے دولت خانہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ بستر خواب ابھی گرم ہے اور کوزہ میں وضو کا پانی ابھی حرکت میں ہے۔

اس کی وجہ وہی ہے جو اس حکایت کے نقل کرنے کے بعد نفحات میں مذکور ہے کہ یہ بات بسطِ زمان کی قسم سے ہے۔ بلکہ اس حکایت کا اشکال اس سبب سے ہے کہ بغداد میں جو وقت ہو وہی مصر میں ہو۔ حالانکہ عرصہ سات سال کا درمیان پیدا ہو، مثلاً اہلِ بغداد اس وقت سن تین سو ساٹھ ہجری میں ہوں اور اہلِ مصر اُس وقت تین سو ستاسٹھ ہجری میں، عقل و نقل اس بات کو پسند نہیں کرتی۔ یہ معاملہ ایک یا دو شخصوں کی نسبت ہو تو جائز ہے لیکن شہروں اور متعدد مکانوں کی نسبت محال ہے۔ جو کچھ اُس فقیر کی خاطر دفاتر میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکایت حالتِ بیداری سے نہیں ہے بلکہ خواب وواقعات کی قسم سے ہے کہ سُننے والے کے لئے خواب رؤیت سے مشتبہ ہو گئی ہے اور نیند سے بیداری کا وَہم گزرا ہے اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں۔ بلکہ اسی اشتباہ کے ظن سے ہے کہ خواب میں دیکھا ہے اور خواب میں اپنے پیر سے کہا ہے اور فرزندوں کو لایا ہے وغیرہ وغیرہ اور وہ حکایت بھی جو اس حکایت کے بعد شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہٗ سے نقل کرتے ہیں اسی قسم سے ہے وَ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ اَعۡلَمَ بِحَقَائِقِ الۡاُمُوۡرِ کُلِّھَا اور تمام اُمور کی اصلی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس عبارت کی شرح لکھنی چاہیئے کہ جسد کا مُربّی روح ہے اور قالب کا مُربّی قلب۔

میرے مخدوم! ان دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے اور وہ انسان کہ عالمِ خَلق کو اس کے عالمِ اَمر سے تربیت کرتا ہے اور چونکہ جسد کا لفظ رُوح کے لفظ کے ساتھ اکثر استعمال واقع ہوتا ہے اور قالب و قلب کے درمیان لفظی مناسبت ہے، اس واسطے ہر ایک کو اپنے مناسب لفظ کے ساتھ جمع کر کے عبارت کا اختلاف اختیار کیا گیا ہے، آپ نے نصیحتوں کی طلب ظاہر فرمائی ہے۔

میرے مشفق مخدوم! شرم آتی ہے کہ باوجود اس خرابی اور گرفتاری اور بے سامانی اور بے حاصلی کے اس بارہ میں کچھ لکھے اور صریح طور پر یا اشارہ کے طور پر اس قسم کا کلام کرے، لیکن اس بات کا بھی ڈَر ہے کہ اگر قولِ معروف سے اپنے آپ کو معاف رکھے تو اس سے خست اور کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے اور بخل و کنجوسی کی نوبت پہنچتی ہے اس لئے چند باتیں لکھنے کی جرأت کرتا ہے۔

میرے مخدوم! دُنیا کی بقا کی مُدت بہت قلیل ہے اور اس قلیل سے بھی اکثر تلف ہو گئی ہے اور بہت کم باقی رہ گئی ہے اور بقائے آخرت کی مدت خلود اور دوام ہے اور معاملہ خلود کو بقائے چند روزہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ بعد ازاں یا دائمی راحت ہے یا دائمی عذاب۔

مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خبر دی ہے وہ سچ ہے اس میں خلاف کا احتمال نہیں ہے، اپنی عقلِ دور اندیش سے کام لینا چاہیئے۔

میرے مخدوم! عمر کا بہتر اور قیمتی حصہ ہوا و ہوس میں گزر گیا اور خدا تعالیٰ کے دُشمنوں کی رضا مندی میں بسر ہوا اور عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر آج ہم اس کو خدائے تعالیٰ کی رضامندی کے حاصل کرنے میں صَرف نہ کریں اور اَشرف کی تلافی اَرذل سے نہ کریں اور تھوڑی محنت کو ہمیشہ کے آرام کا وسیلہ نہ بنائیں اور تھوڑی نیکیوں سے بہت سی بُرائیوں کا کفارہ نہ کریں کل کون سا منہ لے کر ہم خدائے تعالیٰ کے سامنے جائیں گے اور کیا حیلہ پیش کریں گے؟ یہ خوابِ خرگوش کب تک رہے گا

اور غفلت کی رُوئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی؟ آخر ایک دن بینائی سے پردے اٹھادیں گے اور غفلت کی روئی کانوں سے دور کر دیں گے۔ لیکن پھر کچھ فائدہ نہ ہو گا اور سوائے حسرت وندامت کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ موت کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام بنالینا چاہیئے اور واشوقا کہتے ہوئے مَرناچاہیئے۔ اوّل عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور اس اَمر کی تصدیق سے جو تَواتر وضرورت کے طور پر دین سے معلوم ہوا ہے چارہ نہیں ہے۔ دوسرے ان باتوں کا علم و عمل ضروری ہے جن کا متکفل علمِ فقہ ہے اور تیسرے طریقۂ صوفیہ کا سلوک بھی درکار ہے۔ نہ اس غرض کے لئے کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور نُوروں اور رنگوں کا معائنہ کریں۔ حِسی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں سے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے۔ حالانکہ یہ حِسی صورتیں اور اَنوار اور وہ غیبی صورتیں اور انوار دونوں حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں۔ چاند وسورج کا نور جو عالمِ شہادت سے ہے اُن انوار سے جو عالمِ مثال میں دیکھیں۔ کئی گنا زیادہ ہے لیکن چونکہ یہ دید دائمی ہے اور خاص وعام اس میں شریک ہیں اس لئے اس کو نظر اور اعتبار میں نہ لاکر انوارِ غیبی کی ہوس کرتے ہیں۔ہاں:

آبے کہ رَود پیشِ درت تیرہ نماید

ترجمہ: جوپانی تیرے دروازے کے سامنے سے گزرتا ہے وہ تجھے کالا نظر آتا ہے۔

طریقِ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے تاکہ استدلال کی تنگی سے کشف کے میدان میں آجائیں۔

مثلاً واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کا وجود جو اوّل استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا اور اس کے اندازہ کے موافق یقین حاصل ہوا تھا۔ جب طریقِ صوفیہ کا سلوک میسر ہو تو یہ استدلال و تقلید

کشف و شہود سے بدل جاتا ہے اور یقینِ اکمل حاصل ہو جاتا ہے۔ سب اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے اور نیز طریقِ صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی امارگی سے پیدا ہوتی ہے اور اس فقیر کا یہ یقین ہے کہ طریقِ صوفیہ حقیقتِ میں علومِ شرعیہ کا خادم ہے نہ شریعت کے خلاف کچھ اور اَمر اور اپنی کتابوں اور رسالوں میں اس معنی کی تحقیق کیا ہے اور اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے تمام طریقوں میں سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سُنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر متابعت کی دولت ان کو حاصل ہو اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں اور اگر باوجود احوال کی متابعت میں قصور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر تمام احوال و مواجید ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت وجماعت کے اعتقاد سے نہ نوازیں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر اہلِ سنت وجماعت کا اعتقاد ہم کو دے دیں اور احوال کچھ نہ دیں تو پھر کچھ غم نہیں ہے اور نیز اس طریق میں نہایت بدایت میں مندرج ہے۔ پس یہ بزرگ پہلے قدم میں وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو دوسروں کو نہایت میں جا کر حاصل ہوتا ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اجمال و تفصیل اور شمول وعدم شمول کا ہے۔ یہ نسبت بعینہٖ اصحاب کرام علیہم الرضوان کی نسبت ہے، کیونکہ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پہلی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے جو اولیاء اُمت کو نہایت میں بھی شاید ہی حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ اویس قرنی قدس سرہٗ جو خیر التابعین ہیں، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبہ

کو نہیں پہنچتے۔ جن کو صرف ایک ہی دفعہ خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی۔ کیونکہ صحبت کی بزرگی تمام فضیلتوں اور کمالوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ ان کا ایمان شہودی ہے اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز نصیب نہیں ہوئی۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

یہی وجہ ہے کہ ان کا ایک سیر جَو خرچ کرنا دوسروں کے پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمام اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس فضیلت میں برابر ہیں۔ پس سب کو بزرگ جاننا چاہیئے اور نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب عادل ہیں، اور روایت اور تبلیغ احکام میں سب برابر ہیں۔ ایک کی روایت کو دوسروں کی روایت پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کے اُٹھانے والے یہی لوگ ہیں اور آیاتِ متفرقہ کو ان کے عادل ہونے کے بھروسہ پر ہر ایک سے دو آیتیں یا تین آیتیں یا کم وبیش اخذ کرکے جمع کیا ہے۔ اگر اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک پر طعن کریں تو وہ طعن قرآن مجید کے طعن تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض آیات کا حامل وہی ہو۔ اور ان کی مخالفتوں اور جھگڑوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے اور ہوا وتعصب سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال کو بخوبی جانتے ہیں، فرمایا ہے کہ:

تِلْکَ دِمَآءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَیْدِیْنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَهَا۔

ترجمہ: یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا پس ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔

اور اسی قسم کا مقولہ امامِ اَجل حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ انسان کی تربیت کا تعلق عالمِ اَمر اور عالمِ خلق پر ہے، جو شخص صاحبِ علم و عقل ہو وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے عالمِ اَمر کی تربیت ہو اور اسے زندہ کیا جائے یعنی اس کے لطائفِ قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذِکر پر مشغول ہو جائیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہمیں اس دُنیا میں پیدا کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس نے ہمیں جس فطرت پر پیدا فرمایا ہے ہم اس فطرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی عبادت میں کوشش کریں۔ یعنی ہم اپنے ظاہر کو شریعت کے ظاہری احکام کے ڈھانچے میں ڈھالیں اور باطن میں ہم اپنے لطیفۂ قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اَوامر، ذکر اور اس کی وحدت سے آگاہ کریں۔ اس سے پہلے مندرجہ بالا دو مکاتیب میں ہم عالمِ اَمر اور عالمِ خَلق کی تربیت کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ عالمِ اَمر کی تربیت اسمِ مُربّی سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا مرجع عالمِ خَلق ہے مگر پھر بھی اس کی تربیت اسمِ مُربّی ہی سے ہوتی ہے انسان کی ظاہری و باطنی نشو و نما، علم و عمل اور عروجات وغیرہ سب کا انحصار اسمِ مُربّی پر ہی ہوتا ہے۔

ایک اور اہم بات جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں بیان فرمائی ہے وہ اوّل درجے میں اپنے عقائد کو اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ کرنا ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اکثر مکاتیب میں زیادہ زور اپنے عقائد کو اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ کرنے پر ہی دیا ہے۔ ہم ظاہراً تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت وجماعت کے عقائد پر

ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ ہم بہتر (۷۲) فرقوں میں مؤمن بہ اشیاء (جو کہ ایمانِ مفصل کے بارے میں بیان ہیں) اُن میں سے کس فرقے کے عقائد پر ہیں۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمام احوال ومواجید ہمیں عنایت فرمادیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت وجماعت کے اعتقاد سے نہ نوازیں تو سوائے خرابی کے ہمارے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ اور اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اہل سنت وجماعت کا اعتقاد عنایت فرمادیں اور احوال ومواجید میں سے کچھ بھی عنایت نہ فرمائیں تو پھر ہمیں کچھ غم نہیں ہے۔ تو اس لئے اگر کسی کے عقائد درست نہ ہوں اور وہ کشف وشہود اور کرامات جیسی کیفیات کا حامل بھی جائے تو وہ سراسر ضلالت وگمراہی میں ہے اس کے برعکس کسی کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہو مگر وہ اہل سنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ ہو تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایسے شخص کی بخشش فرمادے گا۔ مگر آج کل عقل وشعور سے عاری لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ان کا کشف وشہود کھُل جائے یا اس سے کرامات کا صدور ہو جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس سے منع فرماتے ہوئے اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ کرنے پر زور دیتے ہیں۔

دوسرے درجے میں حلال وحرام اور عبادات جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمارے لئے بیان کی ہیں ان کا علم حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کا متکفل علمِ فقہ ہے اگر کوئی شخص کُتبِ فقہ مثال کے طور پر قُدوری، کنز الدقائق اور ھدایہ وغیرہ نہ پڑھے اور ان سے استنباط کئے بغیر کسی قسم کے مسائل بیان کرتا پھرے تو اس کا نہ تو کوئی مسئلہ درست ہوگا اور نہ ہی عمل کے قابل۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص کُتبِ عقائد مثال کے طور پر فقہ اکبر، نور الظلم، ابو المنتہی، شرح العقائد النسفی،

خیالی، تفتازانی اور النبراس وغیرہ نہ پڑھے اور ان سے استنباط کئے بغیر کسی قسم کے عقیدے کا مسئلہ بیان کرے یا اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہے تو اس کا کوئی مسئلہ نہ تو درست ہے اور نہ ہی عمل کے قابل اور نہ ہی وہ اہلِ سنت وجماعت میں سے ہے۔ بلکہ ایسا شخص ضلالت وگمراہی میں ہے پھر اگر کوئی شخص حنفی ہے تو فقہ اکبر، نور الظلم، ابو المنتہٰی، شرح العقائد النسفی، خیالی، تفتازانی اور نبراس وغیرہ کا مطالعہ لازمی طور پر کرے، اگر کوئی مالکی ہے تو تفسیر القرطبی الجامع لاحکام القرآن کا مطالعہ کرے، اگر کوئی شافعی ہے ان کی کُتب مثلاً کتاب الاُمّ جو کہ ۱۱ جلدوں، الحاوی الکبیر جو ۱۹ جلدوں اور تفسیر الامام الشافعی جو کہ ۳ جلدوں پر مشتمل ہے کا مطالعہ کرے۔ اور اگر کوئی حنبلی ہے تو الجامع لعلوم الامام احمد جو ۲۲ جلدوں پر مشتمل ہے کا مطالعہ کرے۔ ان سب کُتب میں تہتر (۷۳) فرقوں کے عقائد تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں یا الفرق بین الفِرق اور الملل والنحل کا مطالعہ کرے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ کرنے والے لوگ بہت کم ہیں بلکہ اکثر لوگ تو رسالوں اور اخباروں سے پڑھتے اور سیکھتے ہیں اور پھر خود بھی اسی پر عمل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اسی پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور اس طرح ضال ومضل کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں یعنی خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔

اہل سنت وجماعت کے عقائد اور علمِ فقہ سے آراستہ ہونے کے بعد تیسرے درجے میں اپنے آپ کو طریقہ صوفیہ کے سلوک سے آراستہ کرے۔ لیکن دورِ حاضر میں اسلام کے بالکل برعکس عمل جاری ہے اکثر لوگ تصوف میں داخل ہوتے ہیں مگر کوئی شیخ ان سے یہ نہیں کہتا کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو علمِ عقائد اور علمِ فقہ سے آراستہ کرو، کیونکہ جن لوگوں کے مؤمن بہٖ اشیاء پر عقائد درست نہ ہوں اُن کے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس ظاہری درستگی کے بعد تصوف وسلوک

کے لئے کمر باندھنی چاہیئے اور کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور تصوف میں بھی چار طُرق کے مشائخ سے جو طریقہ چلا آرہاہے بعینہٖ اسی طریقے پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی یا زیادتی کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کرنے والے شخص پر ان طُرق سے فیض منقطع ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین اور قطب الارشاد میں فرمایا ہے کہ صرف اِلَّا اللہ کا ذکر ہوتا رہتا ہے اب اگر قادریہ سلسلے کے کسی شیخ سے کہا جائے کہ حضرت محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اِلَّا اللہ کے ذکر سے منع فرمایا ہے تو وہ اس بات کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ اِلَّا اللہ کا ذکر اس وقت درست ہوتا ہے کہ جب سالک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر کرتے کرتے درمیان میں بے خود ہو کر اِلَّا اللہ کہنے لگے تو گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا ہم دورِ حاضر کے مشائخ کی بات مانیں یا قدیم اولیاء عظام کی تقلید کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ سلاسلِ اربعہ کے امام اور کبار مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو تعلیمات دی ہیں ہم ان ہی کی اتباع کریں گے اور ان کے احکامات کے مخالف طریقوں کو تَرک کریں گے۔

مختصر یہ کہ ہمیں چاہیئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں تاکہ ہمارے عقائد واعمال درست ہو جائیں۔ کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی بھی سلسلے سے تعلق رکھنے والے سالکینِ طریقت کی صحیح اور درست سمت میں رہنمائی فرمائی ہے اور چاروں ہی سلاسل کی تجدید فرما کر درست راستہ متعین کیا ہے۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے نفحات الانس کی ایک مشکل و مغلق عبارت کا حل بیان فرمایا ہے۔ دراصل جب سالک عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے لطائفِ عشرہ طے کرنے کے بعد عالمِ وجوب کی سیر کرتا ہے اور حقیقت کے پَروں سے عالمِ بالا کی طرف طیر کرتا ہے تو اس عارف کی روحانی پرواز کو دیکھ کر ملائکہ بھی ورطہ حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

اگر برجِ معنی پرد طیر او

فرشتہ فروماند از سیرِ او

اس کیفیت میں اس کی بشری کثافت اور جسمانی ثقالت مضمحل ہو جاتی ہے اور اس پر روحانی تقاضے غالب آجاتے ہیں۔ اس قسم کا صاحبِ سلطان الاذکار عارف اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا، اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا کے مرتبۂ جلیلہ پر فائز المرام ہو جاتا ہے۔ اسے بشری حاجات خورد و نوش وغیرہا کی بھی خاص ضرورت نہیں رہتی، بلکہ گاہے گاہے اس کا سایہ بھی گم ہو جاتا ہے۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قسم کے عارف کے متعلق کہا تھا:

چو فنا در فقر پیرایہ شود

او محمد وار بے سایہ شود

یہی ابو الوقت عارف ہوتا ہے جس کے لئے اوقات و مقامات اور زمان و مکان کی طنابیں کرامۃً لپیٹ وسمیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں، اسی کو بسطِ زماں اور طیِّ مکاں کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابن السکینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ زَمَانًا لِمَنۡ یَّشَاءُ مِنۡ عِبَادِہٖ مَعَ قَصۡرِہٖ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے بعض بندوں کے لئے بسطِ زمان فرمادیتا ہے اور بعض بندوں کے لئے قصرِ زمان فرمادیتا ہے۔

کتاب وسنت میں طیِّ زماں اور طیِّ مکاں کی مثالیں موجود ہیں۔ اصحابِ کہف غار میں تین سونو برس لیٹے رہے جیسا کہ آیہ کریمہ: وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (الکھف ۲۵) سے عیاں ہے۔ اور جب بیدار ہوئے تو انہیں یوں معلوم ہوا گویا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ گزرا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (الکھف ۱۹) سے واضح ہے۔

ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

إِنَّ اللّٰہَ زَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا۔

ترجمہ: میرے لئے زمین لپیٹ دی گئی حتیٰ کہ میں نے مشارق ومغارب کو دیکھا۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا معجزۂ معراج طیِّ زمان ومکان کا عظیم شاہکار ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ اوتاد، فرد الافراد اور غوث حضرات سے طیِّ زمان، طیِّ مکان اور طیِّ لسان جیسے واقعات بہت زیادہ رونما ہوتے ہیں۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۴، ص ۲۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بقول شاعر:

اک پل میں سرِ عرش گزر دیکھی
میں نے درویشوں کی رفتارِ سفر دیکھی

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز عقائدِ صحیحہ، علوم فقہیہ اور طریقۂ صوفیاء کی اہمیت بیان فرمارہے ہیں۔ حدیث شریف میں انہیں ایمان، اسلام اور احسان سے تعبیر فرماکر دین کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی: یُعَلِّمُکُمْ دِیْنُکُمْ سے عیاں ہے۔

در حقیقت طریقۂ صوفیاء (احسان) اختیار کرنے کا مقصد انوار والوان اور غیبی صورتوں وشکلوں کا مشاہدہ نہیں ہوتا بلکہ مرتبۂ احسان کے حصول کا مقصد عقائدِ اسلامیہ پر ایقان واذعان کی زیادتی ہوتا ہے تاکہ معاملہ استدلال سے کشف اور اجمال سے تفصیل تک پہنچ جائے اور سالکینِ طریقت کو مصداقاتِ قضایائے شرعیہ کا شہود نصیب ہو جائے۔

نیز طئ سلوک سے مقصود ہے کہ احکامِ فقہیہ پر عمل کرنا آسان ہو جائے، نفس امارہ کی عداوت وبغاوت ٹوٹ جائے اور معاملہ گوش سے آغوش، صورت سے حقیقت تک پہنچ جائے۔ اسی تکلف وتصنع کے لئے طریقت کے جملہ سلاسل وجود میں آئے اسی بناءپر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقت کو شریعت کا خادم کہتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۵۸۱ تا ۱۵۸۶)

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین اٰمین

مکتوب نمبر ۲۱۱

[مولانا یار محمد بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

ایک سوال کے جواب میں جو مولوی علیہ الرحمۃ کے مقولہ کے بارہ میں کیا گیا تھا اور مقامِ تکمیل وارشاد کی ضروری شرطوں کے بیان میں۔

میرے عزیز بھائی مولانا یار محمد قدیم کا مکتوبِ مرغوب پہنچ کر فرحت کا مؤجب ہوا۔ حضرت حق تعالیٰ بحرمت النبی وآلہِ الامجاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کمال اور تکمیل کی بلندی تک پہنچائے۔

مولوی علیہ الرحمۃ کے مقولہ کی نسبت پوچھا تھا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ نازنین جو میری بغل میں تھا وہ حق تعالیٰ تھا۔ آیا اس قسم کی باتیں کہنی جائز ہیں یا نہیں؟ تو جاننا چاہیئے کہ اس قسم کی باتیں اس راہ میں بہت واقع ہوتی ہیں اور زبان پر آتی ہیں۔ اس قسم کا معاملہ تجلّیٔ صُوری کا ہے کہ صاحبِ معاملہ اس صورتِ متجلی کو حق تعالیٰ خیال کرتا ہے۔

ورنہ بات دراصل وہی ہے جو شیخ بزرگ امام ربانی خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ نے فرمائی ہے:

تِلْکَ خِیَالَاتٌ تُرَبّٰی بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِیْقَةِ۔

ترجمہ: یہ وہ خیال ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ چونکہ آپ کو طریقہ سکھانے کی ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے اس بارہ میں چند فائدے لکھے جاتے ہیں، گوشِ ہوش سے سُن کر ان پر عمل کریں۔

جاننا چاہیئے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس اِرادت سے آئے، اس کو طریقہ سکھانے میں بڑا تامل کریں۔ شاید اس اَمر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو۔ خاص کر جب کسی مُرید

کے آنے میں خوشی و سرور پیدا ہو تو چاہیئے کہ اس بارہ میں التجاو تضرع کا طریق اختیار کر کے بہت سے استخارے کریں تا کہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہیئے اور استدراج و خرابی مراد نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے پیچھے ضائع کرنا خدائے تعالیٰ کے اِذن کے بغیر جائز نہیں۔ آیتِ کریمہ:

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ (إبراهيم ١)

ترجمہ: کہ تم لوگوں کو اندھیریوں سے اجالے میں لاؤ ان کے رب کے حکم سے۔

اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے۔

ایک بزرگ فوت ہو گیا۔ اس کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے کہ جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زِرہ پہنی تھی؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ تُو نے میری خلق کو میری طرف کیوں نہ چھوڑا، اور دل کو کیوں نہ میری طرف متوجہ کیا؟

اور وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط سے مشروط ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی کا علم حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دی جائے۔ اس وقت کے آنے تک شرائط کو اچھی طرح مدِ نظر رکھیں، اطلاع دینا شرط ہے اور میر نعمان کی طرف بھی یہی لکھا گیا ہے، وہاں سے معلوم کر لیں۔ غرض کوشش کریں تا کہ وہ وقت آ جائے اور شرائط کی تنگی سے چھوٹ جائیں۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے مولوی علیہ الرحمۃ کے مقولہ کی نسبت پوچھا گیا تھا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ نازنین جو میری بغل میں تھا وہ حق تعالیٰ تھا۔ آیا اس قسم کی باتیں کہنی جائز ہیں یا نہیں؟ اور اس قول کے کیا معنی ہیں؟

اس سوال کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اس قسم کا مشاہدہ کرنا تجلّی صوری کا ہے کہ صاحبِ معاملہ اس صورتِ متجلّی کو حق تعالیٰ خیال کرتا ہے اور کسی شے کی چمک ظہورِ شے ہے۔ یہاں متجلّی صیغہ اسمِ مفعول ہے جو کہ جلی سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں ظہور میں آنا یعنی صفات کی ظلی کیفیات کا ظہور میں آنا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح زید اپنی صُورت کو آئینے کے اندر دیکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زید خود اس آئینے کے اندر موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے اس وقت ذاتِ حق کی تجلّی کی صورت اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدس میں امتیاز نہیں کر سکے یعنی ظل اور اصل کا فرق نہ کر سکے ان کے عقل و شعور میں یہ نہیں آیا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے وہ نہ تو جسم ہے نہ جوہر اور نہ ہی عرض بلکہ انہوں نے تمثال کو عین ذات تصور کر لیا یعنی اس سالک نے ذاتِ حق کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ ایک تجلّی بعید جو کہ ایک نازنین انسان کی صورت میں متصور ہوئی تھی اس کا مشاہدہ کیا۔

جیسے حضرت عبد الرحمٰن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ:

رَأَیْتُ رَبِّی فِی أَحْسَنِ صُورَةٍ۔

ترجمہ: میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔ [1]

اس حدیث میں اس سے ذاتِ مقدس کی صورتِ تمثال مراد ہے کیونکہ حق تعالیٰ صورت سے منزہ وپاک ہے۔

اور اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

رَأَیتُ ربِّی فِي صُورَۃِ شَابِّ۔

ترجمہ: میں نے اپنے رب کو جوان کی صورت میں دیکھا۔ [2]

اس حدیث میں بھی اس سے مرتبۂ وجوب کی تمثالِ صورت مراد ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس صورتِ مرئیہ سے قطعًا مناسبت نہیں رکھتا اور نہ ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کوئی صورت رکھتا ہے اسی لئے جو لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھتے ہیں وہ مرتبۂ وجوب کی صورتِ تمثال نمایاں ہوتی ہے نہ کہ ذاتِ مقدس کیونکہ ذاتِ مقدس عالمِ مثال میں متصور ہونے والی صورت سے بہت بلند ہے۔

کیونکہ اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

بِلَا جِسْمٍ وَ لَا جَوْهَرٍ وَ لَا عَرْضٍ وَّ لَا حَدَّلَهٗ وَ لَا کُفْوَ لَهٗ وَ لَا نِدَّلَهٗ وَ لَا مِثْلَ لَهٗ وَ لَا یَتَمَکَّنُهٗ مَکَانٌ وَ لَا یَجْرِیْ عَلَیْهِ زَمَانٌ وَ لَیْسَ لَهٗ جِهَةٌ مِّنَ الْجِهَاتِ السِّتَّةَ۔

ترجمہ: وہ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) بغیر جسم کے ہے اور نہ جوہر ہے اور نہ عرض اور نہ اس کی حَد ہے اور نہ اس کی ضِد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کا ہم جنس ہے اور نہ کوئی اس کی مثال

---

[1] (سنن الدارمی، ج۲، ص۱۲۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (جامع الکبیر، ج۵، ص۱۸، الناشر: الأزہر الشریف، القاہرۃ -جمهوریۃ مصر العربیۃ)

ہے اور نہ وہ کسی مکان کا مکین ہے اور نہ اس پر زمانہ گزرتا ہے اور نہ اس کے لئے چھ سمتوں میں سے کوئی ایک سمت ہے۔

جو لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھتے ہیں ہم اسے تمثال یا ظہورِ شے کہتے ہیں نہ یہ کہ ان لوگوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ اگر خدانخواستہ ہم کہیں کہ ان لوگوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے تو ہماری یہ تحلیل اہلِ سُنت وجماعت کے عقیدے سے خلاف ہو جائے گی لہٰذا کسی ایسی کیفیت پر یقین نہیں کرنا چاہیئے جو عقائدِ حقہٗ کے خلاف ہو اور نہ ہی کسی ایسی کیفیت پر غرور میں مبتلا ہونا چاہیئے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

زاعلیٰ بالا و بالا ز بالا

بلندی ہم نمی گُنجد دَر آنجا

ترجمہ: اس اعلیٰ مقام سے اوپر اور بھی بلندترین مقامات موجود ہیں جہاں بلندی کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فرمان کہ وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط سے مشروط ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میں اپنے خلفاء کو بہت محتاط رہنے کی تنبیہ کی ہے کہ اگر آپ کو کسی مُرید کے آنے سے خوشی وسُرور محسوس ہو تو ایسے مُرید سے ڈرو تاکہ وہ آپ کے استدراج، ضلالت وگمراہی اور کُفر وشرک کا باعث نہ بن جائے یعنی امراء اور دُنیادار لوگوں کو راستے سے پکڑ کر نہ کھینچیں کہ آئیں میں آپ کو بیعت کروں تاکہ بعد میں اس سے اپنے دُنیاوی کام لئے جا سکیں بلکہ اس کے بارے میں عاجزی وانکساری کرکے خود بھی کثرت سے استخارے کریں اور

مُرید کو بھی استخارے کرنے کی تلقین کریں لیکن آج کل تو پچاس یا سو آدمیوں کو ایک ہی لمحے میں مُرید بنا لیا جاتا ہے نہ تو پیر نے استخارہ کیا ہوتا ہے اور نہ ہی مُرید نے اور نہ ہی ان کو اس کے بارے میں معلومات ہوتی ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم نقشبندی ہیں۔

خلفاء کی دو اقسام ہیں ایک خلیفہ مقید اور دوسرا خلیفہ مطلق۔

خلیفہ مقید اس خلیفہ کو کہا جاتا ہے کہ جس کے لطائفِ عشرہ تصفیہ ہوں اور وہ فنا وبقا پر بھی مشرف ہو مگر اس کا نفس اطمینان کو نہ پہنچا ہو ایسا خلیفہ بغیر استخارے کے مُریدین کو ذکر نہیں دے سکتا کیونکہ بغیر استخارے کے کسی کو مُرید بنانا اپنے ساتھ بھی ظلم ہے اور مُرید کے ساتھ بھی۔

خلیفۂ مطلق اس خلیفہ کو کہا جاتا ہے کہ جس کا نفس تزکیہ اور راضیہ و مرضیہ ہو ایسا خلیفہ شیخِ کامل ہے اور اس کے تمام کام اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں کیونکہ اس نے نفس کی رضا کو ترک اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا کو اختیار کیا ہوتا ہے نفس کی رضا کو ترک کرنے کے بعد اس کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔یعنی جس کا نفس مطمئن ہو وہ بغیر استخارہ کے لوگوں کو ذکر دے سکتا ہے کیونکہ وہ شہود کی حالت میں ہوتا ہے اور جب وہ آنکھیں بند کرتا ہے تو مُرید کی کیفیات اس پر ظاہر ہو جاتی ہیں اور جس پیر کی حالت شہودی ہو جائے وہ بغیر استخارے کے بھی لوگوں کو بیعت کر سکتا ہے لیکن جس کا نفس مطمئن نہ ہو اور اس کو شہود کی کیفیت میسر نہ ہو وہ خود بھی بار بار استخارہ کرے اور مُرید کو بھی بار بار استخارہ کرنے کی تلقین کرے۔

صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نفس راضی و مرضی تھا یعنی وہ خوش نصیب لوگ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے راضی اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ان سے راضی تھا۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ دوسرے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ استعمال

نہیں کرتے بلکہ ہم اُن کے لئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب میں اپنے رب سے دریافت کیا کہ میں کیسے آپ تک رسائی حاصل کروں؟ آپ کو آواز آئی کہ:

دع نفسک وتعال۔

ترجمہ: اپنے نفس کو چھوڑ دو اور آ جاؤ۔[1]

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

حضوری گرہمی خواہی ازو غائب مشو حافظؔ
مَتٰی مَاتَلْقَ مَنْ تَھْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَاَمْھِلْھَا

ترجمہ: اے حافظؔ تو حضورِ قلبی چاہتا ہے تو اس سے غائب نہ ہو جب محبوب سے تیری ملاقات ہو تو دُنیا کو چھوڑ اور اس کو ترک کر دے۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مقولہ ''آں ناز نینے کہ درکنار من بودہ حق بودہ است'' کی وضاحت فرما رہے ہیں۔ دراصل دورانِ سلوک طالبانِ طریقت پر جب تجلیات کا ورود ہوتا ہے تو تجلی صوری کے دوران وہ اشیائے کائنات کی شکلوں اور صورتوں میں تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے اور صورت متجلی کو ذاتِ حق سبحانہٗ سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ ذات اور تمثال میں امتیاز نہ کرسکنے کی وجہ سے اس قسم کے اقوال صادر ہو جاتے ہیں۔ شیخِ اجل امام

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج۲، ص۲۶۰، الناشر: دار الفکر -بیروت)

ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ العزیز کا قول: تِلْکَ خَیَالَاتٌ تُرَبّٰی بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِیْقَةِ ان ہی سالکین پر صادق آتا ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات: رَأَیْتُ رَبِّی فِی أَحْسَنِ صُورَةٍ۔[1] اور رَأَیْتُ رَبِّی فِي صُورَةِ شَابٍّ۔[2] میں صورت سے مراد تمثالِ ذات ہے عین ذات نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہٗ صورت سے منزہ ہے۔ ایسے ہی خواب میں دیدارِ ذات کا مشاہدہ کرنے والے تمثالِ ذات سے شادکام ہوتے ہیں کیونکہ ذاتِ حق سبحانہٗ عالمِ مثال (خواب وغیرہا) میں مصور ہونے سے ہے۔

زا علٰی بالا و بالا ز بالا

بلندی ہم نمی گنجد در آنجا

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ شیخ کامل و مکمل کا بنیادی مقصد سالکینِ طریقت کو توجہاتِ قدسیہ اور تصرفاتِ باطنیہ کے ذریعے گناہوں کی نجاستوں اور بشری کدورتوں سے پاک صاف کرکے تصفیہ وتزکیہ کرنا ہوتا ہے۔ انہیں ظلمتوں سے نکال کر راہِ نور پر گامزن کرکے ان کے اجسام وارواح کی تطہیر وتنویر مقصود ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ (إبراهيم ۱) سے عیاں ہے اور انہیں بارگاہِ قدس جل سلطانہٗ تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس لئے اس مسندِ عظمیٰ پر وہی شخص متمکن ہوسکتا ہے جس کا

---

[1] (سنن الدارمی، ج ٦، ص ١٢٤، المكتبة الفاروقية)

[2] (جامع الكبير، ج ٥، ص ١٨، الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة -جمهورية مصر العربية)

اپنا تصفیہ وتزکیہ ہو چکا ہو اور اس کی حریم قدس جل سلطانہٗ تک رسائی ہو اور وہ دوسروں کو بھی وہاں تک پہنچانے کی صلاحیت واستعداد رکھتا ہو۔

صوفیائے طریقت نے خلافت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

خلافتِ مقیدہ خلافتِ مطلقہ

خلافتِ مقیدہ کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جس کے لطائف کا تصفیہ ہو چکا ہو اور وہ فنا وبقا سے مشرف ہو لیکن ہنوز اس کا تزکیۂ نفس نہ ہوا ہو اس لئے اہل اللہ نے اس کی اجازت وخلافت کو مقید ومشروط رکھا ہے تاکہ پیری مُریدی بازیچۂ اطفال نہ بن جائے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے خلیفہ حضرت ملا طاہر بدخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں جو بتغیر یسیر پیشِ خدمت ہے:

جب کوئی شخص طلبِ واردات کے ساتھ حاضرِ خدمت ہو تو اسے شیر ببر سمجھنا چاہیئے اور ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں استدراج مطلوب اور خرابی منظور نہ ہو۔ اگر بالفرض کسی طالب کے آنے پر فرحت وسرور محسوس ہو اسے کفر وشرک جاننا چاہیئے اور اس سرور کی تلافی وتدارک، ندامت واستغفار سے کرنا چاہیئے بلکہ فرحت وسرور کی جگہ قلب میں خوف وحزن ہونا چاہیئے، مرید کے مال میں طمع اور اس سے دنیوی منفعت کی خواہش مرید کی رشد وہدایت میں مانع ہوتی ہے اور پیر کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر اسے بدونِ استخارہ بیعت کی اجازت نہیں ہوتی۔

جبکہ خلیفۂ مطلق کا نفس تزکیہ ہونے کی بناء پر راضیہ ومرضیہ ہو چکا ہوتا ہے اور اسے وجودِ موہوبِ حقانی میسر آ چکا ہوتا ہے۔ خواہشاتِ نفسانیہ اور کدوراتِ بشریہ سے پاک ہونے کی وجہ سے

مقامِ رضا پر فائز ہوتا ہے، اس لئے اس کے جملہ امور رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور اسے پیری مُریدی کی عام اجازت ہوتی ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۸۹ تا ۵۹۳)

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین اٰمین

مکتوب نمبر ۲۱۲

]مولانا محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس کے بعض سوالوں کے جواب میں جو اس نے پوچھے تھے۔ اور اس واقعہ کے حل میں جو اس نے دیکھا اور لکھا تھا۔

آپ کے دو مکتوبِ مرغوب پے دَر پے پہنچ کر بڑی خوشی کا مؤجب ہوئے۔ حضرت حق تعالیٰ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل بے شمار ترقیاں عطا فرمائے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ صاحبِ تصرف پیر اپنے تصرف سے مستعد مُرید کو ان مرتبوں میں جو اس کی استعداد سے بڑھ کر ہیں، پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ ہاں پہنچا سکتا ہے۔ لیکن ان بلند مرتبوں میں جو اس کی استعداد کے مناسب ہیں نہ ان مراتب میں جو اس کی استعداد کے مخالف ہیں۔ مثلاً وہ مرید جو ولایتِ موسوی کی استعداد رکھتا ہے اور اس کی استعداد کی نہایت قوت اس ولایت کے نصف راہ تک پہنچنے کی ہے، تو صاحبِ تصرف پیر اس کو اس ولایت کے نہایت درجات تک پہنچا سکتا ہے لیکن یہ کہ اس کو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں لائے اور اس ولایت میں اس کو ترقی بخشے، معلوم الوقوع نہیں ہے۔

اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کون سا مرتبہ ہے جس میں اَخفٰی جو انسانی لطائف میں سے زیادہ لطیف ہے نفسِ اَمّارہ کا حکم رکھتا ہے اور دِناءت و خَساست میں اس کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے۔

میرے بھائی کو معلوم ہو کہ اَخفٰی اگرچہ لطائف میں سے لطیف ہے لیکن دائرۂ امکان میں داخل ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے جب سالک دائرۂ امکان سے پاؤں باہر رکھتا ہے اور مراتبِ وجوب میں سَیر فرماتا ہے اور ظلالِ وجوبی سے ان کے اصلوں میں پہنچتا ہے اور صفت وشان کی قید سے

چھوٹ جاتا ہے ناچار ممکن اس کو خوار و بے اعتبار نظر آتا ہے اور اس کے اَحسن والطف کو دِناءت وخَساست میں برابر دیکھتا ہے اور نفس واخفٰی کو اس مقام میں یکساں خیال کرتا ہے۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہم نے سُنا ہے کہ عبادت کے وقت حق تعالیٰ کو حاضر وناظر دیکھ کر عبادت کرنا حق تعالیٰ کے تنزل کا مؤجب ہے۔ بندہ کی طرح عبادت کرنی چاہیئے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو حاضر سمجھ کر عبادت کرنی بے اَدبی میں داخل ہے۔

اے محبت کے نشان والے! مجھے معلوم نہیں کہ اس فقیر سے اس قسم کی بات سَرزد ہوئی ہو کہیں اور جگہ سے دیکھی ہوگی۔

اور وہ واقعہ جو آپ نے لکھا تھا اور اس واقعہ میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تھا، بہت نیک اور اصلی ہے۔ پانی سے مراد علم ہے اور اس میں ہاتھ ڈالنا علم میں قدرت کا حاصل ہونا ہے اور اس بارہ میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مشارکت اس کے حاصل ہونے کی مؤکد ومؤید ہے۔ کیونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت رحمٰن کے شاگرد ہیں۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرۃ ۳۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس واقعہ میں علم سے مراد علم باطن ہے۔ بلکہ علمِ باطن کی وہ قسم جو اہلِ بیت علیہم الرضوان کی نسبت سے مناسبت رکھتی ہے۔ وَالْبَاقِيْ عِنْدَ التَّلَاقِيْ، وَالسَّلَامُ]

تشریح

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے ان کے شاگرد مولانا محمد صدیق بدخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صاحبِ تصرف پیر کے بارے میں سوال کیا ہے کہ آیا

صاحبِ تصرف پیر اپنے تصرف سے مستعد مُرید کو ان مرتبوں میں سے جو اس کی استعداد سے بڑھ کر ہیں پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں پہنچا سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ تصرف پیر کون ہوتا ہے اور اس کی کیا پہچان ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت میں سے ہر ولایت کا مبدأ فیض عالمِ وجوب میں جداگانہ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض صفت الکلام ہے یعنی صفت الکلام کے اصل مقام سے آپ علیہ السلام کے لئے فیض آتا ہے اور اولیاء موسوی المشرب صفت الکلام کے ظلال کے توسط سے اس سے بہرہ مند ہوتے ہیں، جس وقت ایک عارف ولایتِ موسوی علیہ السلام سے ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جانب ترقی فرماتا ہے تو اس کا مبدأ فیض صفت الکلام سے تبدیل ہو کر صفت العلم ہو جاتا ہے اور جب عارف ولایتِ کبریٰ پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ اس صفت کے ظلال سے ترقی پالیتا ہے اور پھر وہی صفت اس کی مُربّی ہو جاتی ہے کیونکہ ولایتِ صغریٰ میں صفات کا ظل اور ولایتِ کبریٰ میں صفات کی اصل ہوتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پھر صاحبِ تصرف عارف کے وجود میں مرتبہ شیونات واعتبارات جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ یعنی کدوراتِ بشریہ (یعنی جو چیزیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کے منافی ہوں) کے ازالہ کے بعد عارف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ مقدسہ کا مظہر بن جاتا ہے یا شیونات واعتبارات کی تجلیات کا مظہر بن جاتا ہے اور آخر کار ذاتِ حق تعالیٰ کی تجلیات کا مظہر بن جاتا ہے اور اسی بناء پر مراتب کے استعداد کا تفاوت ہے، اور ان مذکورہ مقامات کا حامل پیر ہی صاحبِ تصرف پیر کہلاتا ہے۔

(دار المعـــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک استفسار کا جواب مرحمت فرمارہے ہیں کہ صاحبِ استعداد سالک کو صاحبِ تصرف شیخ اعلیٰ مراتب اور بالا مدارج تک پہنچا سکتا ہے۔ یہ محض ممکن الوقوع ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ بشرطیکہ سالک صاحبِ استعداد ہو کیونکہ باطنی استعداد حق تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے۔ ورنہ استعداد سے عاری سالک پر توجہات چنداں اثر انداز نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ شور زمین بارانِ رحمت کے باوجود گلزار نہیں بنتی۔ رہا ایک مشرب سے اعلیٰ مشرب تک پہنچانا، آپ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے تجربے و تصرف میں تاہنوز نہیں آیا لیکن بعد ازاں وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى (الضحیٰ ۴) سے حظِ وافر پاتے ہوئے جب آپ اعلیٰ مراتب پر فائز المرام ہوئے تو آپ بذریعہ تصرف صاحبانِ استعداد سالکین کو ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات تک پہنچادیتے۔ جیسا کہ آپ نے صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ العزیز کو ولایتِ موسوی سے نکال کر ولایتِ محمدی تک پہنچادیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے قبل شاید کسی کو یہ تصرف حاصل نہیں تھا۔

بینہ

واضح رہے کہ اولو العزم انبیاء کرام علیہم الصلوات کی ولایتوں کا عالمِ وجوب میں مبدأ فیض جدا جدا ہوتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مبدأ فیض صفت الکلام ہے اس لئے اولیائے موسوی المشرب ظلالِ صفت الکلام سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ جب کوئی عارف ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ارتقا فرماتا ہے تو اس کا مبدأ فیض ظلالِ صفت العلم ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی عارف ظلالِ صفات سے ترقی کر کے ولایتِ کبریٰ سے شادکام ہوتا ہے تو اس وقت اس کی مربّی صفت ہوتی ہے۔ غرضیکہ جب عارف بشری کدورات اور نفسانی خواہشات سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ مظہرِ

صفات بن جاتا ہے، بعد ازاں شیونات واعتبارات اس پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بالآخر اس کے باطن پر ذاتی تجلیات کا ورود ہوتا ہے اور اس کے ظاہر سے صفاتی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے یوں مراتبِ استعداد، تفاوتِ مدارج کا باعث ہوتے ہیں۔

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ دورانِ سلوک جب سالک ظلالِ وجوب اور عالمِ وجوب سے بالا مراتب طے کرتا ہوا صفات وشیونات کے تقیدات سے وراء سیر کرتا ہے اور ذات کے ساتھ بے کیف وصل سے شادکام ہوتا ہے پھر اس وصل عریانی کے مرتبہ پر فائز المرام ہو کر جب نچلے مدارج میں لطیفۂ اخفٰی کو ملاحظہ کرتا ہے تو اسے کدورات سے معمور اور حدوث سے داغدار پاتا ہے۔ عالمِ خلق کے اعتبار سے لطیفۂ اخفٰی گو سب سے لطیف ترین ہے مگر عالمِ بالا کے اعتبار سے یہ لطیفہ نفس کی مانند خسیس اور ذیل نظر آتا ہے اس لئے نفس اور اخفٰی توامین (جڑواں) دکھائی دیتے ہیں۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کے ایک واقعہ کی تعبیر بیان فرمارہے ہیں جس میں انہوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کی زیارت، شفاف پانی اور اس میں ہاتھ ڈالنے کے متعلق استفسار کیا تھا۔ جواباً آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ شفاف پانی سے مراد علم اور اس میں ہاتھ ڈالنے سے مراد علمِ باطن کی درس وتدریس میں سعیٔ بلیغ کرنا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت سے مراد۔۔۔ علمِ اسرار کے حصول کی تاکید و تلقین ہے۔ کیونکہ وہ حق تعالٰی سبحانہٗ کے تلمیذ ارشد ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرۃ ۳۱) سے عیاں ہے۔ لیکن علمِ باطن سے مراد اہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ مناسبت رکھنے والا علم ہے۔

اہلِ طریقت نے مصادر و منابع کے اعتبار سے علم کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

علومِ صدیقیہ　　　　علومِ علویہ

علومِ صدیقیہ علومِ نبوت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علوم و معارف، علومِ نبوت سے مناسبت رکھتے ہیں اس لئے کتاب و سنت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ ترہات و سکریات کا التباس کم تر ہوتا ہے۔ زیادہ تر مستقیم الاحوال اہل اللہ کو نصیب ہوتے ہیں۔ جبکہ علوم علویہ فیضانِ علومِ ولایت سے مقتبس ہوتے ہیں بنابریں ان میں معارفِ سکریہ کا احتمال وامکان ہوتا ہے۔وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ

بینہ

واضح رہے کہ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے واقعات و منامات کی تعبیر کے دو ذرائع بیان فرمائے ہیں جس کی وجہ سے معبرین کی تعبیر میں خطاکا احتمال نہیں ہوتا۔

تعبیر بذریعہ الہام　　　　تعبیر بذریعہ عقلِ سلیم

تعبیر بذریعۂ الہام صالح اور الہام کے لائق شخص کو ہی عطا کی جاتی ہے۔ آیہ کریمہ:وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَأْوِیلِ الْأَحَادِیثِ (یوسف ٦) میں اسی تعبیر کا تذکرہ ہوا ہے۔

جبکہ تعبیر بذریعہ عقلِ سلیم اس بندۂ مؤمن کو نصیب ہوتی ہے جسے رسوخ فی العلم اور تزکیۂ نفس حاصل ہو اور وہ راہِ سلوک کی پیچیدگیوں کو جانتا ہو۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارقام پذیر ہیں:

علم بہ تفصیل احوال ومقامات ومعرفت بہ حقیقت مشاہدات وتجلیات وحصول کشوف والہامات وظہور تعبیرات واقعات از لوازم ایں مقام عالی است وبدونہا خرط القتاد۔

یعنی احوال ومقامات کا تفصیلی علم مشاہدات وتجلیات کی حقیقت کی معرفت، کشف والہامات کا حصول اور واقعات کی تعبیرات کا ظہور اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔[1]

نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رؤیا المؤمن جزء من أربعین جزءا من النبوۃ -وھی علی رجل طائر مالم یحدث بھا -فاذا حدث بھا سقطت ولا تحدث بھا الا لبیبا او حبیبا -وفی بعض الروایات الا من تحب۔

یعنی مؤمن کا خواب نبوت کا چالیسواں جز ہوتا ہے جو پرندے کے پاؤں کے ساتھ معلق رہتا ہے جب تک اسے بیان نہ کردیا جائے اور جب اسے بیان کردیا جاتا ہے تووہ ساقط ہو جاتا ہے اس لئے خواب کسی لبیب وحبیب کے سامنے ہی بیان کرناچاہیئے یا کسی ایسے شخص کے سامنے بیان کرناچاہیئے جو تمہارا خیر خواہ ومحبّ ہو۔[2]

دوسری روایت میں ہے:

الرُّؤْیَا عَلَی رِجْلِ طَائِرٍ، مَالَمْ تُعْبَرْ، فَإِذَا عُبِرَتْ وَقَعَتْ، لَا یَقُصُّھَا إِلَّا عَلَی وَادٍّ أَوْ ذِي رَأْيٍ۔[3]

---

[1] (مکتوب نمبر ۲۲۴، دفتر اول)

[2] (التفسیر المظھری، ج۵، ص ۱۴۰، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ -الباکستان)

[3] (سنن ابن ماجه، ج ۲، ص ۱۲۸۸، الناشر: دار إحیاء الکتب العربیة -فیصل عیسی البابي الحلبي)

علامہ مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک طائر سے مراد نوشتۂ تقدیر ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ (الاسراء۱۳) سے معلوم ہوتا ہے اور مؤمن کا خواب اللہ تعالیٰ کی قضا پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے لئے مقدر کردہ تقدیر کے ساتھ معلق ہوتا ہے۔ جب تک وہ خواب کسی کے سامنے بیان نہیں کرتا اور معبر اس کی تعبیر نہیں بتاتا اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے مقدر میں کیا ہے۔ فلہٰذا جب وہ کسی معبر کے سامنے خواب بیان کرتا ہے تو معبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمودہ الہام، قوتِ رائے یا استنباط کے ذریعے تعبیر کر دیتا ہے تو اس خواب کا مقتضٰی واضح اور ظہور پذیر ہو جاتا ہے اس لئے خواب کسی لبیب و حبیب کے سامنے ہی بیان کرنا چاہیئے۔ لبیب سے مراد صاحب سلیم الرائے اور حبیب سے مراد صاحب الہام معبرین مراد جن کی بیان کردہ تعبیرات خطا سے محفوظ ہوتی ہیں۔

خواب کے متعلق ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللَّهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الشَّيْءَ يَكْرَهُهُ، فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِذَا اسْتَيْقَظَ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا، فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ۔ [1] کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ مظہری فرماتے ہیں تعوذ پڑھنے اور تھوکنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اگر وہ خواب شیطانی تخویفات اور ابلیسی تسویلات سے ہو گا تو تعوذ پڑھنے سے وسواس کا دفعیہ ہو جائے گا اور اگر وہ عالمِ مثال سے ہو گا تو وہ قضائے معلق سے حکایت ہو گا۔ تعوذ باللہ سے قضائے معلق ٹل جائے گی ان شاء اللہ وہ خواب ضرر نہیں دے گا۔

[1] (مؤطامالک، ج۲، ص۹۵۷، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت-لبنان)

خواب بیان نہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ وہ اس کی تعبیر سے پریشان اور خوفزدہ نہ ہو اور اٹھ کر نمازِ نفل ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا تاکہ وہ نماز و دعا کے ذریعے رجوع الی اللہ کرے اور خواب کے متعلق قضائے معلق دفع ہو جائے جیسا کہ ارشادِ نبوی علٰی صاحبہا الصلوات: لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ۔[1] سے واضح ہے۔

ناپسندیدہ خواب بیان کرنے کی نہی اس لئے بھی ہو سکتی ہے کہ دشمنوں کے لئے شماتت و فرحت کے اظہار کا سبب نہ ہو اور لبیب و حبیب کے سامنے تحدیث مبشرات کا حکم اس لئے دیا تاکہ وہ اس سے حسد نہ کریں۔ اسی بناء پر سیدنا یعقوب علیہ السلام نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرمایا تھا جیسا کہ آیہ کریمہ: لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ (یوسف ۵) سے عیاں ہے۔[2]

امام المعبرین حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

كان اعبر هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر۔[3]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۷ ۹ ۵ تا ۶۰۴)

[1](سنن الترمذی، ج ۴، ص ۴۴۸، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)
[2](المظهری، ج ۵، ص ۱۴۱)
[3](رياض النضرة، ج ۱، ص ۵۹)

مکتوب نمبر ۲۱۳

[سیادتِ پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

پند و نصائح کے بیان میں اور فرقۂ ناجیہ یعنی علمائے اہل سنت و جماعت کی تابعداری کرنے اور بُرے عُلماء کی صحبت سے جنہوں نے علم کو دُنیاوی اسباب حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا ہے، بچنے کی ترغیب میں۔

عَصَمَکُمُ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَمَّا لَا یَلِیۡقُ بِجَنَابِکُمۡ بِحُرۡمَةِ جَدِّکُمُ الۡاَمۡجَدِ عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَاتُ۔

حق تعالیٰ آپ کو آپ کے جدبزرگوار علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل ان باتوں سے بچائے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلۡ جَزَاءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ (الرحمٰن ۶۰)

ترجمہ: نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

فقیر نہیں جانتا کہ آپ کے احسان کا بدلہ کس احسان سے ادا کرے۔ سوائے اس بات کے کہ نیک وقتوں میں سلامتی دَارین کی دُعا سے تَرزبان رہے۔ اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یہ بات بے تکلف حاصل ہے اور دوسرا احسان جو مکافات کے لائق ہے وہ پند و نصیحت ہے اگر قبول ہو جائے تو زہے سعادت۔

اے شرافت و نجابت کے مرتبہ والے! تمام نصیحتوں کا خلاصہ دِینداروں اور شریعت کے پابند لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا ہے اور دین و شریعت کا پابند ہونا تمام اسلامی فرقوں میں سے فرقۂ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت کے طریقۂ حقہ کے سلوک پر وابستہ ہے۔ ان بزرگواروں کی متابعت کے

بغیر نجات محال ہے، اور ان کے عقائد کی اتباع کے بغیر خلاصی دُشوار ہے۔ تمام عقلی، نقلی اور کشفی دلیلیں اس بات پر شاہد ہیں، ان میں سے کسی میں خلاف کا احتمال نہیں ہے اگر معلوم ہو جائے کہ ان بزرگواروں کے سیدھے راستہ سے ایک رائی کے برابر بھی الگ ہو گیا تو اس کی صحبت کو زہرِ قاتل جاننا چاہیئے اور اس کی ہم نشینی کو زہرِ مار خیال کرنا چاہیئے۔ بے باک طالبِ علم خواہ کسی فرقہ کے ہوں، دِین کے چور ہیں۔ ان کی صحبت سے بھی بچنا ضروری ہے۔ یہ سب فتنہ وفساد جو دِین میں پیدا ہوا ہے، ان ہی لوگوں کی کم بختی سے ہے کہ انہوں نے دُنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔

أُولَئِکَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (البقرة ١٦)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔

کسی شخص نے ابلیسِ لعین کو دیکھا کہ آسودہ اور فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے ہاتھ کو تاہ کیا ہوا ہے اس نے اس کا سبب پوچھا۔ لعین نے کہا اس وقت کے بُرے علماء میرا کام کر رہے ہیں اور گمراہ کرنے اور بہکانے کے ذمہ دار بن چکے ہیں۔

وہاں کے طالبوں سے مولانا عمر بہت نیک طبع آدمی ہے بشرطیکہ آپ اس کو حوصلہ دیں اور حق کے اظہار پر دَلیر کریں۔ اور حافظ امام بھی اسلام کا جنون رکھتا ہے کیونکہ اسلام میں اس قسم کا جنون ضرور ہونا چاہیئے۔

لَنْ يُّؤْمِنَ اَحَدَكُمْ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایمان دَار نہ ہوگا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔[1]

آپ کو معلوم ہے کہ اس فقیر نے تقریرًا و تحریرًا نیک صحبت کی ترغیب میں کوتاہی نہیں کی اور بُری صحبت سے بچنے کے لئے مبالغہ کرنے میں اپنے آپ کو معاف نہیں رکھا۔ کیونکہ فقیر اسی کو اصلِ عظیم جانتا ہے، آگے قبول کرنا آپ کے اختیار میں ہے بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

فَطُوبٰی لِمَنْ جَعَلَهُ اللهُ سُبْحَانَهُ مَظْهَرَ الْخَيْرِ۔

ترجمہ: پس اس شخص کے لئے مبارک ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خیر کا مظہر بنایا۔

آپ کے احسانوں کی یاد اس گفتگو پر آمادہ کرتی ہے اور رنج و ملال کے ملاحظہ کو درمیان سے اُٹھا دیتی ہے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے مکتوبات میں اکثر و بیشتر مکاتیب میں ہمیں اپنے عقائد کو اہلِ سُنت و جماعت کے فرقۂ ناجیہ کے عقائد کے مطابق درست کرنے پر زور دیا ہے۔ لیکن چند ایک پہلوؤں پر روشنی ڈالنی ضروری ہے تاکہ تصوف و رُوحانیت کا ذوق رکھنے والوں کو یہ احساس ہو جائے کہ رُوحانیت سے قبل عقائد کی درستگی اور تصحیح کس قدر لازم و ضروری ہے۔

---

[1] (مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی سعید الخدری، حدیث نمبر ۱۱۶۵۳، ج ۱۸، صحیح ابن حبان، باب الاذکار، ذکر استحباب الاستھتار للمرء بذکر ربہ جلّ و علا، حدیث نمبر ۸۱۷، ج ۳، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الدعاء و التکبیر و التھلیل و التسبیح و الذکر، حدیث نمبر ۱۸۳۹، ج ۱، المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی، کتاب الاذکار، باب فی مجالس الاذکار، حدیث نمبر ۱۶۲۴، ج ۴، الدعوات الکبیر، باب ماجاء فی فضل الدعاء و الذکر، حدیث نمبر ۱۲، ج ۱، بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ باختلاف یسیر اَكْثِرُوْا ذِكْرِ اللهِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سادات، مُریدین اور علماء کرام کے لئے ہمیشہ یہ نصیحت فرماتے تھے کہ اگر آپ لوگ فلاحِ دارین چاہتے ہیں تو آپ لوگ فرقۂ ناجیہ جو کہ اہل سنت وجماعت ہے اس سے وابستہ رہیں۔ اور اُن علماء اور فرقوں سے جو صرف دُنیا کی خاطر شب وروز تگ ودَو میں لگے رہتے ہیں اُن سے دور رہنا چاہیئے اگر کوئی بہت اچھا صوفی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کا پابند نہ ہو تو حتماً وہ کسی نہ کسی جگہ ایک ایسی غلطی کر بیٹھے گا جو اسے کُفر وشرک کی وادی میں دَھکیل دے گی۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے حلقۂ احباب اور علماءِ کرام کو بار بار یہ ہدایت کرتے ہیں کہ آپ لوگ اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ وپیراستہ کریں جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی ہستی اتنے علم اور تقویٰ کے باوجود خود بھی اہلِ سنت وجماعت کی پیروکار ہے تو پھر ہمیں طریقۂ اولیٰ کے ساتھ اسی فرقۂ ناجیہ کی تقلید کرنے کی اَشد ضرورت ہے۔

(دارالمعـرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز علمائے راسخین، اولیائے کاملین اور اہل سنت کے تشرع لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کی نصیحت فرمارہے ہیں جو جمیع نصائح اور وصائے کالبِ لباب ہے۔ کتاب وسنت میں اہل اللہ کی معیت ومجالست کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹) اور ارشادِ نبوی علٰی صاحبہا الصلوات: هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔[1] سے عیاں ہے۔ جادۂ تقسیم سے بھٹکے ہوئے اغیار کے ساتھ نشست وبرخاست کی

[1](صحیح مسلم،ج۱۳،ص۱۹۶،المکتبۃالفاروقیۃ)

ممانعت اور ان کے ساتھ مجالست کی مضرت، صحبت کافر سے بھی بدتر بتائی گئی ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (الأنعام٦٨) اور ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ۔[1] سے عیاں ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارقام پذیر ہیں:

فسادِ صحبتِ مبتدع زیادہ از فسادِ صحبتِ کافر است۔

عارفِ کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحبتِ صالحین کے فوائد اور صحبتِ مبتدعین کے مضرات کو بزبانِ پنجابی ہوں منظوم فرمایا:

نیکاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان عطاراں
سودا بھاویں مول نہ لئے ملے آوَن ہزاراں
بریاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھاویں کنج کنج بہیئے چنگاں پین ہزاراں

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اہلِ سنت کے جادۂ تقسیم سے سر موہٹے ہوئے لوگوں کی صحبت و معیت سے احتراز کو اصلِ عظیم اور ضروریاتِ دین میں شمار کیا ہے۔ انبیاء مرسلین اور آئمہ و صالحین کے گستاخ و بے ادب علماء و طلباء دین کے چور اور شیطان کے نمائندے ہیں۔ ابلیسی کردار ادا کرنے والوں کی مجالست زہرِ قاتل اور مؤجبِ ضلالت ہے جو فکری انتشار اور قلبی اضطراب کا باعث ہوتی ہے۔ بنا بریں انسان آیہ کریمہ: لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ (النساء١٤٣) کے مصداق متذبذب ہی رہتا ہے۔ اس لئے عقائد کی پختگی اور اعمال کی درستگی سے محروم رہتا ہے۔ راہِ

[1](صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

راست پر مستحکم و ثابت قدم نہیں رہتا نتیجتًا ازلی شقاوت اور قلبی قساوت کی وجہ سے نارِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ **اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ**

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۶۰۷ تا ۶۱۰)

مکتوب نمبر ۲۱۴

[خانِ خاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس سوالِ مشہور کے جواب میں کہ کُفار کو کُفرِ موقت کے باعث دائمی عذاب کیوں ہو گا اور ایک حاجت مند کی سفارش میں۔

طُوۡبٰی لِمَنۡ جَعَلَهُ اللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ مَظۡهَرَ الۡخَيۡرِ۔

ترجمہ: مبارک ہے وہ شخص جس کو خدائے تعالیٰ نے خیر کا مظہر بنایا۔

حق تعالیٰ نے دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بد نصیب ہے جو سب کا سب بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے اور ایک دانہ سے سات سو دانہ نہ بنائے، اور اس دن کے لئے کہ بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی، کچھ ذخیرہ نہ کرے۔ ایسے شخص کو دُنیا وآخرت کا خسارہ حاصل ہے اور سوائے حسرت وندامت کے کچھ فائدہ نہیں۔ نیک بخت لوگ دُنیا کی فرصت کو غنیمت جانتے ہیں۔ نہ اس غرض کے لئے کہ دُنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے عیش و عشرت حاصل کریں۔ جو باوجود اس قدر سختیوں اور تکلیفوں کے ناپائیدار اور بے ثبات ہیں۔ بلکہ اس غرض کے لئے کہ اس فرصت میں کاشتکاری کریں اور نیک عمل کے ایک دانہ سے وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ کے بموُجب بے نہایت ثمرات حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ چند روزہ اعمالِ صالحہ کی جزا ہمیشہ کا آرام مقرر فرمایا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ (البقرة ۱۰۵)

ترجمہ: اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اگر پوچھیں کہ حسنات میں اجر کئی گنا ہے اور برائیوں میں ان کے مثل جزا ہے تو پھر کفار کو چند روزہ بُرائیوں کے عوض ہمیشہ کا عذاب کیوں ہو گا؟ میں کہتا ہوں کہ عمل کے لئے جزا کا ہم مثل ہونا واجب تعالیٰ کے علم پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے ممکن کا علم قاصر ہے۔

مثلاً قذفِ محصنات یعنی نیک بیاہی عورتوں کو زنا کی تہمت لگانے میں اس کے ہم مثل جزا اَسی (۸۰) کوڑے فرمائی ہے اور چوری کی حد میں چور کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالنا اس کی جزا ہے۔ اور زِنا کی حد میں کنوارے کا کنواری کے ساتھ زنا کرنے کی صورت میں سو کوڑے یا ایک سال کی جلاوطنی مقرر کی ہے، اور شادی شُدہ آدمی کا شادی شُدہ عورت کے ساتھ زِنا کی صورت میں رَجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا ہے ان حدود اور تقدیرات کا علم انسان کی طاقت سے خارج ہے۔

ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (الأنعام۹٦)

ترجمہ: یہ سادھا (مقرر کیا ہوا) ہے زبردست جاننے والے کا۔

پس کفار کے بارہ میں حق تعالیٰ نے کُفرِ موقت کے موافق ہمیشہ کا عذاب جزا فرمائی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کُفرِ موقت کی ہم مثل جزا یہی ہمیشہ کا عذاب ہے اور وہ شخص جو تمام احکامِ شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق کرنا چاہے اور عقلی دلائل کے برابر کرنا چاہے، وہ شانِ نبوت کا منکر ہے۔ اس کے ساتھ کلام کرنا بیوقوفی ہے۔

زانکس کہ بقرآن خبر می نرہی
آنست جوابش کہ جوابش ندہی

ترجمہ: وہ جو قرآن وحدیث پر ایمان نہیں رکھتا، اس کا جواب یہ ہے کہ تو اس کو جواب ہی نہ دے۔

باقی مطلب یہ ہے کہ حاملِ رقمیہ ہذا میاں شیخ احمد مغفرت پناہ شیخ تھانیسری کا بیٹا ہے آپ کی اُن مہربانیوں اور احسانوں کو یاد کرکے جو آپ کے والد بزرگوار کی نسبت کئے تھے اس فقیر کو وسیلہ بنا کر آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا ہے اور آپ کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ تھی کہ ایک مواضع جو پرگنہ اندری میں انعام فرمایا ہوا تھا۔ آگے آپ کا اختیار ہے بلکہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

اور سلام ہو آپ پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس مکتوب شریف میں امراء اور دُنیادار لوگوں کو نصیحت و تنبیہ فرماتے ہوئے ان آیات اور حدیث کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

أَنَّ الدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ۔

ترجمہ: بے شک دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (البقرة ٢٦١)

---

[1](مرقاۃ المفاتیح، ج۷، ص ۳۰۸۷، الناشر: دار الفکر، بیروت -لبنان)

ترجمہ: ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح جس نے اوگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے۔

اگر کوئی شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذِکر کرے یا ایک روپیہ بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے تو اسے چاہیئے کہ یہ سب کچھ رِیا کئے بغیر صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے لئے کرے تو اس لئے امراء اور دُنیادار لوگوں کو چاہیئے کہ اگر کسی کے ساتھ مالی امداد کریں تو پھر یہ نہ کہیں کہ میں نے تو اس کے ساتھ فلاں فلاں موقع پر مالی امداد کی تھی اور اب یہ میرا حکم کیوں نہیں مانتا اس کو چاہیئے کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے سوچے کہ میں نے تو صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے ساتھ امداد کی ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اس روز صرف انسان کے نیک اعمال کے سوا اور کچھ اس کے کام نہ آئے گا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (۳۴) وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ (۳۵) وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (۳۶) لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (عبس ۳۷)

ترجمہ: اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی، اور ماں اور باپ، اور جورو(بیوی) اور بیٹوں سے، ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اسلام میں جو شرعی حدود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ان کو سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے ان میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان کو صرف وہی ذاتِ مقدسہ جانتی ہے ہمارا کام صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کی تابعداری کرنا ہے نہ کہ اپنی عقل کا دین میں استعمال کرنا۔ (دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ حیاتِ مستعار کے انمول لمحات کو غنیمت سمجھ کر اعمالِ صالحہ بجالانا چاہیئے۔ فرصت کی گھڑیوں کو فانی لذتوں اور دنیوی راحتوں میں ضائع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اعتقاداتِ صحیحہ کے مطابق اخلاصِ نیت اور صدقِ قلب کے ساتھ اوامر کا اکتساب اور نواہی سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ تا کہ صدق وللّٰہیت کے اعتبار سے حسنات وخیرات میسر ہو سکیں جیسا کہ آیاتِ کریمہ: وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَشَاءُ (البقرۃ ۲۶۱) اور أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ (البقرۃ ۲۶۱) سے عیاں ہے، ورنہ نفسا نفسی کے اُس عالم میں کوئی بھی پُرسانِ حال نہیں ہو گا۔ قریبی رشتہ دار بھی ایک دوسرے سے پہلو تہی کریں گے جیسا کہ آیہ کریمہ: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (۳۴) وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ (۳۵) وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عبس ۳۶) سے واضح ہے۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں منظوم فرمایا ہے:

گر ز دستت می شود تخمے بکار

تا براری خرمنے روزِ شمار

ورنہ کارے مفلسے یوم التناد

گشتہ مغبون وخاسر بے مراد

ورنہ نمی کارے چہ برادری ازو

روزِ محشر ای عتل اے عتو

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز احکامِ دینیہ اور حدودِ شرعیہ کو عقلِ ناتمام کے ترازو پر تولنے والوں کو شانِ نبوت کا منکر قرار دے رہے ہیں۔ بندۂ مؤمن کو اسلامی مامورات واحکامات اور شرعی حدود و تعزیرات بصد احسان وتمنان تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہی خوئے مسلمانی اور روشِ بندگی ہے۔

عقل قربان کن بہ پیش مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

چونکہ اسلامی احکام واعمال کی کنہہ و حقیقت تک رسائی عقل عیار کے بس کا روگ نہیں اس لئے انہیں عقلی معیار پر پرکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ حدود وتقدیرات کا علم طاقتِ بشری اور فہمِ انسانی سے باہر ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: ذَلِکَ تَقْدِیرُ الْعَزِیزِ الْعَلِیمِ (الأنعام ٩٦) سے عیاں ہے۔ اس لئے اس قسم کے لوگوں کے ساتھ بحث و تمحیص کرنا بے وقوفی ہے۔

زاں کس کہ بہ قرآن و خبر می زہی

آنست جوابش کہ جوابش ندہی

جو مانتا ہی نہیں کیا حدیث و قرآن ہے

اسے جواب نہ دو کہ وہ تو شیطان ہے

دراصل امورِ شرعیہ کا انکار خالقِ حقیقی جل سلطانہٗ کے ساتھ سرکشی وبغاوت ہے اور اس کے احکام ومامورات کو حقیر وبے وقعت جاننا ہے۔ بس یہی بغاوت و حقارت کفار نابنجار کے کفر مؤقت کے دائمی عذاب کا باعث ہوگی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۳۱۶ تا ۱۳۱۷)

مکتوب نمبر ۲۱۵

[دُنیا کی مذمت میں میر زادَاراب کی طرف لکھا:

مکتوب شریف جو طبعی استعداد کی خوبی سے بڑی عاجزی کے ساتھ ان بے سامان فقراء کی طرف ارسال کیا تھا پہنچا، حق تعالیٰ آپ کو اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے جزائے خیر عطا کرے۔

اے فرزند! دُنیادَار اور دولت مند بڑی بلا میں گرفتار ہیں اور ابتلائے عظیم میں مبتلا ہیں کیونکہ دُنیا کو جو حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور تمام نجاستوں سے زیادہ مُردار ہے، ان کی نظروں میں آراستہ اور پیراستہ ظاہر کیا ہے جس طرح کہ نجاست کو سونے ملمع کریں اور زہر کو شکر میں ملادیں۔ حالانکہ عقلِ دور اندیش کو اس کمینی کی بُرائی سے آگاہ کر دیا ہے اور اس ناپسندیدہ کی قباحت پر ہدایت ودَلالت فرمائی ہے۔ اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میر امال زمانہ کے عقلمند کو دیں تو زاہد کو دینا چاہیئے، جو دُنیا سے بے رغبت ہے اور اس کی بے رغبتی اس کی کمالِ عقل سے ہے۔ اس کے علاوہ صرف عقل کے ایک گواہ پر کفالت نہیں کی، نقل کا دوسرا گواہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے جو اہلِ جہان کے لئے سراسر رحمت ہیں اس کھوٹے اسباب کی حقیقت پر اطلاع بخشی ہے، اور اس فاحشہ مکار کی محبت و تعلق سے بہت منع فرمایا ہے۔

ان دو عادل گواہوں کے موجود ہوتے بھی اگر کوئی شکرِ موہوم کی طمع پر زہر کھالے اور خیالی سونے کی اُمید پر نجاست اختیار کرلے تو وہ شخص بڑا ہی بے وقوف اور احمق ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اخبار کا منکر ہے۔ ایسا شخص منافق کا حکم رکھتا ہے کہ اس کا ظاہری ایمان آخرت میں

اس کو کچھ فائدہ نہ دے گا اور اس کا نتیجہ دُنیاوی خون اور مال کے بچاؤ کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ آج غفلت کی رُوئی کانوں سے نکالنی چاہیئے ورنہ کل حَسرت وندامت کے سوا کچھ سرمایہ حاصل نہ ہو گا۔۔۔ خبر کرنا ضروری ہے۔

ہمہ اندرزِ من بر و این است
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ترجمہ: میری طرف سے تجھے پوری نصیحت یہ ہے کہ تُو بچہ ہے اور گھر بڑا رنگین اور خوبصورت ہے۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے سنہ ۱۰۰۰ ہجری میں یعنی آج سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل اپنے ایک عقیدت مند کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل سے دُعا دی ہے حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دُنیا سے رُخصت ہو چکے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالمِ برزخ میں زندہ و تابندہ ہیں۔ اس سے وہ لوگ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وسیلہ کے منکر ہیں اندازہ لگا لیں کہ اگر دُعا میں وسیلہ پکڑنا ناجائز ہوتا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ہرگز وسیلہ نہ پکڑتے۔

حضرت اُمیہ بن خالد بن عبد اللہ بن اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

أَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو (جب اللہ تعالیٰ سے کُفار کے مقابلہ میں فتح مانگنے کی ضرورت ہوتی) تو فقراء مہاجرین کی طفیل وبرکت سے فتح کی دُعا طلب فرماتے۔ [1]

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ دُنیا تمام نجاستوں سے زیادہ مُردار چیز ہے اس لئے اس سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہیئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلاَّ ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالاهُ وَعَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا۔

ترجمہ: دُنیا اور اس کی تمام چیزیں ملعون ہیں، ہاں البتہ ذِکرِ الٰہی اور س کی معاون چیزیں اور عالِم یا متعلم اللہ کے نزدیک محبوب ہیں۔ [2]

قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر ایسے خوش نصیبوں کا ذِکر ہے جن کا مقام ومقر جنت ہے اور ایسے خوش نصیبوں کو قرآن نے ذاکرین وذاکرات کا نام دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذکرِ الٰہی کے ساتھ نسبت رکھنے والے دُنیا میں رہتے ہوئے بھی دُنیا کی طرح ملعون نہیں رہے بلکہ مُفلحون ہو گئے۔ اور جنہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذِکر کے ساتھ نسبت رکھنے کی بجائے دُنیا جیسی کمینی چیز کے ساتھ نسبت اختیار کی، دُنیا کی طرح وہ بھی ملعون قرار پائے تو جس طرح دُنیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناپسندیدہ چیز ہے ایسے ہی اس کے ساتھ نسبت رکھنے والے بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ناپسندیدہ لوگ ٹھہرے۔ اس بات سے نسبت کی اہمیت سمجھ لینی چاہیئے۔

---

[1] (شرح السنة للبغوی، ج ۱۴، ص ۲۶۴، الناشر: المكتب الإسلامي -دمشق، بيروت)

[2] (سنن الترمذی، ج ۹، ص ۱۰۵، المکتبة الفاروقية)

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

ترکِ دنیا ہر کہ کرد زہد خویش
بیش آمد پیشِ او دنیا ز عیش

ترجمہ: جس نے اپنے زُہد کی وجہ سے دُنیا کو چھوڑ دیا، اس کے سامنے دُنیا پہلے سے بھی زیادہ آتی ہے۔

حضرت سفیان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلاَمُ يَقُولُ: حُبُّ الدُّنْيَا أَصْلُ كُلِّ خَطِيئَةٍ, وَالْمَالُ فِيهِ دَاءٌ كَبِيرٌ, قَالُوا: وَمَا دَاؤُهُ؟ قَالَ: لاَ يَسْلَمُ مِنَ الْفَخْرِ وَلاَ الْخُيَلاَءِ, قَالُوا: فَإِنْ سَلِمَ؟ قال: يَشْغَلُهُ إِصْلاَحُهُ عَنْ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ اس کا مال بڑی بیماری ہے، لوگوں نے پوچھا کہ مال میں کیا بیماری ہے؟ آپ نے فرمایا مال دار فخر اور تکبر سے محفوظ نہیں ہوتا۔ لوگوں نے عرض کی اگر وہ محفوظ رہے۔ آپ نے فرمایا مال کی نگہداشت اسے اللہ عزوجل کے ذِکر سے غافل کر دیتی ہے۔[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (الشوریٰ ۲۰)

ترجمہ: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اُس کا کچھ حصہ نہیں۔

[1](شعب الایمان، ج ۱۳، ص ۷۴، الناشر: مكتبة الرشد بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي)

نیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا (مریم ۹٦)

ترجمہ: بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کردے گا۔

اب جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے لئے مال و دُنیا کا انتظام خود فرما دیتا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ یہ لوگ دُنیا سے محبت نہ کریں بلکہ اس سے صرف اپنی ضروریات کو پورا کریں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے دُنیاوی معاملات کا انتظام خود فرماتا ہے۔ یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ لوگوں کے دِلوں میں اپنے مُقرب بندوں کی محبت ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنے مالوں سے ان کی خدمت کرنے لگتے ہیں اور پھر دینے والوں کے جان ومال میں بھی برکت پیدا ہونے لگتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں صالح اور ایماندار بنائے۔(آمین یا رب العالمین بحرمت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے دُنیا اور اہلِ دُنیا کی عقلی ونقلی شواہد و دلائل کے ساتھ مذمت بیان فرمائی ہے اور دنیا کو متعدد ناپسندیدہ اشیاء کے ساتھ مشابہت دی ہے تاکہ سالکینِ طریقت کے قلب و نظر میں دُنیا کی کراہت ونجاست آشکارا ہو جائے اور ان کے قلوب دنیوی محبتوں کی گرفتاری سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ ورنہ اہلِ دُنیا احکامِ نبوت کے منکر اور منافقانہ روش پر گامزن ہیں جنہیں ظاہری ایمان نفع نہیں دے گا اور انہیں سوائے حسرت وندامت کے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔

بقول شاعر:

ہمہ اندرز من بتو این ست
کہ تو طفلی وخانہ رنگین است
اک نصیحت ہے گو کہ سنگین ہے
تو ہے بچہ مکان رنگین ہے

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۶۲۲)

مکتوب نمبر ۲۱۶

[میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بات کے بھید میں کہ بعض اولیاء اللہ سے خوارق بکثرت ظہور میں آتے ہیں اور بعض اولیاء اللہ سے کم، اور مقامِ ارشاد و تکمیل کے اَتم ہونے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلَیْھِمْ اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور سید المرسلین اور آپ کی آلِ پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

دِلِ سُست میں آتا ہے کہ جب دوستوں کے درمیان بُعدِ صُوری حاصل ہے اور ظاہری ملاقات عنقا ہو گئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بعض علوم و معارف یاروں کی طرف لکھے جائیں۔ اس واسطے کبھی کبھی اس قسم کی باتیں لکھتا رہتا ہے، اُمید ہے کہ ملال کا باعث نہ ہوں گی۔

میرے مخدوم! چونکہ ولایت کی بحث درمیان ہے اور عوام کی نظر خوارق کے ظاہر پر ہونے لگی ہے اس لئے اس قسم کی بعض باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، ذرا غور سے سُنیے گا۔

ولایت فنا و بقا سے عبارت ہے کہ خوارق اور کشف خواہ کم ہوں یا زیادہ، اس کے لوازم سے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اَتم ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں مگر ولایت اکمل ہوتی ہے۔

خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ عروج کے وقت زیادہ بلند جانا، اور نزول کے وقت بہت کم نیچے آنا۔ بلکہ کثرتِ خوارق کے ظہور میں اصلِ عظیم قلتِ نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے۔ عروج کی جانب خواہ کسی کیفیت سے ہو۔ کیونکہ صاحبِ نزول عالمِ اسباب میں اُترتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ معلوم کرتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے

پَردے کے پیچھے دیکھتا ہے اور وہ شخص کہ جس نے نزول نہیں کیا یا نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا، اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے کیونکہ مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث تمام اسباب اس کی نظر سے مُرتفع ہو گئے ہیں۔ پس حق تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور وہ جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام اسباب کے وسیلہ کے بغیر مہیا کر دیتا ہے۔

حدیثِ قدسی اس مطلب کی گواہ ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي۔

ترجمہ: میں اپنے متعلق اپنے بندے کے گمان کے مطابق ان سے معاملہ کرتا ہوں۔ [1]

بہت مدت سے دل میں کھٹکتا رہا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اس اُمت میں اَکمل اولیاء بہت گزرے ہیں مگر جس قدر خوارق حضرت سیّد محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حق تعالیٰ نے اس معما کا بھید ظاہر کر دیا اور جتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقامِ رُوح تک نیچے اُترے ہیں جو عالَمِ اسباب سے بلند تر ہے۔ خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کی حکایت اسی مقام کے مناسب ہے۔

منقول ہے کہ ایک دِن حَسن بصری دَریا کے کنارے پر کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ دَریا سے پار ہوں۔ اسی اثنا میں خواجہ حبیب عجمی بھی آ نکلے۔ پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ عرض کیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حبیب عجمی نے فرمایا کہ کشتی کی کیا حاجت ہے، کیا آپ

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۲۲، ص ۴۰۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسن بصری نے کہا کہ آپ علم نہیں رکھتے۔ غرض خواجہ حبیب عجمی کشتی کی مدد کے بغیر دَریا سے گزر گئے اور خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔

حضرت خواجہ حسن بصری نے چونکہ عالمِ اَسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لئے ان کے ساتھ اسباب کے وسیلہ سے معاملہ کرتے تھے اور حبیب عجمی نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر سے دُور کر دیا ہوا تھا، ان کے ساتھ اسباب کے وسیلہ کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے۔ لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بَصری کے لئے ہے جو صاحبِ علم ہیں اور جنہوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے، اور اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں جانا ہے کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے اور حبیب عجمی صاحبِ سُکر ہیں اور فاعلِ حقیقی پر یقین رکھتے ہیں بغیر اس بات کے کہ اسباب کا درمیان میں دخل ہو۔

یہ دید نفس الامر کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اسباب کا وسیلہ واقع کے اعتبار سے ثابت وکائن ہے۔ لیکن تکمیل وارشاد کا معاملہ ظہورِ خوارق کے معاملہ کے برعکس ہے کیونکہ مقامِ ارشاد میں جس کا نزول جس قدر زیادہ تر ہوگا، اسی قدر وہ زیادہ کامل ہوگا۔ کیونکہ ارشاد کے لئے مُرشد و مسترشد کے درمیان اس مناسبت کا حاصل ہونا ضروری ہے جو نزول پر وابستہ ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ جس قدر کوئی اوپر جاتا ہے اسی قدر نیچے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالتِ خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے زیادہ اوپر گئے اور نزول کے وقت سب سے نیچے آگئے اس واسطے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دعوت اَتم ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام خلق کی طرف بھیجے گئے۔ کیونکہ نہایت نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا کی، اور افادہ کا راستہ کامل تَر ہو گیا اور بسا اوقات اس راہ کے متوسطوں سے اس قدر

طالبوں کا فائدہ وقوع میں آتا ہے جو غیر مرجوع منتہیوں سے میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ متوسط غیر مرجوع منتہیوں کی نسبت مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی سبب سے شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ نے کہا ہے اگر خرقانی اور محمد قصاب موجود ہوتے تو میں تم کو محمد قصاب کے پاس بھیجتا اور خرقانی کی طرف نہ جانے دیتا۔ کیونکہ وہ خرقانی کی نسبت تمہارے لئے زیادہ فائدہ مند ہوتا، یعنی خرقانی منتہی تھے۔ مُرید آپ سے بہت کم فائدہ حاصل کرتے تھے یعنی منتہی غیر مرجوع تھے نہ کہ مطلق منتہی۔ کیونکہ کامل افادہ کا نہ ہونا اس کے حق میں غیر واقع ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سب سے زیادہ منتہی تھے حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا افادہ سب سے زیادہ تھا۔ پس افادہ کے کم یا زیادہ ہونے کا مدار رجوع اور ہبوط پر ہے نہ کہ انتہا اور عدمِ انتہا پر۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح نفسِ ولایت کے حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے، جیسے کہ مشہور ہے۔ اسی طرح اس کو اپنے خوارق کے وجود کا علم ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے خوارق نقل کرتے ہیں، اور اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیاء جو صاحبِ علم اور کشف ہیں ان کے لئے جائز ہے کہ اپنے بعض خوارق پر اس کو اطلاع دے دیں۔ بلکہ ان کی مثالیہ صورتوں کو متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور دُور دراز جگہوں میں ان صورتوں سے ایسے عجیب وغریب کام ظہور میں لائیں جن کی اس صورتوں والے کو ہرگز اطلاع نہیں ہے۔

از ما و شما بہانہ بَرساختہ اند

ترجمہ: ہمارا اور تمہارا تو صرف بہانہ ہے، اصل فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت مخدوم قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتا تھا کہ عجیب کاروبار ہے کہ لوگ اطراف وجوانب سے آتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے، اور موسمِ حج میں حاضر پایا ہے اور ہم نے آپ سے مل کر حج کیا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور میں ہر گز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں۔

وَ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ اَعۡلَمُ بِحَقَائِقِ الۡاُمُوۡرِ کُلِّھَا

ترجمہ: سب کاموں کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے، ہاں اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم کی تو بہت جلدی اس سے زیادہ کچھ لکھا جائے گا۔ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں بعض اولیاء سے کرامات کے کثرت سے ظاہر ہونے اور بعض سے نہ ہونے کی وجوہات کا پردہ اٹھایا ہے تاریخ کے مطالعہ سے بھی پتا چلتا ہے کہ تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جس قدر کرامات حضرت سیّد محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئی ہیں اتنی کرامات ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئیں اس کی اصل وجہ کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کرامات راہِ تصوف کا ایک جزء ہے ایک حقیقی ولی سے کبھی کبھی کوئی کرامت ظاہر ہو جاتی ہے مگر کرامت ولایت کی شرائط میں سے شرط نہیں ہے کہ اگر کسی ولی سے کرامات ظاہر نہ ہوں تو وہ ولی نہیں یا ولی نہیں بن سکتا۔ چونکہ ولی کی ولایت دو چیزوں سے پایۂ تکمیل

تک پہنچتی ہے ایک عروجِ اَتم اور دوسرا نزولِ اَتم۔ اس لئے جس ولی کا جتنا عروج ہو اتنا ہی اس کا نزول بھی ہونا چاہیئے اگر عروج ونزول مساوی نہ ہوئے تو ایسے ولی سے کرامات تو سرزد ہو جاتی ہیں مگر عروجِ اَتم اور نزولِ اَتم والے ولی کی بہ نسبت لوگ اس سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ:

اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی دو اقسام ہیں:

ایک ولیٔ لازمی اور دوسرے کو ولیٔ متعدی کہا جاتا ہے۔

ولیٔ لازمی اس ولی کو کہا جاتا ہے جو خود تو عروج میں ہوتا ہے یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ وصل ہوتا ہے اور اس سے کرامات بھی سَرزَد ہوتی ہیں مگر وہ دوسروں کو کوئی دنیوی واُخروی فائدہ نہیں پہنچا سکتا چونکہ ولیٔ لازمی فیض پہنچانے کی لیاقت نہیں رکھتے اس لئے ان کی صحبت و مجلس بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتی اس لئے سالکین کو ولیٔ لازمی کی صحبت سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ولیٔ لازمی کو ولیٔ مستہلک اور مجذوب بھی کہا جاتا ہے۔

ولیٔ متعدی اس ولی کو کہا جاتا ہے جو اپنی استعداد کے مطابق مقاماتِ عروج طے کرنے کے بعد پھر اُس منزل کی طرف رجوع اور نزول کرے جہاں سے عروج کیا تھا۔ ایسے ولی کو ولیٔ مرجوع بھی کہا جاتا ہے۔

اجمالی طور پر ولیٔ متعدی پانچ طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ ولی جو مقاماتِ قلب کو طے کرتا ہوا قلب کے اعلیٰ ترین مقام تک عروج کرے اور پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل و کرم کے طفیل اپنے ابتدائی مقام کی طرف نزول کر جائے۔ دوسرا جو مقاماتِ روح میں عروج ونزول کرے۔ تیسرا جو لطیفۂ سِر میں عروج ونزول کرے ور اسی طرح بقیہ لطائف کا حال ہے اور ولیٔ متعدی کے زمرے میں سے سب سے زیادہ کامل ولی وہ ہے جو پہلے چار لطائف کے ساتھ لطیفۂ اخفیٰ کے مقامات میں سیر کرتا

ہوا اعلیٰ مقامات تک جائے اور پھر مکمل نزول کرلے اس طرح سے مکمل عروج ونزول کرنے کو رجوعِ قہقری کہا جاتا ہے۔

حضرت سیّد محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کا عروج چونکہ اکثر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے عروجات سے بلند تر واقع ہوا ہے مگر نزول کی طرف آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روح کے مقام ہی تک نیچے اُترے ہیں جو کہ عالمِ اَسباب سے بلند تر ہے اسی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامات بہت زیادہ ہیں۔ اور جن اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا عروج ونزول جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اَتم واَکمل ہو تو ان سے بہت کم کرامات سرزَد ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اوپر حضرت حسن بصری اور حضرت حبیب عجمی رحمہم اللہ تعالیٰ کے واقعہ میں بیان ہوا ہے اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بلند تھا بلکہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عروج زیادہ اور نزول کم تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عروج ونزول دونوں ہی اَتم واَکمل اور مساوی تھے۔ یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چونکہ عالمِ اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لئے ان کا تمکن بھی دُنیوی اسباب پر ہی تھا اور حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چونکہ عالمِ اَسباب کو مکمل طور پر اپنی نظروں سے دور کر دیا تھا اس لئے دنیوی اسباب کے بغیر ہی اپنی زندگی گزارتے تھے اسی لئے حدیثِ قدسی میں أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي۔ ”یعنی میں اپنے متعلق اپنے بندے کے گمان کے مطابق ان سے معاملہ کرتا ہوں“ کے الفاظ فرمائے گئے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اسباب کے بغیر ہی انسان کو رزق اور اولاد عطا فرما دے جیسے کہ حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دُنیاوی اسباب کے بغیر ہی رزق اور اولاد عطا

فرمائی یا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا۔ مگر قانون کے لحاظ سے اسباب ضروری ہوتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عروج ونزول بہت ہی زیادہ اَتم واَکمل تھا اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالمِ اَسباب کے ساتھ وابستہ تھے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْ لَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا (الفرقان ۷)

ترجمہ: اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہ اُتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ اُن کے ساتھ ڈر سناتا۔

اس کے جواب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا (الفرقان ۲۰)

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کی جانچ کیا ہے اور اے لوگو کیا تم صبر کروگے اور اے محبوب تمہارا رب دیکھتا ہے۔

اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شادیاں بھی کیں اور آپ کی اولاد بھی ہوئی اور اسی طرح جہاد، تجارت اور زندگی کے دوسرے تمام قسم کے لوازمات کو بھی اَحسن طریقے سے ادا کیا۔

حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عروج ونزول بہت ہی زیادہ اَتم واَکمل ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دعوت اَتم ہوئی، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا۔ جبکہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دین کی دعوت دی مگر ان میں سے صرف اَسی (۸۰) یا سو (۱۰۰) لوگوں نے ہی دین کی دعوت کو قبول کیا جبکہ حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تئیس (۲۳) سال کے عرصہ میں مشرق ومغرب کو اسلام کی روشنی سے مالا مال کر دیا اور تاقیامت اسلام کی اس روشنی کا پھیلنا جاری وساری رہے گا۔

(دار المعرفت، ج ۳)

مکتوب نمبر ۲۱۷

[ملا طاہر بد خشی کی طرف لکھا:

اس بیان میں کہ باطنی نسبت جس قدر حیرت و جہالت کی طرف جائے اسی قدر بہتر ہے۔ اور اس بیان میں کہ کیا باعث ہے کہ اولیاء اللہ کے بعض کشف غلط واقع ہوتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ اور قضائے معلق اور قضائے مُبرّم کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے حکم میں۔ اور اس بیان میں کہ جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب و سُنت ہے۔ اور اس بیان میں کہ بعض طالبوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت دینا ان کے کمال اور تکمیل کی علامت نہیں ہے، اور اس کے متعلق اُمور میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْھِمْ وَ عَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور سیّد المرسلین اور آپ کی آل پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

مدت گزری ہے کہ اپنے احوال و اوضاع سے آپ نے اطلاع نہیں دی۔ ہر حال میں استقامت مطلوب ہے کوشش کریں کہ از روئے عمل اور اعتقاد کے سرِ مُوے خلافِ شریعت سر زد نہ ہو اور باطنی نسبت کی حفاظت نہایت ہی ضروری ہے اور باطنی نسبت جس قدر جہالت کی طرف جائے اسی قدر زیبا ہے اور جس قدر حیرت تک پہنچے اسی قدر بہتر ہے۔ کیونکہ کشوفِ الٰہی اور ظہوراتِ اسمائی سب راستہ کے درمیان ہیں وصول کے بعد یہ سب کم ہو جاتے ہیں اور جہالت اور مطلوب کے نہ پانے کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ کشوفِ کونی کی نسبت کیا لکھا جائے۔ کیونکہ ان میں خطا کی مجال بہت ہے اور غلطی کا گمان غالب ہے ان کے عدم وجود کو یکساں جاننا چاہیئے۔ اگر پوچھیں کہ کیا سبب ہے کہ بعض

کونی کشوف میں جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے بَر خلاف ظہور میں آتا ہے۔

مثلاً خبر دی کہ فلاں آدمی ایک ماہ کے بعد مَر جائے گا یا سفر سے واپس وطن آئے گا۔ اتفاقاً ایک ماہ کے بعد ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی وقوع میں نہ آئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز جس کا کشف ہوا ہے اور اس کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا شرائط پر مشروط تھا کہ صاحبِ کشف نے اس وقت ان شرائط سے مفصل طور پر اطلاع نہیں پائی، اور مطلق طور پر اس شے کے حاصل ہونے کا حکم کیا ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے کوئی حکم عارف پر ظاہر ہوا کہ وہ حکم فی نفسہٖ محو واثبات کے قابل ہے۔ اور قضا میں معلق کی قسم سے ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے محو واثبات کی تعلیق اور قابلیت سے کچھ خبر نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر اپنے علم کے موافق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی خلاف کا احتمال ہو گا۔

لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جبریل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شخص کے حق میں یہ خبر دی کہ یہ جوان کل صبح ہوتے ہی مَر جائے گا۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جوان کے حال پر رحم آیا۔ اس سے پوچھا کہ تُو دُنیا سے کیا آرزو رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ دو چیزیں۔ ایک کنواری بیوی، دوسرے حلوہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دونوں چیزیں مہیا کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ جوان اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا، اور وہ حلوے کا طبق ان کے آگے رکھا تھا کہ اسی اثنا میں ایک سائل محتاج نے دروازہ پر آکر اپنی حاجت کو ظاہر کیا۔ اس جوان نے وہ حلوے کا طبق اُٹھا کر اس فقیر کو دے دیا۔ جب صبح ہوئی حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃوالسلام اس جوان کے مرنے کی خبر

کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیر ہو گئی تو فرمایا کہ اس جوان کی خبر لاؤ کہ کیا حال ہے؟ معلوم ہوا کہ خوش وخُرم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیران رہ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت جبریل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس حلوے کے صدقہ نے اس جوان کی بلا کو دفع کیا۔ جب اس کے بستر ے کو دیکھا تو اس کے نیچے ایک بڑا سانپ مُردہ پایا اور اس کے پیٹ میں اس قدر حلوہ پڑا ہوا دیکھا کہ حلوے کی زیادتی سے جان دے دی۔

لیکن یہ فقیر اس نقل کو پسند نہیں کرتا اور جبریل علیہ السلام پر خطا تجویز نہیں کرتا کیونکہ وہ وحی قطعی کا حامل ہے اور وحی کے حامل پر خطا کا احتمال تجویز کرنا بُرا جانتا ہے۔ ہاں اگر یہ کہیں کہ اس کی عصمت وامانت اور خطا کا احتمال نہ ہونا اس وحی سے مخصوص ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف سے صرف تبلیغ پر موقوف ہے۔ اور اس خبر میں اس قسم کی وحی نہیں ہے بلکہ علمی اخبار ہے اور لوحِ محفوظ سے مستفاد ہے، جو محو واثبات کا محل ہے، تو اس خبر میں خطا کی مجال ہو سکتی ہے۔ بَر خلاف وحی کے جو مجرد تبلیغ ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا، جیسے کہ شہادت اور اخبار کے درمیان فرق ہے کیونکہ اوّل شرع میں معتبر ہے اور دوسرا غیر معتبر۔

اے میرے سعادت مند بھائی! آپ کو معلوم کرنا چاہیئے کہ قضا دو قسم پر ہے:

۱۔ قضائے معلق ۲۔ قضائے مُبرم

قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے، اور قضائے مُبرم میں تغیر و تبدل کی مجال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (ق ۲۹)

ترجمہ: میرے یہاں بات بدلتی نہیں۔

یہ قضائے مُبرم کے بارے میں ہے، اور قضائے معلق کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (الرعد ۳۹)

ترجمہ: اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔

میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سیّد محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ ''قضائے مُبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے، مگر مجھے ہے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کروں'' اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے، اور بعید از فہم فرماتے تھے۔

یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی۔ یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا۔ ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی۔ اس وقت بڑی التجا اور عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں اس اَمر کی قضا کسی اَمر سے معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے۔ اس بات سے بڑی یاس و نا اُمیدی حاصل ہوئی اور حضرت سیّد محی الدین قدس سرہٗ کی بات یاد آئی۔ دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا۔ اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا۔ تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے۔ اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ اور لوحِ محفوظ میں قضائے مُبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔

پھر معلوم ہوا کہ حضرت سیّد قدس سرہٗ کی بات بھی اسی اَخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مُبرم کی صُورت رکھتی ہے۔ نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مُبرم ہے۔ کیونکہ اس میں تصرف و تبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے، تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے؟ اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی، قسمِ اَخیر میں پایا۔ اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیّہ کو دفع فرمادیا ہے۔

الحمد للّٰہِ سبحانہ علیٰ ذلک حمدًا کثیرًا طیّبًا مبارکًا فیہ مبارکًا علیہ و کما یحب ربّنا ویرضٰی والصلوٰۃ والسلام والتحیۃ علیٰ سیّد الأولین والآخرین خاتم الأنبیاء والمرسلین الّذی ارسلہ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ وعلی جمیع اخوانہ من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین والملائکۃ المقربین اجمعین اللھم اجعلنا من مُحبّیھم ومتابعی اٰثارھم ببرکۃ ھؤلاء الکبرآء ویرحم اللہ عبدًا قال اٰمینًا۔

ترجمہ: اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے ایسی حمدِ کثیر اور طیب اور مبارک جیسے کہ ہمارا رب چاہتا اور پسند کرتا ہے اور اوّلین وآخرین کے سردار اور انبیاء ومرسلین کے ختم کرنے والے پر جن کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور ان کی آل واصحاب اور ان کے تمام بھائیوں یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں اور تمام مُقرب فرشتوں پر صلوٰۃ وسلام وتحیۃ ہو۔ یا اللہ! تو ہم کو ان بزرگواروں کی برکت سے ان سب کا محب اور ان کے افعال کا تابعدار بنا۔ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جس نے آمین کہا۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات بعض علومِ الہامی میں بھی جو خطا ہو جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بعض مسلمہ مقدمات جو صاحبِ الہام کے نزدیک ثابت اور حقیقت میں کاذب ہیں۔ علومِ الہامی کے ساتھ اس طرح مل جاتے ہیں کہ صاحبِ الہام تمیز نہیں کر

سکتا، بلکہ تمام علوم کو الہامی خیال کرتا ہے۔ پس ان علوم کے بعض اجزاء میں خطا ہونے کے باعث مجموع علوم میں خطا واقع ہو جاتی ہے۔ اور نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کشف اور واقعات میں اُمورِ غیبی کو دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہیں۔ تو اس خیال کے موافق حکم کرتا ہے اور خطا واقع ہو جاتی ہے اور نہیں جانتا کہ وہ اُمورِ ظاہر کی طرف سے پھِرے ہوئے ہیں اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں۔ اس مقام پر تمام کشف غلط واقع ہوتے ہیں۔

غرض جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب وسُنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں اور فرشتہ کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں۔ اور علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی ان ہی دو اصولوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی اصولوں کے سوا اور جو کچھ ہو، خواہ صوفیہ کے علوم ومعارف ہوں اور خواہ ان کے کشف والہام، اگر ان اصولوں کے موافق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ وہاں وجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تول لیں، نیم جَو سے بھی نہیں خریدتے اور کشوف وِالہام کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہ پَرکھ لیں، نیم دام کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔

طریقِ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کی حقیقت پر جو ایمان کی حقیقت ہیں یقین زیادہ ہو جائے اور احکامِ شرعیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو، نہ کچھ اور اَمر اس کے سوا۔ کیونکہ رؤیت کا وعدہ آخرت کو ہے اور دُنیا میں ثابت نہیں ہے۔

اور وہ مشاہدات اور تجلیات جن پر صوفیہ خوش ہیں، وہ ظلال سے آرام اور شبہ ومثال کے ساتھ تسلی کئے بیٹھے ہیں، حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان مشاہدوں اور تجلیوں کی پوری پوری حقیقت بیان کروں تو اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور پڑ جائے گا اور ان کے شوق میں

قصور واقع ہو جائے گا اور اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر باوجودِ علم کے کچھ نہ کہوں تو حق باطل سے ملا رہے گا۔ البتہ اس قدر ضرور ظاہر کرتا ہوں کہ اس راہ کی تجلیات ومشاہدات کو موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہاڑ کی تجلی وشہود کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے۔ اگر درست نہ ہوں تو ناچار ظلال اور شبہ ومثال پر محمول کرنے چاہئیں۔ تو پھر شاید درست ہوں۔ کیونکہ تجلی سے مقصود دک وفک یعنی پارہ پارہ ہونا ہے، اور دُنیا میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ خواہ باطن پر متجلی ہوں خواہ ظاہر پر، دک وفک ضرور ہے۔

لیکن خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس داغ سے پاک ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دُنیا میں رؤیت میسر ہوئی اور سَر مو اپنی جگہ سے نہ ملے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل تابعداروں کو جو اس مقام سے حصہ رکھتے ہیں وہ رؤیت ظلال میں کسی ظل کے پردہ کے بغیر نہ ہوگی، صاحبِ تجلی سمجھے یا نہ سمجھے جب کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس حال کے مشاہدے سے بغیر اس بات کے کہ تجلی ہو، بے ہوش ہوگئے، تو پھر اوروں کا کیا حال ہے؟

دوسرے یہ ہے کہ جاننا چاہیئے کہ بعض مخلصوں کو اجازت دینے سے مقصود یہ تھا کہ اس وجہ سے لوگوں کو گمراہی کے بھنور سے حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف رہنمائی کریں اور آپ بھی ان طالبوں کے ساتھ مل کر مشغول رہیں اور ترقیات حاصل کریں اور اس سرِ رشتہ کو نگاہ رکھ کر کوشش کریں کہ ان کی اپنی بقیہ بُری خصلتیں دور ہو جائیں اور مُرید ومسترشد بھی اس دولت سے مشرف ہو جائیں۔ نہ یہ کہ اجازت وکمال وتکمیل کے وہم میں ڈال دے اور مقصود سے ہٹا رکھے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ ۹۹)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ’’کشوفِ الٰہی اور ظہوراتِ اسمائی سب راستہ کے درمیان ہیں‘‘ یعنی جس وقت عارف اسماء وصفات کے ظہور و ظلال کے دَرک میں ہوتا ہے تو اس کا دَرک اور کشف ظلی یعنی صُوری ہوتا ہے اس کی خارجی مثال یہ ہے کہ جب کوئی بیج زمین میں بوتا ہے تو چھ یا سات دن بعد اس سے پودا نکل آتا ہے اور بیج بونے والے کو یہ پتا چل جاتا ہے کہ اس بیج سے پودا نکل آیا ہے اس کو ادراک کہا جاتا ہے۔ نہ کہ اصلی کیونکہ اصلی اِدراک حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے ہوتا ہے۔ اور جس وقت عارف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات پر مشرف ہو جاتا ہے تو اس وقت اسے حیرت ونادانی پیدا ہوتی ہے اور یہ اپنے آپ کو خالی تصور کرتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے وہ عقل، فہم اور وہم وخیال میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ یہ مقدس مرتبہ عارف کے ادراک سے بلندتر ہوتا ہے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعض تابعدارانِ کامل ومکمل اس اَمر سے مستثنٰی ہیں۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے یہ تابعدارانِ کامل ومکمل اس مرتبۂ مقدسہ کو ادراکِ بیچونی سے دَرک کرلیتے ہیں جس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی ذاتِ بابرکات ہے اور عارف کا یہ دَرک واِدراک بھی بیچون ہے۔ ایک تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بیچونی ہے جسے سارے عالم میں کوئی بھی دَرک نہیں کرسکتا۔ اور دوسری وہ بیچونی ہے جس میں مشابہت پائی جائے اور عارف کے لئے جو بیچونی پیدا ہوتی ہے وہ بیچونی سے مشابہت کا ایک نمونہ ہوتا ہے مگر خیال رہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر قسم کی مشابہت سے منزہ وپاک ہے دُنیا وآخرت میں اس کی ذات اور

صفات میں کوئی اس کے ساتھ مشابہت نہیں رکھ سکتا اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کی رُوح اور ملائکہ بھی بیچون ہیں، مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بیچونی اور انسانی روح کی بیچونی میں بہت فرق ہے۔ انسان کے بدن میں روح بیچون وموجود ہے مگر انسان اس کا اِدراک کرنے سے عاجز ہے اسی طرح ملائکہ بیچون وموجود ہیں مگر ہم ان کا اِدراک نہیں کرسکتے اور جب ہم رُوح کی بیچونی کا اِدراک نہیں کرسکتے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بیچونی توبطریقہ اَولیٰ ہم سے وراء ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”جب کلیم اللہ علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس حال کے مشاہدے سے بغیر اس بات کے کہ تجلّی ہو بیہوش ہوگئے تو پھر اوروں کا کیا حال ہے؟“ اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی ظاہری عبارت سے تو اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسٰی علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر تجلّی نہیں ہوئی تھی اور یہ بات تو واقع کے خلاف ہے اس لئے کہ آپ علیہ السلام پر تو تجلّی ہوئی تھی۔

جیسا کہ قرآن عظیم الشان کی اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے کہ:

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الأعراف ۱۴۳)

ترجمہ: پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کردیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔

اس موضوع کی اصل حقیقت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے متجلّی کا لفظ فرمایا ہے جو کہ اسمِ فاعل ہے اور تجلّی کو مصدر کے صیغہ پر نہیں فرمایا اور مکتوب شریف میں تجلّی کا لفظ جو آیا ہے مطبعہ کی غلطی کی وجہ سے طبع ہوا ہے پس حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے

فرمان کے معنی یہ ہیں کہ بغیر اس کے کہ حق تعالیٰ متجلی ہو، یعنی کہ ذاتِ مقدسہ خود اپنی تجلی کو ظاہر کرے در حقیقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کی تجلی پر بیہوش ہوئے تھے یعنی وہ تجلی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ کی تجلی نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کی صفات کی تجلی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

موسٰی زہوش رفت از یک تجلیٔ صفات　　　تو عین ذات می نگری و در تبسمی

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف پرِتو صفات سے ہوش و حواس کھو بیٹھے (اور بے ہوش ہوگئے) لیکن (اے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عین ذاتِ خداوندِ قدوس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور (قوتِ باطنی کا یہ حال ہے کہ) تبسم بھی فرما رہے ہیں۔

تو جس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس کے دیدار کی خواہش ظاہر کی تو چونکہ دُنیا نہ تو دیدار کی جگہ ہے اور نہ ہی یہاں دیدار ممکن ہے لہٰذا حق تعالیٰ نے اپنے جلال کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ظاہر فرمایا نہ کہ ذاتِ مقدسہ کی تجلی۔ یا یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی مراد یہ ہے کہ تجلی کوہِ طور پر پڑی تھی نہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر۔ کیونکہ اگر یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر واقع ہوتی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے ہوشی حد سے بڑھ جاتی۔ چنانچہ جس طرح کہ آیتِ کریمہ میں ذِکر ہے کہ یہ تجلی پہاڑ پر ہوئی اور پہاڑ پر تجلی ہونے کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے ہوش ہوگئے۔

(دارالمعرفت، ج ۳)

مکتوب نمبر ۲۱۸

[پیرِ طریقت کے آداب کو مدِ نظر رکھنے کے بیان میں مُلّا داوٴد کی طرف لکھا:

میرے عزیز بھائی! مولانا داوٴد کا مکتوب شریف پہنچ کر خوشی کا موٴجب ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل آپ کے ظاہر و باطن کو اپنی مرضیات سے آراستہ و پیراستہ کرے۔ باطنی سبق کے تکرار کرنے اور خواجگان قدس سرہم کے طریقہ پر استقامت کرنے میں ایسا نہ ہو کہ پراگندہ توجہوں سے فتور پڑ جائے اور اگر بالفرض کچھ ظلمت و کدورت طاری ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا اور زاری اور نیاز و شکستگی بجالائیں، اور اپنے مُربّی یعنی پیر کی طرف جو اس دولت کے حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔ پورے طور پر متوجہ ہوں اور حضور و غیبت میں اس بڑی دولت کے وسیلوں یعنی پیروں کے آداب کو اچھی طرح مدِ نظر رکھیں اور ان بزرگواروں کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضامندی کا وسیلہ بنائیں، نجات و خلاصی کا طریقہ یہی ہے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ جب کوئی شیخ اپنے مُرید کو بیعت کر کے ذِکر عطا فرمادے تو مُرید کو اس پر ہمیشگی کرنی چاہیئے اگر دُنیاوی اُمورات میں کسی مُرید کو فتور پیدا ہو گیا اور اس کے ذِکر کا اثر رُک گیا تو سالک کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دَربار میں بہت زیادہ عجز وانکساری کرے کہ یا اللہ میرے اس فتور کو مجھ سے دور فرما۔ اور اگر حقیقت التجا و تضرع میسر نہ آئے تو صورتِ التجا و تضرع کو ہاتھ سے نہیں کھونا چاہیئے۔

کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

اِبْکُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْکُوا فَتَبَاکَوْا۔

ترجمہ: روؤ اگر رونا نہ آئے تو (آخرت کی یاد کرکے) رونے کی صورت ہی بنالو۔ [1]

اور ہمیشہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور تضرع کرتے رہنا چاہیئے تاکہ حقیقتِ نیت نصیب ہو اور تکلف سے نجات ملے۔

می تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول!
آنکہ درساختہ است قطرۂ بارانی را

ترجمہ: ممکن ہے کہ وہ ذات میرے آنسوؤں کو حسن قبول کے شرف سے نواز دے جس نے بارش کے قطرے کو موتی کی صورت عطا کر دی ہے۔

(دارالمعرفت، ج۳)

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج ۵، ص ۲۸۷، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

مکتوب نمبر ۲۱۹

[میرزا اَیرج کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ آدمی اپنی نادانی سے اپنے ظاہری مرض کے دور کرنے کی فکر میں لگا ہے اور باطنی مرض سے جو دِل کی گرفتاری سے مراد ہے، غافل پڑا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

عَصَمُکُمُ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَمَّا یَصِمُکُمۡ وَصَانَکُمۡ عَمَّا شَانَکُمۡ بِحُرۡمَةِ سَیِّدِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالآخِرِیۡنَ عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّسۡلِیۡمَاتِ اَکۡمَلُھَا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سیّد الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل آپ کو اس چیز سے بچائے جو آپ کو داغدار کرے اور اس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کو عیب لگائے۔

اے سعادت وشرافت کے نشان والے! آدمی کو جب کوئی ظاہری مرض لگ جاتا ہے اور اس کے کسی عضو کو آفت پہنچتی ہے تو بہت کوشش اور مبالغہ کرتا ہے تاکہ وہ مرض دفع ہو جائے، اور وہ آفت دور ہو جائے۔ لیکن مرضِ قلبی نے جو ماسوائے حق کی گرفتاری سے مراد ہے، اس پر اس طرح غلبہ پایا ہوا ہے جو نزدیک ہے کہ اس کو ہمیشہ کی موت تک پہنچادے، اور ہمیشہ کے عذاب میں اس کو گرفتار کر دے۔ اس کے دور کرنے کی فکر نہیں کرتا، اور اس کے دفع کرنے میں کوشش نہیں کرتا۔ اور اگر اس کی گرفتاری کو مرض نہیں جانتا تو پَرلے درجے کا احمق ہے اور اگر جانتا ہے اور پھر فکر نہیں کرتا تو بڑا ہی بلید (کُند ذہن وکم سمجھ) ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مرض کے سمجھنے کے لئے عقلِ مَعاد دَرکار ہے۔ کیونکہ عقلِ معاش اپنی کوتاہ اندیشی سے ظاہر بینی پر لگی ہوئی ہے۔ اور عقلِ معاش جس باطنی مرض کو فانی عیش وعشرت

کے باعث مرض خیال نہیں کرتی۔ اسی طرح عقلِ معاد بھی ظاہری امراض کو عاقبت کے ثوابوں کی وجہ سے مرض نہیں جانتی۔ عقلِ معاش کی نظر کوتاہ ہے اور عقلِ معاد کی نظر تیز۔

عقلِ معاد انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نصیب ہے اور عقلِ معاش دولت مندوں اور دُنیا داروں کا حصہ ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ اسباب جو عقلِ معاد کو برانگیختہ کرنے والے ہیں، موت کا ذِکر، آخرت کے احوال کا یاد کرنا اور ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا ہے جو دارِ آخرت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔

دادیم ترازگنجِ مقصود نشان

گرمانرسیدیم توشاید برسی

ترجمہ: ہم نے تجھے گنجِ مقصود کا نشان بتادیا ہے۔ اگر ہم اس تک نہیں پہنچ سکے تو شاید تو پہنچ جائے۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح ظاہری مرض احکامِ شرعیہ کے بمشکل ادا ہونے کا باعث ہے، باطنی مرض بھی اسی طرح دُشواری کو مستلزم ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے:

کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ: مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (البقرۃ ۴۵)

ترجمہ: اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔

ظاہری مرض میں قویٰ اور اعضا کی کمزوری اس دُشواری کو مستلزم اور مرضِ باطنی میں یقین کا ضعف اور ایمان کی کمی اس دُشواری کا موجب ہے۔ ورنہ تکالیفِ شرعیہ میں سراسر آسانی اور سہولت ہے آیتِ کریمہ:

یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ ۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

یُرِیدُ اللّٰہُ أَنْ یُخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِیفًا (النساء ۲۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف (آسانی) کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا۔

دونوں اس مطلب پر گواہ ہیں۔

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

ترجمہ: سورج کا کچھ گناہ نہیں اگر کوئی خود ہی نابینا ہے۔

پس اس مرض کے دُور کرنے کی فکر ضروری ہے، اور حاذق طبیبوں کی طرف التجا کرنا فرضِ عین ہے۔

مَا عَلَی الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ ۹۹)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہُ الاقدس نے اس مکتوب میں عقلِ مَعاد اور عقلِ معاش کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ان کے معنی کو سمجھنا ضروری ہے۔

عقلِ معاد: معاد کے معنی ہیں لوٹنے کی جگہ یعنی انسان کا اپنی آخرت کے بارے میں سوچنا کہ میں نے اپنی آخرت کے لئے کیا کچھ کمایا اور ذخیرہ کیا ہے اور میں اپنے ساتھ کیا لے کر جاؤں گا یا مجھے اس کے لئے مزید کیا کرنا چاہیئے اسے عقلِ معاد کہا جاتا ہے۔ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات عقلِ معاد کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں کیونکہ یہ حضرات ہمیشہ آخرت کی سوچ میں لگے رہتے ہیں اور دُنیا کو ملعون وپلید سمجھتے ہیں اور جو لوگ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مکمل تابعدار ان ہیں اُن کو بھی عقلِ مَعاد کی دولت سے نوازا جاتا ہے۔

عقلِ معاش: معاش کے معنی ہیں زندگی بسر کرنا یا زندگی کی ضروریات کے پیچھے پڑنا یعنی انسان اپنی زندگی میں تجارت یا کام کاج کرنے سے جو کچھ کماتا اور ذخیرہ کرتا ہے اور مزید اس کی تگ ودَو میں لگا رہتا ہے اسے عقلِ معاش کہا جاتا ہے۔ یہ عقل دولت مند اور دُنیادار لوگوں کا حصہ ہے جو سارا دِن اسی کی سوچ میں رہتے ہیں اور اسی کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مبدأ ومعاد کے نام سے ایک کتاب بھی تحریر فرمائی ہے جس میں اسی موضوع کے متعلق انتہائی ضروری اور اہم بحث کی ہے اور سالکینِ طریقت کے لئے ضروری معلومات فراہم کی ہیں۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

مکتوب نمبر ۲۲۰

[صوفیوں کی بعض غلطیوں اور ان غلطیوں کے منشا کے بیان میں شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور ان کی سب آل واصحاب پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

اس طرف کے فقرا کے احوال واوضاع دِن بدن شکر کی زیادتی کا مؤجب ہیں اور دُور افتادہ دوستوں کے بارہ میں بھی یہی اُمید رکھتا ہے۔

اے عزیز! اس غیب الغیب یعنی اندھا دھُند رستہ میں سالکوں کے قدم بہت پھسلتے ہیں۔ آپ اعتقادات اور عملیات میں شریعت کو مدِ نظر رکھ کر زندگانی بسر کریں۔ حضور وغیبت میں فقیر کی یہی نصیحت ہے، اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔

فقیر اس راستہ کی بعض غلطیوں کو لکھتا ہے اور اس غلطی کا منشا ظاہر کرتا ہے۔ اُمید ہے کہ اعتبار کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے، اور ان مذکورہ جزئیات کے ماسوا ان کے اندازہ کے موافق کام کریں گے۔

جان لیں کہ بعض صوفیہ کی غلطی یہ ہے کہ کبھی سالک مقاماتِ عروج میں اپنے آپ کو دوسروں سے بلند پاتا ہے جن کی افضلیت علماء کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔ حالانکہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگواروں کے مقامات سے نیچے ہے۔ بلکہ یہ اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت

بھی جو قطعی طور پر بہترین خلائق ہیں واقع ہو جاتا ہے۔ عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ "اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے"۔

اس باب میں بعض کی غلطی کا منشا یہ ہے کہ انبیاء واولیاء میں سے ہر ایک کا عروج پہلے ان اسماء تک ہے جو ان کے وجودی تعینات کے مبدا ٔ ہیں اور اس عروج سے ولایت کا اسم متحقق ہوتا ہے۔ دوسرے عروج ان اسماء میں اور ان اسماء سے اِلٰی مَا شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ لیکن باوجود اس عروج کے ان میں سے ہر ایک کا مقام ومنزل وہی اسم ہے جو اس کے وجودی تعین کا مبدا ٔ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقاماتِ عروج میں جو کوئی ان کو ڈھونڈتا ہے اکثر ان ہی اسماء میں پاتا ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے طبعی مکان مراتبِ عروج میں وہی اسماء ہیں اور ان اسماء سے عروج وہبوط کرنا عوارض کے سبب سے ہے۔ پس جب بلند فطرت سالک کی سیر ان اسماء سے بلند تر واقع ہو تو ضرور ان اسماء سے بھی بالاتر جائے گا اور اس کو یہ وہم پیدا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بچائے کہ یہ وہم اس پہلے یقین کو دُور کر دے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افضل ہونے اور اولیاء کے اولیٰ بہتر ہونے میں جو اجماع کے ساتھ افضل ہیں، اشتباہ پیدا کرے۔ یہ مقام سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے۔ اس وقت سالک نہیں جانتا کہ ان بزرگواروں نے ان اسماء سے بے نہایت عروج فرمائے ہیں اور فوق الفوق میں پہنچے ہوئے ہیں۔ اور نیز جاننا چاہیئے کہ وہ اسماء ان کے عروج کے طبعی مکان ہیں اور اس کا بھی اس جگہ طبعی مکان ہے جو ان اسماء سے بہت نیچے اور پست ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا افضل ہونا اس کے اقدم ہونے کے اعتبار سے ہے جو اس کے تعین کا مبدا ٔ ہوا ہے۔

اسی قسم سے ہے یہ بات جو بعض مشائخ نے کہی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عارف کو مقاماتِ عروج میں برزخیت کبریٰ حائل نہیں ہوتی، اور اس کے وسیلہ کے بغیر ترقی کرتا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ رابعہ بھی اسی جماعت سے ہے۔ یہ لوگ چونکہ عروج کے وقت اس اسم سے جو برزخیّت کبریٰ کے تعین کا مبدا ٔ ہے اوپر گزرے ہیں اس لئے ان کو وہم ہوا ہے کہ برزخیّتِ کبریٰ درمیان میں حائل نہیں رہی۔ اور برزخیّتِ کبریٰ سے ان کی مراد حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حقیقت ہے۔ اور اصل معاملہ وہی ہے جو اُوپر گزرا۔

اور بعض دوسروں کی اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ جب سالک کی سَیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے یقین کا مبدا ٔ ہے اور وہ اسم مجمل طور پر تمام اسماء کا جامع ہے کیونکہ انسان کی جامعیت اسی قسم کی جامعیت کے باعث ہے۔ پس ناچار اس ضمن میں وہ اسماء بھی جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبدا ٔ ہیں مجمل طور پر اس سَیر میں قطع کرے گا، اور ہر ایک سے گزر کر اس اسم کے منتہا تک پہنچ جائے گا، اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کرے گا۔ اور نہیں جانتا کہ مقاماتِ مشائخ سے جو کچھ اس نے دیکھا ہے اور ان سے گزر گیا ہے، ان کے مقامات کا نمونہ ہے، نہ کہ ان مقامات کی حقیقت۔ اور جب اس مقام میں اپنے آپ کو جامع معلوم کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزا خیال کرتا ہے تو اپنے اولیٰ ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے۔

اسی مقام میں شیخ بسطام قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ:

لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ

ترجمہ: میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے۔

غلبہ ٔسُکر کے باعث نہیں جانتا کہ اس کے جھنڈے کی بلندی (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جھنڈے سے نہیں ہے بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونہ سے ہے، جو اِن کے اسم

کی حقیقت کے ضمن میں مشہود ہوا ہے اور اسی قسم سے ہے وہ بات جو انہوں نے اپنے قلب کی وسعت کے بارہ می کہی ہے کہ اگر عرش اور مافیہ کو عارف کے قلب کے گوشہ میں رکھ دیں تو محسوس نہ ہو۔ یہاں بھی نمونہ کا حقیقت سے اشتباہ ہے۔ ورنہ عرش کے مقابلہ میں جس کو حق تعالیٰ عظیم فرماتا ہے۔ عارف کے قلب کا کیا اعتبار اور مقدار ہے۔ وہ ظہور جو عرش میں ہے اس کا سواں حصہ بھی قلب میں نہیں ہے۔ اگرچہ عارف کا قلب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ رؤیتِ اُخروی عرش کے ظہور پر متحقق ہوگی یہ بات اگرچہ آج بعض صوفیہ کو ناگوار گزرے گی، لیکن آخر کار ایک دن ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے روشن کرتے ہیں کہ انسان چونکہ عناصر وافلاک کا جامع ہے، جب اس کی نظر اپنی جامعیت پر پڑتی ہے تو عناصر وافلاک کو اپنے اجزا میں دیکھتا ہے۔ اور جب یہ دید غالب آجائے تو کچھ دُور نہیں کہ اگر وہ یہ بات کہہ دے کہ میں کرۂ زمین سے بڑا ہوں، اور آسمان سے فراخ تَر ہوں۔ اس وقت عاقل لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی عظمت وبڑائی اس کے اپنے اجزا سے ہے اور کرۂ زمین اور آسمان حقیقت میں اس کے اجزا نہیں ہیں بلکہ اس کے ان اجزا کا نمونہ بنے ہوئے ہیں اور اس کی بزرگی ان نمونوں سے ہے جو اس کے اجزا ہیں، نہ کہ کرۂ ارضی وسماعی کی حقیقت سے۔ اور اسی وجہ سے کسی شے کا نمونہ اس کی حقیقت کا متشابہ ہوتا ہے۔

فتوحاتِ مکیہ والے نے کہا ہے کہ جمع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جمعِ الٰہی سے جمع ہے کیونکہ جمع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کونی اور الٰہی حقائق پر مشتمل ہے پس اَجمع ہوگی۔ اور نہیں جانتا کہ یہ اشتمال مرتبۂ الوہیت کے ظلال میں سے ایک ظل سے ہے۔ اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ پر ہے نہ کہ وہ اشتمال اس مرتبۂ مقدسہ کی حقیقت پر۔ بلکہ اس مرتبہ کے

پہلو میں کہ عظمت و کبریائی اس کے لوازم سے ہے۔ جمع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کچھ مقدار نہیں ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اور نیز اس مقام میں جب کہ سالک کی سَیر اس اسم میں جو اس کا رب ہے واقع ہوتی ہے تو بسا اوقات یہ خیال کرتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں اس کے وسیلہ سے بلند مقامات میں پہنچے ہیں اور اس کے وسیلہ سے ترقی کی ہے۔ یہاں بھی سالکوں کے پھسلنے کا مقام ہے۔ اللہ پناہ دے کہ اس کمال سے کوئی اپنے آپ کو افضل جانے اور ہمیشہ کا خسارہ حاصل کرے۔

اچھا اگر بادشاہ عظیم الشان کسی زمیندار کی مدد سے جو اسی کی سلطنت میں داخل ہے جائے اور اس زمیندار کے وسیلہ سے بعض مقامات میں پہنچے اور اس کے ذریعے سے بعض جگہوں کو فتح کرے تو اس میں کون سی تعجب کی بار ہے اور اس میں کیا فضیلت ہے؟

حاصلِ کلام یہ کہ یہاں جزئی فضیلت کا احتمال ہے جو بحث سے خارج ہے۔ کیونکہ ہر ایک حجام اور جُلاہا اپنی کسی خاص وجہ کے باعث ہر عالمِ ذوفُنون اور حکیم بو قلموں پر فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ فضیلت اعتبار سے خارج ہے اور وہ جو معتبر ہے وہ فضیلتِ کُلی ہے جو عالم و حکیم کے لئے ثابت ہے۔

اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوئے تھے، اور اس قسم کی خیالی باتیں بہت پیدا ہوئی تھیں، اور مدتوں تک یہ حالت رہی۔ لیکن باوجود اس کے فضلِ خداوندی شاملِ حال رہا کہ پہلے دائمی یقین میں تذبذب پیدا نہ ہوا اور متفق علیہ اعتقاد میں فتور واقع نہ ہوا۔

لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ۔

ترجمہ: اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا، اور اس کو نیک توجیہ کی طرف پھیرتا تھا۔ اور مجمل طور پر اتنا جانتا تھا کہ اس کشف کے صحیح ہونے پر بھی یہ زیادتی جزئی فضیلت پر ہوگی۔ اگرچہ یہ وسوسہ بھی پیش آتا تھا کہ فضیلت کا مدار قُربِ الٰہی پر ہے اور یہ زیادتی اسی قُرب میں ہے۔ پھر جزئی کیوں ہوگی؟ لیکن پہلے یقین کے مقابلہ میں یہ وسوسہ گرد کی طرح اُڑ جاتا تھا اور کچھ اعتبار نہ رکھتا تھا بلکہ توبہ واستغفار وانابت سے التجا کرتا تھا اور عاجزی اور زاری سے دُعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں اور اہلِ سُنت وجماعت کے معتقدات کے خلاف سرِ مُو منکشف نہ ہو۔

ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ مبادا ان کشفوں پر مواخذہ کریں اور ان وہمی باتوں کی نسبت پوچھیں، اس خوف کے غلبہ نے بڑا بے قرار اور بے آرام کیا اور بارگاہِ الٰہی میں بڑی التجا اور زاری کا باعث ہوا یہ حالت بہت مدت تک رہی۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہوا اور اس معاملہ میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا۔ اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ کی عنایت شاملِ حال ہوئی اور معاملہ کی حقیقت کما حقہٗ ظاہر کر دی گئی، اور حضرت رسالتِ خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو رحمتِ عالمیان ہیں ان کی رُوح مبارک نے حضور فرمایا اور غمناک دل کی تسلی کی اور معلوم ہوا کہ بے شک قُربِ الٰہی ہی فضلِ کُلی کا مؤجب ہے لیکن یہ قُرب جو تجھے حاصل ہوا ہے الوہیت کے ان مراتب کے ظلال میں سے ایک ظل کا قُرب ہے، جو اس اسم سے مخصوص ہیں جو تیرا رب ہے پس فضلِ کُلی کا مؤجب نہ ہوگا اور اس مقام کی مثالی صورت کو اس طرح پر منکشف کیا کہ کوئی شک وشبہ نہ رہا اور اس اشتباہ کا محل بالکل دُور ہو گیا۔ اور بعض وہ علوم جو اشتباہ کا محل رکھتے ہیں اور ان میں تاویل وتوجیہ کی گنجائش ہے اور اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھی تھی، زیادہ منکشف ہوئی۔

اس فقیر نے چاہا کہ ان علوم کے اغلاط کا منشاجو محض فضلِ خداوندی جلّ شانہٗ سے ظاہر ہوا ہے لکھے اور شائع کر دے۔ کیونکہ گناہ مشتہر کے لئے توبہ کا اشتہار ضروری ہے تاکہ لوگ ان علوم سے خلافِ شریعت نہ سمجھ لیں اور تقلید کر کے گمراہی میں نہ پڑ جائیں یا تکلف و تعصب سے گمراہی وجہالت نہ اختیار کریں۔ کیونکہ اس اندھا دُھند رستہ میں اس قسم کی عجیب باتیں بہت ظاہر ہوتی ہیں جو بعض کو ہدایت کی طرف لے جاتی ہیں اور بعض کو گمراہی میں ڈال دیتی ہیں۔

اس فقیر نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ سے سُنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہتر (۷۲) گروہوں میں سے اکثر جو گمراہ ہیں اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں ان کا باعث طریقِ صوفیہ میں داخل ہونا ہے کہ انہوں نے کام کو انجام تک نہ پہنچا کر غلط راہ اختیار کی اور گمراہ ہو گئے۔ وَ السَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان اسماء سے عروج و ہبوط کرنا عوارض کے سبب سے ہے" الخ یعنی کبھی تو عارف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے عطا کردہ جذبے کی وجہ سے اپنے اسمِ مُربّی سے عروج کرتا ہے اور بعض اوقات اُمورِ مباحہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے اسی اسم سے نزول بھی کر جاتا ہے مگر اس کا طبعی اور استقراری مکان یہی اسمِ مُربّی ہوتا ہے۔ یعنی عارف کا عروج ونزول اور اس کے باطن اور رُوح کی تربیت اس کے اسمِ مُربّی سے ہوتے ہیں۔

عارفان نے عروج ونزول کے لئے جُدا جُدا اذکار کو تعین فرمایا ہے چنانچہ اسمِ ذات یعنی اللہ اور نفی اثبات یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پڑھنا عارف کے عروج کا سبب اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا پڑھنا نزول کا سبب ہے چونکہ مقامِ رسالت عالَم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اسی لئے اس مقدس کلمہ کا تکرار عارف کے نزول کا سبب بنتا ہے اور نزول ہی ارشاد ودعوت کے اسباب میں سے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "انسان کی جامعیت اس کے اسی اسمِ مُربّی کی جامعیت کے باعث ہے" الخ یعنی صوفیاء کرام کی کثیر تعداد اس مقام میں پھسل گئی ہے ان کا تعینِ وجوبی بھی معلوم ہوتا ہے کہ فلاں جگہ ہے جب یہ اپنے اسمِ مُربّی سے عروج کر لیتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوسرے اسماء وصفات میں ان پر اثرات کھول دیئے جاتے ہیں تو اس وقت یہ لوگ یہ احساس کرتے ہیں کہ میں سب لوگوں سے بلند چلا گیا ہوں اور اسی خوش فہمی میں ان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے اکثر مکاتیب میں بار بار اعقادیات اور عملیات پر زور دیتے ہیں کہ اگر سالک عروج کرے یا ہبوط اسے چاہیئے کہ اپنی ہر کیفیت وحالت کو اہل سنت وجماعت جو کہ کتاب وسُنت سے ہی منشا ہے کی کسوٹی پر پرکھے تاکہ وہ ضلالت وگمراہی سے بچ جائے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی اس طرح کہے کہ میرا عروج حضرت ابو بکر صدیق یا حضرت عمر یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلند واقع ہوتا ہے تو اسے چاہیئے کہ فوراً اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کی جانب رجوع کرے، کیونکہ اگر ساری دُنیا کے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اکٹھے ہو جائیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو اس لئے جو لوگ اہل سنت وجماعت کے عقائد کا علم نہیں رکھتے اور اپنے کشف وشہود کو عقائد کی کسوٹی پر نہیں پرکھتے وہ تصوف میں بہت جلد ضلالت وگمراہی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ نبوت، مہدیت یا عیسیٰ موعود ہونے کے دعوے کر جاتے ہیں اور یہی وہ پھسل جانے کا مقام ہے۔

چنانچہ اس مکتوب کے حل کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

مقدمہ اول: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہر صفت تمام صفات کی جامع ہے، یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم صفتِ حیات، قدرت، سمع، بصر وغیرہ نیز تمام صفاتِ ثمانیہ کا جامع اور مالک ہے اور اسی طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت صفتِ حیات اور صفتِ علم وغیرہ صفات کی جامع اور مالک ہوتی ہے۔ یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایک ہی صفت میں بقیہ سات صفات کا مالک بھی ہے، اگرچہ یہ دیگر صفات صفتِ علم سے جُدا ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ ہر حیثیت سے جامع اور کامل ہوتی ہیں اور انسان کی صفات متذکرہ خواص کی مالک نہیں ہوتیں جس طرح کہ انسان کی آنکھ دیکھنے میں تو حیات رکھتی ہے مگر سُننے کے لئے مُردہ ہے یعنی جو چیز آنکھ کے واسطہ سے دیکھی جاسکتی ہے وہ آنکھ سے سُنی نہیں جاسکتی۔ جبکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی ایک صفت میں تمام صفات کا مالک ہے۔

مقدمہ دوم: حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا مبدأ فیض اور مُربّی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصل صفات ہیں اور اولیاء عظام کا مبدأ فیض اور مُربّی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کا ظل۔ اب اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ اولیاء عظام کا مبدأ فیض اور مُربّی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصلِ صفات کا ظل ہے تو وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگا لیکن اگر کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ اولیاء عظام بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصلِ صفات پر فائز ہوتے اور ان کا مبدأ فیض اور مُربّی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصلِ صفات ہیں تو ایسا شخص گمراہ حتیٰ کہ کُفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

مقدمہ سوم: محبوبین کی سَیر اجمالی اور محبین کی سیر تفصیلی ہوتی ہے۔ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی سَیر اجمالی ہوتی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سَیر بھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت کی برکت سے اجمالی ہوتی ہے یہ حضرات ایک لحظہ

میں ہی سارے مقامات طے کر لیتے ہیں جبکہ اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی سَیر تفصیلی ہوتی ہے کیونکہ یہ حضرات قلب، رُوح، سِر، خفی اور اخفٰی کے لطائف درجہ بدرجہ طے کر کے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک مقام سے دوسرے مقام میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

مقدمۂ چہارم: تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات محبوبین ہوتے ہیں اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بعض محبوبین اور بعض محبین ہوتے ہیں۔ چنانچہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جو خوش نصیب محبوبین کے مقام کے حامل ہوں ان کی سَیر بھی اجمالی ہوتی ہے اور دیگر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تفصیلی۔

مقدمۂ پنجم: سیر اجمالی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے ظلال اور تمثیلات کی جانب التفات وتوجہ نہیں ہوتی یعنی حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات یا وہ اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ جو ہو بہو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کرتے ہیں وہ حضرات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے ظلال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے اور نہ ہی تمثیلات کا کچھ خیال کرتے ہیں مگر سَیر تفصیلی میں صفات کے ظلال اور تمثیلات کی جانب التفات وتوجہ ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا مقدمات کا تعلق اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد کے ساتھ ہے ان کا ذہن نشین کرنا اشد ضروری ہے تاکہ سالکین خوابِ خرگوش سے باہر آجائیں اور اپنے آپ کو ضلالت وگمراہی سے دُور رکھ سکیں کیونکہ اکثر سالکین کے گمراہی کی وجہ سے اہل سنت وجماعت کے ان عقائد سے بے خبری ہوتی ہے جس سے بالآخر وہ ضال ومضل بن جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا مقدمات سے واضح ہو گیا کہ اگر عارف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے ظلال میں سے کوئی ظلی سَیر کرتا ہے تو عارف اس سَیر میں صفات کے ظل اور تمثیلات میں جو کچھ دیکھتا ہے وہ پیغمبرِ

متبوع (یعنی جس پیغمبر کا یہ تابع ہو) اس کے واسطہ ہی سے دیکھتا ہے اور عارف کی سَیر و کشف میں زیادتی نبی متبوع سے اوپر نہیں ہوتی۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ یہ ظلی عروجات اس پیغمبر کی شریعت کی اطاعت و تابعداری کے واسطہ سے ہوتی ہیں۔ جیسے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اپنی طینت واستعداد میں ظلال اور سَیر تفصیلی کی جانب التفات و متوجہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان حضرات کی اُمت میں جس کو سَیر تفصیلی اور ظلال میں جو بھی کمال حاصل ہو وہ پیغمبرِ متبوع ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اس لئے کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا ، كَانَ لَهُ أَجْرُهَا وَمِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔

ترجمہ: جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے، تو اس کے جاری کرنے اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب اُسے ملے گا۔[1]

پس اس دلیل کی وجہ سے اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کو کمال بھی پیغمبرِ متبوع ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے یعنی یہ کمالات اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب اُمتی اپنے پیغمبر کی کامل و مکمل تابعداری کرے اور یہ کمالات ظلی اور مثالی ہوتے ہیں جو کہ پیغمبرِ متبوع کے کمالاتِ اصلی وذاتی سے نیچے واقع ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب الفتوحاتِ المکیۃ میں فرماتے ہیں کہ خاتمِ نبوت نے خاتمِ ولایت سے فیض لیا ہے اور اس قول میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خاتمِ نبوت سے

---

[1](سنن ابن ماجه، ج ۱، ص ۱۴۰، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور خاتمِ ولایت سے اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس موضوع کا تعلق بھی مندرجہ بالا تشریحات کے ساتھ ہے کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے ظلی کمالات اور تمثیلات مراد لی ہیں۔ تو اس وجہ سے حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی اس گفتار میں معذور ہیں کیونکہ وہ سُکر کی حالت میں تھے اس لئے ان پر اعتراض واقع نہیں ہو سکتا۔ اس موجودہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عارف کو فضیلتِ جزئی سے جو حصہ حاصل ہوتا ہے اس جزئی فضیلت کو عارف کی افضلیت کا سبب نہیں کہا جاسکتا۔ یعنی اس کو کُلی یا اصلی فضیلت نہیں کہا جا سکتا۔ جس طرح حضرت آصف برخیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلقیس کے تخت کو اُٹھا لائے تو اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ ہے یا جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی موجودگی میں غزوۂ خیبر کے معرکہ کے دوران حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا خیبر کے دروازے کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینکنا اور فتح یاب ہونا کُلی یا اصلی فضیلت نہیں بلکہ یہ ایک جزئی فضیلت ہے۔

اب ہم اصل مطلب کی جانب آتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے کلام میں جو جامعیت واقع ہے اس کی تشریح درج ذیل ہے:

عیسوی مشرب عارف جب صفت القدرت میں سَیر کرتا ہے تو قدرت چونکہ دیگر صفات کی جامع ہوتی ہے اور عارف یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے تمام صفات کی سَیر کرلی ہے اس لئے خیال کرتا ہے کہ وہ حضرت آدم و حضرت موسیٰ علیہما السلام سے بھی جامع تَر ہے، اس لئے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مُربّی تنہا صفتِ تکوین اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مُربّی تنہا صفتِ کلام ہے۔ میں صفتِ قدرت، صفتِ تکوین اور صفتِ کلام میں سیر کر چکا ہوں لیکن یہ سالک یہ مرتبہ

و مرحلہ نہیں سمجھ سکا کہ در حقیقت اس نے صفتِ قدرت، صفتِ تکوین اور صفتِ کلام وغیرہ صفاتِ ثمانیہ میں سَیر نہیں کی بلکہ ان صفات کے ظلال میں سیر کی ہے اور سالک نے اس تکوین اور کلام میں سیر کی جس کی متضمن صفتِ قدرت ہے نہ کہ صفتِ تکوین اور صفت الکلام کے اصل میں سَیر کی اور اس نے اپنی سوچ و فکر میں اس ظلی سَیر کو اصلی سَیر تصور کر کے اپنے آپ کو خیال میں سب سے جامع تصور کر لیا اور یہ گمان کر لیا کہ میں نے صفتِ تکوین اور صفت الکلام کے اصول میں سَیر کر لی ہے۔ حالانکہ یہ صرف ایک اشتباہ ہے جو سالک کو اس راہ میں پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ایسے ناقص سالک کے منشاء اشتباہات کی شرح و تفصیل مندرجہ بالا بحث میں فرمائی ہے۔ مختصر یہ کہ اگرچہ ہر سالک کا اسمِ مُربّی ظلال میں سے ہوتا ہے مگر ظلال بھی جامعیت رکھتا ہے چونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے تمام اسماء کے ظلال میں جہاں اشتباہ کے امکان پائے جاتے ہیں اور اسی اشتباہ کی وجہ سے سالکین اس راہ پر چل پڑتے ہیں۔ ان ظلال کی جامعیت اصل جامعیت کی وجہ سے ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت ولایتِ کبریٰ ہے اور یہ ولایت ظلال سے تعلق نہیں رکھتی۔ اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مبدأ فیض اگرچہ ظلال ہے مگر یہ خوش نصیب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت مبارکہ کی برکت سے ابتداء ہی میں ولایتِ اصلی پر مشرف ہو جاتے ہیں بَر خلاف اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کہ یہ حضرات ولایتِ ظلی طے کرنے کے بعد ولایتِ اصلی پر مشرف ہو جاتے ہیں اور ان حضرات میں سے بعض تو ولایتِ ظلی ہی میں رہتے ہیں اور ولایتِ اصلی تک نہیں پہنچ پاتے، باستثنٰی عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے جو حضرت مجدد

الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی توجہ مبارکہ سے سیدھے ولایتِ اصلی پر مشرف ہوگئے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلی ذاتی اصالتاً یعنی براہِ راست اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل اس تجلیٔ مقدسہ تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کی تابعداری کی وجہ سے اس تجلیٔ مقدسہ پر مشرف ہوتے ہیں مگر تمام اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس تجلیٔ مقدسہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ صرف بعض اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ یعنی محبوبین ومُرادین اس تجلیٔ مقدسہ پر مشرف ہوتے ہیں مُریدان ومحبین کے لئے اس مقام میں کسی راہ کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز بعض صفات بہ نسبت دیگر صفات کے جامع تر ہیں چنانچہ صفاتِ مقدسہ میں سے صفتِ علم جامع ترین صفت ہے اور صفتِ حیات حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی مُربّی ہوسکتی ہے مگر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مُربّی نہیں ہوسکتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''فتوحاتِ مکیہ والے نے کہا ہے کہ جمع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جمعِ الٰہی سے اَجمع ہے'' الخ یعنی حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صاحبِ صفاتِ امکانی اور وجوبی ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تنہا صفاتِ وجوبی کا مالک ہے۔ البتہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی اس گفتار میں معذور ہیں اور وہ عقائد کے اس مسئلے کو نہیں سمجھ پائے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ وجوبی نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ظہور نہیں فرمایا بلکہ صورتِ صفاتِ وجوبی نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجودِ مبارک میں

ظہور فرمایا ہے اس لئے کہ صفاتِ وجوبی کی ممکنات میں گنجائش نہیں ہے۔ چاہے وہ ممکنات حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ملائکہ، عرش، کرسی اور لوح و قلم ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفاتِ قدیمہ کسی بھی مخلوق میں حُلول نہیں کر سکتیں۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ قدیمہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجودِ مبارک (جو کہ ممکنات سے ہے) اس میں منتقل ہو جائیں۔ اس وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ صاحبِ فتوحات اصلِ صفات اور ظہورِ صفات کے درمیان فرق نہیں کر سکے اور اُنہوں نے صورتِ صفات کے ظہور کو عینِ وجودِ صفات جانا ہے۔ خبر دار کہ کوئی سالک اس طرح کے الفاظ کو اپنی زبان پر نہ لائے کیونکہ روافض حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس بات کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات جامع صفاتِ ممکناتِ وجوبی ہو سکتی ہے تو پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی ذات بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ زید کی شکل و صورت جو کہ آئینہ میں نظر آتی ہے کوئی اسے عین زید جانے تو یہ خلافِ واقع ہے اس لئے کہ آئینہ میں زید کی شکل و صورت عینِ زید نہیں ہو سکتی اور جو خواص زید کی اپنی ذات میں موجود ہیں وہ آئینے میں نظر آنے والی زید کی شکل و صورت میں ہر گز نہیں پائے جا سکتے۔ یعنی آئینہ میں زید کی شکل و صورت حیات، قدرت، علم اور ارادہ نہیں رکھتے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اتفاقاً اسی حالت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہوا اور اس معاملہ میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا۔ اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ کی عنایت شاملِ حال ہوئی" الخ اس جگہ پر اہل سنت وجماعت کے عقائد سے نمونے کے طور پر چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إذا تحیرتم فی الأمور فاستعینوا من اھل القبور۔

ترجمہ: جب تم اُمور میں متحیر وپریشان ہو جاؤ تو اہلِ قبور سے مدد مانگو۔[1]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

قبر موسی الکاظم تریاق مجرب لإجابۃ الدعاء۔

ترجمہ: حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر دُعاؤں کی قبولیت کے لئے مجرب تریاق ہے۔[2]

اور حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

كل من يستمد به في حياته يستمد به بعد وفاته۔

ترجمہ: جس طرح (انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) سے اُن کی حیات میں مدد طلب کی جاسکتی ہے اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔[3]

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

مدد از خاطرِ رندان طلب اے دِل ورنہ
کارِ صعب ست مبادا کہ خطائے بکنیم

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج۵، ص ۳۸۰، الناشر: دار الفکر -بیروت)
[2] (لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، ج۴، ص ۲۱۵، الناشر: دار النوادر، دمشق -سوریا)
[3] (لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، ج۴، ص ۲۱۵، الناشر: دار النوادر، دمشق -سوریا)

ترجمہ: اہل اللہ سے مدد طلب کرو ورنہ بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مدد طلب نہ کر کے ہم خطا میں مبتلا ہو جائیں۔

مصنف روح البیان جناب اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ:

وببركات الأولياء يأتي المطر من السماء ويخرج النبات من الأرض وبدعائهم يندفع البلاء عن الخلق وان حياتهم ومماتهم سواء فانهم ماتوا عن أوصاف وجودهم بالاختيار قبل الموت بالاضطرار فهم احياء على كل حال۔

ترجمہ: اولیاء اللہ کی برکت سے آسمان سے پانی آتا ہے اور زمین سے کھیتی اُگتی ہے اور ان کی دعا سے مخلوق سے بَلائیں دفع ہوتی ہیں اور ان کی حیات و ممات برابر ہے وہ تو موت سے پہلے اپنے اختیار سے وجود کے اوصاف سے مَر چکے ہیں۔ اس لئے ان کی اضطراری ان کو کوئی نقصان نہیں دیتی وہ ہر حال میں زندہ ہیں۔[1]

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

مشو بمرگ زامداد اہلِ دِل نومید

کہ خوابِ مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ: اہلِ دل (اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) کے مرنے کے بعد ان کی امداد سے نااُمیدی نہ کرو کیونکہ اولیاء اللہ کی نیند بھی بیداری کی طرح ہے۔

ومما روي من تأدبه معه أنه قال: إني لأتبرك بأبي حنيفة وأجيء إلى قبره, فإذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين وسألت الله تعالى عند قبره فتقضى سريعا۔

---

[1](روح البیان،ج۸،ص ۲۳۳،الناشر:دار الفکر -بیروت)

ترجمہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ادب واحترام کرنا اس طرح مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور میں ان کی قبر پر آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت لاحق ہوتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو میری حاجت جلد ہی پوری ہو جاتی ہے۔ [1]

(دارالمعـــرفت،ج۳)

---

[1] (الدر المختار وحاشیۃابن عابدین،ج ۱،ص ۵۵،الناشر:دار الفکر -بیروت)

مکتوب نمبر ۲۲۱

[سیّد حسین مانک پوری کی طرف صادر فرمایا:

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیتوں اور کمالات کے بیان میں یعنی اس طریق کے افضل ہونے اور دوسروں کی انتہا اس کی ابتداء میں مندرج ہونے اور اس طریق کے انتہا کے بیان میں۔ اور سفر دَر وطن اور خلوت در انجمن اور سلوک پر جذبہ کے مقدم ہونے کے بیان میں، اور اس بیان میں کہ اس طریق میں سَیر کی ابتداء عالمِ اَمر سے ہے۔]

تشریح

سالک کی سَیر کی دو اقسام ہیں: اوّل سیر آفاقی اور دوم سیر اَنفسی۔

اوّل: ہر انسان کے وجود میں دَس (۱۰) لطائف ہیں او ان دس لطائف کے باہر بھی اس کے ساتھ کچھ چیزیں موجود ہیں اب ہر سالک کو اپنی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ یہ ان میں سے کس مقام پر مشرف ہے۔ اگرچہ سالک اپنے گمان میں خود کو بہت بلند محسوس کرتا ہوگا مگر حقیقت کیا ہے اس کا معلوم ہونا ضروری ہے تا کہ سالک خوابِ خرگوش میں نہ رہے۔ سیر آفاقی مقاماتِ عشرہ کو طے کرنے سے عبارت ہے ان مقامات کی ابتداء توبہ سے شروع ہو کر رضا پر ختم ہوتی ہے۔

یہ مقامات مندرجہ ذیل دس (۱۰) چیزوں سے عبارت ہیں:

۱۔ توبہ　۲۔ صبر　۳۔ قناعت　۴۔ زُہد

۵۔ توکل　۶۔ شُکر　۷۔ خوف　۸۔ رجاء

۹۔ فقر　۱۰۔ رضاء

ا۔ توبہ

سالکین کی منازل میں سے توبہ (اپنے گناہوں پر ندامت کرنا) پہلی منزل ہے اور طالبین کا پہلا مقام ہے۔ توبہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ رجوع کرنے کے ہیں چنانچہ جب کوئی شخص کسی بات کی طرف رجوع کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ''تاب'' لہٰذا توبہ کے معنیٰ یہ ہوئے کہ شریعت کی رُو سے جو کچھ مذموم ہے، اس سے لوٹ کر قابلِ تعریف شے کی طرف آجائے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوحًا (التحریم ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ توبہ نصوح دِلی ندامت سے استغفار اور ہاتھ پاؤں سے اُس فعل کے ترک کر دینے اور آئندہ اُس فعل کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لینے کا نام ہے۔

دوسری جگہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (النور ۳۱)

ترجمہ: اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

النَّدَمُ تَوْبَةٌ۔

ترجمہ: ندامت (بھی) توبہ ہے۔ [1]

توبہ کی شرائط

فأرباب الأصول من أهل السنةَّ قالوا: شرط التوبة، حتى تصح، ثلاثة أشياء: الندم على ما عمل من المخالفات، وترک الزَّلة في الحال، والعزمُ على أن لا يعود إلى مثل ما عمل من المعاصي، فهذه الأركان لابد منها، حتى تصحَّ توبته۔

ترجمہ: اہل سنت وجماعت کے اَربابِ اصول کہتے ہیں کہ توبہ کے صحیح ہونے کی تین شرائط ہیں:

اول: جن اُمور میں شریعت کی مخالفت کی ہے ان پر ندامت کا اظہار کرے۔

دوم: اپنی لغزش و غلطی کو فوراً ترک کر دے۔

سوم: یہ ارادہ کرنا کہ جو گناہ اس نے کئے ہیں، انہیں دوبارہ نہیں کرے گا۔ لہٰذا توبہ کے درست ہونے کے لئے ان اُمور کا ہونا ضروری ہے۔ [2]

حضرت شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ:

التوبة عَلَى ثلاثة أقسام: أولها التوبة وأوسطها الإنابة وآخرها الأوبة، فجعل التوبة بداية والأوبة نهاية والإنابة واسطتهما، فكُل من تاب لخوف العقوبة فَهُوَ صاحب توبة، ومن تاب طمعا فِي الثواب فَهُوَ صاحب إنابة، ومن تاب مراعاة للأمر لا لرغبة فِي الثواب أَوْ رهبة من العقاب فَهُوَ صاحب أوبة۔

ترجمہ: توبہ کی تین قسمیں ہیں: اول توبہ، دوم انابہ اور سوم اوبہ۔ توبہ ابتداء، اوبہ انتہاء اور انابت ان دونوں کا درمیانی درجہ ہے۔

اول: جس شخص نے سزا کے خوف سے رجوع کیا، تو اس کو توبہ کہتے ہیں۔

---

[1] (المستدرک على الصحيحين للحاكم، ج ۴، ص ۳۷۳، دار النشر: دار الحرمين)

[2] (الرسالة القشيرية، ج ۱، ص ۲۰۷، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

دوم: جس شخص نے ثواب کے لالچ کی وجہ سے توبہ کی اس کو انابہ کہتے ہیں۔

سوم: جس شخص نے حکم کی پابندی کے خیال سے توبہ کی، نہ تو ثواب کی خواہش کی، نہ سزا سے خائف ہوا تو اس کو اوبہ کہتے ہیں۔[1]

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مُرید نے توبہ کی، مگر اس سے سُستی ہو گئی۔ ایک دن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دوبارہ توبہ کرے گا تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ اس پر غیب سے ندا آئی تم نے ہماری اطاعت کی، ہم نے شکریہ ادا کیا۔ تو نے ہمیں چھوڑ دیا، تو ہم نے تمہیں مہلت دی، پھر لوٹ آؤ گے تو ہم تجھے قبول کر لیں گے۔ مُرید پھر ارادت مندی کی طرف لوٹ آیا، اور اس بات پر ثابت قدم رہا۔

لہٰذا جب سالک معصیت کو ترک کر کے اپنے دِل سے اصرار کی گرہ کو کھول دیتا ہے اور پھر یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ وہ پھر ایسا کام نہ کرے گا، تب کہیں سالک کے دِل پر خالص ندامت طاری ہوتی ہے، اور وہ اپنے کئے پر افسوس کرتا ہے اور اپنے اعمال اور بُرے افعال کے مرتکب ہونے پر نادم ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی توبہ مکمل ہوتی ہے اور اس کا مجاہدہ صحیح ہوتا ہے۔

۲۔ صبر

صبر اپنے نام کی طرح سخت کڑوا اور مشکل ہے۔ صبر دراصل یہ ہے کہ انسان جب مصیبت سے نکلے، تو اس کی وہی کیفیت ہو جو اس کی اس وقت تھی جب وہ مصیبت میں مبتلا ہوا تھا یعنی انسان کے لئے آرام وراحت اور مصیبت کی حالتیں دونوں یکساں ہوں۔

---

[1] (الرسالۃالقشيرية،ج ١،ص ٢١٠،الناشر:دار المعارف،القاهرة)

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صبر کا ایمان سے اس طرح تعلق ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہے۔ حضرت امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان دل کی معرفت، زبان کے اقرار اور عمل بالجوارح کا نام ہے جو عمل بالجوارح پر صبر نہیں کرتا وہ ایمان کے اطلاق کا مستحق نہیں ہوتا اور عمل بالشرائع پر قائم رہنے کا ایمان کے ساتھ تعلق ویسے ہی ہے جیسے سَر کا تعلق جسم کے ساتھ ہے کہ انسان کا جسم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ سَر موجود نہ ہو۔

یہاں پر میں ایمانِ مرکب اور ایمانِ بسیط میں فرق کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ سالکین کے ذہن نشین ہو جائے۔

جو لوگ ایمان کے مرکب ہونے کے قائل ہیں وہ تمام فرائض جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور حق تعالیٰ وتقدس کے تمام اَوامر کو ایمان کا جزو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی نماز، روزہ، زکوٰۃ یا حج کو ترک کرنے کا مرتکب پایا گیا یا کسی نے جھوٹ بولا یا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کسی بھی قسم کی نافرمانی کی تو ایسا شخص کافر ہے۔

اہل سنت وجماعت کے علاوہ جو فرقے ایمان کے بسیط ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں ان فرقوں اور اہل سنت وجماعت کے درمیان ایمان کے بسیط ہونے میں بہت فرق موجود ہے جو کہ چند دلائل کے بعد آخر میں بیان کیا جائے گا کیونکہ ان فرقوں میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی محض توحید ہی کا اقرار کرلے لیکن اَمر و نہی کے اَوامر میں سے کسی پر بھی عمل نہ کرے تو وہ مسلمان ہے اور وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔

وہ اس حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: جو شخص مر گیا اور وہ (یقین کے ساتھ) جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جنت میں داخل ہو گا۔ [1]

اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ:

مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔

ترجمہ: جو گواہی دے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود (برحق) نہیں اور گواہی دے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر (دوزخ) آگ کو حرام کر دے گا۔ [2]

فرقۂ مرجیہ بھی ایمان کے بسیط ہونے کا قائل ہے اور اہل سنت وجماعت بھی ایمان کے بسیط ہونے کے قائل ہیں مگر ان دونوں کے درمیان فرق ہے جو کہ ذیل میں آرہا ہے۔

حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَا بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالَى نَبِيًّا قَطُّ إِلاَّ فِي أُمَّتِهِ قَدَرِيَّةٌ وَمُرْجِئَةٌ إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْقَدَرِيَّةَ وَالْمُرْجِئَةَ عَلَى لِسَانِ سَبْعِينَ نَبِيًّا۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس کی اُمت میں قدریہ اور مرجیہ نہ ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے قدریہ اور مرجیہ پر ستر انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان سے لعنت فرمائی ہے۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَيْسَ لَهُمَا فِي الإِسْلَامِ نَصِيبٌ: الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ۔

ترجمہ: میری اُمت کے دو قسم کے لوگوں کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے (اور وہ) مرجیہ اور قدریہ ہیں۔ [2]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ان گمراہ فرقوں اور ان کے فاسد عقائد سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ذیل میں ایمانِ مرکب اور ایمانِ بسیط کے بارے میں چند فرقوں کے عقائد کو بطورِ نمونہ بیان کیا جارہا ہے تا کہ ایمان کے مرکب یا بسیط ہونے میں ان گمراہ فرقوں اور اہل سنت وجماعت کے درمیان فرق کو واضح کیا جاسکے۔

(ا) فرقۂ خوارج جو ایمان کے مرکب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے:

فسمى الايمان عندي تصديق القلب والإقرار باللسان والعمل بالجوارح فماهيته على هذا مركبته من ثلاثة فمن اقل بشيء منها فهو كافر ولذا قالوا مرتكب الذنب مطلقًا كافر۔

ترجمہ: اور ان کے نزدیک ایمان نام ہے دِل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاءِ جسدی کے ساتھ عمل کرنے کا۔ تو اس اعتبار سے ایمان تین چیزوں سے مرکب ہوا (یعنی

---

[1] (السنة لابن ابی عاصم، ج ۱، ص ۱۴۲، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] (سنن الترمذی، ج ۴، ص ۴۵۴، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

تصدیق، اقرار اور عمل) پس اگر ان تینوں میں سے کسی نے ایک چیز بھی کم کر دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ گروہ کہتا ہے کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جائے گا۔ (**نعوذ باللہ من ذلک**)[1]

(۲) روافض بھی ایمان کے مرکب ہونے کے عقیدہ پر ہیں یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے جھوٹ بولا یا کسی کو نافرمانی کرنے کا اَمر کیا تو ایسا شخص کافر ہے۔

(۳) معتزلہ بھی ایمان کے مرکب ہونے کے عقیدہ پر ہیں یہ کہتے ہیں کہ:

حیث زعموا أن مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن ولا کافر، وھذا ھو المنزلۃ بین المنزلتین۔

ترجمہ: کیونکہ ان کا گمان ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ تو مؤمن رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے، اور (کُفر و ایمان کے درمیان میں) یہی وہ تیسرا درجہ ہے جو وہ دو درجوں کے درمیان ثابت کرتے ہیں۔[2]

مختصر یہ کہ یہ گروہ کہتا ہے کہ جس نے حق تعالیٰ وتقدس کی نافرمانی کی وہ نہ تو اہلِ جنت میں سے ہے اور نہ ہی اہلِ دوزخ میں سے۔

(۴) مقاتل ابن سلیمان وغیرہ بھی ایمان کے مرکب ہونے کے عقیدہ پر ہیں۔

(۵) حضرت امام اسمٰعیل بخاری اور دیگر محدثینِ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی ایمان کے مرکب ہونے کے عقیدہ پر ہیں مگر یہ حضراتِ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے کسی ایک رُکن کو چھوڑنے والا کافر نہیں ہے۔ غور فرمائیں جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی تو ایمان کے مرکب ہونے کے قائل ہیں ان کا یہ قول سراسر غلط ہے کیونکہ

---

[1] (شرح العقائد المسمٰی بالنبراس، حاشیہ ص ۳۹۹، ۱۳۱۳ ہجری قمری فی المطبع الهاشمی الواقع فی بلدۃ المیرٹھ)

[2] (شرح العقائد النسفیۃ، ج ۱، ص ۶۳، مکتبۃ أھل السنۃ والجماعۃ)

حضرت امام اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مندرجہ بالا گمراہ فرقوں میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ نیز حضرت امام اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اہل سنت وجماعت کے عقائد ایک ہی جیسے ہیں۔

(٦) مرجیہ ایمان کے بسیط ہونے کے عقیدہ پر ہیں یہ کہتے ہیں کہ:

قال لیس للہ عزّ و جلّ علی خلقہ فریضہ سوی الایمان بہ فمن اٰمن بہ فلیفعل ما شآء۔

آئے اس کے جو جی میں آئے کرے (اُس سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی)۔(**نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ**)[1]

مختصر یہ کہ یہ گروہ کہتا ہے کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا کیونکہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرلیناہی کافی ہے اور بس۔

(٧) کرامیہ فرقہ بھی ایمان کے بسیط ہونے کا قائل ہے۔

اعلم ان مذھب الکرامیہ ان الایمان ھو الاقرار فقط۔

ترجمہ: جان لو! کہ کرامیہ فرقے کا مذہب (یعنی عقیدہ) یہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرلینے کو کہتے ہیں۔[2]

کرامیہ فرقہ اس عقیدے پر ہے کہ صرف زبان ہی سے اقرار کرلینا کافی ہے دل سے تصدیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ ایک فاسد عقیدہ ہے۔

(٨) ہم اہل سنت وجماعت ایمان کے بسیط ہونے کے عقیدہ پر ہیں ہمارے اکابر فقہاء کرام کہتے ہیں۔

---

[1] (غنیۃ الطالبین، ص ١٧٣)

[2] (شرح العقائد المسمٰی بالنبراس، حاشیہ، ص ٣٨٧، ١٣١٣ھ قمری فی المطبع الھاشمی الواقع فی بلدۃ المیرٹھ)

أنّ الكبيرة التي هي غير الكفر (لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان)، لبقاء التصديق الذي هو حقيقة الإيمان۔

ترجمہ: کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جو کفر کے علاوہ ہیں (یعنی کفر ان میں شامل نہیں کیونکہ کفر تو اکبر الکبائر ہے) اور مؤمن بندہ ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ (کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے باوجود) مؤمن کی تصدیقِ قلبی تو قائم ودائم ہے جو کہ ایمان کی اساس ہے۔[1]

یعنی ایمان لانے کے بعد اگر کسی سے ایک نماز یا ایک روزہ یا اور کوئی نیک عمل رہ جائے تو اس سے یہ شخص کافر نہیں ہو جاتا مگر اس شخص کو ان اعمال کے ترک کرنے پر سزا دی جائے گی اور یہ حق تعالیٰ وتقدس کی مرضی پر منحصر ہے کہ اسے سزا دے یا اسے معاف کر دے۔ اور یہی ایمانِ بسیط ہے کہ اعمالِ صالحہ کو ایمان کا جزو نہ سمجھا جائے۔

اہل سنت وجماعت، کرامیہ اور مرجیہ کے درمیان فرق کی طرف اچھی طرح متوجہ ہوں کیونکہ بعض گروہ اہل سنت وجماعت پر فرقۂ مرجیہ ہونے کا حکم لگاتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے فرق بالکل واضح ہے۔

ایمان کے بسیط ہونے کے بارے میں دلیل کے طور پر احادیثِ مبارکہ پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ:

حَدِّثُونِي عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ لَمْ يُصَلِّ قَطُّ فَإِذَا لَمْ يَعْرِفْهُ النَّاسُ سَأَلُوهُ مَنْ هُوَ فَيَقُولُ أُصَيْرِمُ بَنِي عَبْدِ الأَشْهَلِ عَمْرُو بْنُ ثَابِتِ بْنِ وَقْشٍ قَالَ الْحُصَيْنُ فَقُلْتُ لِمَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ كَيْفَ

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۲۴۴، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كرهـ، الهند)

كَانَ شَأْنُ الأُصَيْرِمِ، قَالَ: كَانَ يَأْبَى الإِسْلاَمَ عَلَى قَوْمِهِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ وَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلى الله عَلَيه وسَلم إِلَى أُحُدٍ بَدَا لَهُ الإِسْلاَمُ فَأَسْلَمَ فَأَخَذَ سَيْفَهُ فَغَدَا حَتّى أَتَى الْقَوْمَ فَدَخَلَ فِي عُرْضِ النَّاسِ فَقَاتَلَ حَتّى أَثْبَتَتْهُ الْجِرَاحَةُ قَالَ فَبَيْنَمَا رِجَالُ بَنِي عَبْدِ الأَشْهَلِ يَلْتَمِسُونَ قَتْلاَهُمْ فِي الْمَعْرَكَةِ إِذَا هُمْ بِهِ فَقَالُوا وَاللهِ إِنَّ هَذَا لَلأُصَيْرِمُ وَمَا جَاءَ بِهِ لَقَدْ تَرَكْنَاهُ وَإِنَّهُ لَمُنْكِرٌ هَذَا الْحَدِيث فَسَلُوهُ مَا جَاءَ بِهِ قَالُوا مَا جَاءَ بِكَ يَا عَمْرُو أَحَدَبًا عَلَى قَوْمِكَ، أَوْ رَغْبَةً فِي الإِسْلاَمِ قَالَ بَلْ رَغْبَةً فِي الإِسْلاَمِ آمَنْتُ بِاللهِ وَبِرَسُولِهِ وَأَسْلَمْتُ، ثُمَّ أَخَذْتُ سَيْفِي فَغَدَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلى الله عَليه وسَلم فَقَاتَلْتُ حَتَّى أَصَابَنِي مَا أَصَابَنِي قَالَ: ثُمَّ لَمْ يَلْبَثْ أَنْ مَاتَ فِي أَيْدِيهِمْ فَذَكَرُوهُ لِرَسُولِ اللهِ صَلى الله عَلَيه وسَلم فَقَالَ إِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: کسی ایسے شخص کے متعلق بتائیں کہ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں داخل ہو گیا۔ جب لوگ اسے شناخت نہ کر سکے تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اصیرم جس کا تعلق بنی عبد الشہل سے تھا اور اس کا نام عمرو بن ثابت بن وقش تھا۔ حصین جو کہ راوی ہیں کہتے ہیں میں نے حضرت محمود بن اسد سے پوچھا کہ اصیرم کا واقعہ کیونکر ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اُس (اصیرم) نے اپنی قوم کے سامنے اسلام لانے سے انکار کیا تھا۔ غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب جبلِ اُحد کی طرف روانہ ہوئے تو اسے (اصیرم کو) اسلام کی طرف رغبت ہوئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا، پھر تلوار پکڑی اور روانہ ہو گیا۔ وہ لوگوں کے پاس پہنچا اور لوگوں کی صفوں میں داخل ہو گیا اور اس دلیری سے لڑا کہ بالآخر زخمی ہو کر گر پڑا، بنی عبد الاشہل کے لوگ جب اپنے مقتولوں کو تلاش کر رہے تھے تو انہیں میدانِ جنگ میں وہ (اصیرم) بھی پڑا نظر آیا، تو انہوں نے کہا کہ بخدا یہ تو اصیرم ہے، لیکن یہ یہاں کیسے آگیا؟ جب ہم اسے چھوڑ کر آئے تھے تو اس وقت تک یہ اس دین کا منکر تھا، پھر انہوں نے اس سے پوچھا کہ عمرو! تم یہاں کیسے آگئے؟ اپنی قوم کا دفاع کرنے کے لئے یا اسلام کی

کشش کی وجہ سے؟ تو اس (اصیرم) نے کہا کہ اسلام کی کشش کی وجہ سے، میں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر ایمان لے آیا اور میں مسلمان ہو گیا، پھر اپنی تلوار پکڑی اور روانہ ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہمراہ (جہاد میں) شرکت کی، اب مجھے جو زخم لگنے تھے وہ لگ گئے، تھوڑی ہی دیر میں وہ ان کے ہاتھوں میں دَم توڑ گیا، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔[1]

نیز حضرت ابن اسحٰق رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ:

وكان من حديث الأسود الراعي فيما بلغني انه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو محاصر لبعض حصون خيبر ومعه غنم له كان فيها أجيرا لرجل من يهود فقال يا رسول الله أعرض علي الإسلام فعرضه عليه فأسلم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحقر أحدا أن يدعوه الى الإسلام ويعرضه عليه فلما أسلم قال يا رسول الله إني كنت أجير الصاحب هذه الغنم وهي أمانة عندي فكيف أصنع بها قال اضرب في وجوهها فإنها سترجع الى ربها أو كما قال: فقال الأسود فأخذ حفنة من الحصى فرمى بها في وجوهها وقال ارجعي الى صاحبك فوالله لا أصحبك ابدا فخرجت مجتمعة كأن سائقا يسوقها حتى دخلت الحصن ثم تقدم الى ذلك الحصن ليقاتل مع المسلمين فأصابه حجر فقتله وما صلى لله صلاة قط فأتى به رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع خلفه وسجي بشملة كانت عليه فالتفت إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه نفر من اصحابه ثم أعرض عنه فقالوا يا رسول الله لم أعرضت عنه قال إن معه الان زوجته من الحور العين ماتقوله الحور العين للشهيد قال ابن اسحاق وأخبرني عبدالله بن ابي نجيح أنه ذكر له أن الشهيد إذا ما أصيب تدلت له زوجتاه من الحور العين عليه تنفصان التراب عن وجهه وتقولان ترب الله وجه من تربك وقتل من قتلك۔

---

[1](مسند احمد، ج۸، ص ۱۸۹۴، الناشر: جمعية المكنز الإسلامي)

ترجمہ: جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خیبر کے کسی قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اسود راعی بکریاں لئے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آیا اور وہ ایک یہودی کی بکریاں چرانے پر نوکر تھا، اور اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! مجھ کو مسلمان کیجیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کسی شخص کے مسلمان کرنے میں یہ خیال نہ کرتے تھے کہ یہ ادنیٰ آدمی ہے یا اعلیٰ سب کو مسلمان کرتے تھے۔ اسود نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ان بکریوں کو کیا کروں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ان کو مار کر ہکا دے۔ بکریاں سیدھی قلعہ میں چلی گئیں۔ پھر اسود اسی قلعہ پر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا، اور ایک پتھر قلعہ پر سے اسود کے سَر پر ایسا لگا کہ جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گیا۔ لوگ اس کی لاش حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس لائے اور ایک کپڑا لاش پر اُڑھا دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ اس کی لاش پر آئے اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کی طرف سے منہ کیوں پھیرا؟ فرمایا ایک حُور جو اس کی بیوی ہے اس کے پاس بیٹھی ہے۔ راوی کہتا ہے اسود نے ایک نماز بھی نہ پڑھی تھی۔ روایت ہے کہ جب شہید گرتا ہے تو حوروں میں سے اس کی بیوی اس کے منہ سے خاک پونچھتی ہے اور کہتی ہے جس نے تجھ کو خاک

آلودہ کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو خاک آلودہ کرے اور جس نے تجھے قتل کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قتل کرے۔[1]

اسی لئے اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان بسیط ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ إِلَّا بِاللّٰهِ (النحل ۱۲۷)

ترجمہ: اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صبر کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا:

واللّٰه ما نصبر عَلَى مَا نحب فكيف عَلَى مَا نكره۔

ترجمہ: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قسم! ہم تو اپنی پسند کی چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے، تو ناپسندیدہ چیزوں پر کیسے صبر کیسے کر سکتے ہیں۔ یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی توفیق کا ہونا ضروری اَمر ہے۔[2]

اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى۔

ترجمہ: صبر تو وہ ہے جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جاتا ہے۔[3]

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ مَعَکَ عَلَى هَذَا الْأَمْرِ قَالَ حُرٌّ وَعَبْدٌ قُلْتُ: مَا الْإِسْلَامُ قَالَ طِيبُ الْكَلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ: مَا الإِيمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قَالَ قُلْتُ أَيُّ الإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ, إلخ۔

---

[1] (السيرة النبوية لابن هشام، ج ۴، ص ۱۶ ۳، الناشر: دار الجيل -بيروت)

[2] (الرسالة القشيرية، ج ۱، ص ۳۲۳، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

[3] (صحيح البخارى، ج ۵، ص ۲۹، المكتبة الفاروقية)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس دین میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس دین میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیروی کرنے والے کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا آزاد بھی اور غلام بھی، میں نے عرض کیا اسلام کیا ہے؟ فرمایا عمدہ بات کرنا اور کھانا کھلانا، میں نے پوچھا کہ ایمان سے کیا مراد ہے؟ فرمایا صبر اور نرمی، میں نے پوچھا سب سے افضل اسلام کیا ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، میں نے پوچھا کون سا ایمان سب سے افضل ہے؟ فرمایا اچھے اخلاق، الخ۔ [1]

حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صبر پر گفتگو فرمانے لگے۔ اسی دوران ایک بچھو ان کی ٹانگ پر چڑھ گیا اور کئی ایک ڈنگ مارے، مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قطعًا حرکت نہ کی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے کہا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے ہٹا کیوں نہیں دیا؟ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آگئی کہ میں صبر کے متعلق تو گفتگو کروں مگر خود صبر نہ کروں۔ کیونکہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ "صبر کرنے والے فقراء قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے"۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ صبر کے تین درجے ہیں پہلا درجہ شکایت کا چھوڑ دینا اس کو صبر جمیل کہتے ہیں اور یہ تائبین کا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ تقدیر پر راضی رہنا اور یہ زاہدین کا درجہ ہے، تیسرا درجہ جو کچھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے صادر ہو اُس سے محبت کرنا یہ صدیقین کا درجہ ہے۔

---

[1](مسند احمد، ج۷، ص۴۰۸، الناشر: جمعية المكنز الإسلامي)

۳۔ قناعت

اگر سالک کا ایک بھی لطیفہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ذاکر فرمادیا تو سالک کو اس پر قناعت اور شکر ادا کرنا چاہیئے، اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھانے میں صرف خشک روٹی عطا فرمائی ہے تو اس پر قناعت کرے لیکن ہمارا عمل اس کے خلاف واقع ہوتا ہے کیونکہ ہم نہ تو اپنی باطنی کیفیت پر قناعت کرتے ہیں اور نہ ہی ظاہری چیزوں پر۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

الْقَنَاعَةُ كَنْزٌ لا يَفْنَي۔

ترجمہ: قناعت نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

كُنْ وَرِعًا، تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَكُنْ قَنِعًا، تَكُنْ أَشْكَرَ النَّاسِ۔

ترجمہ: پرہیز گار بنو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے اور قانع (قناعت کرنے والے) بنو، تم سب سے زیادہ شکر گزار بن جاؤ گے۔[2]

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قناعت اور رضاء کا آپس میں وہی تعلق ہے جو وَرع اور زہد کا ہے۔ قناعت رضاء کی ابتداء ہے اور ورع زہد کی۔

---

[1] (الرسالۃالقشیریۃ، ج ۱، ص ۲۹۴، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

[2] (سنن ابن ماجه، ج ۵، ص ۲۹۹، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی دُعا میں اس طرح فرمایا کرتے تھے:

اللهم إني أسألك الرضا بعد القضاء۔

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے تیری قضا پر رضا مانگتا ہوں۔ [1]

۴۔ زُہد

ہر سالک کو ہمہ وقت اس کوشش میں لگے رہنا چاہیئے کہ اپنا ایک لمحہ بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر کئے بغیر ضائع نہ کرے کیونکہ زہد تواضع کے بغیر درختِ بے بَر (بے فائدہ ہونے) کی مانند ہے اور عبادت علم کے بغیر ایسی ہے جیسے کسی کے ہاتھ میں تیر وکمان ہو اور وہ ستاروں پر نشانہ لگانا چاہتا ہو۔ زُہد میں یہ سب چیزیں ضروری ہیں۔

حضرت ابو خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ أُعْطِيَ زُهْدًا فِي الدُّنْيَا، وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ، فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ، فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ۔

ترجمہ: جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو دُنیا کی طرف سے بے رغبت ہے اور کم گو بھی تو اس سے قربت اختیار کرو، کیونکہ وہ حکمت ودانائی کی بات بتائے گا۔ [2]

حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اپنے نفس کی اصلاح کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی طرف توجہ دے، تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں کہلا سکتی۔ اسی طرح اگر عارف اپنے ربّ کے ساتھ مشغولیت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف مشغول ہو جائے تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔

---

[1] (احیاءعلوم الدین، ج ۱، ص ۳۱۹، الناشر: دار المعرفة-بیروت)

[2] (سنن ابن ماجه، ج ۵، ص ۲۲۳، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

کسی شخص نے حضرت یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ:

متی أدخل حانوت التوکل و ألبس رداء الزهد و أقعد مع الزاهدین فقال إذا صرت من ریاضتک لنفسک في السر إلی حد لو قطع الله عنک الرزق ثلاثة أیام لم تضعف في نفسک فأما ما لم تبلغ هذه الدرجة فجلوسک علی بساط الزاهدین جهل ثم لا آمن علیک أن تفتضح۔

ترجمہ: میں توکل کی دُکان میں کب داخل ہو سکتا ہوں؟ زُہد کی چادر کب پہن سکتا ہوں اور زاہدوں کے ساتھ کب بیٹھ سکتا ہوں؟ فرمایا: جب پوشیدہ طور پر تمہاری ریاضت اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ تین دن تک بھی تمہیں روزی نہ دے تو تمہارا نفس کمزوری محسوس نہ کرے۔ اگر تم اس درجہ تک نہیں پہنچے ہو تو زاہدوں کی چادر پر تمہارا بیٹھنا جہالت ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ تو کہیں صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں رسوا نہ ہو جائے۔[1]

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الزهد عَلَی ثلاثة أوجه ترک الحرام وَهُوَ زهد العوام وَ الثَّانِي ترک الفضول من الحلال وَهُوَ زهد الخواص و الثالث ترک مَا یشغل العبد عَنِ اللّٰہ تَعَالَی وَهُوَ زهد العارفین۔

ترجمہ: زُہد تین طرح کا ہے:

اول: حرام چیزوں کا تَرک کرنا، یہ عوام کا زُہد ہے۔

دوم: حلال چیزوں میں فضول چیزوں کو ترک کرنا، یہ خاص لوگوں کا زُہد ہے۔

سوم: ان تمام چیزوں کا تَرک کر دینا، جو بندے کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے چھڑا کر اپنی طرف مشغول رکھتی ہیں، یہ عارفین کا زُہد ہے۔[2]

---

[1] (الرسالة القشیریة، ج ۴، ص ۲۴۲، الناشر: دار المعرفة - بیروت)

[2] (الرسالة القشیریة، ج ۱، ص ۲۴۳، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

۵۔توکّل

حضرت شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

التوكل ثلاث درجات التوكل ثُمّ التسليم ثُمّ التفويض فالمتوكل يسكن إلَى وعده وصاحب التسليم يكتفي بعلمه وصاحب التفويض يرضي بحكمه، وسمعته يَقُول التوكل بداية والتسليم واسطة والتفويض نهاية۔

ترجمہ: توکل کے تین مراتب ہیں:

اول: توکل   دوم: تسلیم   سوم: تفویض

چنانچہ متوکل کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے اور تسلیم کے درجے والا اس پر اکتفا کرتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اس کی حالت کا علم ہے اور تفویض والا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم پر راضی ہوتا ہے (خواہ اس کے موافق ہو یا مخالف) یعنی توکل ابتداء ہے، تسلیم درمیانی درجہ اور تفویض انتہائی درجہ ہے۔[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (المائدة ۲۳)

ترجمہ: اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَأَخَذَ النَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْأُمَّةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ النَّفَرُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْعَشَرَةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ وَحْدَهُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ هَؤُلَاءِ أُمَّتِي

---

[1](الرسالة القشيرية، ج ۱، ص ۳۰۲، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

قَالَ لَا وَلٰكِنْ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ قَالَ هَؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَهَؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ قُلْتُ وَلِمَ قَالَ كَانُوا لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ إِلَيْهِ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ قَالَ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

ترجمہ: میرے سامنے اُمتیں پیش کی گئیں کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ پوری اُمت گزری، کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ چند آدمی گزرے، کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ دس آدمی گزرے، کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ پانچ آدمی گزرے اور کوئی نبی علیہ السلام تنہا گزرا۔ پھر میں نے دیکھا تو انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت دور سے نظر آئی۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کیا یہ میری اُمت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ افق کی طرف دیکھیں، میں نے دیکھا تو ایک بہت زبردست جماعت دکھائی دی۔ فرمایا کہ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت ہے اور یہ جو آگے آگے ستر ہزار کی تعداد ہے ان لوگوں سے حساب نہ لیا جائے گا اور نہ ان پر عذاب ہوگا۔ میں نے پوچھا ایسا کیوں ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ داغ نہیں لگواتے تھے، دَم جھاڑ نہیں کرواتے تھے، شگون نہیں لیتے تھے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کر بڑھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اُن لوگوں میں کر دے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! انہیں بھی ان میں سے کر دے۔ اس کے بعد ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میرے

لئے بھی دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں تم سے آگے بڑھ گئے۔ [1]

۶۔ شُکر

سالک کو شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ذریعے تصوف میں جس قدر استقامت یا کیفیات نصیب ہوں اسے اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کیونکہ شکر گزار بندے کو ہر وقت انعام ملتا رہتا ہے اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (إبراهيم۷)

ترجمہ: اگر احسان مانوگے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

حضرت امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

مر بَعْض الأنبياء عَلَيْهِم السَّلام بحجر صَغِير يخرج منه الماء الكثير فتعجب منه فأنطقه اللّٰہ تَعالَى مَعَهُ فقَالَ: مذ سمعت اللّٰہ تَعالَى يقُول: {نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ} (التحريم ٦) أنا أبكى من خوفه قَالَ فدعا ذَلِکَ النَّبِي أَن يجير اللّٰہ ذَلِکَ الحجر فأوحى اللّٰہ تَعالَى إِلَيْهِ: إني أجرته من النار فمر ذَلِکَ النَّبِي فلما عاد وجد الماء يتفجر منه مثل ذَلِکَ فعجب فأنطق اللّٰہ تَعالَى ذَلِکَ الحجر مَعَهُ فقَالَ: لِمَ تبكى وَقَدْ غفر اللّٰہ تَعالَى لکَ فقَالَ: ذَلِکَ كَانَ بكاء الحزن والخوف وَهَذَا بكاء الشكر والسرور۔

ترجمہ: مروی ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی علیہ السلام ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے، جس سے پانی کثرت سے نکل رہا تھا۔ نبی علیہ السلام کو اس پر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ

---

[1](صحيح البخاری، ج۲۰، ص۲۰۷، المکتبة الفاروقية)

نے پتھر کو ان سے گفتگو کرا دی، پتھر نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "نافرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسی آگ میں داخل کرے گا جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے" میں ڈر کے مارے رو رہا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ اس نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس پتھر کو دوزخ سے پناہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی علیہ السلام کو خبر دی کہ ہم نے اسے پناہ دے دی۔ یہ سُن کر نبی علیہ السلام وہاں سے روانہ ہو گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ پتھر سے پانی بدستور پھوٹ رہا ہے۔ انہیں پھر تعجب ہوا، اللہ تعالیٰ نے پھر پتھر کو گویائی دے دی۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کر دیا ہے تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر نے جواب دیا وہ رونا غم اور خوف کا تھا اور یہ رونا شُکر و سرور کا ہے۔[1]

۷۔ خوف

حضرت امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے یعنی خوف اس لئے ہوتا ہے کہ آئندہ کہیں کوئی ناپسندیدہ باپ واقع نہ ہو جائے یا کوئی محبوب چیز جاتی نہ رہے اور یہ دونوں باتیں مستقبل کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، جو چیز موجود ہو اس کے متعلق خوف نہیں ہوتا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے اس دُنیا میں یا آخرت میں سزا دے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے رہیں۔

چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران ۱۷۵)

---

[1] (الرسالۃالقشیریۃ، ج ۱، ص ۳۱۵، الناشر: دار المعارف، القاھرۃ)

ترجمہ: اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف کے تین مرتبے ہیں:

اَلْخوْفُ وَالْخَشْيَةُ وَالْهَيْبَةُ فَالْخَوْفُ مِنْ شَرْطِ الْإِيْمَانِ وَقَضِيَّتُهُ قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ: وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران ۱۷۵)، وَالْخَشْيَةُ مِنْ شَرْطِ الْعِلْمِ قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)، وَالْهَيْبَةُ مِنْ شَرْطِ الْمَعْرِفَةِ قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ: وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ (آل عمران ۲۸)۔

ترجمہ: اول: خوف، دوم: خشیت، سوم: ہیبت۔

اول: خوف: خوف ایمان کی شرط ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران ۱۷۵)

ترجمہ: اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

دوم: خشیت: اور خشیت علم کی شرط ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ (آل عمران ۲۸)

ترجمہ: اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔[1]

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، ج ۱، ص ۲۵۲، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

۸۔ رجاء

مستقبل میں حاصل ہونے والی محبوب چیز کے ساتھ دِل کو وابستہ کرنے کو رَجاء کہتے ہیں۔ جس طرح خوف کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح رجاء کا تعلق بھی مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے۔ دِلوں کی زندگی اور استقلال رَجاء ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔

اُمید اور خوف میں کوئی تضاد نہیں طمانیت اُنس سے پیدا ہوتی ہے اور اُنس خوف کی حالت میں بھی ہوتا ہے اور خوف واُمید بھی ایک حالت میں جمع ہوسکتے ہیں بلکہ ایک ساتھ ہونے ضروری ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى شَابٍّ وَهُوَ فِي المَوْتِ، فَقَالَ: كَيْفَ تَجِدُكَ؟، قَالَ: وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَرْجُو اللَّهَ، وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هَذَا المَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَرْجُو وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے وہ قریب المرگ تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: خود کو کیسا پارہے ہو؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کا اُمیدوار ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف میں مبتلا ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اگر کسی مؤمن کے دل میں یہ دونوں چیزیں (اُمید اور خوف) جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی اُمید کے مطابق عطا کرتے اور اس سے اس چیز کو دور کردیتے ہیں جس سے وہ ڈرتا ہے۔[1]

---

[1](سنن الترمذی، ج۳، ص ۳۰۲، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

۹۔ فقر

فقر اولیاء اللہ کا شعار اور خواص کا زیور ہے اور اسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے خاص بندوں مثلاً اتقیاء اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور فقراء وہ لوگ ہیں، جنہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب کرر کھاہے اور یہ لوگ مخلوق میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے راز کے متحمل ہوتے ہیں، ان ہی کی بدولت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مخلوق کی حفاظت کرتا ہے اور ان ہی کی برکت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انہیں رزق میں وسعت دیتا ہے اور صابر فقیر قیامت کے دِن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔

۱۰۔رَضاء

عراقیوں اور خراسانیوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رضاء احوال میں سے ہے یا مقامات میں سے؟ چنانچہ اہلِ عراق کہتے ہیں کہ رضاء احوال میں سے ہے اور انسان اسے اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے بندے کے دِل پر نازل ہوتی ہے۔ جس طرح دیگر احوال نازل ہوتے ہیں۔

اہلِ خراسان کہتے ہیں کہ رضاء مقامات میں سے ایک مقام ہے اور یہ توکل کی انتہاء ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رضاء ایک ایسی چیز ہے جسے انسان کوشش کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ہے۔

ان دونوں اقوال کے درمیان مطابقت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ رضاء کی ابتداء تو انسانی کوشش سے ہوتی ہے اس لحاظ سے یہ ایک مقام ہے جبکہ رضاء کی انتہاء احوال میں سے ہے جو کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ محض عنایتِ الٰہی ہے۔

حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ:

الرضا عَلَى قسمين: رضا بِهِ و رضا عَنْهُ فالرضا بِهِ مدبرا و الرضا عَنْهُ فيما يقضى سمعت الأستاذ أبا عَلِيّ الدقاق يَقُول: طريق السالكين أطول وَهُوَ طريق الرياضة و طريق الخواص أقرب لكنه أشق وَهُوَ أَن يَكُون عملك بالرضا و رضاک بالقضا۔

ترجمہ: رضاء کی دو قسمیں ہیں: اول: رضاء باللہ، دوم: رضاء عن اللہ، رضاء باللہ یہ ہے کہ ہم اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے بحیثیت مدبّر راضی رہیں اور رضاء عن اللہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہیں۔ میں نے استاد حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سُنا ہے کہ سالکین کا راستہ بہت لمبا ہے اور وہ ریاضت کا طریقہ ہے اور خواص کا طریقہ بہت قریب ہے، اگرچہ زیادہ دُشوار ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا عمل ان باتوں پر ہو جن سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ راضی رہے اور تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی قضاء سے راضی رہے۔[1]

و سئل أَبُو عُثْمَان عَن قَوْل النَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أسألک الرضا بَعْد الْقَضَاء فَقَالَ: لأن الرضا قبل الْقَضَاء عزم عَلَى الرضا و الرضا بَعْد الْقَضَاء هُوَ الرضا۔

ترجمہ: کسی نے حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس فرمان اللهم إنى أسألک الرضا بَعْد الْقَضَاء "اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا پر قضاء مانگتاں ہوں" کے بارے میں دریافت کیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس لئے یہ فرمایا کہ قضاء سے پہلے راضی ہونا رضاء پر عزم کرنا ہے اور حقیقی رضاء قضاء کے بعد ہوتی ہے۔[2]

---

[1] (الرسالۃالقشیریۃ، ج ۲، ص ۳۴۳، الناشر: دار المعارف، القاھرۃ)

[2] (الرسالۃالقشیریۃ، ج ۲، ص ۳۴۴، الناشر: دار المعارف، القاھرۃ)

سَیر انفسی میں سالک عالمِ قدس کی تجلیات کو اپنے اندر مشاہدہ کرتا ہے تجلیات کا یہ شہود سالک کے اخلاق کا سبب بنتا ہے، یعنی ان تجلیاتِ قدسی کی برکت سے سالک کے اخلاقِ خسیسہ، اخلاقِ حسنہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں یہ سَیر ریاضتِ شاقہ کے ساتھ مربوط نہیں ہوتی اور بواسطہ جذبہ و تجلیاتِ قدسی سالک کے تصفیہ اور اخلاق کی اصلاح کرتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سَیر انفسی میں سالک کے اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے جبکہ سَیر انفسی میں سالک کا مال و جائیداد، جاہ و جلال اور باغ وراغ کی محبت سے قطع علاقہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں فرمایا ہے کہ:

ای سرائے و باغِ تو زندان تو

خان ومان تو بلائے جان تو

ترجمہ: اے شخص تیری سرائے اور تیرا باغ تیرے لئے قید خانہ ہے (تو اس کی محبت میں گرفتار ہے) تیرا مال و متاع تیرے لئے وبالِ جان ہے۔

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اوّل خاصہ یہ ہے کہ سیر انفسی میں چونکہ جذبہ اور تجلیاتِ قدسی کا شہود ہوتا ہے اس لئے اس جذبہ اور تجلیاتِ قدسی کے واسطہ سے سالک کے اخلاقِ خسیسہ، اخلاقِ حسنہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں یعنی اس سیر میں سیر انفسی کے ضمن میں سیر آفاقی خود بخود طے ہو جاتی ہے اور لطائف کے تصفیہ میں ماسویٰ کے ساتھ تعلق کا جو خلال ہوتا ہے وہ خود بخود قطع ہو جاتا ہے۔ پس سَیر در وطن کے معنی خلقِ سیئہ سے خُلقِ حسنہ میں انتقال کرنے سے عبارت ہے، وطن سے مراد سالک کا وجود ہے اور سَیر ایک خُلق سے دوسرے خُلق کی طرف سفر کرنے کو کہا گیا ہے۔ یہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے کہ سیر ثانی یعنی سیر فی اللہ سے قبل یہ احوال سیر اوّل یعنی سیر فی الاشیاء ہی میں

عطا کر دیتے ہیں اور سَیر آفاقی ریاضت و تخلیہ (شرک، بدعات، کدورت، عداوت اور بغض وحسد وغیرہ سے اپنے دل کو صاف کرنا) ہے اور سیر اَنفسی تحلیہ (زیور) ہے۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا دوم خاصہ خلوت دَر انجمن ہے یعنی سالک ظاہری طور پر تو دُنیوی اُمورات میں لوگوں کے ساتھ مشغول ہوتا ہے مگر باطنی طور پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

دَست بہ کارو دِل بہ یار

ترجمہ: کام کرتے ہوئے بھی محبوب کی یاد دِل میں رہتی ہے۔

اور نیز فرمایا ہے کہ:

از دَرون شو آشنا و ز بیرون بیگانہ وش
این چنین زیبا روش کم می بود اندر جہان

ترجمہ: باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں رہو اور ظاہر میں بیگانوں کی طرح رہو کیونکہ اس روش والے لوگ دُنیا میں بہت کم ہیں۔

اور نیز حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں فرمایا ہے کہ:

حاجت بہ کلاہِ نمدی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دَار

ترجمہ: ٹوپی اور چادر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے آپ میں فقر کی صفات پیدا کرو اگرچہ آپ نے سَر پر شاہانہ ٹوپی ہی کیوں نہ پہنی ہو۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (النور ۳۷)

ترجمہ: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خاص بندے وہی لوگ ہیں جو ظاہری طور پر تو بیع وشراء میں مشغول ہوتے ہیں مگر ان کا باطن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے پس مؤمنانِ کامل یہی لوگ ہیں کہ دُنیاوی خرید و فروخت اور معاملات ان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذِکر سے غافل نہیں کر سکتے کیونکہ یہ احباب یاد کرد کے مرتبہ سے گزر کر یاد داشت کے مرتبہ پر فائز ہو چکے ہیں۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا سوم خاصہ یہ ہے کہ یہ طریقہ عالمِ اَمر سے شروع ہوتا ہے اور عالمِ اَمر لطائفِ خمسہ معروف سے عبارت ہے یعنی قلبِ نُوری، رُوح، سِر، خفی اور اخفٰی۔ جذبہ خاصہ عالمِ اَمر ہے اور دیگر تین سلاسل میں سَیر کا آغاز عالمِ خلق سے ہوتا ہے اور نفس کا تزکیہ ریاضتِ شاقہ سے کیا جاتا ہے اور اس کے بعد جا کر یہ سالک جذبہ میں پہنچتا ہے جو کہ سَیر فی اللہ میں ہوتا ہے اس لئے کہ جذبہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی منزل دراز ہوتی ہے۔

جذبہ کی دو اقسام ہیں:

اول: جذبہ بدایت اور دوم: جذبہ نہایت

جذبۂ بدایت سَیر فی اللہ کے شروع ہونے سے قبل ہوتا ہے اور جذبۂ نہایت سیر فی اللہ کے آغاز کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جذبہ نہایت چاروں سلاسل میں ملتا ہے جبکہ جذبہ بدایت صرف طریقۂ

عالیہ نقشبندیہ کا خاصہ ہوتا ہے اور یہ خیرات وصدقہ جاریہ حضرت خواجہ بزرگ شاہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی برکت سے ہے جنہوں نے اسے اپنے مخلصین پر نثار فرمایاہے یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نہایت کو بدایت میں درج کر دیاہے یعنی جذبہ کو نہایت سے بدایت میں لے آتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ:

جذبة من جذبات الحق توازي عمل الثقلين۔

ترجمہ: جذباتِ خداوندی میں سے ایک جذبہ کو پالینا تمام انس وجن کے نیک اعمال کے ثواب کے برابر ہے۔[1]

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیاخوب فرمایا ہے:

اگر از جانبِ معشوق نباشد کششے
کوششِ عاشقِ بیچارہ بجائے نرسد

ترجمہ: جب تک معشوق کی طرف سے کشش نہ ہو بے چارے عاشق کی کوشش بے سود ثابت ہوتی ہے، اور اسے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

اور نیز فرمایا کہ:

مرا گر توسنِ دل نیست دَرراہ
کمندِ زُلف اُوہم نیست کوتاہ

[1](تفسیر الفخر الرازی، ج ۱، ص ۲۷۴، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

ترجمہ: میرے دل میں یہ قوت و طاقت نہیں ہے کہ میں وہاں پہنچ جاؤں کیونکہ (معشوق) تک پہنچنے کا راستہ بھی تو کم نہیں ہے۔

چارۂ آن دل عطای مبدلی ست

دادِ اورا قابلیت شرط نیست

بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

دادِ لُب و قابلیت ہست پوست

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سخت دل میں تبدیلی پیدا فرمادے اُس کی عطاو بخشش کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے (یعنی جب حق تعالیٰ کی طرف سے عطاء و بخشش ہو جائے تو انسان میں خود بخود قابلیت پیدا ہو جاتی ہے) بلکہ قابلیت کی شرط حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عطا ہے دراصل اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عطا و بخشش مغز ہے اور قابلیت چھلکا ہے۔

[اور یہ طریقہ موصل الی اللہ طریقوں میں سب سے اَقرب ہے اور یہ طریقہ ایسا ہے کہ اس کی ابتداء میں حلاوت اور وجدان ہے اور انتہاء میں بے مزگی اور فقدان جو نااُمیدی کے لوازم سے ہے اور ایسے ہی اس طریق کے ابتداء میں قُرب و شہود ہے اور انتہاء میں بے مزگی اور فقدان جو نااُمیدی کے لوازم سے ہے اور ایسے ہی اس طریق کے ابتداء میں قُرب و شہود ہے اور انتہاء میں بُعد و حرمان اور اس طریقہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کے احکامِ شرعی کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق و معرفتوں کو علومِ دینی کا خادم قرار دیا ہے اور اس طریق میں پیری و مُریدی طریقت کے سیکھنے اور سکھانے پر ہے نہ صرف کلاہ و شجرپر۔ اور اس طریق میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے احکامِ شرعی کے بجا لانے اور سُنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لازم پکڑنے سے ہے۔ اور اس طریق میں سالک کا

سلوک شیخِ مقتداء کے تصرف پر منحصر ہے اور جس طرح یہ بزرگوار نسبت کے عطا کرنے میں کامل طاقت رکھتے ہیں اسی طرح اس نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری پوری طاقت رکھتے ہیں اور اس طریق میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔

اور خاموشی اس طریق کے لوازمات سے ہے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ

میرے عزیز بھائی! سیادت پناہ میر سیّد حسین نے دور پڑے ہوؤں کو فراموش نہ کیا ہوگا۔ اور اس طریقۂ عُلیہ کے آداب کی رعایت جو مشائخِ کرام کے تمام طریقوں سے کئی وجہ سے ممتاز ہے ہاتھ سے نہ دیا ہوگا چونکہ آپ کو ملاقات کی فرصت کم ملی، اس لئے مطلب کو مدِ نظر رکھ کر اس طریقۂ عَلیہ کی بعض خصوصیتوں اور کمالات کو علومِ بلند و معارفِ اَرجمند کے ضمن میں لکھتا ہے۔

اگرچہ معلوم ہے کہ اس قسم کے علوم و معارف کا سمجھنا بالفعل سُننے والوں کے فہموں سے بعید ہے لیکن ایسے معارف اختیار کرنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ سُننے والے کو ان علوم کی استعداد ہے اگرچہ اس کو بالفعل دور اَز کار دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ظاہر میں مخاطب معین ہے، لیکن حقیقت میں مخاطب وہ شخص ہے جو اس معاملہ سے واقف ہے۔ اَلسَّیْفُ لِلضَّارِبِ (تلوار مارنے والے کے لئے ہے) مثل مشہور ہے۔

اے برادر! اس بلند طریق کے سَرحلقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ اور اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگواروں کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ان کی نسبت

جس سے مرادِ خاص حضور اور آگاہی ہے بعینہٖ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت اور حضور ہے۔ جو تمام آگاہیوں سے بڑھ کر ہے، اور اس طریق میں نہایت اس کی ابتداء میں مندرج ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو ابتداء میں درج کرتے ہیں۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

ترجمہ: میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔

اور اگر کوئی پوچھے کہ جب دوسروں کی انتہاء ان کی ابتداء میں مندرج ہوئی تو پھر ان کی انتہاء کیا ہوگی؟ نیز جب دوسروں کی نہایت وصول بحق ہے تو پھر ان کو حق سے آگے کہاں تک سَیر میسر ہوگی۔ حالانکہ لَیْسَ وَرَاءَ الْعَبَّادَانِ قَرْيَةٌ (جزیرۂ عُبّادان کے آگے اور کوئی گاؤں نہیں ہے) مثل مشہور ہے تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ:]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''یہ طریقہ موصل الی اللہ طریقوں میں سب سے اَقرب ہے، الخ'' یعنی اس طریقہ میں سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع اور بدعت سے اجتناب ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہر ایک سُنت راہِ وصول کے لئے ایک نشان ہے نیز طریقۂ عَلیہ کی مناسبت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سلوک کے ساتھ ہے کہ جن کی ترقیات رسالتِ خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبتِ اقدسہ کے ساتھ مربوط تھیں نہ کہ ریاضتِ شاقہ کے ساتھ۔ تو اس لئے اس طریقہ عُلیہ کی ترقیات ریاضتِ شاقہ کے ساتھ مربوط نہیں ہیں بلکہ سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع اور شیخِ مقتداء کی صحبتِ مبارکہ کے ساتھ مربوط ہیں۔ اس طریقۂ عُلیہ کے سرِ حلقہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، یعنی وہ کمالات جن کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی استعداد کی مناسبت سے رسالتِ خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استفادہ کیا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی نسبتِ مبارکہ ثم بہ ثم اس طریقۂ عُلیہ کے بزرگان کی طرف منتقل ہوئی ہے اور بقیہ تینوں سلاسل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ منسوب نہیں ہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ منسوب ہیں۔ اور چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضیلت میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بڑھ کر ہیں اس لئے اُن کی نسبت بھی دوسری تمام نسبتوں سے افضل واعلیٰ ہوگی۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا چہارم خاصہ یہ ہے کہ اس طریقۂ عُلیہ کی ابتداء میں حلاوت و مٹھاس اور انتہاء میں بے مزگی ہے۔ یعنی ابتداء میں جو کہ عالمِ وجوب کا ظلال ہے اس میں ذوق اور حلاوت ہے اور عالمِ وجوب اور اس مرتبۂ مقدسہ کے وصول میں حلاوت والتذاذ نہیں ہے اس لئے کہ حلاوت ادراک کی فرع ہے۔ لہٰذا اس مقدس مرتبہ میں سالک کے ادراک کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو اسی لئے اس میں حلاوت والتذاذ بھی نہیں ہے اور ظلال میں چونکہ ادراک موجود ہے، اسی وجہ سے اس میں حلاوت والتذاذ بھی پائی جاتی ہے۔ اور نیز اس طریقۂ عُلیہ کی ابتداء میں قُرب و شہود ہے، اور اس کی انتہاء میں بُعد و حرمان۔ یعنی اس کی ابتداء میں شہودِ ظلال ہے اور انتہاء جو کہ مقامِ اصل ہے اور ذاتِ مقدسہ کا وصول ہے اس میں بُعد ہے یعنی باوجود قُرب کے اس میں ادراک نہیں ہے تو اس لئے سالک قُرب پاکر بھی اپنے آپ کو بعید خیال کرتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس دوسرے مکاتیب میں فرماتے ہیں کہ بعض بزرگانِ دین کو اس مرتبۂ مقدسہ کا ادراک بھی میسر ہے اور یہ بات درست بھی ہے کیونکہ یہ حضرت

مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے ابتدائی حالات ہیں اور وہ انتہاء حال۔ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فرمان مخاطب کے مناسبِ حال ہے کیونکہ ہر عارف اس مرتبۂ مقدسہ کے ادراک تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔

حضرت محمد شمس الدین حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیوانِ حافظ میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

مصلحت نیست کہ از پردہ بیرون افتد راز
ورنہ در مجلس رِندان خبرے نیست کہ نیست

ترجمہ: اس میں کوئی مصلحت نہیں ہے کہ میں کچھ اور راز کی بات کروں ورنہ رِندوں کی مجلس میں کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر بات نہ کی جائے۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا پنجم خاصہ یہ ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات کو شریعت کے احکام کے تابع بناتے ہیں اور بعض دوسرے سلاسل میں نغمہ و سماع کو اپنی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں اور بعض سلاسل میں اذکار کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ مُرید کو صرف کُلاہ اور شجرہ عطا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں نہ صرف کشف و شہود بلکہ ہر کیفیت کو شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کسوٹی پر پرکھ کر احکامِ شریعت کے تابع بناتے ہیں۔ تو جو لوگ رقص اور نغمہ وسماع کرنے یا مُرید کو کُلاہ و شجرہ دینے کو ترقی کا راز سمجھتے ہیں وہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں سے نہیں ہیں کیونکہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں مقاماتِ عشرہ کو طے کرنا ضروری ہے۔

[اس طریقۂ عُلیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے وصلِ عریانی ہے۔ جس کے حاصل ہونے کی علامت مطلوب کے حاصل ہونے سے نااُمیدی کا حاصل ہونا ہے۔ پس اس سے سمجھ لے کیونکہ ہمارا

کلام وہ اشارات ہیں جن کو خواص بلکہ اَخص میں سے بہت تھوڑی سمجھتے ہیں۔ اس اعلیٰ دولت کے حاصل ہونے کی علامت اس واسطے بیان کی ہے کہ اس گروہ میں سے بعض نے وصلِ عریانی کا دَم مارا ہے اور بعض مطلوب کے حاصل ہونے سے نااُمیدی کے قائل ہوئے ہیں۔ لیکن اگر دونوں حالتوں کا جمع ہونا ان کو پیش کیا جائے تو نزدیک ہے ان کے جمع ہونے کو جمع ضدین خیال کریں، اور محالات کی قسم سے جانیں۔ وہ جماعت جو وصل کا دعویٰ کرتی ہے یاس کو حرمان جانتی ہے اور وہ گروہ جو یاس کا مدعی ہے وصل کو عین فصل خیال کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اس بلند مرتبہ تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اس طریقہ عُلیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے وصلِ عُریانی ہے، الخ''۔

وصل کی دو اقسام ہیں:

اول: وصلِ عُریان دوم: وصلِ مطلق

اوّل: وصلِ عُریان اسے کہا جاتا ہے کہ جس میں عارف کا شہود صفات و شیونات اور اعتبارات کے مرتبہ سے بلند تر واقع ہو کر ذاتِ بحت تعالیٰ تک پہنچ جائے۔

دوم: وصلِ مطلق اسے کہا جاتا ہے کہ عارف مراتبِ وجوب میں تو پہنچا ہو مگر ابھی تک صفات و شیونات اور اعتبارات سے آگے نہ گزرا ہو۔

[حاصل کلام یہ ہے کہ اس عالی مقام کا ایک پَرتَو ان کے باطن پر چمکا ہے۔ جس کو بعض نے وصل خیال کیا ہے اور بعض نے یاس۔ اور یہ تفاوت ہر ایک گروہ کی استعداد سے پیدا ہوتی ہے، ایک گروہ کی استعداد کے مناسب وصل ہے اور دوسرے گروہ کی استعداد کے مناسب یاس۔

اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد بہت اچھی ہے، اگرچہ وصل ویاس ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں۔ اس جواب سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی روشن ہو گیا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس عالی مقام کا پرَتو ان کے باطن پر چمکا ہے، الخ" یعنی یہ اس مقام تک نہیں پہنچے اس لئے کہ اس مقام میں وصل ویاس ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں جو کہ اس مرتبہ میں وصل ویاس کے باوجود موجود ہے۔ سمجھ لینا چاہیئے کہ یاس ادراک سے جنبہ ٔعمومیت نہیں رکھتا بلکہ بعض بزرگان کی نسبت کی وجہ سے ہوتا ہے جس طرح کہ دفتر سوم کے مکاتیب کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد بہت اچھی ہے، الخ" یعنی صاحبِ یاس ادراک کے خواہاں ہیں اور وصل کے مدعی ادراک سے غافل ہیں۔

[کیونکہ وصلِ مطلق اور ہے اور وصلِ عُریان اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور وصلِ عریانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ حجاب سب کے سب اُٹھ جائیں۔ اور تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور چونکہ ہر قسم کی تجلیات اور مختلف قسم کے ظہورات بہت بڑے اور قوی حجاب ہیں، اس لئے ان سب تجلیات وظہورات سے گزر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وصلِ مطلق اور ہے، اور وصلِ عریان اور، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، الخ"۔

یعنی دو چیزیں وصلِ عُریان میں رکاوٹ کا سبب بنتی ہیں:

اول: وجودِ حجابات دوم: وجودِ مانع

یعنی اگر حجابات حائل نہ ہوں اور موانع موجود ہوں تب بھی عارف وصلِ عُریان کو نہیں پہنچ سکتا۔ موانع سالک کی استعداد اور لیاقت نہ ہونے سے عبارت ہے۔ چنانچہ انسان اور آفتاب کے درمیان کسی قسم کے حجابات حائل نہیں ہیں مگر آفتاب کی شعاعیں اور انسان کی ضعف بصیرت شہودِ آفتاب کے موانع ہیں۔ چونکہ کامل اور با استعداد عارف نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلّیٔ ذات سے کامل آشنائی حاصل کی ہوتی ہے اور اس کی استعداد بلند ہوتی ہے لہٰذا تجلّیٔ ذات کی شعاعیں اس عارف کے شہود میں رکاوٹ کا سبب نہیں بنتیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ہمارا کلام وہ اشارات ہیں جن کو خواص بلکہ اخص خواص میں سے بہت تھوڑے سمجھتے ہیں، الخ" خواصِ اولیاء سے مراد محبین ہیں جو کہ وصلِ عُریان پر مشرف نہیں ہو سکتے مگر اخص خواص اولیاء جن سے مراد محبوبین ہیں جو وصلِ عُریان پر مشرف ہوتے ہیں لیکن شیخ مشفق اور مُرشدِ کامل و مکمل کی توجہ سے محبین سالک بھی محبوبین کے کمال پر مشرف ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں فرمایا ہے کہ:

مورِ مسکین ہوسے داشت کہ دَر کعبہ رَسد

دست دَر پائے کبوتر زدو ناگاہ رَسید

ترجمہ: چیونٹی کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ میں کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے جاؤں اور وہ ایک دن کسی کبوتر کے پاؤں سے چمٹ گئی اور اچانک کعبۃ اللہ میں پہنچ گئی۔

اسی طرح اگر محب اپنے شیخِ کامل و مکمل کے دامن سے چمٹا رہے تو ایک دن وہ بھی محبوبین کے کمال پر مشرف ہو جائے گا۔

[خواہ یہ تجلی و ظہورِ امکانی آئینوں میں ہو، خواہ وجوبی مظہروں میں۔ کیونکہ اصل حجابوں کے حاصل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر کچھ فرق ہے تو شرف اور رُتبہ میں ہے۔ اور وہ طالب کی نظر سے خارج ہیں۔

اگر پوچھیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تجلیات کی نہایت ہے، حالانکہ مشائخِ طریقت نے تصریح کی ہے کہ تجلیات کی نہایت نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجلیات کا بے نہایت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اسماء وصفات میں سَیر مفصل طور پر واقع ہو۔ اس تقدیر پر حضرتِ ذات تک پہنچنا میسر نہیں ہے۔ اور وصلِ عُریانی حاصل نہیں۔ بلکہ حضرتِ ذات تک پہنچنا اسماء وصفات کو مجمل طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے، پس اس وجہ سے تجلیات کی نہایت ہو گی۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہو، خواہ وجوبی مظہروں میں، الخ'' یعنی جس وقت تجلی وجوب ممکن کی صورت میں متمثل ہو جائے یا صفاتِ وجوب حائل ہو جائیں یہ دونوں اپنی حجابیت میں فرق نہیں رکھتے اور ان دونوں ہی کو حاجب کہا جاتا ہے، اگرچہ یہ دونوں حجاب شرف اور غیر شرف میں فرق رکھتے ہیں۔ لہٰذا کوشش کرنا لازمی ہے کہ سالک ان دونوں حجاباتِ امکانی اور وجوبی سے آگے گزر جائے۔

[اور اگر کہا جائے کہ تجلیاتِ ذاتیہ کو بھی بے نہایت کہا ہے۔ چنانچہ مولوی جامی قدس سرہٗ نے شرح لمعات میں اس کی تصریح کی ہے، پس تجلیات کی نہایت کہنا کس وجہ سے درست ہے؟ تو اس کا

جواب یہ ہے کہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ بھی شیون واعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں۔ کیونکہ اس ملاحظہ کے بغیر تجلی کا ہونا ممکن نہیں اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ایک ایسا اَمر ہے جو تجلیات کے ماوراء ہے۔ خواہ وہ تجلیات صفاتی ہوں خواہ ذاتی۔ کیونکہ اس مقام میں تجلی کا اطلاق جائز نہیں۔ اس لئے تجلی پر تجلی کا ہونا مراد ہے، شے کے ظہور سے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں ہو۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے، اور یہاں سب مراتب ساقط ہوگئے ہیں اور تمام مسافت طے ہوچکی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اگر کہا جائے کہ تجلیاتِ ذاتیہ کو بھی بے نہایت کہا ہے، الخ'' یعنی حضرت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حاصلِ فرمائش یہ ہے کہ وہ تجلی جسے سالک تجلیٔ ذاتی سمجھتا ہے وہ ذاتِ بحت کی تجلی نہیں ہے بلکہ شیون واعتبارات متجلی ہوئی ہیں اور یہ اُن میں فرق نہیں کرسکا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''وہ ایک ایسا امر ہے کہ ماوراء ہے خواہ تجلیاتِ صفاتی ہوں خواہ ذاتی، الخ'' یعنی اس سے مراد ذاتِ بحت کا وصول ہے جو کہ تجلی اور ظہور سے بَرتر ہے اس لئے کہ تجلی مرتبۂ دوم اور مرتبۂ سوم میں ظہورِ شے ہے۔ چنانچہ آئینہ میں زید کی تمثال زید کی تجلی اور اس کا ظہور ہے اور مرتبۂ دوم میں زید خود آئینہ میں نہیں ہوتا اور زید کا اپنے آپ کو دیکھنا تجلی نہیں کہلاتا بلکہ زید کا اپنے آپ کو دیکھنا شہود ورؤیت کہلاتا ہے۔

[اور اگر یہ پوچھیں کہ ان تجلیات کو ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ تجلیات اگر معانی زائدہ کے ملاحظہ سے ہیں تو تجلیاتِ صفات ہیں۔ اور اگر غیر زائدہ معانی کے ملاحظہ سے ہیں تو تجلیاتِ ذات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وحدت کے ظہور کو جو تعینِ اوّل ہے اور ذات پر زائد نہیں ہے۔

بزرگوں نے تجلیٔ ذات کہا ہے۔ اور ہمارا مطلب حضرت ذاتِ تعالیٰ وتقدس ہے جہاں معانی کے ملاحظہ کو ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ خواہ وہ معانی زائدہ ہوں یا غیر زائدہ۔ کیونکہ معانی سب کے سب مجمل طور پر طے ہو کر حضرتِ ذاتِ تعالیٰ تک وصول میسر ہوا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''تجلیات اگر معانی زائدہ کے ملاحظہ سے ہیں، تو تجلیاتِ صفات ہیں، الخ'' یعنی چنانچہ صفات جو کہ وجودِ خارجی زائدہ رکھتی ہوں یا وجودِ زائدہ نہ رکھتی ہوں تجلیٔ شیونات واعتبارات کی مانند ہیں جو کہ وجودِ زائد نہیں رکھتی تو اس وجہ سے اس تجلی کو تجلیٔ ذات کہا جاتا ہے اگرچہ یہ تجلی ذات نہیں ہوتی یعنی سالک اس مقام میں ظل اور اصل کے فرق کو مکمل طور پر سمجھ نہیں پاتا اور حال یہ ہے کہ تجلیٔ علم، تجلیٔ ذات نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''معانی سب کے سب مجمل طور پر طے ہو کر حضرتِ ذات تعالیٰ تک وصول میسر ہوا ہے، الخ'' معانی صفات وشیونات اور اعتبارات سے عبارت ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی ذات تک وصول سیر اجمالی پر مربوط ہے تاکہ عارف کا التفات ظلال ومتعلقات اور صفات کی تمثیلات کی جانب نہ ہو اور اگر عارف سیر تفصیلی میں مصروف ہو گیا تو پھر حق تعالیٰ کی ذات کے وصول تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ تفصیلات غیر متناہی ہیں۔ غرضیکہ محبوبین سیر اجمالی پر مشرف ہوتے ہیں اور جو سالک سیر تفصیلی میں گرفتار ہو جائے وہ ذاتِ مقدسہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

[اور جاننا چاہیئے کہ وصل اس مقام میں مطلب کی طرح بیچگون ہے۔ اور وہ اتصال جس کو عقل سمجھ سکے وہ بحث سے خارج ہے اور اس جنابِ پاک کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ چون کو بیچون کی

طرف کوئی راہ نہیں ہے لَا یَحْمِلِ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ "بادشاہ کے عطیوں کو اُسی کے اونٹ اُٹھاسکتے ہیں"۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس

ہست رب الناس راباجان ناس

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی جان سے بے کیف اور بے قیاس اتصال ہے۔

اس طریقۂ عُلیہ کے مشائخ میں سے کسی نے اپنی نہایت کی خبر نہیں دی ہے۔سب نے اپنے طریق کے ابتداء کی نسبت کہا ہے کہ نہایت اسی میں مندرج ہے۔جب ان کی ابتداء میں دوسروں کی انتہا ملی ہوئی ہو۔تو ان کی نہایت بھی اسی بدایت کے مناسب ہونی چاہیئے، اور وہی ہے جس کے ظاہر کرنے سے اس فقیر نے امتیاز حاصل کیا ہے۔

اگر بادشاہ بردرِ پیرزن

بیاید توائے خواجہ سُبلت مکن

ترجمہ: اے خواجہ اگر بڑھیا کے دروازہ پر بادشاہ تشریف لائے تو تجھے غصے میں آکر اپنی داڑھی نہیں نوچنی چاہیئے۔

لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ

ترجمہ: اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بادشاہوں کے عطیوں کو اُسی کے اونٹ اُٹھا سکتے ہیں، الخ" یہاں بادشاہوں کے اونٹ سے مراد عارف کا وجودِ موہوبی ہے جو کہ عارف کو فناءِ اَتم اور بقاءِ اَتم کے بعد عنایت ہو جاتا ہے۔ عارف کا وجودِ موہوبی بھی بیچون ہے۔

اور بیچون کی دو اقسام ہیں:

اوّل: بیچون فی الجملہ دوم: بیچونِ مطلق

[اے برادر! اس طریق سے اور دوسرے طریقوں سے اس نہایت کے واصل بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر ان کے افراد کی تعداد ظاہر کریں، تو نزدیک ہے کہ نزدیک لوگ دوری اختیار کریں اور بعیدوں کے انکار سے تو کچھ تعجب ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صدقہ سے نہایت النہایت تک کمالِ وصول کے سبب سے ہے۔

اور اس طریقۂ عُلیہ کی خصوصیتوں میں سے ایک سفر دَر وطن ہے۔ جو سیر انفسی سے مراد ہے۔ اگرچہ سیر انفسی مشائخ کے تمام طریقوں میں ثابت ہے۔ لیکن وہ سیر سیر آفاقی کے قطع کرنے کے بعد نہایت میں میسر ہوتی ہے، اور اس طریق میں ابتداء اس سیر سے ہے۔ اور سیر آفاقی اسی سَیر کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہے۔ پس اس سَیر کا منشا جو ابتداء میں حاصل ہوتا ہے ابتداء میں انتہاء کا مندرج ہوتا ہے اور دوسرا خاصہ خلوت دَر انجمن ہے، جو سفر دَر وطن پر متفرع و مترتب ہے۔ جب سفر دَر وطن میسر ہو جائے، تو خلوت در انجمن اس کے ضمن میں میسر ہو جائے گا۔ پس انجمن کا تفرقہ سفر دَر وطن کے خلوت خانہ میں تفرقہ نہیں ڈالتا۔ اور آفاق کا تفرقہ انفس کے حجرہ میں راہ نہیں پاتا۔ یہ

خلوت در انجمن اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو حاصل ہے لیکن اس طریق میں چونکہ ابتداء ہی میں میسر ہو جاتی ہے اس لئے اس طریق کے خاصوں میں سے ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ خلوت در انجمن اس تقدیر پر ہے کہ وطن کے خلوت خانہ کے دروازوں کو بند کیا ہو اور تمام سوراخوں کو مسدود کر دیا ہو۔یعنی انجمن تفرقہ میں کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور متکلم و مخاطب نہ ہو نہ یہ کہ آنکھ کو ڈھانپے اور حواس کو تکلیف کے ساتھ بے کار کرے، کیونکہ یہ بات اس طریق کے منافی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے برادر! اس طریق سے اور دوسرے طریقوں سے اس نہایت کے واصل بہت تھوڑے ہیں، الخ" اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے واصلان یعنی وصلِ عُریان اور وصلِ مطلق کی تعداد کو کہاں سے سمجھ کر بیان فرمایا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ عالمِ مثال ایک عالم ہے جس میں تمام چیزیں موجود ہیں اور ہر شخص کے کمالات عالَمِ مثال کے آئینہ میں جلوہ گر ہیں عالمِ مثال ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں ولی وصلِ عریان پر مشرف ہے اور فلاں ولی وصلِ مطلق پر چونکہ عالمِ مثال اولیاء اللہ کا مشہود ہے تو اس لئے اولیاء اللہ کے کمالاتِ مرضیہ کو بھی عالمِ مثال میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ عالمِ مثال میں حق تعالیٰ کے ذات وصفات کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ عالمِ مثال اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور ہر مخلوق محدود ہے جبکہ اللہ

سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات غیر متناہی اور غیر محدود ہیں صرف صفات کے ظلال عالَمِ مثال میں گنجائش رکھتے ہیں۔

[اے برادر! یہ سب حیلہ و تکلف ابتداء اور وسط ہی میں ہے۔ اور انتہاء میں اس قسم کا حیلہ و تکلف درکار نہیں ہے، عین تفرقہ میں جمعیت ہے۔ اور نفس غفلت میں حاضر ہے اس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ منتہی میں تفرقہ وعدمِ تفرقہ مطلق طور پر مساوی ہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تفرقہ وعدمِ تفرقہ اس کے باطن کے نفس جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلے اور ظاہر سے بھی تفرقہ کو دَفع کردے تو پھر بہت ہی بہتر اور مناسب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اَمر کرتا ہوا فرماتا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل ۸)

ترجمہ: اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

جاننا چاہیئے کہ بعض اوقات ظاہر کے تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا، تاکہ خلق کے حقوق ادا ہوں۔ پس تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہے۔ لیکن تفرقہٗ باطن کسی وقت میں جائز نہیں، کیونکہ وہ خالص حق تعالیٰ کے لئے ہے۔

پس مسلمان بندوں سے تین حصے خدائے تعالیٰ کے لئے مقرر ہوئے۔ باطن سب کا سب اور ظاہر سے ایک نصف۔ اور ظاہر کا دوسرا نصف خلق کے حقوق ادا کرنے کے لئے باقی رہا۔ لیکن ان حقوق کے ادا کرنے میں چونکہ حق تعالیٰ کے اَمر کی بجا آوری ہے اس لئے وہ دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (ھود ۱۲۳)

ترجمہ: اور اسی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے تو اس کی بندگی کرو اور اس پر بھروسہ رکھو اور تمہارا رب تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

اور اس طریق میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سَیر کی ابتدا عالمِ اَمر سے ہے۔ برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے کہ ان کے سَیر کی ابتداء عالمِ خلق سے ہے، اور اس طریق میں سلوک کی منزلیں جذبہ کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں۔ اور عالمِ خَلق کی سَیر عالمِ اَمر کی سیر میں میسر ہو جاتی ہے۔ پس اگر اس اعتبار سے بھی کہیں کہ اس طریق میں انتہا ابتداء میں درج ہے تو گنجائش رکھتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابتداء کی سیر اس طریق میں انتہا کی سیر میں مندرج ہے نہ یہ کہ انتہا سے ابتداء کی سیر کے لئے اُترتے ہیں۔ اور نہایت کی سَیر تمام کرنے کے بعد بدایت کی سَیر کرتے ہیں۔

اس مضمون سے اس شخص کا خیال باطل ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ اس طریق کی انتہا دوسرے مشائخ کے طریقوں کی ابتداء ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ اس طریقہ کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہے کہ اسماءوصفات میں ان کی سَیر ان کی نسبت کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتی ہے پس درست ہوا کہ ان کی نہایت دوسروں کی بدایت ہے کیونکہ اسماءوصفات کی سَیر تجلیاتِ ذاتیہ کی سَیر کی نسبت عینِ ابتداء ہے۔ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان کی سیر اسماءوصفات میں تجلیاتِ ذاتیہ کی سیر کے بعد نہیں ہے۔ بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہو جاتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ جب سَیر اسمائی وصفاتی کسی عارضہ کے پیش آنے کے باعث ظہور کرتی ہے اور تجلیاتِ ذاتی کی سَیر پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ تو خیال میں آتا ہے کہ اس سیر کو تمام کر کے عارضہ کے

باعث تجلیاتِ اسمائی وصفاتی میں داخل ہو گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں ولایت کے مدارج میں سَیر پورا کرنے کے بعد خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے لئے عالم کی طرف جو رجوع واقع ہوتا ہے اگر اس رجوع کو ان کی نہایت سمجھ کر اپنی بدایت تصور کیا ہو تو بعید نہیں۔ لیکن فقیر کیا کہے جب کہ اس کے مشائخ نہایت میں ہی رجوع رکھتے ہیں اور نیز نہایت وبدایت سے مراد ولایت کی نہایت وبدایت ہے۔ اور یہ رجوع کی سَیر ولایت سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ مرتبۂ دعوت و تبلیغ کا ایک حصہ ہے اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے، اور بے شک مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق سب طریقوں سے اَقرب ہے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریقہ طلب کیا ہے جو بے شک موصل ہے، اور آپ کی یہ التجا قبول ہو گئی ہے۔

چنانچہ رشحات میں خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ یہ کیونکر اقرب اور موصل نہ ہو جبکہ انتہا اس کی ابتداء میں مندرج ہے، وہ شخص بہت ہی بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے۔

خورشید نہ مجرم از کسے بینانیست

ترجمہ: سورج کا کیا قصور اگر کوئی خود ہی نابینا ہو۔

ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ پڑ جائے تو طریق کا کیا گناہ ہے؟ اور طالب کا کیا قصور۔ کیونکہ حقیقت میں اس طریقِ کا رہبر موصل ہے نہ نفسِ طریق، اور اس راہ میں ابتداء میں حلاوت ووجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان جو نا اُمیدی کے لوازمات میں سے ہے بر خلاف دوسرے طریقوں کے کہ ابتداء میں بے مزگی اور فقدان رکھتے ہیں اور انتہاء میں حلاوت ووجدان اور

ایسے ہی اس طریق کی ابتداء میں قُرب وشہود ہے اور انتہا میں بُعف وحرمان۔ بر خلاف دوسرے مشائخ کرام کے طریقوں کے۔

پس اس مضمون سے طریقوں کے فرق کو قیاس کرنا چاہیئے، اور اس بلند طریق کی بزرگی کو معلوم کرنا چاہیئے کیونکہ قُرب وشہود اور حلاوت ووجدان دور اور مہجوری سے خبر دیتے ہیں۔ اور بُعد وحرمان اور بے حلاوتی اور فقدان نہایت قُرب سے خبر دیتے ہیں، عقلمند لوگ اس کو سمجھتے ہیں۔

اس بھید کی شرح میں اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کے لئے اپنے نفس سے زیادہ تر اپنے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ اور قُرب وشہود اور حلاوت ووجدان اس کے لئے اپنے نفس کے حق میں مفقود ہیں اور اپنے غیر کی نسبت جس سے بیگانگی رکھتا ہے یہ سب نسبتیں موجود ہیں۔ **فَالْعَاقِلُ تَكْفِيَةِ الْإِشَارَةُ** پس عقلمند کے لئے ایک ہی اشارہ کافی ہے۔

اور اس طریق عُلیہ کے بزرگواروں نے احوال ومواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق ومعارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے۔

احکامِ شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وَجد وحال کے اخروٹ ومنقہ کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کے کلماتِ سُکریہ پر مغرور ومفتون نہیں ہوتے۔ اور ان کے احوال کو جو شرعی ممنوعات اور سُنتِ سُنیہ کے خلاف اختیار کرنے سے حاصل ہوں قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی انہیں چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سماع ورَقص کو پسند نہیں کرتے۔ اور ذکرِ جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری۔ وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کو برقِ خاطف کی طرح ہے ان کے لئے دائمی ہے اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے۔ بلکہ ان کا معاملہ حضور وتجلی سے بَرتر ہے، جیسے کہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اے برادر! یہ سب حیلہ و تکلف ابتداء اور وسط ہی میں ہے اور انتہاء میں اس قسم کا حیلہ و تکلف درکار نہیں ہے، الخ'' یعنی جس وقت تک عارف کے عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے لطائف ایک دوسرے کے ساتھ باہم ممتزج (ملے ہوئے) رہیں گے تو حیلہ و تکلف درکار رہے گا مگر جس وقت عارف اپنے مبداء فیض کو پہنچ جائے اور عارف کے ظاہر و باطن جُدا ہو جائیں تو پھر حیلہ و تکلف کی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ پھر عارف کا ہر لطیفہ ایک جُداگانہ وظیفہ کا حامل ہو جاتا ہے۔ یعنی جس وقت عارف کے ظاہر و باطن جُدا ہو جائیں تو عارف کا باطن دُنیا کے کاموں میں مشغولی کے وقت بھی غافل نہیں ہوتا بلکہ دُنیا اور اس کے کاموں میں مشغول ہوتے ہوئے بھی اس کا باطن اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اس میں غفلت نام کی چیز پیدا نہیں ہوتی۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے۔ یعنی ان بزرگواروں کا حضور دائمی ہے اور خواب کی حالت میں بھی ان کے اس حضور میں کسی قسم کا تغیّر و تبدل پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ظاہر خواب میں اور ان کا باطن جو کہ عالمِ اَمر ہے وہ حضور میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

سحر کرشمۂ وصلش بخواب می دیدم

زہے مراتبِ خوابی کہ بہ ز بیداریست

ترجمہ: میں صبح کو خواب میں اس (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) کے وصل کا کرشمہ دیکھ رہا تھا سُبحان اللہ! نیند کے مرتبوں کا کیا کہنا جو بیداری سے بھی بہتر ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہم الاقدس اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضورِ خواب، حضورِ بیداری سے بھی زیادہ ہوتے ہیں اس لئے کہ معشوقوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر عاشق کو اپنی طرف متوجہ پائیں تو اپنے آپ کو چھُپا لیتے ہیں اور جس وقت عاشق کو خود سے غافل پائیں تو اپنے آپ کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

پَری رُو تاب مستوری ندارد

چو دَر بندی سرِاز روزن بَر آرد

ترجمہ: پریوں کے چہرے چھپنے کی طاقت نہیں رکھتے اگر سب دروازے بند کر دیئے جائیں تو یہ کھڑکی سے سَر باہر نکال لیں گے۔

[حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس طریق عُلیہ کے خواجگان قدس سرہم ہر ادنیٰ واعلیٰ کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کام اس سے بلند تر ہے۔ اور اس طریق میں پیری مُریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے نہ صرف کُلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مروج ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے متاخرین نے پیری و مریدی کو کُلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد تجویز نہیں کرتے اور طریق سکھانے والے کو مُرشد کہتے ہیں پیر نہیں جانتے۔ اور آداب پیری کے اس کے حق میں مدِ نظر نہیں رکھتے۔ یہ ان کی بڑی جہالت اور نادانی ہے، نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیرِ تعلیم اور پیرِ صحبت کو بھی پیر کہا ہے۔ اور پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے، بلکہ پیرِ اول کی

حینِ حیات میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کی تجویز کے لئے علمائے بخارا سے اس بات کا فتویٰ درست فرمایا تھا، ہاں اگر ایک پیر سے خرقہٗ ارادت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقہٗ ارادت نہ لے۔ اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے۔ بلکہ روا ہے کہ خرقہٗ ارادت ایک سے لے، اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے۔ اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی سے میسر ہو جائیں تو زہے قسمت و نعمت اور جائز ہے کہ مشائخ متعددہ سے تعلیم و صحبت کا استفادہ کرے۔

جاننا چاہیئے کہ پیر وہ ہے جو مُرید کو حق سبحانہٗ کی طرف رہنمائی کرے یہ بات تعلیمِ طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے کیونکہ پیرِ تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی ہے برخلاف پیرِ خرقہ کے۔ پس پیرِ تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیئے، اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''ان مشائخ نے پیرِ تعلیم اور پیرِ صحبت کو بھی پیر کہا ہے، الخ'' یعنی بعض سلاسل کے صاحبان اسے ہی پیر سمجھتے ہیں جس نے انہیں کُلاہ و شجرہ دیا ہو اور جس شیخ نے انہیں طریقت کی تعلیم دی ہو اُسے پیر نہیں سمجھتے بلکہ اُسے مُرشد کہتے ہیں اور اس کے حق میں پیر کے آداب کی رعایت نہیں رکھتے جبکہ حقیقت میں معلمِ طریقت ہی پیر و مُرشد ہے۔

پیر و مُرشد کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

اول: پیرِ بیعت ہے کہ جس سے سالک بیعت کر کے اپنے گناہوں کو تَرک کرتا ہے۔

دوم: پیرِ صحبت ہے کہ سالک اس کی مجلس سے فیوض و برکات کا استفادہ کرتا ہے۔

سوم: پیرِ تعلیم ہے کہ جس نے سالک کو طریقہ کا سبق سکھایا ہو۔

مندرجہ بالا تینوں اقسام کے پیر و مُرشد احترام کے لائق ہیں مگر بہترین پیر وہ ہستی ہے جس سے یہ تینوں دولتیں میسر آ جائیں اور اگر یہ تینوں صلاحیتیں ایک ہی پیر میں موجود نہ ہوں تو سالک متعدد مشائخ کے پاس جانے کا مجاز ہے اور اگر کسی سالک کی تربیت مکمل نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے پیر سے محروم ہو گیا چاہے سالک کی یہ محرومی شیخ سے بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہو یا شیخ کے فوت ہونے کی وجہ سے دونوں ہی صورتوں میں مُرید کسی دوسرے کامل و مکمل شیخ کے ساتھ بیعت و صحبت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کیونکہ مقصد اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات تک پہنچنا ہے نہ کہ پیر تک بلکہ پیر تو مُریدین کے لئے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے وصول کا ایک واسطہ ہے۔

[اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفسِ امارہ کے ساتھ احکامِ شرعی کے بجالانے اور سُنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفسِ امارہ کی خواہشوں کو دور کرنا مقصود ہے جو اپنے مولائے جلّ شانہٗ کی دُشمنی میں قائم ہے۔ پس نفسانی خواہشوں کا دور ہونا احکامِ شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہو گا اُسی قدر خواہشِ نفس سے دور تر ہو گا کیونکہ نفس پر شریعت کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے زیادہ دُشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحبِ شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سُنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ

معتبر نہیں ہیں۔ کیونکہ جوگی اور ہندو اور برہمن اور یونان کے فلسفی اس اَمر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اور اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخِ مقتداء کی تقلید پر منحصر ہے۔ اس کے تصرف کے بغیر کچھ کام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابتداء میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے اور بیچونی اور بیچگونی کا حاصل ہونا اسی کے کمالِ تصرف کا نتیجہ ہے۔ بے خودی کی وہ کیفیت جس کے لئے انہوں نے مختص راستہ اختیار کیا ہے اس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ توجہ جو شش جہت سے معرا ہے اس کا وجود طالب کے حوصلہ سے باہر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند

کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

ترجمہ: نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالبِ صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحبِ نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے بچائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''جوگی اور ہندو اور برہمن اور یونان کے فلسفی اس اَمر میں مشترک ہیں، الخ'' یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کا وصول شریعتِ غراۤ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کے ساتھ مربوط ہے نہ کہ ریاضتِ شاقہ پر۔

اس لئے کہ جوگی اور ہندو اور برہمن اور یونان کے فلسفی زیادہ ریاضتِ شاقہ کرنے کے باوجود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے بعید ہیں اس دلیل کی بناء پر کہ ان لوگوں کی ریاضاتِ شاقہ شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابع نہیں ہوتیں اور ان کے ریاضات شاقہ وفاقہ سے ان کو صرف اور صرف نفس کی صفائی میسر آجاتی ہے لیکن قلب کا تصفیہ میسر نہیں آتا۔ جبکہ کمال یہ ہے کہ انسان تزکیۂ نفس کے ساتھ ساتھ تصفیۂ قلب کی دولت کو بھی حاصل کرلے اور ان کا حصول شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے اور کفار کے تصفیۂ نفس کر لینے سے ان میں کبر وغرور اور خواہشاتِ نفس پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری سے ہونے والا تزکیۂ نفس سالک کو شکستگی وتواضع اور بالآخرہ راضیہ ومرضیہ پر پہنچا دیتا ہے۔ شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کے بغیر ریاضاتِ شاقہ وفاقہ سے صفائی نفس تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن تصفیۂ قلب میسر نہیں آتا۔ بلکہ کشفیاتِ کونیہ حاصل ہوتی ہیں جس سے حرِمانِ آخرت کا نتیجہ بن کر صفائی نفس والا مستدرجین کے جملہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ ریاضاتِ شاقہ وفاقہ سے صفائی نفس حاصل کرنے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نجس چیز پر سونے کا پانی چڑھا کر اس کو اندر چھُپا لیا جائے، جبکہ تزکیۂ نفس والے سالک کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کیمیا گر کیمیا گری کے ایک خاص عمل سے تانبے کو سونا بنا دے۔ تو اس لئے ریاضاتِ شاقہ وفاقہ سے صفائی نفس حاصل کرنے والا عالمِ وجوب کی کشفیات سے عاجز وبے بہرہ ہوتا ہے اور صرف کشفیاتِ کونیہ کا حامل ہوتا ہے بس۔ لہٰذا یہ طائفہ کشفیاتِ کونیہ کی وجہ سے کبر وغرور میں مبتلا ہو کر حقیقتِ خدا شناسی سے محروم اور بے نصیب رہتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالبِ صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں، الخ" یعنی جو نعمت و رحمت حق تعالیٰ و تقدس کی طرف سے عنایت ہو جائے اُس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔

کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

ذَلِکَ بِأَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِعْمَۃً أَنْعَمَھَا عَلَی قَوْمٍ حَتَّی یُغَیِّرُوا مَا بِأَنْفُسِھِمْ وَأَنَّ اللّٰہَ سَمِیعٌ عَلِیمٌ (الأنفال ۵۳)

ترجمہ: یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں جب تک وہ خود نہ بدل جائیں اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

[اور اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے، ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہو اوہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا اور اس خاموشی کو انہوں نے تکلف کے ساتھ اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات سے ہے کیونکہ ان بزرگواروں کی توجہ ابتداء ہی سے احدیتِ مجردہ کی طرف ہے۔ اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے اور معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گونگا ہونا ہے۔

من عرف اللہ کل لسانہ۔

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی۔[1]

اس بات کی مصداق ہے۔

---

[1](تفسیر الفخر الرازی، ج ۱، ص ۲ ۴ ۱ ۱، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

اب ہم اس گفتگو کو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے حبیب کی صلوٰۃ پر ختم کرتے ہیں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلوٰۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ
تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں، اور حضرت سیّد المرسلین اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

وَ السَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسم وصفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے، الخ" یعنی مشائخ نقشبندیہ جو کہ اسمِ ذات کا تکرار کرتے ہیں اور ان اذکار وتکرار سے ان کا مقصد صرف اسمِ ذات مقدس ہے نہ کہ اسماءوصفات کے خواص بلکہ مشائخِ نقشبندیہ اصل مسمّٰی تک رسائی کے لئے کوشاں رہتے ہیں کہ یہ اس مقام پر مشرف ہو جائیں جس کی تعبیر میں عارف کے درک کی گنجائش نہیں، چنانچہ جب تک عارف صفات کی سیر میں رہے اس کی زبان دراز ہوتی ہے یعنی یہ اس موضوع پر بات چیت کرتا رہتا ہے مگر جس وقت یہ ذاتِ حق تعالیٰ کے وصول پر مشرف ہو جاتا ہے تو خاموش اور گونگا ہو جاتا ہے اور یہ اس مقدس مرتبہ کی کسی طرح بھی تعبیر کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ مقدس مرتبہ عارف کے ادراک سے باہر ہوتا ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۲۲

[محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

احوال کی خرابی اور اپنے حسنات کو کم دیکھنا اور متہم رکھنا اور اس دیدِ قصور کا ولایت کے کمالات کے ساتھ جمع ہونے بلکہ اس دید کا ان کمالات کا اثر ہونے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِکَ وَثَبِّتْنَا عَلٰی طَاعَتِکَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ

ترجمہ: یا اللہ تُو ہم کو اپنی رضامندی کی توفیق بخشی، اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مُریدِ صادق وہ ہے کہ بیس سال تک اس کی بائیں طرف کے عمل لکھنے والے فرشتے اس کے عمل نامہ میں کچھ لکھنے نہ پائیں، اور یہ فقیر پُر تقصیر ذوق سے اپنے حق میں معلوم کرتا ہے کہ کاتبِ یمین معلوم نہیں کہ بیس سال کی مدت میں بھی کوئی ایسی نیکی پائے جو اس کے عمل نامہ میں درج کرے خدائے تعالیٰ جانتا ہے کہ فقیر اس بات کو بناوٹ اور تکلف سے نہیں کہتا۔ اور نیز از روئے ذوق کے معلوم کرتا ہے کہ کافرِ فرنگ اس سے کئی درجے بہتر ہے، اور اس کا باعث پوچھیں تو جواب سے عاجز نہیں ہے اور نیز ذوق کے طریق پر اپنے آپ کو بُرائیوں کا احاطہ کئے ہوئے جانتا ہے، اور گناہوں کو شامل کئے ہوئے خیال کرتا ہے، اور وہ نیکیاں جو سرزد ہوتی ہیں اپنے کاتبِ شمال کو ان کے لکھنے کا زیادہ مستحق پاتا ہے اور معلوم کرتا ہے کہ اس کا کاتبِ شمال ہمیشہ اپنے کام میں مصروف ہے اور کاتبِ یمین معطل وبیکار ہے اور دائیں طرف کے عمل نامے کو خالی اور سفید اور

بائیں طرف کے عمل نامہ کو بھرا ہوا اور سیاہ جانتا ہے۔ رحمت کے سوا اسے کوئی اُمید نہیں اور مغفرت کے سوا کوئی وسیلہ نہیں جانتا۔

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ

ترجمہ: یا اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے، اور مجھے اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت پر زیادہ اُمید ہے۔

اس کے حال کے موافق ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فیوض وواردات جو ہمیشہ کمال اور تکمیل کے درجوں میں فائض اور وارد ہیں وہ اس دیدِ قصور کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس عیب بینی کو تقویت دیتے ہیں اور بجائے غرور کے منقصت زیادہ کرتے ہیں، اور بجائے رفعت و تکبر کے تواضع اور فروتنی کو بڑھاتے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں کمالاتِ ولایت سے بھی مشرف ہے اور دیدِ قصور سے بھی موصوف ہے۔ یہ فقیر جس قدر بلند جاتا ہے اسی قدر زیادہ نیچے اپنے آپ کو دیکھتا ہے، بلکہ وہی اوپر جانا زیادہ نیچے دیکھنے کا سبب ہوا ہے۔ دانا اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں اور اگر اس بات کا بھید معلوم کریں تو پھر شاید یقین کرلیں۔

سوال: ان دو متنافی باتوں کے جمع ہونے کا کیا سِرّ ہے اور ایک متنافی کا وجود دوسرے متنافی کے وجود کا کیوں سبب ہے؟

جواب: دونوں متنافی چیزوں کا جمع ہونا اس شرط پر محال ہے جب کہ محل دونوں کا واحد ہو اور جس کا ہم ذکر کررہے ہیں اس میں محل متعدد ہیں۔ انسانِ کامل سے اوپر جانے والے اس کے عالمِ اَمر کے لطائف ہیں اور نیچے آنے والے عالمِ خلق کے، لطائف جس قدر بلند جاتے ہیں اسی قدر عالمِ خلق

سے زیادہ بے مناسبت ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی بے مناسبتی عالمِ خلق کے زیادہ نیچے آنے کا سبب ہے اور عالمِ خلق جس قدر زیادہ نیچے آتا ہے اسی قدر سالک کو زیادہ بے مزہ کرتا ہے، اور عیوب وقصور کی دید زیادہ ہوتی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ منتہی مرجوع اس لذت وحلاوت کی آرزو کرتے ہیں جو ابتداء میں ان کو حاصل تھی اور انتہاء میں ہاتھ سے جاتی رہی اور اس کی جگہ بے مزگی آگئی اور یہی وجہ ہے کہ عارف اپنے آپ سے کافر فرنگ کو بہتر جانتا ہے کیونکہ کافر میں اس کے عالمِ اَمر کے عالمِ خلق میں ملنے کے سبب سے نورِ الٰہی ظاہر ہے اور عارف میں یہ ملاوٹ دور ہو چکی ہے۔ عالمِ خلق تنہا جس کے باعث اَنَا عارف سے سرزد ہوتا ہے جُدا رہ گیا ہے۔جو سراسر ظلمت وکدورت سے پُر ہے اور عالمِ اَمر کے لطائف خواہ کتنے ہی نیچے آئیں۔ عالمِ خلق کے ساتھ کوئی اختلاط نہیں رکھتے اور کچھ ملاوٹ حاصل نہیں کرتے، جیسے کہ ابتداء میں رکھتے تھے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ اپنی دید کو قصور پر مبنی رکھے یعنی جس نے اپنے آپ کو پیر، غوث یا قطب تصور کیا اور اپنے آپ کو قصوروار نہ سمجھا تو ایسا شخص ولایت کی تکمیل تک نہیں پہنچا کیونکہ کامل ولی وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے عاجز وگنہگار اور علم وعمل اور تقویٰ کے لحاظ سے کم سمجھے اس لئے جو شخص اپنے وجود میں قصور کی جانب متوجہ نہیں ہوتا تو ایسا شخص متکبر اور خرابی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یہ الفاظ صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ زبان کے ساتھ دل سے بھی اپنے آپ کو عاجز وکمتر سمجھنا ضروری ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''نیز فقیر از روئے ذوق کے معلوم کرتا ہے کہ کافرِ فرنگ اس سے کئی درجے بہتر ہے، الخ'' آج کل لوگ چند دن حلقۂ ذکر میں بیٹھنے کے بعد اپنے آپ کو ولی اللہ سمجھنے لگتے ہیں عوام یا کفار کے وجود میں عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے لطائف دونوں آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ عالمِ اَمر کے لطائف اپنی ذات میں نورانی اور عالمِ خلق کے لطائف اپنی ذات میں ظلمانی ہیں۔ عالمِ اَمر اپنی اس نورانیت کی وجہ سے عالمِ خَلق پر روشنی ڈالتا ہے جس سے عالمِ خلق اپنے آپ میں روشنی کا ظہور پاتا ہے لیکن عرفاء کے وجود میں ان کے عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے لطائف کسب وسلوک کی وجہ سے ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں۔ عروج کے وقت عالمِ اَمر سے دوری کی وجہ سے عارف کو شہود میں عالمِ خلق تاریک وظلمانی معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے عُرفاء فرماتے ہیں کہ کافرِ فرنگ میری نسبت سے زیادہ نُورانی ہے لیکن اس قسم کے مشاہدات صرف اور صرف عارف کی ایک دید احوال ہے نہ کہ اعتقاداً۔

جو سالک کامل ومکمل ولی نہیں ہوتا جب عالمِ اَمر اس پر غالب ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور ولی اللہ سمجھتا ہے اور جو سالک کامل ومکمل ولی بن جاتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے امتزاج کو جدا جدا کر دیتا ہے تو جب وہ اپنے عالمِ خَلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو اپنا نفس وشیطان کافرِ فرنگ سے بھی بدتر نظر آتا ہے لیکن جس سالک کے عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے لطائف یکجا ہوتے ہیں تو وہ سالک اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور ولی اللہ سمجھتا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا اس سے کوئی ہرگز یہ معنی نہ لے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ میں کافرِ فرنگ سے بدتَر ہوں بلکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ نے اپنے نفس و شیطان کو اس حالت میں دیکھا اس لئے کہ عالمِ اَمر کے لطائف اپنی ذات میں نورانی اور عالمِ خلق کے لطائف اپنی ذات میں ظلمانی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نیز فقیر ذوق کے طریق پر اپنے آپ کو برائیوں کا احاطہ کئے ہوئے جانتا ہے، اور گناہوں کو شامل کئے ہوئے خیال کرتا ہے، الخ" اس جگہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد کا بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ جیسے فرائض کا حکم فرمایا ہے تو جو شخص نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرلیتا ہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے ادا کئے ہوئے یہ فرائض کاتبین نے دائیں طرف کے اعمال نامے میں لکھے ہیں یا بائیں طرف کے اعمال نامے میں تو اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اے اللہ جو عبادت تیری شانِ عظیم کے لائق ہے میں اس طرح ادا نہیں کرسکا کیونکہ میں کاتبین کو اپنے نیک اعمال بائیں طرف اعمال نامے میں درج کئے ہوئے دیکھتا ہوں اور دائیں طرف کا اعمال نامہ خالی پاتا ہوں۔ یہ کیفیت اس وقت میسر ہوتی ہے جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سالک کے عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کو جُدا جُدا کردے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم چند نمازیں اور نیک اعمال ادا کرلیں تو اپنے آپ کو بزرگ و متقی سمجھنے لگتے ہیں مگر ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے یہ اعمال اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول بھی ہیں یا نہیں۔ تو اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے فرائض وواجبات، سُنتوں اور ذکر وفکر پر مغرور نہ ہوں بلکہ اس طرح کہیں کہ اے میرے ربّ یہ سب اعمال میرے سیاہ اعمال نامے میں درج ہیں اے اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے، اور مجھے اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت وفضل پر زیادہ اُمید ہے۔

جب سالک ابتداء میں مُرید بنتا ہے تو اس پر حلاوت و مزہ اور وجدانی کیفیات آتی ہیں اس کا دل چاہتا ہے کہ میں زیادہ ذکر کروں کیونکہ اس سالک کے عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے لطائف ایک دوسرے کے ساتھ ممتزج ہوتے ہیں اور اس امتزاج کی وجہ سے نفس سرکش اور خوش ہوتا ہے حالانکہ یہ ولایت نہیں ہے بلکہ یہ عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کا ایک دوسرے سے امتزاج کا نتیجہ ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا جب مجلس میں کوئی نعت پڑھے اور اسی وقت ایک صاحبِ توجہ شیخ توجہ کرے تو ابتدائی سالک عالمِ خلق کی وجہ سے چیخیں مارتا اور روتا ہے حالانکہ تصوف میں اس کیفیت کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ یہ عالمِ اَمر اور عالمِ خَلق کا امتزاج ہے یہ نہ تو ولایت ہے اور نہ ہی صوفیت بلکہ یہ صرف اور صرف ایک خیالی شوق ہے جب سالک کا عالمِ اَمر اور عالمِ خَلق ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتے ہیں تو عالمِ اَمر کے عروج اور عالمِ خلق کے نزول کی وجہ سے سالک اپنے عیوب و قصور کو دیکھتا ہے اور اپنی عبادات و اعمال کو ناقص سمجھتا ہے اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے آپ کو کافرِ فرنگ سے بھی بدتر پایا مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ اس طرح نہیں تھا کیونکہ ایک ادنٰی مسلمان بھی ساری دُنیا کے کافروں سے فضیلت رکھتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ عروجات چاہے جتنا بھی بلند ہو کر ترقی کیوں نہ پالیں عالمِ خلق اسی اندازے پر عالمِ اَمر سے دور رہتا ہے اور عالمِ خلق بہت زیادہ تاریک و ظلمانی معلوم ہوتا ہے اگرچہ عالمِ اَمر عروجات کے مراحل طے کرنے کے بعد یعنی نزول کرنے کے وقت دوبارہ عالمِ خلق کے ساتھ نزدیکی رکھتا ہے مگر وہ امتزاج جو سلوک سے قبل رکھتا تھا مکمل طور پر اس کی جانب اعادہ نہیں کرتا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ عارف کی یہ دید عالم خلق کے کمالات شروع ہونے سے قبل ہے اور عالمِ خلق کے کمالات شروع ہونے کے بعد عالمِ خلق کا مقام عالمِ اَمر کی نسبت بلندتر ہو جاتا ہے۔

جب عالمِ خلق کے کمالات کا آغاز ہو جائے تو پھر اس کے مراتب و کمالات عالمِ اَمر سے بلند تر ہو کر بہت زیادہ نورانی ہو جاتے ہیں ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ یعنی بلند استعداد کے مالک عرفاء جن کے ساتھ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال ہو جاتا ہے تو وہ اس مقدس مرتبہ تک پہنچ کر عالمِ خلق کے عالی کمالات حاصل کر کے عالمِ اَمر سے بلند تر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے کئی مکاتیب میں ان کیفیات کا تذکرہ فرمایا ہے، عالمِ خلق کے یہ عروجات محبوبین کا خاصہ ہیں اور محبین کے لئے اس مقام میں قدم رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

[وہ مکتوب جو برادرم خواجہ محمد طاہر کے ہاتھ آپ نے بھیجا تھا پہنچا۔ رابطہ کا حاصل ہونا جو پوری مناسبت پر مبنی ہے غیبت کے زمانہ میں بڑی نعمت سمجھیں اور موانع کے دور ہونے تک دِلوں کے قُرب پر کفایت کریں۔ اور اس قُرب کے باوجود بدنوں کے قُرب کی خواہش کو ہاتھ سے نہ دیں۔ کیونکہ پوری نعمت اسی قُرب پر موقوف ہے۔

خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو باوجود قُربِ قلبی کے چونکہ قُربِ بدنی حاصل نہ ہوا۔ اس لئے ان لوگوں میں سے ادنٰی آدمی کے درجے کو بھی نہیں پہنچا جن کو قُربِ بدنی حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا سونے کا پہاڑ خرچ کرنا ان کے ایک سَیر بھر جَو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا، پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس قرب کے باوجود بدنوں کے قُرب کی خواہش کو ہاتھ سے نہ دیں، الخ" بعض اوقات بعض لوگ اپنے شیخ سے دُوری اختیار کر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ میرا اُن سے نزدیک ہے جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

الاقدس فرماتے ہیں کہ دِل کا قُرب بھی رکھیں اور بدن کا قُرب بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں اس لئے شیخ کی محفل میں بیٹھیں اور ان سے کچھ حاصل کریں کیونکہ قُربِ قلبی اور قُربِ بدنی دونوں ہی لازم وملزوم ہیں۔ اس کی مثال حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے جن کو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا قُربِ قلبی تو حاصل تھا مگر قُربِ بدنی حاصل نہیں ہوا تھا اسی لئے وہ ایک ادنیٰ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجے کو بھی نہ پہنچ سکے۔ پس ثابت ہوا کہ قُربِ قلبی کے ساتھ ساتھ قُربِ بدنی بھی ضروری ہے۔

اللهم اغفر لكاتبه ولمن سعى فيه ولو الديهم ولا ساتذتهم ولاهل بيتهم اجمعين

أمين يا رب العالمين

بحرمت سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۲۳

[احوال وواقعات کو شیخ بزرگوار کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب میں خواجہ جمال الدین حُسین کولابی کی طرف صادر فرمایا:

برادرم خواجہ جمال الدین حُسین نے مدت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی۔ آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخِ کبرویہ اُس مُرید کو جو تین روز تک اپنے احوال وواقعات کو اپنے شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے کفِ پاء فرماتے ہیں۔ خیر جو کچھ ہوا ہوا، پھر ایسا نہ کریں۔ اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں۔ میرے بزرگ بھائی کا مبارک آنا غنیمت سمجھیں اور ان کی خدمت ودِلجوئی میں کوشش کریں۔ اور ان کی بزرگ صحبت کو بڑا عزیز جانیں۔

دادیم ترازگنجِ مقصودِ نشان

ترجمہ: ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا نشان بتادیا ہے۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس مشائخِ کبرویہ اور ان کے مریدین کا حال بیان فرمارہے ہیں کبرویہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ ہے یہ بھی طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہی ہے۔ اگر ان کے مُریدین میں سے کوئی مُرید اپنے شیخ سے تین دن میں اپنی کیفیات بیان نہ کرتا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے کہ یہ مُرید کفِ پاء(یعنی کچھ بھی نہ سمجھنے والا)ہے۔اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے مُریدین کو یہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے احوال وواقعات کو کافی عرصہ سے بیان نہیں کیا کہ آپ کے قلب،روح،سِر، خفی اور اخفیٰ

کی کیفیت ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ اپنی کیفیات چاہے اچھی ہوں یا بُری ہوں، خواب کے ذریعے سے ہوں یا کشف و شہود کے ذریعے سے، بیان کرتے رہا کریں کیونکہ تصوف کا یہ قانون ہے کہ مُرید اپنے شیخ سے اپنے احوال وواقعات عرض کرتا رہا کرے اور اگر کوئی مُرید عرض نہ کرے تو شیخ کو چاہیئے کہ اپنے مُرید کو یہ تعلیم دے کہ وہ اپنے احوال وواقعات وقتاً فوقتاً اپنے شیخ سے بیان کرے۔ اس طرح حالات و کیفیات کو اپنے شیخ کامل و مکمل کی جناب میں عرض کرنے سے ظاہری وباطنی اصلاح ہوتی رہتی ہے اور سالک شیطانی مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۲۴

[آداب کی رعایت کرنے اور آزار کے ظن کے دور کرنے میں جس کا وہم ہوا تھا، اور احتیاط کا اَمر کرنے اور تعلیمِ طریقت کے بارہ میں تاکید کرنے اور فقر کی سختی اور نامرادی برداشت کرنے اور بعض اُن نصیحتوں اور تنبیہوں کے بیان میں جو اس مکتوب کی پُشت پر مُلّا یار محمد قدیم کی طرف لکھی تھیں میر محمد نعمان بدخشی کی طرف لکھا:

میرے سعادت مند بھائی یعنی سیادت پناہ میر محمد نعمان کا مکتوب شریف وصول ہوا، ان مقدمات کا مضمون جو آپ نے ترتیب دیئے تھے، اور ان شکوک کا مطلب جو آپ نے لکھے تھے واضح ہوا لوگ آپ کو زمانہ کا عاقل کہتے ہیں۔ پھر اس قسم کی باتیں اُس شخص کے ساتھ جس سے چارہ نہیں ہے درمیان لانی کیا مناسب ہیں۔ جب کہ اس سے قطع نہیں کر سکتے اور مفارقت نہیں حاصل کر سکتے۔ باوجود ان باتوں کے خیال نہ کریں کہ اس قسم کی باتوں سے فقیر کے دل میں کسی قسم کا غبار آیا ہو جس کا انجام آزار ہو۔ چہ جائے کہ بیزاری کی نوبت پہنچے، آپ کی خوبیاں نظر کے سامنے ہیں اور آپ کی لغزشیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ کسی طرح اپنے دِل کو پریشان نہ رکھیں اور کسی وجہ سے اس طرف کا آزار تصور نہ کریں۔ کیونکہ کسی وجہ سے آزار واقع نہیں ہے، اور آزار کیسے متصور ہو جب کہ آزار کا مؤجب منتفی ہے۔ وہ اُمور جو بشریت کے لحاظ سے بھول چوک سے سرزد ہوں مواخذہ کے لائق نہیں ہیں، آزار کا وہم دِل سے دُور کر کے طریقت کی تعلیم دینے اور طالبوں کو فائدہ پہنچانے میں سرگرم رہیں اور استخاروں کا حکم اس اَمر کی تاکید کے لئے ہے نہ کہ اس امر کی نفی کے لئے۔ کیونکہ جب شیطانِ لعین اور نفسِ بد ترین اس مسکین کی گھات میں لگے ہوئے ہیں، تو پھر بڑی احتیاط اور

تاکید سے کام لینا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ مکر وحیلہ سے پھسلا دیں اور اپنے ڈھکوسلوں اور فریبوں سے بُرائیوں کو نیکیوں کی صورت میں ظاہر کریں۔

اور ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ دُشمنِ لعین جب طاعت ونصیحت کے رستہ سے آئے تو اس کا دَفع کرنا بہت مشکل ہے پس ہمیشہ روتے اور التجا کرتے رہیں۔ اور بڑی عاجزی وزاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دُعامانگتے رہیں کہ اس راہ سے آپ کی خرابی اور استدراج مطلوب نہ ہو۔ استقامت کا طریق یہی ہے جو سعادتِ اَبدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

دوسرے یہ امر ہے کہ فقر ونامرادی اس گروہ کا جمال اور حضرت سیّد الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اقتداء ہے۔ حضرت حق تعالیٰ اپنے کمالِ کرم سے اپنے بندوں کی روزی کا ذمہ دار ہوا ہے اور ہم کو اور آپ کو اس فکر وتردد سے فارغ کر دیا ہے جس قدر آدمی زیادہ ہوں گے اسی قدر رزق زیادہ دیا جائے گا۔ آپ جمعیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں متوجہ ہوں، اور متعلقین کا غم حق تعالیٰ کے کرم کے حوالہ کر دیں باقی ملاقات کے وقت۔

بعض یاروں نے جو اس طرف آئے تھے ظاہر کیا کہ ابھی تک آزار کا وہم میر کے دل میں متمکن ہے اس لئے تاکید اور مبالغہ سے لکھا گیا ہے کہ آزار کے وہم کو دور کر دیں۔

دوسرے یہ کہ ایک خط مُلّا یار محمد قدیم کی طرف لکھا تھا جو پند ونصیحتوں پر مشتمل تھا۔ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ اس خط کا مضمون اس کی طبیعت کے موافق نہیں آیا۔ کیونکہ اس کا جواب نہیں دیا اور دُعا تک نہیں کی اُسے پسند نہ آئے تو نہ آئے۔ وہ لوگ جو اس فقیر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اگر اُن کی غلطی اور خطا کو انہیں نہ جتلائے اور حق کو باطل سے جدا نہ کرے تو اپنے ذمہ سے کس طرح بَری ہو گا اور آخرت میں کیا منہ دکھائے گا؟ آپ اس سے کہہ دیں۔

من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو میگویم

توخواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

ترجمہ: میں شرطِ تبلیغ کے تحت یہ کہہ رہا ہوں تو خواہ میری باتوں سے نصیحت گیر ہو خواہ ملال کر۔

جاننا چاہیئے کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت کرنے کا مقام بہت ہی عالی ہے آپ نے سُنا ہو گا کہ:

اَلشَّیۡخُ فِیۡ قَوۡمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِیۡ اُمَّتِهٖ۔

ترجمہ: شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں۔ [1]

ہر بے سروسامان کو اس بلند مرتبہ سے کیا مناسبت ہے۔

ہر گدائے مردِ میدان کے شود

پشۂ آخر سلیمان کے شود

ترجمہ: ہر گدا مردِ میدان نہیں ہو سکتا مچھر آخر سلیمان کیسے بن سکتا ہے۔

احوال ومقامات کا مفصل علم ہونا اور مشاہدات وتجلیات کی حقیقت کا پہچاننا اور کشوف والہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔

وَبِدُوۡنِهَا خَرۡطُ الۡقِتَادِ۔

''اور ان کے بغیر بے فائدہ رنج وتکلیف ہے''۔

---

[1] (تفسیر الفخر الرازی، ج ۱، ص ۳۵۸، دار النشر / دار إحیاء التراث العربی، تفسیر روح البیان، ج ۲، ص ۱۳۹، دار النشر / دار إحیاء التراث العربی)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ طریقت کے بزرگوار قدس سرہم بعض مُریدوں کو پیشتر اس کے کہ وہ مقامِ شیخی تک پہنچیں، کسی مصلحت اور بہتری کے لئے ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں اور ایک طرح تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ دِکھائیں تا کہ احوال وواقعات پر اطلاع پائیں۔

اس قسم کی تجویز میں شیخِ مقتداء کو لازم ہے کہ اس مریدِ مجاز کو اس کام میں بڑی احتیاط سے کام کرنے کا حکم کرے، اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواد کو ظاہر کر دے، اور بار بار ان کے نقص پر اطلاع دے اور مبالغہ کے ساتھ ان کا ناقص ہونا ظاہر کر دے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے ظاہر کرنے میں سُستی کرے تو خیانت ہے۔ اور اگر مُرید کو وہ باتیں بُری معلوم ہوں تو بدقسمت ہے۔ کیا نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے، اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔ اس پر کیا بلا آپڑی وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع کرنا اُس کو کہاں تک پہنچادے گا، اور ہم سے قطع کرے گا تو اور کس سے جا ملے گا؟ اور اگر نعوذ باللہ اس قسم کا کوئی امر اس کے دل میں راہ پا گیا ہو تو بے توقف اس کو کہہ دیں کہ توبہ واستغفار کرے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور زاری کرے کہ اس ابتلاوفتنۂ عظیم میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلاوآزمائش میں اس کو گرفتار کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یاروں کی اس بے پروائی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار فقیر کے دل میں داخل نہیں ہوا۔ اس سبب سے اُمیدوار ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہو گا۔ اور باقی احوال واوضاع کو برادرِ سعادت مند مولانا صالح محمد مفصل بیان کریں گے اور آپ بعض شبہوں کے مقام کو ان سے دریافت کر لیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا

ترجمہ: اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب اپنے خلیفہ حضرت میر نعمان بدخشی کو پند و نصائح کے بارے میں لکھا ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ استخارہ کرنے کے بغیر کسی کو بھی ذِکر نہ دیں لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پند و نصائح سے اُن کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مجھ کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں شاید ان سے میری خلافت منسوخ ہونے والی ہے کیونکہ حضرت میر نعمان بدخشی اُس وقت خلیفۂ مطلق نہیں تھے بلکہ خلیفۂ مقید تھے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اُن کو تاکید کے طور پر پند و نصائح فرما رہے تھے نہ کہ دِل آزاری کے لئے۔

خلفاء کی دو اقسام ہیں:

۱۔ خلیفۂ مطلق   ۲۔ خلیفۂ مقید

۱۔ خلیفۂ مطلق: اُس خلیفہ کو کہا جاتا ہے جس کا نفس تزکیہ و تصفیہ ہو گیا ہو اور وہ اپنی خواہشِ نفس سے کوئی کام نہ کرتا ہو۔

۲۔ خلیفۂ مقید: اُس خلیفہ کو کہا جاتا ہے کہ جس کے عالمِ اَمر کے لطائف تو تصفیہ ہو چکے ہوں یعنی اس کے قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ ذاکر ہوں مگر عالمِ خلق یعنی نفس کا ابھی تک تزکیہ نہ ہوا ہو اور اس میں خواہشاتِ نفسانی موجود ہوں۔

تو اب اگر کوئی خلیفہ اس بات پر مطمئن ہو کہ میرا نفس تزکیہ ہو چکا ہے (یعنی اس میں غرور و تکبر، بخل، کینہ، بغض، حسد، چغلی اور غیبت وغیرہ جیسے افعالِ رذیلہ موجود نہ ہوں کیونکہ جس کا نفس تزکیہ ہو جائے اس سے افعالِ رذیلہ ختم ہو جاتے ہیں) تو ایسا خلیفہ بغیر استخارہ کے بھی مُرید کو ذکر دے سکتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس کو کشف یا شہود کے ذریعے اطلاع دے دیتا ہے۔ اور جو خلیفہ اپنے نفس پر مطمئن نہ ہو تو وہ استخارہ کرنے کے بغیر کسی کو بھی ذکر نہ دے کیونکہ وہ خلیفہ مُقید ہے۔

گزشتہ مکتوب میں گزرا ہے کہ انسان اپنے اعمال کو بُرا جانے کہ میری عبادات تو بائیں جانب کے کاتبین لکھ رہے ہیں تو جب تک خلیفہ خود بھی استخارہ نہ کرلے اور مُرید سے بھی استخارہ نہ کروالے تو وہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا معلوم نہیں کر سکتا کیونکہ خلیفہ یا پیر بھی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے درخواست کرے گا کہ اے اللہ! میں اس شخص کو طریقت میں داخل کرلوں یا نہ کروں؟ اور ذکر لینے کا ارادہ رکھنے والا شخص بھی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے درخواست کرے گا کہ اے اللہ! میں اس خلیفہ یا پیر کا مُرید بنوں یا نہ بنوں؟ جب یہ سُنت عمل ادا ہو جائے تو دونوں کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا معلوم ہو جائے گی۔

میں یہاں استخارے کے بارے میں چند سوال جو کہ اکثر احباب پوچھتے رہتے ہیں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ احبابِ حلقہ کو اس سے اچھی طرح واقفیت اور رہنمائی حاصل ہو جائے۔

استخارہ لغت میں کسی خیر کو طلب کرنے کو کہا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ:

اِستَخِرِ اللّٰہَ یَخِرْ لَکَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو، وہ تمہارے لئے خیر مقدر فرمادے گا۔

اور اصطلاح میں استخارہ کے معنی خیر کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے، یعنی نماز یا دُعائے استخارہ کے ذریعہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور بہتر کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

اور شریعتِ غرّا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلاف عمل کرکے خیر یا مدد طلب کرنا حرام ہے جیسا کہ الموسوعۃ الفقہیۃ میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَبَعْضُ النَّاسِ قَدْ يَسْتَفْتِحُ وَيَسْتَطْلِعُ الْغَيْبَ مِنَ الْمُصْحَفِ أَوِ الرَّمْلِ أَوِ الْقُرْعَةِ، وَهَذَا لاَ يَجُوزُ لِحُرْمَتِهِ. قَالَ الطُّرْطُوشِيُّ وَأَبُو الْحَسَنِ الْمَغْرِبِيُّ وَابْنُ الْعَرَبِيِّ: هُوَ مِنَ الأَزْلاَمِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِلْغَيْبِ وَيَطْلُبَهُ، لِأَنَّ اللَّهَ قَدْ رَفَعَهُ بَعْدَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلاَّ فِي الرُّؤْيَا۔

ترجمہ: کچھ لوگ قرآنِ کریم یا علمِ رَمل یا قرعہ اندازی کے ذریعہ سے مدد طلب کرتے ہیں اور غیب کی باتیں معلوم کرتے ہیں تو یہ حرام ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ طرطوش، ابوالحسن مغربی اور ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ ازلام کے قبیل سے ہے، کیونکہ اُمورِ غیب کے درپے ہونا اور ان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا کسی کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا سلسلہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد سے ختم کردیا ہے البتہ خواب اس سے مستثنٰی ہے۔[1]

عُلماء کا اجماع ہے کہ استخارہ سُنت ہے اس کی مشروعیت کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي

---

[1] (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ٢٤٢، الطبعة الثانية، دار السلاسل –الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة – مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہمیں تمام معاملات کے لئے نمازِ استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: ''تم میں سے کوئی جب کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے پھر کہے: اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے سے خیر کا طالب ہوں، تیری قدرت سے ہمت کا خواہاں ہوں، تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، یقیناً تو قادر ہے میں قدرت والا نہیں، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا، تو پوشیدہ اور غائب معاملات کو جانتا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میرا یہ کام میرے دین، میری معیشت اور میرے معاملے کے انجام کے اعتبار سے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر اور آسان کر دے، پھر اس میں میرے لئے برکت فرما۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری معیشت اور میرے معاملے کے انجام کے اعتبار سے اچھا نہیں تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لئے خیر کو مقدر کر دے وہ جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس سے خوش کر دے'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ''دُعا میں (هَذَا الْأَمْرَ) کی جگہ اپنے کام کا نام لے''۔ [1]

نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اسْتِخَارَتُهُ إِلَى اللهِ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللهِ۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج۴، ص۷۴۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: انسان کی نیک بختی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے اور انسان کی بد بختی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرے۔[1]

استخارے کی مشروعیت کی حکمت

هِيَ التَّسْلِيمُ لأَمْرِ اللَّهِ، وَالْخُرُوجُ مِنَ الْحَوْلِ وَالطَّوْلِ، وَالِالْتِجَاءُ إِلَيْهِ سُبْحَانَهُ. لِلْجَمْعِ بَيْنَ خَيْرَيِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. وَيَحْتَاجُ فِي هَذَا إِلَى قَرْعِ بَابِ الْمَلِكِ، وَلاَ شَيْءَ أَنْجَعُ لِذَلِكَ مِنَ الصَّلاَةِ وَالدُّعَاءِ؛ لِمَا فِيهِمَا مِنْ تَعْظِيمِ اللَّهِ، وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، وَالِافْتِقَارِ إِلَيْهِ قَالاً وَحَالاً۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا، قدرت و غلبہ سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پناہ لینا، تاکہ دُنیا و آخرت دونوں کی بھلائی حاصل کی جا سکے، اور اس کی خاطر مالک الملک کے دروازہ کو کھٹکھٹانا پڑتا ہے، اور اس کی سب سے کامیاب شکل نماز و دُعا ہے، کیونکہ اس میں زبانِ حال و زبانِ قال دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اس کی ثناء اور اس کے سامنے محتاجی کا اظہار ہے۔[2]

کُتب میں استخارے کے تین حالات منقول ہیں:

الأُولَى : وَهِيَ الأَوْفَقُ ، وَاتَّفَقَتْ عَلَيْهَا الْمَذَاهِبُ الأَرْبَعَةُ ، تَكُونُ بِرَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ بِنِيَّةِ الِاسْتِخَارَةِ، ثُمَّ يَكُونُ الدُّعَاءُ الْمَأْثُورُ بَعْدَهَا .

الثَّانِيَةُ: قَالَ بِهَا الْمَذَاهِبُ الثَّلاَثَةُ: الْحَنَفِيَّةُ، وَالْمَالِكِيَّةُ، وَالشَّافِعِيَّةُ، تَجُوزُ بِالدُّعَاءِ فَقَطْ مِنْ غَيْرِ صَلاَةٍ، إِذَا تَعَذَّرَتِ الِاسْتِخَارَةُ بِالصَّلاَةِ وَالدُّعَاءِ مَعًا .

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج ۱، ص ۶۹۹، الناشر: دار الکتب العلمیة -بیروت)

[2] (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۴۲، الطبعة الثانية، دار السلاسل –الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة – مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

الثَّالِثَةُ: وَلَمْ يُصَرِّحْ بِهَا غَيْرَ الْمَالِكِيَّةِ، وَالشَّافِعِيَّةِ، فَقَالُوا: تَجُوزُ بِالدُّعَاءِ عَقِبَ أَيِّ صَلاَةٍ كَانَتْ مَعَ نِيَّتِهَا، وَهُوَ أَوْلَى، أَوْ بِغَيْرِ نِيَّتِهَا كَمَا فِي تَحِيَّةِ الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ: پہلی حالت: یہی سب سے اچھا طریقہ ہے اور اس پر مذاہبِ اربعہ کا اتفاق ہے اور وہ یہ ہے کہ فرض کے علاوہ استخارہ کی نیت سے دو رکعت پڑھے، اس کے بعد پڑھے اس کے بعد منقول دُعا پڑھے۔

دوسری حالت: جس کے قائل حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں یہ ہے کہ جب نماز وِدُعادونوں کے ذریعہ استخارہ دُشوار ہو تو نماز کے بغیر صرف دُعا کے ذریعہ بھی استخارہ جائز ہے۔

تیسری حالت: مالکیہ وشافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نے اس کی صراحت نہیں کی، انہوں نے کہا ہے: کسی بھی نماز کے بعد جس کے ساتھ استخارہ کی نیت ہو دُعا کے ذریعہ استخارہ کرنا جائز ہے، اور یہی زیادہ بہتر ہے اور اُس نماز کے بعد بھی جائز ہے جس کے ساتھ استخارہ کی نیت نہ ہو جیسا کہ تحیۃ المسجد۔[1]

قَالَ الْحَنَفِيَّةُ، وَالْمَالِكِيَّةُ، وَالشَّافِعِيَّةُ: يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقْرَأَ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى بَعْدَ الْفَاتِحَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. وَذَكَرَ النَّوَوِيُّ تَعْلِيلاً لِذَلِكَ فَقَالَ: نَاسَبَ الإِتْيَانُ بِهِمَا فِي صَلاَةٍ يُرَادُ مِنْهَا إِخْلاَصُ الرَّغْبَةِ وَصِدْقُ التَّفْوِيضِ وَإِظْهَارُ الْعَجْزِ، وَأَجَازُوا أَنْ يُزَادَ عَلَيْهِمَا مَا وَقَعَ فِيهِ ذِكْرُ الْخِيَرَةِ مِنَ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ.

أَمَّا الْحَنَابِلَةُ وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ فَلَمْ يَقُولُوا بِقِرَاءَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي صَلاَةِ الاِسْتِخَارَةِ۔

ترجمہ: حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھے، امام نووی رحمۃ اللہ

[1] (الموسوعۃ الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۲۴۲، الطبعة الثانية، دار السلاسل – الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة – مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

تعالیٰ علیہ نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہا ہے: ان دو سورتوں کو ایسی نماز میں پڑھنا مناسب ہے جس کا مقصد خواہش میں اخلاص، معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے میں سچائی اور عجز کا اظہار ہے، انہوں نے ان دو سورتوں کے بعد ان قرآنی آیات کے پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے جن میں خیر کا ذِکر ہے۔ حنابلہ اور بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نمازِ استخارہ میں کسی متعین سورت یا آیات کے پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔ [1]

اب سوال یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد استخارہ کرنے والا کیا کرے؟

استخارہ کرنے والے سے مطلوب یہ ہے کہ قبولیت میں جلدی نہ کرے اس لئے کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ يَقُولُ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي كَمَا يُطْلَبُ مِنْهُ الرِّضَا بِمَا يَخْتَارُهُ اللّٰهُ لَهُ۔

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک وہ جلد بازی سے کام نہ لے اور یوں کہنا شروع کر دے، میں نے دُعا کی تھی لیکن میرے لئے وہ قبول نہیں ہوئی۔ [2]

---

[1] (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص ٢٤٥، الطبعة الثانية، دار السلاسل — الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة — مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

[2] (صحيح البخاری، ج ١٩، ص ٢١٦، المكتبة الفاروقية)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الِاسْتِعْجَالُ قَالَ يَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ أَرَ يَسْتَجِيبُ لِي فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ۔

ترجمہ: جب تک کوئی بندہ گناہ یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے اور قبولیت کے معاملے میں جلد بازی نہ کرے، اس کی دُعا قبول ہوتی رہتی ہے۔ عرض کی گئی: اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! جلد بازی کرنا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ''وہ کہے: میں نے دُعا کی اور میں نے دُعا کی اور مجھے نظر نہیں آتا کہ وہ میرے حق میں قبول کرے گا، پھر اس مرحلے میں (مایوس ہو کر) تھک جائے اور دُعا کرنا چھوڑ دے''۔ [1]

چونکہ قبولیت کا ایک وقت طے ہے اس لئے اگر دُعا کی قبولیت میں تاخیر ہو تو بھی دُعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے اس تاخیر میں کوئی بہتری ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس دُعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ کر دے یا اس کے برابر اس سے کوئی بلا ومصیبت کو ٹال دے۔ بہر حال دُعا مانگنا بہت بڑی نیکی اور عبادت ہے، لہٰذا اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی کسی حکمت کی بناء پر بندے کو اس کی مطلوبہ چیز نہ دے تو بار بار دُعا کرنے سے دُعا کا ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہ خود ایک بہت بڑا انعام ہے، لہٰذا ناُمیدی کو اپنے پاس نہیں آنے دینا چاہیئے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیئے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ استخارہ کتنے دِنوں تک کرتے رہنا چاہیئے۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۳، ص ۷۷، ۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

قَالَ الْحَنَفِيَّةُ ، وَالْمَالِكِيَّةُ ، وَالشَّافِعِيَّةُ : يَنْبَغِي أَنْ يُكَرِّرَ الْمُسْتَخِيرُ الِاسْتِخَارَةَ بِالصَّلَاةِ وَالدُّعَاءِ سَبْعَ مَرَّاتٍ ، لِمَا رَوَى ابْنُ السُّنِّيِّ عَنْ أَنَسٍ . قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا أَنَسُ إِذَا هَمَمْتَ بِأَمْرٍ فَاسْتَخِرْ رَبَّكَ فِيهِ سَبْعَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ انْظُرْ إِلَى الَّذِي يَسْبِقُ إِلَى قَلْبِكَ فَإِنَّ الْخَيْرَ فِيهِ ، وَلَوْ تَعَذَّرَتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ اسْتَخَارَ بِالدُّعَاءِ۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ أَقْوَالِ الْفُقَهَاءِ أَنَّ تَكْرَارَ الِاسْتِخَارَةِ يَكُونُ عِنْدَ عَدَمِ ظُهُورِ شَيْءٍ لِلْمُسْتَخِيرِ ، فَإِذَا ظَهَرَ لَهُ مَا يَنْشَرِحُ بِهِ صَدْرُهُ لَمْ يَكُنْ هُنَاكَ مَا يَدْعُو إِلَى التَّكْرَارِ . وَصَرَّحَ الشَّافِعِيَّةُ بِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَظْهَرْ لَهُ شَيْءٌ بَعْدَ السَّابِعَةِ اسْتَخَارَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ . أَمَّا الْحَنَابِلَةُ فَلَمْ نَجِدْ لَهُمْ رَأْيًا فِي تَكْرَارِ الِاسْتِخَارَةِ فِي كُتُبِهِمُ الَّتِي تَحْتَ أَيْدِينَا رَغْمَ كَثْرَتِهَا۔

ترجمہ: حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نماز و دعا کے ذریعہ سات بار استخارہ کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ ابن السنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات بار استخارہ کرلو، پھر دیکھو کہ اول اول تمہارے دل میں کیا آتا ہے کہ خیر اسی میں ہے۔ اگر اس کے لئے نماز پڑھنا مشکل ہو تو دُعا کے ساتھ استخارہ کرے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بار بار استخارہ کرنا اس صورت میں ہے جب کہ استخارہ کرنے والے کے سامنے کوئی چیز ظاہر نہ ہو، لیکن اگر کوئی ایسی بات ظاہر ہو جائے جس سے اس کا شرحِ صدر ہو جائے تو بار بار استخارہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے صراحت کی ہے کہ ساتویں بار اگر استخارہ کرنے کے بعد بھی کچھ ظاہر نہ ہو تو مزید

استخارہ کرے۔ ہمارے پاس موجود حنابلہ کی کسی کتاب میں ہر چند کہ ان کی بہت سی کتابیں ہیں بار بار استخارہ کرنے کے بارے میں ان سے کوئی رائے ہمیں نہیں ملی۔ [1]

وفي شرح الشرعة: المسموع من المشايخ أنه ينبغي أن ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور، فإن رأى منامه بياضا أو خضرة فذلک الأمر خير، وإن رأى فيه سوادا أو حمرة فهو شر ينبغي أن يجتنب، اه۔

ترجمہ: شرح الشرعیہ میں ہے مشائخ سے یہ بات سُنی گئی ہے کہ چاہیئے کہ مذکورہ دُعا پڑھنے کے بعد وہ قبلہ رُو ہو کر سو جائے اگر وہ اپنی نیند میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو وہ اَمرِ خیر ہو گا۔ اور اگر وہ اپنی نیند میں سیاہی یا سُرخی دیکھے تو وہ اَمرِ شَر ہو گا تو چاہیئے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ [2]

استخارہ میں نیابت کی دلیل

الاِسْتِخَارَةُ لِلْغَيْرِ قَال بِجوَازِهَا الْمَالِكِيَّةُ، وَالشَّافِعِيَّةُ أَخْذًا مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ.

وَجَعَلَهُ الْحَطَّابُ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ مَحَل نَظَرٍ. فَقَال: هَل وَرَدَ أَنَّ الإِْنْسَانَ يَسْتَخِيرُ لِغَيْرِهِ؟ لَمْ أَقِفْ فِي ذَلِکَ عَلَى شَيْءٍ، وَرَأَيْتُ بَعْضَ الْمَشَايِخِ يَفْعَلُهُ. وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِذَلِکَ الْحَنَابِلَةُ، وَالْحَنَفِيَّةُ۔

ترجمہ: مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ دوسرے کے لئے استخارہ کے جواز کے قائل اس بنیاد پر ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے تو نفع پہنچائے۔

---

[1] (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص۲۴۶، الطبعة الثانية، دار السلاسل – الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة – مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

[2] (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۲۷، الناشر: دار الفكر - بيروت)

مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے خطاب نے اس کو محلِ نظر قرار دیا ہے اور کہا ہے کیا دوسرے کے لئے استخارہ کرنا منقول ہے؟ مجھے اس بابت کچھ نہیں ملا، البتہ میں نے بعض مشائخ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ [1]

استخارہ میں قبولیت کی علامات

اتَّفَقَ فُقَهَاءُ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ عَلَى أَنَّ عَلَامَاتِ الْقَبُولِ فِي الِاسْتِخَارَةِ انْشِرَاحُ الصَّدْرِ، لِقَوْلِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَدِيثِ الْمُتَقَدِّمِ فِي: " ثُمَّ اُنْظُرْ إِلَى الَّذِي سَبَقَ إِلَى قَلْبِكَ فَإِنَّ الْخَيْرَ فِيهِ " أَيْ فَيَمْضِي إِلَى مَا انْشَرَحَ بِهِ صَدْرُهُ وَشَرْحُ الصَّدْرِ: عِبَارَةٌ عَنْ مَيْلِ الْإِنْسَانِ وَحُبِّهِ لِلشَّيْءِ مِنْ غَيْرِ هَوًى لِلنَّفْسِ، أَوْ مَيْلٍ مَصْحُوبٍ بِغَرَضٍ، عَلَى مَا قَرَّرَهُ الْعَدَوِي۔

ترجمہ: اس پر مذاہبِ اربعہ کے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے کہ استخارہ میں قبولیت کی علامت شرحِ صدر ہونا ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات بار استخارہ کر لو، پھر دیکھو کہ اول اول تمہارے دل میں کیا آتا ہے کہ خیر اسی میں ہے۔یعنی شرحِ صدر پر عمل کرے گا۔ شرحِ صدر یہ ہے کہ انسان کا کسی چیز کی طرف میلان اور اس سے محبت پیدا ہو جائے، بشرطیکہ خواہشِ نفس کا دخل یا خود غرضی کی وجہ سے نہ ہو، عدوی نے اس کی یہی تعریف کی ہے۔ [2]

---

[1] (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص ٢٤٦، الطبعة الثانية، دار السلاسل – الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة – مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

[2] (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص ٢٤٦، الطبعة الثانية، دار السلاسل – الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة – مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

استخارہ میں عدمِ قبولیت کی علامات

وَ أَمَّا عَلامَاتُ عَدَمِ الْقَبولِ فَهُوَ : أَنْ يُصْرَفَ الإِنْسَانُ عَنِ الشَّيْءِ ، لِنَصِّ الْحَدِيثِ ، وَلَمْ يُخَالِفْ فِي هَذَا أَحَدٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ ، وَعَلامَاتُ الصَّرْفِ : أَلاّ يَبْقَى قَلْبُهُ بَعْدَ صَرْفِ الأُمْرِ عَنْهُ مُعَلَّقًا بِهِ ، وَهَذَا هُوَ الَّذِي نَصَّ عَلَيْهِ الْحَدِيثُ : فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ ، وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ۔

ترجمہ: عدمِ قبولیت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو اس چیز سے پھیر دیا جائے جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے، اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں۔ اور پھیرنے کی علامت یہ ہے کہ پھیرنے کے بعد اس کا دِل اس کام سے وابستہ نہ رہے، حدیث شریف میں اسی کی صراحت ہے: ''تو اس کو مجھ سے ہٹا دے اور مجھ کو اس سے ہٹا، پھر جہاں جس کام میں میرے لئے بھلائی ہو وہ میرے لئے مقدر کر دے اور مجھ کو اس پر راضی کر دے''۔[1]

اب سوچیں ہمارے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے زمانۂ مبارکہ میں چار سو (۴۰۰) سال سے زیادہ کا فرق ہے اس زمانہ میں نہ تو اس طرح کی عمارتیں اور دُنیوی آسائشیں تھیں جن کو دیکھ کر انسان کا دل میں خواہشات کا اضافہ ہو جتنی اب ہیں اس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے مُریدین کے لئے یہ نصیحت فرمائی تو پھر آج کل تو اتنی دنیوی آسائشیں ہیں کہ ہر انسان حتیٰ کہ عالم اور پیر کا دِل بھی ان دُنیوی خواہشات کا دِلدادہ ہے تو جب تک ان دُنیوی خواہشات کا سدباب نہ ہو تو استخارہ کے بغیر کسی کو بیعت نہ کرے۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

---

[1] (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص ٢٤٦، الطبعة الثانية، دار السلاسل – الكويت، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة – مصر، الطبعة الثانية، طبع الوزارة)

مکتوب نمبر ۲۲۵

[مُلّا طاہر لاہوری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ وہ احوال جو دوسروں کو نہایت میں میسر ہوتے ہیں اس طریقہ عَلیہ کی ابتداء میں میسر ہو جاتے ہیں، لیکن بدایت میں نہایت مندرج ہونے کے طریق پر جو اس طریقہ عَلیہ کے لوازم سے ہے اور اس قسم کے احوال کا ابتداء میں ظاہر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ایسے احوال والے کو کامل و مکمل کہیں اور طریقت کے سکھانے کی اجازے دے دیں اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

نَحْمُدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْکِرَامِ

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ کی آل بزرگ وار پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے شریف خط پے در پے پہنچے۔ طالبوں کی ترقی اور ان کی التذاذ اور جمعیت کا حال پڑھ کر بہت ہی خوشی حاصل ہوئی۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ چونکہ اس طریق میں نہایت ابتداء میں مندرج ہے۔ اس لئے اس طریقہ عَلیہ کے مبتدیوں کو ابتداء میں اس قسم کے احوال ظاہر ہوتے ہیں، جو منتہیوں کے احوال کے ساتھ یہاں تک مشابہ ہوتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے احوال کے درمیان سوائے عارف کے جس کی نظر بصیرت تیز ہو کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ پس اس لحاظ سے احوال کے حاصل ہونے کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ایسے احوال والے کو طریقہ سکھانے کی اجازت نہ دینی چاہیئے، کیونکہ اس صورت میں طالبوں کے ضرر کی نسبت اس کا اپنا بڑا ضرر ہے۔ ممکن ہے کمال کا خیال کر کے ترقی سے رُک جائے یا جاہ

وریاست کے حاصل ہونے سے جو مقامِ ارشاد کے لئے ضروری ہے فتنہ میں پڑ جائے، کیونکہ اس کا نفسِ امارہ ابھی اپنے کفر کی حالت پر ہے اور اس کا تزکیہ نہیں ہوا ہے خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ جن لوگوں کو آپ نے اجازت دی ہے انہیں نرمی اور محبت سے سمجھا دیں کہ اس قسم کی اجازت کمال پر مبنی نہیں ہے ابھی بہت کام در پیش ہے اس قسم کے احوال جو ابتداء میں ظاہر ہوتے ہیں بدایت میں نہایت مندرج ہونے کی قسم سے ہیں، اور جو نصیحتیں مناسب جانیں عمل میں لائیں۔ اور ان کے نقص پر ان کو اطلاع بخشیں، اور چونکہ آپ نے ان کو اجازت دے دی ہے اس لئے طریقہ سکھانے سے ان کو منع نہ کریں۔ شاید آپ کی توجہ کی برکت سے مقامِ ارشاد کی حقیقت تک پہنچ جائیں۔

دوسرے یہ ہے کہ جب آپ نے اس عظیم القدر کام کو شروع کیا ہے تو مبارک ہے، اس کام میں بڑی سعی و کوشش بجا لائیں اور بڑے سرگرم رہیں تاکہ طالبوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی کا باعث ہو۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے جس خلیفہ کو یہ مکتوب لکھا ہے ان کا نام محمد طاہر ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادتِ باسعادت ۹۴۸ ہجری بمطابق ۱۵۷۶ء کو اکبر بادشاہ کے زمانے میں لاہور میں ہوئی، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رہائش اندرونِ شہر محلہ اسحاق میں تھی جہاں آج کل موتی بازار ہے۔

دینی علم کے حصول کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تلاشِ حق میں نکلے پہلے اِدھر اُدھر گھومتے رہے لیکن کوئی کامل رہنما نہ ملا بالآخر ایک دن حضرت شاہ سکندر بن شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید ہو گئے اور ان کی صحبت سے اطمینانِ قلب حاصل ہوا۔ پھر کچھ عرصہ

حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی (والد ماجد حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) کی خدمت میں گزارا حضرت شاہ سکندر بن کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو "طاہر بندگی" کے نام سے پکارا کرتے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ بعد میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی مُریدی اختیار کی اور ان کی رہنمائی میں سلوک و معرفت کی اعلیٰ ترین منازل طے کیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو "طاہر لاہوری" کے نام سے پکارا کرتے، اور بالآخر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خرقۂ خلافت سے نوازا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دور میں لاہور کے علماء و صلحاء اور عوام میں بے حد مقبول ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم و فضل کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صاحبزدگان حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حضرت شیخ محمد معصوم اور حضرت شیخ احمد سعید قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی علمِ ظاہری کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد ہوئی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بروزِ جمعرات ۸ محرم الحرام ۱۰۴۰ ہجری بمطابق ۱۶۳۰ء فوت ہوئے اور اس جگہ دفن ہوئے جہاں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درسگاہ تھی۔ بوقتِ وصال آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عمر ۵۶ سال تھی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار لاہور میں میانی صاحب کے قبرستان میں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ دوسرے سلاسل میں صوفیاء کرام کو جو کیفیات نہایت میں جا کر میسر ہوتی ہیں طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں وہی کیفیات سالکین کو ابتداء ہی میں میسر آجاتی ہیں تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جن سالکین کو یہ کیفیات ابتداء میں

میسر آ جائیں تو ان کو ابتداء میں خلافت کی اجازت دینا درست نہیں ہے۔ یہ مکتوب بھی خلافت کے اجازت نامہ کے بارے میں ہے۔

اس مکتوب کی وجہ تحریر یہ ہے کہ حضرت ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض مُریدین نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنے احوال وواقعات بیان کئے جس کو مدِ نظر رکھ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان مریدین کو خلافت کی اجازت عنایت فرمادی تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مکتوب ارسال فرمایا جس میں آپ کو ہدایات فرمائیں کہ اگر مُرشد جذبہ کی بدایت ونہایت میں فرق نہ کرے اور مُرید کو خلیفہ مقرر کر دے تو حقیقت میں اس مُرشد نے اس مُرید کی استعداد کو ضائع کر دیا۔ کیونکہ اگر اس سالک کا قُرب انتہاء درجہ تک ہونا تھا تو جب ابتداء میں شیخ اس کو خلافت کی اجازت عطا کر دے تو وہ سالک نفس کے دھوکے کی وجہ سے اسی مقام پر رُک جاتا ہے اور اگلے مقام تک ترقی نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل ایسے سالک کے شاملِ حال رہے اور وقت سے پہلے ہی خلافت مل جانے پر وہ اپنے نفس کی باتوں اور دھوکے کا شکار نہ ہو تو اگلی منازل کی طرف مزید ترقی کرنا ممکن ہے۔

مگر آج کل اُلٹ کام جاری ہے اگر کسی سالک کو ابتدائی کیفیت میسر آجائے تو شیخ ان کو فورًا خلافت کی اجازت دے دیتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ میں نے اپنے اس مُرید، معتقد یا خلیفہ کی باطنی استعداد کے ساتھ ظلم کیا ہے کیونکہ میں نے اس کی استعداد کو ضائع اور درہم برہم کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ اس مقام سے آگے ترقی نہیں کر سکے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس مُرید کے نفس کو تقویت دے کر اس کی روح کو دبا دیا ہے۔ دورِ حاضر میں مریدین کی یہ خواہش ہوتی ہے اور اس بات سے بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا شیخ جلد از جلد ہمیں خلافت کی اجازت عطا کر دے اور شیخ کی بھی یہ

خواہش ہوتی ہے کہ میں اپنے مُریدین کو جلد از جلد خلافت کی اجازت دے کر فارغ کر دوں۔ شیخ کا مُریدین کو جلد از جلد خلافت کی اجازت دینا دو باتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس پر مُریدین کی تربیت کرنا اور توجہات دینا بوجھ سمجھا جاتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ شیخ بھی نفسانی خواہشات کا شکار ہو سکتا ہے کہ میرا فلاں مُرید میری زیادہ خدمت کرتا ہے اس لئے اس کو جلدی خلافت دے دینی چاہیئے۔ لہٰذا شیخ ان دو حالتوں میں سے جس حالت پر بھی ہو گا وہ اپنے مُرید کے ساتھ ظلم کر کے اس کی استعداد کو درہم برہم اور ضائع کرنے کا مؤجب بنے گا۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے سالک کے وجود میں وہ ذوق و شوق اور کشش ختم ہو جاتی ہے جو ترقی کے لئے ضروری ہے اور دوبارہ اس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو اس وجہ سے شیخ اور مُرید دونوں ہی کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

ایک دن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس آئے اور ان سے عرض کی کہ اے امیر المؤمنین آپ نے میرے لئے جو ماہانہ تنخواہ مقرر کی تھی اب اس میں میرا گزر و بسر مشکل ہے، لہٰذا میری ماہانہ تنخواہ میں اضافہ فرمادیجیئے بہ صورتِ دیگر میں بیت المال کے خزانچی کے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ یہ سُن کر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا اس طرح کرتے ہیں کہ آج رات میں فلاں امیر شخص کے گھر سے چوری کر کے آپ کو دے دیتا ہوں یہ بات سُن کر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بڑے غصہ کے انداز میں کہا کہ آپ امیر المؤمنین ہو کر مجھے چوری کا مال کھانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ اس ایک آدمی کے حق کا جواب تو قیامت کے دن میں دے دوں گا مگر میں

ساری اُمتِ مسلمہ کے حقوق کا جواب نہیں دے سکتا یعنی میں بیت المال سے موجودہ ماہانہ تنخواہ سے زیادہ آپ کو نہیں دے سکتا۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے جب اپنی ماہانہ تنخواہ میں اضافہ کرنے کی درخواست کی تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان سے کہا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے گھر تشریف لائیں میں وہاں آپ سے بات کرتا ہوں تو جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان کے ہاتھ میں آگ کا گرم انگارہ تھما دیا اور ان سے فرمایا کہ اسے مضبوطی سے تھامے رہیں مگر جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برداشت نہ ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگارہ پھینک دیا اور عرض کی کہ اے امیر المؤمنین! آپ نے میرا وظیفہ بڑھانے کی بجائے میرا ہاتھ جلا ڈالا اس کی کیا وجہ ہے تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں نے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صرف ایک ہاتھ جلایا ہے لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو میرے سارے بدن کو دوزخ کی آگ میں جلانے کے در پے ہیں کیونکہ جب میں دوسروں کا حق مار کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وظیفہ میں اضافہ کر دوں گا تو قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے جوابدہ ہوں گا۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کی جانب آتے ہیں کہ جو مُرید اپنے شیخ سے قبل از وقت خلافت کی تمنا کرتا ہے تو اس کی اس غلطی پر اس کے شیخ کا مؤاخذہ نہیں ہو گا کیونکہ مُرید خود اپنے ساتھ ظلم کر رہا ہے لیکن اگر شیخ دُنیاوی فائدے کی غرض سے مُرید کو خلافت نامہ عطا کر دیتا ہے تو مُرید کی استعداد کو ضائع اور برباد کر کے یہ شیخ اپنے آپ کو قیامت کے دن کے عذاب کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے۔ کیونکہ یہ

خلافت بھی ایک بیت المال ہے جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایک امانت ہے اور اس شیخ کے سپرد کی گئی ہے اور اس شیخ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو اس امانت کا اہل ہو یہ امانت اس کے حوالہ کریں نہ کہ کسی نا اہل کو۔ اور اگر کسی شیخ سے سہو یا نسیان سے اس امانت کے حوالہ کرنے میں کوتاہی ہو جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے عفو کی درخواست کرتا رہے اور اگر شیخ اچھی طرح جاننے کے باوجود کہ یہ اس کا اہل نہیں ہے یہ امانت کسی نا اہل کے حوالہ کر دے یعنی نا اہل کو خلافت کی اجازت عنایت کر دے تو اس شیخ نے گویا اپنے ساتھ بھی ظلم کیا اور اپنے اس مُرید کے ساتھ بھی، تو خدارا نہ تو کوئی شیخ اپنے کسی مُرید کو دوزخ کی آگ میں دھکیلے اور نہ ہی مُرید اپنے شیخ کو۔

طریقت کی تعلیمات یہ ہیں کہ اگر کوئی سالک اپنی باطنی کیفیات اور احوال اپنے شیخ کامل و مکمل سے عرض کرے تو شیخ کو چاہیئے کہ اچھی طرح مُرید کے باطن کی طرف متوجہ ہو اور دیکھے کہ آیا یہ مُرید صاحبِ علم ہے یا نہیں اور عقائدِ حقہ کو جانتا ہے یا بے علم ہے اور آیا طریقت اور شیخ کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کرتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کو اہل پائے تو خلافت عطا کرنے کا جواز بنتا ہے ورنہ خلافت نامے چھپوا کر تقسیم کرنے لگنا نہ صرف طریقت کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے بلکہ شریعت کے حکم کی بھی خلاف ورزی ہے۔

کیونکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء ۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو۔

اور اس مکتوب شریف میں سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اگر مُرشد اپنے مُرید کو خلافت کی اجازت عنایت کر دے تو پھر اس سے واپس چھین نہیں سکتا جس طرح اس زمانہ میں

دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کوئی مُرشد اپنے مُرید کو خلافت عنایت کر دے اور پھر مُرید اپنے مُرشد کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر دے تو وہ اس کے خلافت واپس لینے کا اعلان کر دیتے ہیں ہاں اگر خدانخواستہ کوئی خلیفہ خلافِ شریعت کام کرنے لگے اور مُرشد کے سمجھانے کے باوجود بھی وہ اس عمل سے کنارہ کشی اختیار نہ کرے تو ایسا خلیفہ خود بخود طریقہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۲۶

[اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مترتب ہے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں اپنے حقیقی بھائی میاں شیخ محمد مودود کی طرف لکھا ہے:

میرے عزیز بھائی کا خط پہنچ کر خوشی کا مؤجب ہوا۔ اے بھائی اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق دے۔ زندگی کی فرصت بہت تھوڑی ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر آنے والا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی اس فرصت کو بیہودہ اُمور کے حاصل کرنے میں صَرف کرے اور ہمیشہ کا رنج واَلم خریدے۔

اے بھائی! لوگ دُور دُور سے دُنیاوی اسباب کو چھوڑ کر مُور وملخ کی طرف آرہے ہیں، اور تم اپنے گھر کی دولت کی قدر نہ جان کر دُنیا کمینی کی طلب میں بڑے مزے سے باہر دوڑ رہے ہو اور بڑے شوق سے اس کے حاصل کرنے کے خواہاں ہو۔

حدیثِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:

الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔

ترجمہ: حیاء ایمان کی شاخ ہے۔[1]

اے بھائی! اہل اللہ کا اس طرح اکٹھا ہونا اور اس طرح للہ فی اللہ کی جمعیت جو آج سرہند میں میسر ہے اگر تمام جہان کے گرد پھرو تو بھی معلوم نہیں کہ اس دولت کا سواں (۱۰۰) حصہ بھی کہیں پا سکو۔ اور اس ماجرا و کیفیت کا کچھ حصہ حاصل کر سکو، تم نے اس دولت کو مفت ہاتھ سے کھو دیا اور قیمتی موتیوں کو چھوڑ کر بچوں کی طرح اخروٹ ومنقہ پر کفایت کی۔

---

[1](صحيح البخارى، ج ۱، ص ۱۳، المكتبة الفاروقية)

شرمت باداہزار شرمت بادا

ترجمہ: تمہیں ہزار بار شرم کرنی چاہیئے۔

اے بھائی! آئندہ وقت تک شاید فرصت نہ دیں، اور اگر دیں بھی تو اس قسم کے اجتماع کو قائم نہ رہنے دیں تو پھر کیا علاج ہو گا اور کس طرح تدارک ہو سکے گا، اور کس چیز سے تلافی حاصل ہو گی۔ تم نے خطا کی ہے اور غلط سمجھے ہو، چرب و شیریں لقموں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ اور قیمتی اور آراستہ کپڑوں پر دھوکہ نہ کھا جاؤ، ان کا نتیجہ دُنیاوآخرت میں حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں۔ اہل وعیال کی رضا مندی کے لئے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا اور آخرت کا عذاب اختیار کرنا، عقلِ دور اندیش سے دُور ہے۔ حق تعالیٰ تم کو عقل دے اور آگاہ کر دے۔

اے بھائی! دُنیا بے وفائی میں ضرب المثل ہے، اور اہلِ دُنیا خست اور کمینہ پن میں مشہور ہیں۔ پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسان اپنی قیمتی عمر کو اس بے وفا اور کمینی کے لئے خرچ کرے۔

مَا عَلَی الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ ۹۹)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

جو دولت کسی خاندان میں وافر مقدار میں موجود ہو، اُس خاندان میں عموماً عزت اور وقار کے لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی جاتی اور وہ دولت عدم توجہی کا شکار رہتی ہے اسی نقطے کو سمجھانے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب اپنے بھائی کو لکھا ہے کہ سلوک وجذبہ اور روحانیت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے میری صورت میں

تمہارے گھر سے جاری کیا ہوا ہے اس کی قدر کرو اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ گھر کی دولت کی بے قدری کرنا اور اس کے لئے باہر کی ساری دُنیا چھاننا عقلمندی نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ علماء کرام اور مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے گھرانے کے لوگوں کو چاہیئے کہ ظاہری وباطنی علوم کے جو چشمے ان کے گھروں سے پھوٹ رہے ہوں ان سے اپنے ظاہر وباطن کو سیراب کریں کیونکہ وقت اگر ہاتھ سے نکل جائے تو واپس نہیں آیا کرتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

اسْتَحْيُوا مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ. قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَسْتَحْيِي وَالحَمْدُ لِلَّهِ، قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ، وَلَكِنَّ الِاسْتِحْيَاءَ مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَى، وَالبَطْنَ وَمَا حَوَى، وَلْتَذْكُرِ المَوْتَ وَالبِلَى، وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَا مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کرو جیسا کہ اس سے شرم وحیاء کرنے کا حق ہے۔ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم اللہ سے شرم وحیاء کرتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: حیاء کا یہ حق نہیں جو تم نے سمجھا ہے، اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کرنے کا جو حق ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنے سر اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں ہیں ان سب کی حفاظت کرو اور اپنے پیٹ اور اس کے اندر جو چیزیں ہیں ان کی حفاظت کرو اور موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو یاد کیا کرو، اور جسے آخرت کی چاہت ہو وہ دُنیا کی زیب وزینت کو ترک کر دے پس

جس نے یہ سب پورا کیا تو حقیقت میں اسی نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کی جیسا کہ اس سے حیاء کرنے کا حق ہے۔[1]

(نورالخلائق، جلد چہارم)

[1](سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۳۷، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي -مصر)

مکتوب نمبر ۲۲۷

[بعض اُن پند و نصائح کے بیان میں جو مقامِ شیخی اور تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں، مُلّا طاہر لاہوری کی طرف لکھا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف پہنچا، خوشی کا مؤجب ہوا اور یاروں کے التذاذ اور حلاوت کا حال پڑھ کر نہایت ہی فرحت حاصل ہوئی۔

اے بھائی! حق تعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا اَمر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو۔ کیونکہ اس میں بڑی خرابی ہے۔ خلق کی نفرت اس ملامتی گروہ کے حال کے مناسب ہے جن کا دعوت اور شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے بَر خلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقامات کو آپس میں ملا دیں اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔]

تشریح

جب ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ بن گئے اور مُریدین کو دعوت وارشاد کا کام شروع کیا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان کو ہدایات کے طور پر یہ مکتوب صادر فرمایا جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں فرمایا کہ جس نعمت اور منصب پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فائز فرمایا ہے یہ ایک بہت ہی بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کا شکر یہ جتنا بھی ادا کیا جائے کم ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زمین پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ مقرر

ہو کر مخلوق کو دعوت الی اللہ کی طرف بُلا رہے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رکھیں اپنے آپ کو فرقۂ ملامتیہ اور فرقۂ قلندریہ کے ساتھ آراستہ نہ کریں اگرچہ فرقۂ ملامتیہ بھی اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں مگر یہ گروہ مقامِ تکمیل و شیخی سے منافی ہے ملامتہ فرقہ والے گندے کپڑے پہننا، ہاتھ، پاؤں اور گردن میں لوہے یا پیتل کے بنے ہوئے کڑے پہننا، یا لوگوں میں اپنے آپ کو اسلام کا ایک حقیر فرد جلوہ نما کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ اپنا ظاہر بالکل خراب رکھنے اور عبادات کو پوشیدہ و مخفی ادا کرنے کے قائل ہیں اور ایسے اعمال کرتے ہیں جو اکثر شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلاف ہوں اس لئے ان کے گروہ کو فرقۂ ملامتیہ کہا جاتا ہے۔ فرقۂ ملامتیہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دعوت الی اللہ کریں یا کسی کو مُرید بنائیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس طاہر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ ہدایت فرمارہے ہیں کہ یاد رکھیں کہ فرقۂ ملامتیہ کے ساتھ نشست وبرخاست نہ کریں اس طرح نہ ہو کہ ایک طرف تو آپ مقامِ تکمیل و شیخی والے اعمال کررہے ہوں اور دوسری طرف اپنے آپ کو ملامتیہ قرار دیں کیونکہ فرقۂ ملامتیہ کا عقیدہ رکھنے والے سے نہ تو کوئی فیض لے سکتا ہے اور نہ ہی یہ کسی سے فیض لے سکتے ہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ کوئی نشست وبرخاست رکھے تو وہ صرف اور صرف اپنے وقت اور عمر کے ضیاع کے علاوہ اور کچھ نہیں کررہا۔

دوسرا فرقۂ قلندریہ ہے جو صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فرائض کو سرانجام دیتا ہے اور سُنتوں سے روگردانی کرتا ہے۔

عقائد کی جتنی بھی کُتب ہیں اُن میں اس طرح کے گمراہ فرقوں کا عقیدہ رکھنے کی تردیدیوں فرمائی گئی ہے کہ:

(ولا يصل العبد) ما دام عاقلاً بالغاً (إلي حيث يسقط عنه الأمر والنهي) لعموم الخطابات الواردة في التكاليف وإجماع المجتهدين علي ذلک، وذهب بعض الإباحيّين

إلي أنّ العبد إذا بلغ غاية المحبّة و صفاء قلبه, و اختار الإيمان علي الكفر من غير نفاق سقط عنه الأمر و النهي, و لا يدخله الله النار بارتكاب الكبائر, و بعضهم إلي أنه تسقط عنه العبادات الظاهرة, و تكون عبادته التفكّر, وهذا كفر و ضلال فإنّ أكمل الناس في المحبّة و الإيمان هم الأنبياء خصوصاً حبيب الله تعالي، مع أنّ التكاليف في حقّهم أتَمّ و أكمل، و أمّا قوله عليه السلام: ((إذا أحبّ الله عبداً لَم يضرّه ذنب)) فمعناه أنه عصمه من الذنوب فلم يلحقه ضررها۔

ترجمہ: اور بندہ ایسے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ اس سے امر و نہی ساقط ہو جائیں بشر طیکہ وہ عاقل وبالغ ہو (امر و نہی کے سلسلہ میں) وارد خطابات عام ہیں اور اس پر مجتہدین کا اجماع ہوا ہے۔ اور بعض اباحیین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ بندہ جب محبت اور صفائیٔ قلب کی انتہاء کو پہنچ جائے اور بغیر نفاق کے ایمان کو کفر پر ترجیح دے تو اس سے امر و نہی ساقط ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو کبائر کے ارتکاب کے سبب جہنم میں داخل نہیں فرمائے گا اور بعض (اباحیین) اس طرف گئے ہیں کہ اس سے ظاہری عبادات (یعنی نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ) ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور ایسے بندے کی عبادت صرف تفکر ہے، حالانکہ یہ کفر وضلالت ہے۔ کیونکہ محبت اور ایمان میں سب لوگوں سے زیادہ کامل حضراتِ انبیاء علیہم السلام ہیں، خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اَتم واَکمل طریقے سے عبادت کے مکلف تھے۔ رہا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ فرمانا کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرلے تو اس کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (بندے) کو گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے، جس کی بناء پر اسے گناہ کا ضرر لاحق نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۳۳۵، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كره، الهند)

اور اباحیین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ بعض محرمات کو مباح قرار دیتے ہیں۔

[اور مُریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو متجمل یعنی رُعب واَدب سے آراستہ وپیراستہ رکھیں، اور مُریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور اُنس اختیار نہ کریں کہ خفت اور سُبکی کا مؤجب ہے اور افادہ اور استفادہ کے منافی ہے۔ اور حدودِ شرعیہ کی اچھی محافظت کریں اور جہاں تک ہو سکے رُخصت پر عمل تجویز نہ کریں کہ یہ اس طریقہ عُلیہ کے منافی اور سُنتِ سُنیہ کی تابعداری کے دعویٰ کے مخالف ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''مُریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو متجمل یعنی رُعب واَدب سے آراستہ وپیراستہ رکھیں۔ اور مُریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور اُنس اختیار نہ کریں'' اس سے کوئی یہ مراد نہ لے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ کوئی شیخ اپنے مُریدین سے بات چیت ہی نہ کرے، ان کے سامنے یا ان کے ساتھ کھانا پینا نہ کرے یا مُریدین کے ساتھ تھوڑی دیر خاموش بیٹھ کر واپس چلا جائے تاکہ ان پر رُعب پڑا رہے وغیرہ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلاف، طریقت اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے احکام وفرمودات اور اوامر کے علاوہ لایعنی کاموں میں اپنے وقت کا ضیاع نہ کرے۔ یہاں میل جول سے یہی مراد ہے کہ خلافِ شریعت کام کرنے سے ایک تو گنہگار ہوگا اور دوسرے یہ کہ ایسا شیخ اپنے مُریدین کی آنکھوں میں حقیر نظر آئے گا۔ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ سارا سارا دن تشریف فرما رہتے اور ان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات بیان فرماتے رہتے۔

[ایک بزرگ نے فرمایا کہ رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ "عارفوں کا ریا مُریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے" کیونکہ عارفوں کا رِیا طالبوں کے دلوں کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف کھینچنے کے لئے ہوتا ہے، پس ضرور مُریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوگا۔ اور نیز عارفوں کے اعمال طالبوں کے لئے اعمال بجالانے میں مؤجبِ تقلید ہیں۔ اگر عارف خود عمل نہ کریں تو طالب محروم رہیں گے۔

پس عارف اس واسطے ریا کرتے ہیں تاکہ طالب ان کی اقتداء کریں، یہ ریا عین اخلاص ہے۔ بلکہ اُس اخلاص سے بہتر ہے جو اپنے نفع کے لئے ہو۔

اس بات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ عارفوں کے عمل محض طالبوں کی تقلید کے لئے ہیں، اور عارفوں کو عمل کی حاجت نہیں ہے۔ نعوذ باللہ منہا یہ الحاد و زندقہ ہے۔ بلکہ عارف اعمال کے بجالانے میں طالبوں کے ساتھ برابر ہیں، اور اعمال کے بجالانے سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ بسا اوقات عارفوں کے اعمال میں طالبوں کا نفع مدِ نظر ہوتا ہے جو تقلید پر وابستہ ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ریا کہتے ہیں۔

غرض قول و فعل میں بڑی محافظت کریں کیونکہ اس زمانے میں اکثر لوگ فساد و ہنگامہ کے دَر پے ہیں۔ کوئی ایسا کام سَر زد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو اور جاہل لوگوں کو بزرگوں کے طعن کا موقع مل جائے، اور حضرت حق تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہا کریں۔

دوسرے یہ کہ آپ نے مشائخ کی نسبتوں کے حاصل ہونے کے بارے میں لکھا تھا، اس کی وجہ کئی دفعہ رُوبرو آپ سے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہ سمجھیں کہ اس میں خیریت نہیں ہے اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''ایک بزرگ نے فرمایا کہ رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ ''عارفین کا ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے'' جن کاموں میں عوام الناس ملوث ہوں شیخ کو اُن اُمورات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر عام لوگ نامحرم عورتوں کی طرف دیکھنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، تہمت لگانا، سُود خوری کرنا، رشوت سے مال کمانا، حقوق العباد کا خیال نہ رکھنا، قطع تعلقی اختیار کرنا، چرس، سگریٹ اور حُقہ پینے جیسے اعمال وافعال فاسدہ سے اجتناب نہیں کرتے شیخ کو چاہیئے کہ خود کو ان اعمال وافعال سے دور رکھے۔

پس شیخِ مُقتداء پر لازم ہے کہ مُریدین کی نظروں میں اپنے آپ کو اوامرِ شرعیہ سے متجلل وآراستہ رکھے تاکہ اس کا یہ عمل مُریدین کی تشویش وجلب کا سبب بنے نہ کہ ان کی نفرت وبیزاری کا سبب۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر مُرشد اکمل واتم فناوبقا پر مشرف ہو تو اس کا ظاہری متجلل وآراستہ ہونا اس کے باطن پر کسی قسم کی بُری تاثیر نہیں کرتا کیونکہ یہ عارف اَکمل واَتم فناوبقا کے سبب عُجب وکبر وریا، خواہشاتِ نفسانی اور اخلاقِ سوء سے محفوظ ہوتا ہے بلکہ تجمل کی حالت میں بھی اس کی عبادات اُموراتِ شرعیہ سے ہوتی ہیں۔

اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

خُذُوا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الأعراف ۳۱)

ترجمہ: اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں مَسْجِدٍ سے مراد نماز ہے۔ جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے جیسے وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ میں رکوع سے مراد نماز ہے اور اسی طرح فَاقْرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل ۲۰) میں قرآن سے مراد بھی نماز ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۲۸

[بعض نصیحتوں کے بیان میں جو مقامِ تکمیل اور تعلیمِ طریقت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے مناسب اُمور کے بیان میں میر نعمان کی طرف لکھا:

میرے بھائی سیادت پناہ کا مکتوب پہنچا، خوشی کا باعث ہوا۔ اے بھائی کئی دفعہ آپ کو کہا گیا ہے کہ اس طریق کا مدار دو اُصولوں پر ہے۔

ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنی کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہوں۔

دوسرے شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں۔ بلکہ اس کے تمام حرکات وسکنات مُرید کی نظر میں زیبا اور محبوب دِکھائی دیں۔

خدا محفوظ رکھے کہ ان اُمور میں سے جو ان دو اصلوں کے متعلق ہیں کسی اَمر میں خلل واقع نہ ہو اور اگر اللہ کی مہربانی سے یہ دو اصل درست ہوگئے تو دُنیا وآخرت کی سعادت نقد وقت ہے۔ اور بھی بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کو مدِ نظر رکھنے میں بڑی احتیاط کریں اور بڑی عاجزی اور زاری سے پہلی کوتاہیوں کا تدارک کریں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اس طریق کا مدار دو اصولوں پر ہے ایک شریعت۔۔۔ اور دوسرا شیخِ طریقت کی محبت واخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم۔۔۔ الخ'' جو سالک ان دو اُصولوں یعنی شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

پر عمل اور شیخِ طریقت سے محبت واخلاص پر کاربند رہا وہ کبھی بھی گمراہی کے دلدل میں نہیں پھنس سکتا اس سے کوئی افرادِ طریقت مراد نہ لے بلکہ اس سے مراد صرف اور صرف طریقت ہے کیونکہ افراد تو مختلف ذہنوں کے مالک ہوتے ہیں جو کئی طریقوں سے شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بلکہ یہاں طریقت یعنی طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اور طریقۂ عالیہ قادریہ (کہ یہ دونوں اصل ہیں) کے ساتھ محبت واخلاص مراد ہے اس سے پہلے مکتوب نمبر ۲۲۷ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے تمہید رکھی کہ شیخ کوئی ایسا عمل نہ کرے جو مُریدین کی نفرت کا باعث ہو، اور اس کے بعد اس مکتوب میں فرمایا کہ مُرید شیخِ طریقت کی تابعداری کرے اور شیخِ طریقت پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ مُرید کو چاہیئے کہ شیخِ طریقت کی تمام حرکات وسکنات کو اپنی نظر میں محبوب وزیبا گردانے۔

[اور رمضان شریف کے اَخیر عشرہ کا اعتکاف جو ایک دفعہ آپ سے ترک ہو گیا تھا، اس کی قضا کی نیت پر اس ذی الحج کے عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں تاکہ اس نیت سے سُنت پر عمل کر سکیں۔ اور اس عشرۂ اعتکاف میں گریہ وزاری اور عجز ونیاز سے اپنی تقصیروں اور کوتاہیوں کی عذر خواہی کریں۔ فقیر بھی ان شاءاللہ اس عشرہ میں آپ کی مدد کرے گا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "رمضان شریف کے اخیر عشرہ کا اعتکاف جو ایک دفعہ آپ سے ترک ہو گیا تھا، اس کی قضا کی نیت پر اس ذی الحج کے عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں تاکہ اس نیت سے سُنت پر عمل کر سکیں"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ فِي العَامِ المُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے، ایک مرتبہ اعتکاف نہ فرما سکے تو آئندہ سال بیس دن تک اعتکاف میں بیٹھے۔[1]

حضرات آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے کہ اعتکاف کی قضا لازم ہے یا نہیں۔ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اعتکاف گاہ میں بہ نیت اعتکاف داخل ہونے سے لازم ہوتا ہے لہٰذا اس کو پورا کرنا ضروری ہے، اگر توڑ دیا تو قضاء ضروری ہے۔ حضراتِ احناف کا مسلک یہ ہے کہ نفلی اعتکاف کی قضاء لازم نہیں البتہ مسنون کی قضاء لازم ہوگی۔ باقی اعتکافِ واجب کی قضاء بالاتفاق واجب ہے۔

[اجازت نامہ کے لکھنے میں جو آپ اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں اس سے آپ کا مقصود کیا ہے؟ طریقۂ تعلیم کرنے کی اجازت جو آپ کو دی گئی ہے اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کرے گا؟ یہ لازم نہیں کہ جو کچھ دِل میں گزرے اس کے واسطے کوشش کرنے لگ جائیں۔ کئی ایسی باتیں دل میں گزرتی ہیں جن کا ترک کرنا بہتر اور مناسب ہوتا ہے۔ نفس بڑا ضدی ہے، جس اَمر کو اختیار کرتا ہے اس کے پورا کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کے حق وباطل ہونے کا لحاظ نہیں

[1](سنن الترمذی، ج ۳، ص ۱۵۷، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي -مصر)

کرتا۔ یہ چند باتیں آپ کی خاطر لکھی گئی ہیں، حق تعالیٰ آپ کو نفع دے۔ بھائی صاحب اپنے کام کی فکر کرنی چاہیئے تاکہ جہان سے ایمان سلامت لے جائیں۔ اجازت نامہ اور مُرید کچھ کام نہیں آئیں گے، ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص سچی طلب سے آجائے تو اس کو طریقہ سکھادیں نہ یہ کہ طریقت کی تعلیم کو اپنے کام کا اصل خیال کریں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع بنادیں کہ اس میں سراسر ضرر اور خسارہ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اجازت نامہ کے لکھنے میں۔۔۔۔۔ اس سے آپ کا مقصود کیا ہے؟ طریقہٗ تعلیم کرنے کی۔۔۔۔۔ تو اجازت نامہ کیا کرے گا؟'' میر نعمان خلافت کی اجازت ملنے کے باوجود بھی اس تگ ودَو میں تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس انہیں تحریر شدہ خلافت نامہ ارسال کریں تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے انہیں فرمایا کہ اگر آپ کے لطائف میں میری اجازت کا اثر پیدا نہیں ہوا ہے تو اگر میں خلافت نامہ لکھ کر ارسال بھی کردوں تو اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ اور اگر آپ کے لطائف میں میری اجازت کا اثر موجود ہے تو وہی خلافت سُود مند ہے نہ کہ تحریر شدہ خلافت نامہ۔ اس لئے آپ اس بات پر اصرار نہ کریں یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ کی اس حرکت سے میرے دِل میں یہ بات گزرتی ہے کہ شاید آپ کو تصوف یا میرے مجدد ہونے میں کسی قسم کا تردّد ہے اگر آپ کو ان دونوں باتوں میں کسی قسم کا شک وشبہ ہے تو پھر اگر میں تحریر شدہ خلافت نامہ بھی ارسال کردوں تو وہ آپ کے کسی کام نہیں آئے گا۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۲۹

[میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ہمارا طریق بعینہٖ حضرت ایشان قدس سرہ کا طریق ہے اور ہماری نسبت وہی نسبت ہے۔ لیکن صناعت کا کامل ہونا اور نسبت کا تمام ہونا بہت سی فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پَے در پَے آنے پر موقوف ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف جو اپنے مخلص مشتاق کے نام لکھے ہوئے تھے، پے دَر پے پہنچ کر بڑی خوشی اور زیادہ محبت کا باعث ہوئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ ''اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے''۔

مجمل طور پر بعض شبہات وتردیدات جو آپ نے لکھے تھے اُن کا جواب یہ ہے کہ ہمارا طریق وہی حضرت ایشاں یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا طریق ہے۔ اور ہماری نسبت آنحضرت ہی کی شریف نسبت ہے، اس طریق سے بڑھ کر عالی اور کون سا طریق ہے؟ اور اس نسبت سے زیادہ بہتر اور مناسب اور کون سی نسبت ہے کہ کوئی اس کو اختیار کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر صناعت کی تکمیل اور ہر نسبت کی تتمیم مختلف فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے درپے آنے پر منحصر ہے۔ مثلاً وہ نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھی وہ اب متأخرین کی فکروں کے ملنے سے دوچند زیادہ ہوگئی ہے۔ اور یہ علم بہت کامل اور صاف ہوگیا ہے حالانکہ یہ وہی سیبویہ کی نحو ہے جس کو متأخرین کی فکروں نے پہلے کی نسبت زیادہ آراستہ وپیراستہ کر دیا ہے۔

شیخ علاؤ الدولہ قدس سرہٗ کا مقولہ آپ کے مبارک کانوں تک پہنچا ہو گا۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں اُسی قدر رستہ زیادہ نزدیک اور روشن ہو گا۔

اس نسبت عُلیہ پر اس قسم کی زیادتی نے جو آراستگی اور پیراستگی کے طور پر پیدا ہو گئی ہے بہت لوگوں کو تخیلات میں ڈال رکھا ہے۔ اصل معاملہ یہی ہے جس میں تکلف اور بناوٹ کو دخل نہیں۔

آپ اس فقیر کے مکتوبات اور رسالوں کو دیکھیں کہ اس طریق کو اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ وتقدس علیہم اجمعین کا طریق ثابت کیا ہے۔ اور اس نسبت کو سب نسبتوں سے بڑھ کر مُدلل بیان کیا ہے۔ اور اس طریقِ عالیٰ اور اس طریق کے بزرگواروں کی تعریف اور مدح اس طرح پر کی ہے کہ اس بزرگ خاندان کے خلفاء میں سے کسی کو اس کا سواں حصہ بیان کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی اور نیز یہ فقیر روزمرہ اور نشست وبرخاست میں اس طریق کے آداب ولوازم کی رعایت کو پورے طور پر کرتا ہے اور سَر مُو مخالفت اور نئی بات کو پسند نہیں کرتا بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ نے یہ سب ہنر نظر انداز کر دیئے ہیں اور اگر بالفرض آزار کے دِنوں میں بعض یاروں کی نسبت کلمہ وکلام میں کوئی نامناسب بات کہی گئی ہو اور آپ کی نظر میں آئی ہو تو پھر بھی تعجب ہے کہ آپ اس قسم کی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں اور صرف سُن کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، اگر حُسنِ ظن ہے تو کیا اس جماعت سے مخصوص ہے یا شاید میں ہی حُسنِ ظن کے قابل نہیں ہوں۔

الغرض اگر گفت وشنود پر ہی مدار ہے، تو پھر چلغوزوں کے ہاتھ سے خلاصی ناممکن ہے اور اخلاص کی کوئی توقع نہیں ہے، آپ گفت وشنید سے دَر گزر کریں اور گزشتہ اُمور کو یاد میں نہ لائیں تاکہ اخلاص متصور ہو اور پُرانی کلفت رَفع ہو جائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضراتِ پیر زادوں کی تربیت کا وقت آ گیا ہے، اور حضرت ایشاں قدس سرہٗ کی وصیت کو یاد دلایا تھا۔

اے میرے مخدوم ومکرم! اس میں خادموں کی سعادت ہے کہ اپنے مخدوم زادوں کی خدمت سے کامیاب ہوں۔ لیکن اس مدت میں معلومہ رکاوٹوں کے باعث ظاہری خدمت سے دُور رہا۔ اور وصیت کے وقت کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ اور اب اگر آپ جانتے ہیں کہ کوئی مانع نہیں ہے اور گفت وشنود کا رستہ بند ہو گیا ہے، تو فرمائیں تاکہ بندہ چندروز آکر اس خدمت میں مشغول رہے اور اگر اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے تو جانتا ہے کہ اس کام میں صرف وصیت کا حکم بجالانا مقصود ہے ورنہ آپ کی ظاہری باطنی تربیت اُن کے لئے کافی ہے کسی اور کی حاجت نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ برادرم مولانا عبد اللطیف فرماتے تھے کہ میاں محمد قلیج نے بڑے مخدوم زادہ کی ظاہری تعلیم وتربیت کو اپنے ذمے لے لیا ہے، اور آپ نے بھی اس کی بات کو پسند فرمایا ہے۔ اس بات کو سُن کر بہت تعجب ہوا، اور اگر وہ اپنی نارسائی کے باعث اس بارہ میں کچھ خیال کرے تو خیر مگر آپ کیسے تجویز کرتے ہیں مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہیں محمد قلیج کا آزار کسی اور جگہ سرایت کر جائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں بعض معترضین کے اعتراض کا جواب دیا ہے چونکہ ہر زمانہ میں صوفیاء کرام کو ماننے اور نہ ماننے والے دونوں ہی طرح کے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں بھی معترضین نے آپ رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ پر یہ اعتراض کیا کہ تصوف میں جس طرح کے احوال ومواجید آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس طرح بیان نہیں کئے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ان معترضین کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا طریقہ ونسبت وہی طریقہ ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا طریقہ اور نسبت تھی، یعنی طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کیونکہ اس طریقہ مبارکہ میں جو لطائف، اذکار، نفی اثبات اور مراقبات کا طریقہ کار تھا میں نے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے طریق ونسبت سے بڑھ کر اور کوئی طریق ونسبت نہیں ہے کیونکہ اس طریق کی نسبت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی شریف نسبت سے ہے مگر بعض چیزیں جو میں نے اس طریق ونسبت میں بیان کی ہیں وہ میرے کشف وشہود میں وارد ہوئیں اور یہ اس طریق ونسبت کی تکمیل کی باتیں ہیں جو اُس وقت بیان نہ ہو سکیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے احوال ومواجید، ولایات اور مراقبات کو جس کشفی انداز میں بیان فرمایا آج تک مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے اس طرح بیان نہیں کیا اور اس کی مثال میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فا، عین اور لام (فَعَلَ) یعنی ان تین حروف سے ساری صَرف ونحو کو ترتیب دیا ہے اس کے بعد سیبویہ نے اس میں مزید کام کیا اور وہ صَرف ونحو جو سیبویہ کے دور میں موجود تھی وہ متأخرین کی فکروں کے ملنے سے دوچند زیادہ اور بہت کامل اور صاف ہوگئی ہے۔ یہ متأخرین کی افکار ہی کا کمال تھا جس نے پہلے کی نسبت اسے زیادہ آراستہ وپیراستہ کر دیا۔ بالکل اسی طرح میں نے بھی اس طریق

ونسبت کو ایک حُسن دیا ہے نہ کہ اس میں کسی قسم کی کمی ہے بلکہ مجھے کشف وشہود کے ذریعے سے جن باتوں کے بارے میں معلومات عطا کی گئی ہیں میں نے وہی بیان کی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر رستہ زیادہ نزدیک اور روشن ہوگا" کچھ لوگ یوں کہا کرتے تھے کہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مُرید بننے کی بجائے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مُرید کیوں نہ بنوں یا حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلیفہ کے خلیفہ کا مُرید بننے کی بجائے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مُرید کیوں نہ بنوں؟ غور فرمائیں کہ اگر کوئی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مُرید ہو تو اس کا ایک واسطہ اور وسیلہ ہوگا اور اگر کوئی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ کے خلیفہ سے مُرید ہو تو ان کے درمیان تین واسطے اور وسیلے ہوں گے اور یہ تینوں حضرات اس مُرید کو اپنی توجہات اور دُعاؤں میں یاد رکھیں گے جیسا کہ اس مکتوب میں فرمایا گیا ہے کہ جتنے واسطے اور وسیلے زیادہ ہوں گے اتنا ہی وہ طریق ونسبت بدعت اور کمی سے پاک، نزدیک تَر اور زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ کیونکہ واسطے اور وسیلے جتنے زیادہ ہوں سود مند ہیں اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ہر علاقے میں اسی علاقے کے خلیفہ کو اپنے مُریدین کی تربیت کے لئے مقرر کیا تھا کہ ان علاقوں کے لوگ میرے پاس نہ آئیں بلکہ میرے ان خلفاء کے پاس جائیں اور ان کی صحبت میں اُن مریدوں کو وہی فیض ملے گا جو میرے سینے میں ہے، اور اگر شیخ کی ہدایات کے باوجود بعض مُریدین کسی صاحبِ توجہ کی مجلس میں نہیں بیٹھتے تو اسے عجب کہا جاتا ہے جو ان کے لئے خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ کا سبب بنتا ہے۔

عُجب اور تکبر میں فرق کا جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ:

عُجب اور تکبر اگرچہ یہ دونوں معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں لیکن ایک باریک فرق ان کے درمیان موجود ہے اور وہ یہ کہ عُجب خود پسندی کو کہا جاتا ہے اور تکبر خود پسندی کے علاوہ دوسروں پر تعلّی اور اپنی بڑائی جتانا ہے۔ یعنی جب انسان اپنے آپ میں کوئی کمال اور اچھائی دیکھتا ہے تو اس پر خوش اور مغرور ہوتا ہے، اس حالت کو عُجب کہتے ہیں بہ الفاظ دیگر عُجب میں انسان صرف اپنی ذات کو دیکھتا اور اپنی کسی خوبی پر مغرور ہوتا ہے جبکہ تکبر میں غرور اور فخر کا دائرہ اپنی ذات سے بھی وسیع تر ہو کر دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی دیکھتا ہے اور ان پر اپنی فضیلت اور بڑائی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا (التوبة ۲۵)

ترجمہ: بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اِترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔

روی ابو الشیخ والحاکم وصححه والبزار وابن مردوية عن انس قال لما اجتمع يوم حنين اهل مكة واهل المدينة أعجبتهم كثرتهم فقال القوم اليوم والله نقاتل ولفظ البزار قال غلام من الأنصار لن تغلب اليوم من قلة فماهو الا ان لاقينا عدونا فانهزم القوم وولوا مدبرين وفي روايته يونس بن بكر في زيادات المغازي كره رسول الله صلى الله عليه وسلم ما قالوا وما أعجبتهم كثرتهم وكذا روى ابن المنذر عن الحسن وذلک قوله تعالى إذ أعجبتكم كثرتكم۔

ترجمہ: حضرت ابو الشیخ، حاکم، بزاز اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے کہ جب حُنین کے دن مکہ اور مدینہ والے جمع ہو گئے تو ان کو اپنی کثرت پر ایک طرح کا گھمنڈ ہو گیا اور لوگ کہنے لگے بخدا آج ہم لڑیں گے۔ بزار کی روایت میں آیا ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم مغلوب نہ ہوں گے اور جوں ہی مقابلہ ہو گا دُشمن شکست کھا کر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ یونس بن بکر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ان لوگوں کا یہ قول اور کثرتِ تعداد پر غرور ناپسند ہوا۔ ابن المنذر نے حسن کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ سے یہی مراد ہے (یعنی مکہ اور مدینہ والوں کا جمع ہو کر اپنی کثرت پر گھمنڈ کرنا اور خوش ہونا)۔ [1]

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

ترجمہ: جو شخص اپنی عبادات پر اتنا مغرور ہو جائے کہ اس سے غم وہم دور ہو جائے تو یہ عُجب ہے عُجب ہے عُجب ہے۔

عُجب کرنے والا شخص ایسے شخص سے بھی بد تَر ہے جو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو کیونکہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب شخص گناہ کرنے کے بعد ندامت محسوس کرتا ہے اور پھر توبہ کرلیتا ہے۔ لیکن جس شخص میں عُجب موجود ہو وہ کہتا ہے کہ مجھ سے گناہ نہیں ہوتا بھلا مجھ سے کون بہتر ہے اور نہ تو اسے ندامت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی وہ توبہ کرتا ہے تو ایسے شخص پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فیض منقطع ہو جاتا ہے یونہی مُریدین کے لئے خلفاء کے ساتھ (جو صاحبِ توجہ ہوتے ہیں) عُجب کرنا بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] (التفسیر المظھری، ج۴، ص ۱۵۸، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ - الباکستان)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

استأذنت النبي صلى الله عليه وسلم في العمرة فأذن لي، وقال: «يا أخي أشركنا في دعائک ولا تنسنا»، فقال كلمة ما يسرني أن لي بها الدنيا۔

ترجمہ: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مجھے اجازت عطا فرمادی اور فرمایا اے میرے بھائی ہمیں بھی اپنی دُعا میں شریک رکھنا بھولنا نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایسے الفاظ فرمائے کہ مجھے ان کے بدلے ساری دُنیا بھی مل جائے تو پسند نہیں۔ [1]

اور حال یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صغیرہ وکبیرہ گناہوں اور قبیح اعمال سے قبل از نبوت بھی اور بعد از نبوت بھی پاک اور معصوم ہیں لیکن اس بات کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عاجزی وانکساری کا یہ حال ہے کہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دُعا کے اُمیدوار ہیں لہٰذا ہمیں بھی اس طرح کے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

---

[1] (شرح السنة للبغوی، ج۵، ص ۱۹۹، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

مکتوب نمبر ۲۳۰

[شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

ہمت بلند رکھنے اور اس چیز پر جو حاصل ہو کفایت نہ کرنے میں بلکہ جو کچھ معلوم و مشہود ہو اس کی نفی کرنے اور معبودِ بیچون و بیچگون کے ثابت کرنے میں جو دید و دانش سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے بزرگ احوال میاں بابو نے آپ کے کہنے کے مطابق بتائے اور ان کی حقیقت دریافت فرمائی اس لئے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال ابتدائی مراتب میں اس راہ کے مبتدیوں کو بہت حاصل ہوتے ہیں، لیکن ان کا کچھ اعتبار نہیں کرتے بلکہ ان کی نفی کرتے ہیں۔ وصل کجا اور نہایت کونسی۔

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَ دُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ حُیُوْفُ

ترجمہ: سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور ان کے درمیان نشیب و فراز واقع ہیں۔

اللہ تعالیٰ بے کیف اور بے مثل ہے، اور جو کچھ دید و دانش اور شہود و مکاشفہ میں آئے اس کا غیر ہے وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔ آپ اس راہ کے زومویز (معمولی چیزوں) پر بچوں کی طرح ہرگز فریفتہ نہ ہو جائیں، اور نہایت کو پالینے پر مغرور نہ ہوں، اور احوال و واقعات کو ناقص مشائخ کے پاس ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ یہ اپنی سمجھ کے موافق تھوڑے کو بہت خیال کرتے ہیں اور بدایت کو نہایت شمار کرتے ہیں۔ پس طالبِ مستعد اپنے کمال کے خیال میں پڑ جاتا ہے، اور اس کی

طلب میں فتور آجاتا ہے۔ شیخِ کامل کی تلاش کرنی چاہیئے اور اپنے باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہیئے، اور جب تک شیخِ کامل نہ ملے چاہیئے کہ ان احوال کو لَآ کے نیچے لاکر نفی کریں اور معبودِ برحق کا جو بیچون وبیچگون ہے اثبات کریں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سُنا گیا اور جانا گیا یہ سب اس کا غیر ہے کلمہ لَآ سے اس کی نفی کرنی چاہیئے۔ آئندہ جو کچھ ظاہر ہو، اس کی نفی بھی کریں کہ وہ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے، اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنٰی کے تکلم کے سوا کچھ ہاتھ میں نہ ہو۔ اس طریقت کے بزرگواروں کا طریق یہی ہے۔

وَ السَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ الْتَزَمَ مَتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا

اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

مولانا محمد یوسف برکی جو کہ ایک عالم تھے اور افغانستان کے صوبہ لوگر کے شہر میں مدفون ہیں بہت صاحبِ کمال بزرگ ہو گزرے ہیں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے نفی اثبات کا ذِکر ملنے سے پہلے اور نفی اثبات کے درمیانی عرصہ میں جو کیفیات اور کشفیات وارد ہوئیں ان کی عرض داشت پیش کی ہے کہ میں کشف وشہود اور خواب میں ایسے حالات اور کیفیات دیکھتا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان کے جواب میں تنبیہ کے طور پر یہ مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ تنبیہ یہ کی گئی ہے کہ کہیں غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ

یہ بزرگی اور ولایت نہیں ہے اور نہ ہی اصل ہے بلکہ اصل معاملہ کچھ اور ہے آپ کو چاہیئے کہ نفی اثبات کے ذریعہ سے ان سب کیفیات کی نفی کریں کیونکہ ان کیفیات میں آپ رحمانی اور شیطانی کیفیات کا فرق نہیں کرسکتے وصلِ حق تعالیٰ کجا یہ کیفیات وشہود تو جذبہ ٔبدایت ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

کہ ماپست قامتان کوتاہ دست

تو درخت بلند بالائی

ترجمہ: ہمارا قد اور ہاتھ دونوں ہی چھوٹے ہیں اور اے اللہ تیری ذاتِ بابرکات ہم سے بہت بلند وبالا اور وراء الوراء ہے۔

اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ:

ہنوز ایوان استغنا بلند است

مرا فکر رسیدن ناپسند است

ترجمہ: ابھی تک ہم سے مقامِ وصل بہت ہی بلند وبالا ہے اور جو کہے کہ میں پہنچ گیا ہوں تو یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۳۱

[میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالوں کے جواب میں جو آپ سے کئے گئے تھے اور جن میں پوچھا گیا تھا کہ وصول اور حصول کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور وہ اسماء جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں اولیاء کے تعینات کے مُبادی بھی وہی اسم ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے؟ اور آپ سے پوچھا گیا تھا کہ مشائخِ نقشبندیہ ذکرِ جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے حالانکہ ذوق وشوق بخشتا ہے اور چیزوں سے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں مثلاً لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَ نُسَلِّمُ عَلَیۡہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الۡکِرَامِ

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور اس کی آل بزرگوار پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے دو مکتوب شریف پے دَر پے پہنچے، پہلا مکتوب تو سوزش اور اضطراب کی خبر دیتا تھا، لیکن دوسرا مکتوب اس سے ملائم اور شوق وسرگرمی سے بھرا ہوتا تھا۔

میرے دوست آپ نے اس وقت جب کہ میر سعد الدین روانہ ہوئے خط کا جواب طلب کیا بندہ اس وقت یہاں تک بے دماغ اور مقبوض تھا کہ اپنے ہاتھ سے خط نہ لکھ سکتا تھا۔ مولانا یار محمد جدید کو لکھنے کے لئے کہا، بے دماغی کے وقت اگر کوئی نامناسب کلمہ لکھا گیا ہو تو معاف فرمائیں آپ کو چاہیئے کہ تھوڑی سی بات سے نہ بگڑ جائیں اور معاملہ کو درہم برہم نہ کریں۔ خُدا نہ کرے کہ کسی قسم کا ازالہ

درمیان ہو یار نجش ورُو گردانی کے باعث کچھ لکھا جائے۔ہاں اگر نصیحت کے طور پر کچھ لکھا جائے تو خوش حال ہونا چاہیئے۔

آپ کے دوسرے خط نے بہت ہی خوش کیا، حرارت ہر کام میں درکار ہے، پژمردگی اور افسردگی دُشمنوں کے نصیب ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ حصول اور وصول کے درمیان جو فرق ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا۔

اے بھائی! حصول باوجود بُعد کے متصور ہے اور وصول متعذر ودُشوار ہے۔ عنقا کو جب ہم صورتِ مخصوصہ سے تصور کرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوتِ مدرکہ میں حاصل ہے۔لیکن عنقا تک وصول ثابت نہیں ہے۔کیونکہ ظلیت جو مرتبۂ ثانی میں اُس شے کے ظہور سے مراد ہے۔ اس شے کے حصول کی منافی نہیں ہے، لیکن شے کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لا سکتا، پس دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو گیا۔

اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ اسماء جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کا مبدأ ہیں، وہی اسماء اولیاء کے تعینات کا بھی مبدأ ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے۔

اے عزیز! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ان اسماء کے کلیات ہیں اور اولیاء کے تعینات کے مبادی ان اسماء کی جزئیات ہیں جو ان کلیات کے تحت میں مندرج ہیں۔اور ان اسماء کی جزئیات سے مراد وہی اسماء ہیں جو قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ جیسے کہ کسی شے کے ساتھ ارادہ بے قید اور ارادہ مقید ہوتا ہے۔اور چونکہ اولیاء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث ترقی واقع ہوتی ہے، اس لئے اس قید کو دُور کر کے مطلق کے ساتھ مل جائے گا۔ فقیر نے اس فرق کو اپنے بعض مکتوبات میں مفصل ذکر کیا ہے، وہاں سے ملاحظہ کر لیں۔]

تشریح

حصول ابتدائی کیفیت اور وصول انتہائی کیفیت کو کہا جاتا ہے یعنی اگر کوئی سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے انوارات کو محض دیکھے تو اسے انوارات کا حصول کہتے ہیں اور اگر ان انوارات کا وصل بھی نصیب ہو جائے تو اسے وصول کہا جاتا ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ جیسے چاند وسورج انسان سے بہت دُور ہیں مگر پھر بھی چاند کی روشنی اور سورج کی شعاعوں کی گرمی انسان تک پہنچتی ہے اور اس سے انسان کو فوائد کا حصول میسر ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان سورج یا چاند پر پہنچ کر واصل ہو چکا ہے بالکل اسی طرح کبھی کبھی سالک کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے انوارات کا مشاہدہ میسر آتا ہے مگر اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس سالک کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وصل حاصل ہو گیا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے یعنی سالک کی یہ ابتدائی کیفیت حصول کہلاتی ہے اور انتہائی کیفیت وصول۔ اور انتہائی کیفیت جو کہ وصول ہے اور اسے قُرب کا نام دیا گیا ہے اس میں دُوری کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور اس سے کوئی یہ مراد نہ لے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) یہ سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پاس جا کر بیٹھ جاتا ہے بلکہ ایک مُقرب بندے کو جو قُرب حاصل ہو اُسے وصول کہا جاتا ہے۔ وصول و قُرب کی نشانی یہ ہے کہ سالک کے باطن سے افعالِ رذیلہ (یعنی کُفر، شرک، بدعت، غرور و تکبر، عُجب، کینہ، بُغض، حسد، عداوت، طمع و حرص، چُغلی، خواہشاتِ نفسانی اور تہمت و غیبت وغیرہ جیسے افعال) مکمل طور پر محو ہو جائیں۔ اور اگر کسی سالک میں یہ سب کچھ موجود ہو تو اس کو حاصل ہونے والی کیفیات کو حصول کہا جائے گا نہ کہ وصول اور وہ ایک ناقص صوفی ہو گا یعنی وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے انوارات کو تو دیکھتا ہے مگر اپنے مقصود کو ابھی تک حاصل نہیں کر سکا جو کہ وصل الی اللہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے بھائی! حصول باوجود بُعد کے متصور ہے اور وصول متعذر ودُشوار ہے" یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ابتدائی معرفت معنی ومفہوم کے لحاظ سے تمام مسلمانوں کو حاصل ہے اور سب یہ جانتے ہیں کہ یہی ذات ہماری خالق ورازق ہے مگر یہ لوگ واصل نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچے ہیں۔ چنانچہ الوہیت کے معنی ومفہوم ان کے ذہن میں موجود ہیں مگر یہ خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تک نہیں پہنچے۔ تو اس لئے ان لوگوں کو حصول تو حاصل ہے مگر وصول نہیں رکھتے، کیونکہ حصول الوہیت کے ظل کے ظل کے معنی پر ہے اور یہ لوگ ظل تک پہنچے ہوئے ہیں لیکن اصل تک نہیں پہنچے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وہ اسماء جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کا مبدأ ہیں، وہی اسماء اولیاء کے تعینات کا بھی مبدأ ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے" یعنی حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اسمِ مُربی اسماء کا اصل ہیں اور حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسمِ مُربی اُن اسماء کے ظلال ہیں اس طرح نہیں کہ حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسمِ مُربی بھی اسماء کا اصل ہوں۔ کیونکہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا مقام بہت زیادہ بلند اور حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقام ان سے بہت زیادہ نیچے ہے اب اگر کوئی حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اسماء تعینی کے ساتھ حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو (نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِک) ایک جیسا جانے تو یہ اس کی بے عقلی اور نادانی ہے پس جو سالک حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جس ولی کے زیرِ قدم ہو تو حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے فیوضات کی وجہ سے اس سالک کو ان اسماء کا ظل منکشف وطاری ہوتا ہے یعنی اس ولی کا

اسمِ مُربی ظلی طور پر وہی اسم (اصل حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا اور ظلی حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا) ہوتا ہے۔

[نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکرِ جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے حالانکہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور اور چیزوں سے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ تھیں مثل لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے، ایک وعبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں، اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعتِ منکرہ نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر، کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے۔ اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سُنت کو مدِ نظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَاِیَّاکُمۡ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلَیۡہِ وَعَلَیۡھِمۡ وَعَلٰی تَابَعِیۡ کُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفۡضَلُھَا وَمِنَ التَّسۡلِیۡمَاتِ اَکۡمَلُھَا

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذِکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے حالانکہ ذوق وشوق بخشتا ہے، الخ" حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جہری ذکر کی بہ نسبت سِری ذکر کی فضیلت زیادہ ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ بِدْعَةٌ وَيُخَالِفُ الْأَمْرَ من قَوْله تَعَالَى: وَاذْكُرْ رَبَّكَ في نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ من الْقَوْلِ (الأعراف ۲۰۵) فَيَقْتَصِرُ على مَوْرِدِ الشَّرْعِ۔

ترجمہ: ذِکر کے وقت آواز کا بلند کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اور اپنے رب کو دل ہی دل میں یاد کریں عاجزی اور خوف سے اور اونچی آواز کے بغیر" کے خلاف ہے، مگر شرع جہاں مستثنٰی کر دے۔[1]

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اجمع العلماء على ان الذكر سرا هو الأفضل والجهر بالذكر بدعة الا فى مواضع مخصوصة مسّت الحاجة فيها الى الجهر به كالاذان والاقامة وتكبيرات التشريق وتكبيرات الانتقال فى الصلاة للامام والتسبيح للمقتدى إذا ناب نائبة والتلبية فى الحج ونحو ذلک۔

ترجمہ: علماء کا اجماع ہے کہ سِری ذکر افضل ہے اور جہری ذکر بدعت ہے ہاں چند مقامات میں جہری ذکر کی ضرورت ہے جیسے اذان، اقامت، تکبیراتِ تشریق، امام کے لئے نماز میں تکبیراتِ

---

[1] (البحر الرائق، ج ۲، ص ۱۷۲، الناشر دار المعرفة)

انتقالات امام اور جب ضرورت پڑے تو مقتدی کا سبحان اللہ کہنا اور حج میں تلبیہ (یعنی لبیک) کہنا وغیرہ۔[1]

اور شمس الائمہ حضرت امام ابو بکر محمد بن ابی سہل احمد سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

وَالْمُسْتَحَبُّ عِنْدَنَا فِي الْأَذْكَارِ وَالدُّعَاءِ الْخُفْيَةُ إلَّا فِيمَا تَعَلَّقَ بِإِعْلَانِهِ مَقْصُودٌ كَالْأَذَانِ لِلْإِعْلَامِ، وَالْخُطْبَةِ لِلْوَعْظِ، وَتَكْبِيرَاتُ الصَّلَوَاتِ لِإِعْلَامِ التَّحَرُّمِ۔

ترجمہ: ہمارے نزدیک اذکار ودُعا میں اخفاء مستحب ہے سوائے اس کے کہ جس کا اعلان مقصود ہو۔ جیسے اذان اعلان کے لئے ہوتی ہے، خطبہ وعظ کے لئے ہوتا ہے اور نماز کی تکبیرات مقتدیوں کو بتانے کے لئے ہوتی ہیں۔[2]

اسی طرح سِری ذکر کی فضیلت کے بارے میں حدیث شریف میں ہے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔[3]

تو جب سِری ذکر کی فضیلت ثابت ہوگئی تو خفی ذکر ہی کرنا چاہیئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہری ذِکر کے بارے میں بھی آیت وحدیث موجود ہے مثال کے طور پر فجر، مغرب اور عشاء کی

---

[1] (التفسیر المظھری، ج۳، ص ۱ ۶ ۳، الناشر: مکتبۃالرشدیۃ - الباکستان)

[2] (المبسوط للسرخسی، ج۴، ص ۲ ۲ ۴، مکتبۃأھل السنۃوالجماعۃ)

[3] (مسند احمد، ج ۱، ص ۲ ۷ ۱، الناشر: عالم الکتب - بیروت)

نمازوں میں ہم قرآن عظیم الشان کی تلاوت اونچی آواز میں کرتے ہیں اور قرآن عظیم الشان کا تلاوت کرنا بھی ذِکر ہے تو پھر حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جہری ذِکر کو کیوں بدعت قرار دیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خفی ذِکر کو بہتر اور افضل قرار دیا ہے اور اس میں خوبیاں بھی موجود ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان سب خوبیوں کا مشاہدہ فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف وحی بھیجی گئی تو اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خفی ذکر کے بارے میں بہتر اور افضل کا حکم فرمایا۔ مگر جہری ذکر کے بارے میں اس درجے کا کوئی حکم نہیں پایا جاتا۔

جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ لَمَّا غَزَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْبَرَ أَوْ قَالَ لَمَّا تَوَجَّہَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَی وَادٍ فَرَفَعُوا أَصْوَاتَھُمْ بِالتَّکْبِیرِ اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ لَا إِلَہَ إِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارْبَعُوا عَلَی أَنْفُسِکُمْ إِنَّکُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّکُمْ تَدْعُونَ سَمِیعًا قَرِیبًا وَھُوَ مَعَکُمْ۔

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خیبر پر فوج کشی کی یا یوں فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (خیبر کی طرف) روانہ ہوئے تو (راستے میں) لوگ ایک وادی میں پہنچے اور بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے لگے: اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ لَا إِلَہَ إِلَّا اللّٰہُ اللہ کی ذات سب سے بلند وبرتر ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس پر ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں پر رحم کرو، تم کسی بہرے کو یا ایسے شخص کو نہیں

پکار رہے ہو جو تم سے دور ہو، جسے تم پکار رہے ہو وہ سب سے زیادہ سُننے والا اور بہت ہی قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔[1]

اور نمازِ فجر، مغرب اور عشاء میں امام کی قرأت کے فرائض میں بلند آواز کے ساتھ تلاوت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الأعراف ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

تو اب اگر کوئی سَر حلقہ ذکر کرے اور بقیہ لوگ خاموشی سے اُسے سُنیں تو یہ بھی دُرست ہے جس طرح سب مقتدی خاموشی سے اپنے امام کی تلاوت کو سُنتے ہیں کیونکہ مقتدیوں پر اپنے امام کی قرأت کو خاموشی کے ساتھ سُننا واجب ہے۔ اور وہ بھی نماز کے دوران نہ کہ نماز سے باہر۔ اور اگر کوئی نماز کے بعد ذکر کے عبادت ہونے کو مانتا ہے تو اس کے بارے میں تو احادیثِ مبارکہ میں بیان ہو چکا ہے کہ خفی ذکر بہتر ہے کیونکہ جہری ذکر میں ریا اور شیطان کی مداخلت کا اندیشہ بہت قوی ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ عزیمت ذکرِ خفی میں ہے اس لئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں سُننِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر زیادہ عمل کیا جاتا ہے اور پھر سُنن میں رُخصت کی بجائے عزیمت پر زیادہ عمل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد عزیمت پر ہے تو جو سالک ان اُمورات پر عمل پیرا ہو گا جو عزیمت والے

---

[1](صحیح البخاری، ج۱۳، ص۱۰۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ہوں تو تب وہ تصوف سے کچھ نہ کچھ آشنائی حاصل کر سکتا ہے اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں شامل شمار ہو گا اور جو سالک رُخصت پر عمل پیرا ہو وہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ سے نہیں ہو سکتا۔

رُخصت اور عزیمت کے موضوع پر سیر حاصل بحث مکاتیب نمبر ۲۲، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۳ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

بدعت کی دو اقسام ہیں ایک بدعت وہ ہے جو عبادات کے متعلق ہو اور دوسری بدعت رسم ورواج کے ساتھ۔ عبادات میں بدعت کرنا تو ایک قبیح عمل ہے مگر رواج میں بدعت کرنا عبادات میں بدعت کی طرح قبیح نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانۂ اقدسہ میں فرجی (یعنی جُبہ) نہیں تھا جبکہ آج کل ہم فرجی پہنتے ہیں، سفید اور سیاہ رنگ کے عمامہ کے علاوہ دوسرے رنگ کا عمامہ نہیں تھا اور ہم سفید اور سیاہ رنگ کے عمامے کے علاوہ دوسرے رنگ کے عمامے بھی استعمال کرتے ہیں، ایسے ہی قمیص کے ساتھ شلوار نہیں تھی بلکہ دھوتی ہوتی تھی مگر ہم لوگ قمیص کے ساتھ شلوار پہنتے ہیں کیونکہ اس میں بدن کا سَتر بہتر طریقے سے ہوتا ہے اور چونکہ ان چیزوں کا تعلق عبادات کے ساتھ نہیں بلکہ علاقائی عادات واطوار کے ساتھ ہے اس لئے اس کی اجازت بھی ہے اور اس کا درجہ زیادہ قبیح بھی نہیں لیکن دین اور عبادات میں تبدیلی اور بدعات کا پیدا کرنا نہایت قبیح ہے۔

کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ۔

ترجمہ: جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا نیا کام پیدا کیا جو اس میں نہیں تھا تو وہ مَردود ہو گا۔[1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسری روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدّ۔

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام پیدا کیا جو اس میں نہیں تھا تو وہ مردود ہو گا۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

مَنْ أَحْدَثَ رَأْياً لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَمْضِ بِهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَدْرِ عَلَى مَا هُوَ مِنْهُ إِذَا لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ۔

ترجمہ: جو شخص اپنی ایسی رائے ایجاد کرے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سُنت بھی موجود نہ ہو تو اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ جب وہ اللہ عزّوجلّ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا تو اس کا کیا حال ہو گا۔[3]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا, فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ, تَمَسَّكُوا بِهَا, وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ, وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ, فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ, وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"۔

---

[1](صحيح البخارى،ج ۹،ص ۲۰۱،المكتبة الفاروقية)
[2](شرح السنة للبغوى،ج ۱،ص ۲۱۱،الناشر: المكتب الإسلامي -دمشق،بيروت)
[3](سنن الدارمى،ج ۱،ص ۱۸۱،المكتبة الفاروقية)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا، لہٰذا تم میری سُنت کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا، اور اسے داڑھوں سے پکڑ کر رکھنا، (یعنی اس پر مضبوطی سے قائم رہنا) اور اپنے آپ کو نئے ایجاد شدہ کاموں سے بچانا، کیونکہ ہر نیا ایجاد شدہ کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ [1]

مختصر یہ کہ ہر وہ کام جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت کی جگہ جاگزین ہو کر سُنت کو مٹا دے تو وہ قبیح بدعت ہے تو اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس طرح کی بدعت سے جو عبادات میں پیدا ہوا اس سے منع فرمایا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صَرف و نحو اور علومِ فقہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نہیں تھے اس لئے یہ بدعتِ حسنہ کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ان کند ذہن اور کم فہم معترضین کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ فقہ کے بارے میں تو قرآن واحادیثِ مبارکہ میں احکام موجود ہیں پھر یہ بدعتِ حسنہ کیسے ہوئی؟ رہے صَرف و نحو کے علوم تو گزارش یہ ہے کہ علوم اُس دور میں بھی موجود تھے جیسا کہ مکتوب نمبر ۲۲۹ میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ صَرف و نحو کے مؤجد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے فا، عین اور لام (فَعَلَ) یعنی ان تین حروف سے ساری صَرف و نحو کو ترتیب دیا ہے تو اس لئے یہ سُنتِ موقوفہ کا درجہ رکھتی ہے۔ یعنی عملی شکل میں تھے، کتابی شکل میں دُنیا کے پاس نہیں تھے۔ جب اسلام کا سورج عرب سے نکل کر عجم پر چمکا تو عجمیوں کو قرآن و حدیث کی تشریح سمجھانے کے لئے ان علوم کو صفحات کی شکل میں پیش کیا گیا دوسرے اگر یہ علوم اس وقت موجود نہیں تھے تو

---

[1] (مسند احمد، ج ۲۸، ص ۳۷۵، الناشر: مؤسسة الرسالة)

اَمر اور نہی، واحد، جمع اور مذکر ومؤنث کی پہچان کیسے کی جاتی تھی؟ صاف ظاہر ہے یہ امتیازات صَرف اور نحو کے محتاج ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانے میں یہ علوم نہیں تھے محض جہالت ہے ار جہالت کی بناء پر ضروریاتِ دین کا انکار کر دینا کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۳۲

[دُنیا کمینی کی حقیقت اور اس کی ردّی زیبائش کی بُرائی اور اس کمینی دُنیا کی محبت دور کرنے کے علاج اور مناسب اُمور کے بیان میں خان خاناں کی طرف صادر ہوا:

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل ناپسندیدہ کمینی دُنیا کی حقیقت اور اس کی ردّی زیب وزینت اور سج دھج کو آپ کی نظرِ بصیرت میں منکشف کرکے آخرت کے حُسن وجمال کو بہشتوں اور ان کی نہروں کی تَر و تازگی اور اُن میں پروردگار جل شانہٗ کے دیدار کی زیادتی کے ساتھ جلوہ گر کرے، تاکہ اس جلدی دُور ہو جانے والی بُری دُنیا کی طرف سے بے رغبتی حاصل ہو جائے اور پورے طور پر عالمِ بقا کی طرف جو مولیٰ جل شانہٗ کی رضا کا مقام ہے، توجہ میسر ہو جائے۔ اور جب تک اس کمینی کی بُرائی واضح نہ ہو، اس کی قید سے نکلنا مشکل ہے۔ جب تک اس کی قید سے خلاصی نہ ہو تب تک آخرت کی نجات اور بچاؤ دُشوار ہے۔

حُبُّ الدُّنیا رَأْسُ کُلِّ خَطِیئَةٍ۔

ترجمہ: یعنی دُنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے۔[1]

مشہور اور مانی ہوئی بات ہے۔ اور چونکہ علاج ضد سے ہوتا ہے اس لئے اس کمینی دُنیا کی محبت دُور کرنے کا علاج اُمورِ آخرت میں رغبت کرنے اور شریعتِ روشن کے احکام کے موافق اعمالِ صالحہ بجالانے پر وابستہ ہے۔

---

[1](الجامع الکبیر، ج۴، ص ۵۸۲، الناشر: الأزھر الشریف، القاھرۃ -جمھوریۃمصر العربیۃ)

حق تعالیٰ نے دُنیا کی زندگی کو پانچ بلکہ چار چیزوں پر منحصر کیا ہے اور فرمایا ہے:

أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (الحدید۲۰)

ترجمہ: دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

پس جب عملِ صالحہ میں مشغول ہوں تو جزوِ اعظم لعب ولہو ہی کم ہونے لگتا ہے۔ اور ریشم اور چاندی سونے کے استعمال سے جن پر عمدہ اور اعلیٰ زیب وزینت کا مدار ہے پرہیز کرنے لگتے ہیں اور دوسرا جزو جو زینت ہے، زائل ہونے لگتا ہے اور جب یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت وبزرگی پرہیزگاری اور تقویٰ سے ہے نہ کہ حسب ونسب سے تو فخر کرنے سے باز آتے ہیں۔ اور جب جانیں کہ مال واولاد حق تعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اور اس کی بارگاہ سے روکتے ہیں تو ان کے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں اور ان کے بڑھانے کو معیوب جانتے ہیں۔ غرض:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر۷) (كَيْلَا يَضُرَّكُمْ شَيْءٌ)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو (تاکہ تمہیں کوئی چیز ضرر نہ دے)۔

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشان
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

ترجمہ: ہم نے تجھے خزانہ مقصود کا نشان بتادیا ہے، اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو ہی پہنچ جائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ جس سالک کے دل میں اس کمینی دُنیا کی محبت موجود ہو وہ کبھی بھی ولایت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اس دُنیا میں غربت مسکنت اور محتاجی سب کچھ موجود ہے۔ اگر کوئی چاہتا ہو کہ میں صدرِ مملکت بھی بن جاؤں اور ولایت کے مقام پر بھی فائز ہو جاؤں تو یہ بہت مشکل ہے اس لئے کہ جب تک اس کمینی دُنیا کی محبت دل میں جلوہ گر رہے گی تب تک سالک اس کمینی دُنیا کی قید سے آزاری حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کو آخرت کی نجات میسر آسکتی ہے لیکن اس سے ہر گز یہ مراد بھی نہیں ہے کہ سالک کھانا نہ کھائے، کپڑے نہ پہنے، گھر میں نہ رہے اور ذریعہ ٔمعاش تلاش نہ کرے کیونکہ یہ سب چیزیں تو حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہیں، اور یہ سب تو زندگی کی ضروریات ہیں بلکہ دُنیا کی محبت سے مراد یہ ہے کہ سالک کی ضروریات تو اس کی استعداد کے مطابق پوری ہوں مگر اس کے باوجود وہ مزید دُنیوی خواہشات کو پورا کرنے کی حرص میں لگا رہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث میں "دُنیا کی محبت کو ہر بُرائی کی جڑ کہا گیا ہے" یعنی ہر گناہ کی ابتداء اس دُنیا کی محبت ہے جو شخص دُنیا اور مال ودولت طلب کرتا ہے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اپنے لئے گناہوں کی طلب کرتا ہے اس لئے کہ انسان کے پاس جتنا مال ودولت زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی اس پر گناہوں کا بوجھ بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے کیونکہ اس کے پاس گناہ وفساد کے لئے وسائل زیادہ ہو رہے ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جس کے لئے جو رزق اور مال ودولت مقرر فرمایا ہے وہ اس کو پہنچ کر رہے گا لیکن ہم نے دُنیا کو اتنی ترجیح دے دی ہے کہ آخرت ہم سے بالکل فراموش ہو چکی ہے اور ہمارا ہر عمل دُنیا کی خاطر ہے جب مال ودولت زیادہ ہو تو اس کے ساتھ ساتھ گناہ وفساد کے وسائل بھی

زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ گذشتہ زمانوں میں مال ودولت بہت کم تھی اور لوگ بھی یہ کوشش کرتے تھے کہ اتنے روپے پیسے ہوں جس سے ان کے کھانے پینے کا گزارا چل سکے مگر اس کے برعکس آج کل دُنیا اور اس کی آسائشیں اتنی زیادہ ہوگئی ہیں اور آج کل کوئی ایسا شخص نہیں جو ۳۰/۴۰ ہزار سے کم کماتا ہو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے وت اتنی فراوانی ہونے کے باوجود ہر شخص ان روپوں کو لہو ولعب کے آلات خریدنے پر خرچ کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ایک زندہ مثال موبائل ہی کو دیکھ لیں جو ریڑھی بان سے لے کر اوپر ہر شخص کے پاس ہے اور ان لوگوں کی اکثریت سارا دن اس پر گانے بجانے، فلمیں دیکھنے، لڑکیوں کے ساتھ دوستیاں کرنے اور گیموں وغیرہ کے علاوہ اور کچھ کام نہیں کرتے اور ہر شخص نئے نئے ماڈل کے موبائل خریدنے کی تگ ودَو میں لگا رہتا ہے اس لئے اس میں فوائد کی بجائے عیاشی وفحاشی اور دیگر نقصانات بہت زیادہ ہیں اب اگر دولت کی فراوانی نہ ہوتی تو ہر شخص کے پاس گناہ وفساد اور لہو ولعب کے وسائل بھی زیادہ نہ ہوتے اسی لئے انسان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد سے جو چیز غافل کرتی ہے وہ دُنیا اور اس کی محبت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ اس دور میں جتنی دولت موبائل، لیپ ٹاپ اور دیگر لہو ولعب کے آلات کو خریدنے پر خرچ ہوتی ہے آیا قرآن عظیم الشان یا اس کے علاوہ حدیث، فقہ، عقائد اور تصوف وغیرہ کی کوئی کُتب کو خریدنے میں بھی خرچ ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب نفی میں ہی ملے گا اس لئے کہ ہر شخص ناول، رسالے، میگزین اور اخبارات کو خریدنے میں تو دل کھول کر رقم خرچ کرتا ہے مگر چونکہ دینی کُتب پر رقم خرچ کرنے سے ان کی نفسانی خواہشات کی تکمیل نہیں ہوتی اس لئے اس سے کنارہ کش ہی رہتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جن گھروں میں بھی دینی کُتب موجود ہوں اُن گھروں میں جادو، نظرِ بد اور حاسدین کا حسد وغیرہ نہیں ہوتا

اور ان گھروں میں خیر وبرکات کا نزول جاری وساری رہتا ہے۔ اس کے برعکس جن گھروں میں ٹیلی ویژن، ڈش اور نیٹ سے دینی مسائل سیکھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ٹیلی ویژن، ڈش اور نیٹ تو ناچ گانے اور عیاشی کے کام سیکھنے کے لئے ہیں نہ کہ دینی مسائل سیکھنے کے لئے۔ اس بات کو مزید ایک مثال کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر، انجینئر، مستری اور لوہار وغیرہ اپنی مقرر کی ہوئی جگہ اور اپنے لباس میں بمعہ اپنے آلات کے موجود ہوتے ہیں تب جا کر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ڈاکٹر، انجینئر، مستری اور لوہار ہے بالکل اسی طرح علماء کرام کے لئے ان کی مقرر کی ہوئی جگہ مساجد و مدارس، ان کا لباس سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صورت وسیرت اور ان کے آلاتِ دینی کُتب ہیں نہ کہ ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

وَإِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ: رَجُلًا فَاجِرًا جَرِيئًا، يَقْرَأُ كِتَابَ اللهِ وَلَا يَرْعَوِي إِلَى شَيْءٍ مِنْهُ"۔

ترجمہ: اور بدترین آدمی وہ فاجر شخص ہے جو گناہوں پر جری ہو، اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہو لیکن اس سے کچھ اَثر قبول نہ کرتا ہو۔[1]

نیز حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

لا تقوم الساعة حتّى يرجع القران من حيث نزل له دوى حول العرش كدوى النحل فيقول الرب مالک فيقول يا رب اتلى و لا يعمل بي۔

[1] (مسند احمد، ج ۱۷، ص ۴۲۱، الناشر: مؤسسة الرسالة)

ترجمہ: قیامت برپا ہونے سے پہلے قرآن لوٹ کر وہیں چلا جائے گا جہاں سے اُترا تھا، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح عرش کے گرد اگرد اس کی گن گناہٹ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں کیا بات ہے؟ قرآن کہے گا اے میرے رب! مجھے پڑھا تو جاتا ہے مگر مجھ پر عمل نہیں کیا جاتا۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ:

إنک في زمان كثير فقهاؤه, قليل قراؤه, تحفظ فيه حدود القرآن وتضيع حروفه, قليل من يسأل, كثير من يعطي, يطيلون الصلاة ويقصرون فيه الخطبة, يبدؤون فيه أعمالهم قبل أهوائهم. وسيأتي على الناس زمان قليل فقهاؤه, كثير قراؤه, تحفظ فيه حروف القرآن, وتضيع حدوده, كثير من يسأل, قليل من يعطي, يطيلون فيه الخطبة, ويقصرون الصلاة, يبدؤون فيه أهواءهم قبل أعمالهم". وهذه نصوص تدل على ماذكرنا. وقد قال يحيى: سألت ابن نافع عن قوله. يبدؤون أهواءهم قبل أعمالهم؟ قال يقول: يتبعون أهواءهم ويتركون العمل بالذي افترض عليهم۔

ترجمہ: انہوں نے ایک شخص کو فرمایا: تُو ایک ایسے زمانہ میں ہے جس میں فقہاء کثیر ہیں، قراء قلیل ہیں اس میں قرآن کی حدود کی حفاظت کی جاتی ہے اور حروف کی ادائیگی کا اتنا خیال نہیں رکھا جاتا، سوال کرنے والے تھوڑے ہیں، عطا کرنے والے بہت ہیں، لوگ نماز لمبی پڑھتے ہیں، خطبہ چھوٹا دیتے ہیں، اپنی خواہشات سے پہلے اعمالِ خیر کا آغاز کرتے ہیں اور لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں فقہاء کم ہوں گے، قراء زیادہ ہوں گے، اس میں قرآن کے حروف کی حفاظت کی جائے گی اور اس کی حدود کو ضائع کیا جائے گا، سوال کرنے والے زیادہ ہوں گے اور عطا کرنے والے کم ہوں گے، خطبے لمبے دیں گے اور نمازیں مختصر کریں گے، اپنے اعمال سے پہلے خواہشِ نفس پر عمل کریں

---

[1] (التفسیر المظھری، ج۵، ص ۴۸۸، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ -الباکستان)

گے یہ نصوص ہماری اس بات پر دلالت کرتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہے۔یحییٰ نے کہا: ابن نافع سے میں نے **يَبْدَءُوْنَ أَهْوَاءَهُمْ قَبْلَ أَعْمَالِهِمْ** کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا لوگ اپنی خواہشِ نفس پر عمل کریں گے اور اس عمل کریں گے اور اس عمل کو ترک کریں گے جو ان پر فرض ہے۔ [1]

ٹیلی ویژن، ڈِش اور نیٹ پر اگر کوئی عالم قرآن و حدیث بیان کرے تو اس کا سُننا نہ تو واجب ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا ثواب ہے کیونکہ ایسا شخص نہ تو قرآن پر عمل کرتا ہے اور نہ ہی احادیثِ مبارکہ پر اسی لئے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایسے شخص کو شریر ترین مخلوق اور فاسق وفاجر کہا ہے اور یہ بات تو حقیقت ہے کہ ٹیلی ویژن، ڈش اور نیٹ وغیرہ تو صرف اور صرف ناچ گانے اور لہو ولعب کے آلات ہیں نہ کہ دین کو سکھانے کی درسگاہ۔

اب رہی قرآن عظیم الشان کی بات تو قرآن عظیم الشان تقریباً ہر ایک مسلمان کے گھر میں موجود ہے مگر افسوس صد افسوس کہ اسے تلاوت کرنے والے افراد گھروں میں بہت ہی کم ہیں اسے گھروں میں تو رکھا جاتا ہے مگر اس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور اوپر سے ستم ظریفی یہ ہے کہ اس پر گرد وغبار کی تہیں چڑھی ہوتی ہیں کیونکہ اسے کسی نے تلاوت کے لئے ہاتھ تک نہیں لگایا ہوتا۔

جبکہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

الْبَيْتُ الَّذِي يُقْرَأُ فِيهِ الْقُرْآنُ تَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ، وَتَخْرُجُ مِنْهُ الشَّيَاطِينُ، وَيَتَّسِعُ بِأَهْلِهِ، وَيَكْثُرُ خَيْرُهُ، وَالْبَيْتُ الَّذِي لَا يُقْرَأُ فِيهِ الْقُرْآنُ تَحْضُرُهُ الشَّيَاطِينُ، وَتَخْرُجُ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ، وَيَضِيقُ بِأَهْلِهِ، وَيَقِلُّ خَيْرُهُ۔

---

[1] (الجامع لأحكام القرآن، ج ۱، ص ۴۳۸، الناشر: دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

ترجمہ: جس گھر میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے فرشتے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں۔ اور اس کے گھر والوں میں کشادگی ہوتی ہے اور خیر کی کثرت ہو جاتی ہے، اور جس گھر میں قرآن کی تلاوت نہیں کی جاتی، شیاطین وہاں موجود ہوتے ہیں اور فرشتے اس گھر سے نکل جاتے ہیں اور گھر والوں میں تنگی ہوتی ہے اور خیر کی قلت ہوتی ہے۔[1]

اس سے پہلے کہ قرآن عظیم الشان کو ہم سے چھین لیا جائے ہمیں اس کی بار بار تلاوت کرنی چاہیئے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ ہماری آخرت سنور سکے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

أول ما تفقدون من دينكم الأمانة، وآخر ما تفقدون الصلاة، وأن هذا القرآن كأنه قد نزع منكم، تصبحون يوما وما معكم منه شيء. فقال رجل: كيف يكون ذلک يا أبا عبدالرحمن وقد ثبتناه في قلوبنا وأثبتناه في مصاحفنا، نعلمه أبناءنا ويعلمه أبناؤنا أبناءهم إلى يوم القيامة! قال: يسري به في ليلة فيذهب بما في المصاحف وما في القلوب، فتصبح الناس كالبهائم. ثم قرأ عبدالله "ولئن شئنا لنذهبن بالذي أوحينا إليک" الآية۔

ترجمہ: اپنے دین میں سے جو چیز تم سب سے پہلے گم کروگے وہ امانت ہے، اور آخر میں جو چیز تم سے مفقود ہوگی وہ نماز ہے، اور یہ قرآن گویا تم سے چھین لیا جائے گا، تم ایک دن صبح کروگے اور تمہارے پاس اس سے کوئی شے نہ ہوگی۔ تو ایک آدمی نے کہا: اے ابا عبد الرحمٰن! یہ کیسے ہوگا؟ حالانکہ ہم نے اسے اپنے دِلوں میں راسخ کرر کھا ہے اور ہم نے اسے اپنے مصاحف میں لکھ رکھا ہے، ہم اپنے بیٹوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو اس کی تعلیم دیں گے اور یہ سلسلہ یومِ قیامت تک جاری رہے گا۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک رات میں وہ کوئی ایسی چیز

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۶، ص ۱۲۷، الناشر: مکتبۃ الرشد - الریاض)

بھیجے گا جس کے ساتھ وہ مصاحف اور دِلوں میں جو کچھ ہے وہ سب لے جائے گا اور لوگ چوپائیوں کی مثل صبح کریں گے۔ پھر حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی کہ "اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے پھر آپ کوئی ایسا وکیل نہ پاتے جو آپ کے لئے اس کے متعلق ہماری بارگاہ میں وکالت کرتا"۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ؟ قَالَ: يَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ، إِلَى آخِرِهِ، وَمِنْ آخِرِهِ إِلَى أَوَّلِهِ۔

ترجمہ: ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: حال اور مرتحل (سفر سے آکر دوبارہ سفر پر جانا) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: حال اور مرتحل کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: قرآن کے اول سے آخر کی طرف سفر کیا جائے اور آخر سے اول کی طرف (یعنی قرآن ختم ہوتے ہی دوبارہ شروع کر لیا جائے)۔[2]

مختصر یہ کہ اس کمینی دُنیا کے ترک کے معنی یہ ہیں کہ دُنیا کی محبت کو دل سے باہر نکال پھینکے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کو اپنے دِل میں جاگزین کرے۔ جیسا کہ سورۃ الحدید کی آیتِ مبارکہ: أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (الحدید ۲۰) میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَعِبٌ یعنی بے فائدہ ہے، منافعِ آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے، جلد فنا ہو

---

[1] (الجامع لأحكام القرآن، ج ١٦، ص ٣٦٣)

[2] (المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج ١، ص ٧٥٧، الناشر: دار الكتب العلمية -بيروت)

جانے والی ہیں، گویا کھیل ہیں۔ وَلَھْوٌ اور دل کا بہلاوا ہیں، اہم اُمورِ اخرویہ سے روکنے اور غافل بنانے والی ہیں۔ وَ زِیْنَۃٌ اور ظاہری سجاوٹ ہیں جیسے خوبصورت نفیس لباس، اعلیٰ سواریاں اور اونچے مکان وغیرہ۔ وَتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ (طاقت، مال وغیرہ) پر بے جا تفاخر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی درجہ نہیں۔ وَتَکَاثُرٌ اور مال واولاد کی کثرت پر باہمی مقابلہ ہے ایک کا دوسرے پر تفاخر ہے (بس اسی کا نام دُنیوی زندگی ہے، اس کو خوب جان لو)۔

[باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبد المؤمن بزرگ زادہ ہیں اور تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر طریقۂ صوفیہ کا سلوک فرماتے ہیں اور سلوک کے ضمن میں عجیب وغریب احوال مشاہدہ کرتے ہیں۔ ضرورتِ انسانی از قسم اہل وعیال ان کو حیران وبے اختیار ناچار کر دیتی ہے۔ اس فقیر نے اس ناچارگی اور پریشانی کو دُور کرنے کے لئے آپ کی جناب کی طرف ان کی رہنمائی کی ہے۔

مَنْ دَقَّ بَابَ الْکَرِیْمِ انْفَتَحْ

جس نے کریم کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ کشادہ حال ہو گیا۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبد المؤمن بزرگ زادہ ہیں اور تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر طریقۂ صوفیہ کا سلوک فرماتے ہیں، الخ" غور طلب بات یہ ہے کہ اُس دور میں سالک تصوف میں قدم رکھنے سے پہلے علمِ ظاہری حاصل کرتے اور پھر تصوف میں داخل ہوتے مگر آج کل اس کے برعکس معاملہ ہے لوگ تصوف میں تو داخل ہوتے ہیں مگر علمِ ظاہری سے بے خبر ہوتے ہیں پھر ان کے دل میں جو آتا ہے کرتے ہیں اور

حلال و حرام میں فرق نہیں کر سکتے اور نہ ہی کیفیاتِ رحمانی و شیطانی میں فرق کر سکتے ہیں اور آخر کار رفتہ رفتہ گمراہی کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں۔ اور بعض لوگ علمِ ظاہری تو حاصل کر لیتے ہیں مگر علمِ باطنی یعنی تصوف میں قدم نہیں رکھتے اور حال یہ ہے کہ یہ دونوں احباب غلطی پر ہیں۔

حضرت حسن (بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:

الْعِلْمُ عِلْمَانِ: فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ، وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَلِكَ حُجَّةُ اللهِ عَلَى ابْنِ آدَمَ۔

ترجمہ: علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جو دل میں ہو اور یہ نفع بخش علم ہے اور دوسرا وہ علم جو زبان پر ہو یہ علم انسان پر اللہ تعالیٰ کی حجت اور دلیل ہوتا ہے۔[1]

حضرت ابو الحسن علی بن سلطان محمد نور الدین الملا الہروی القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "شرح مشکاۃ" میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ يُحمَلُ الْأَوَّلُ عَلَى عِلْمِ الْبَاطِنِ، وَالثَّانِي عَلَى عِلْمِ الظَّاهِرِ، لَكِنْ فِيهِ أَنْ لَا يَتَحَقَّقَ شَيْءٌ مِنْ عِلْمِ الْبَاطِنِ إِلَّا بَعْدَ التَّحَقُّقِ بِإِصْلَاحِ الظَّاهِرِ كَمَا أَنَّ عِلْمَ الظَّاهِرِ لَا يَتِمُّ إِلَّا بِإِصْلَاحِ الْبَاطِنِ، وَلِذَا قَالَ الْإِمَامُ مَالِكٌ: مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ، وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ، وَقَالَ أَبُو طَالِبٍ الْمَكِّيُّ: هُمَا عِلْمَانِ أَصْلِيَّانِ لَا يَسْتَغْنِي أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ بِمَنْزِلَةِ الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ مُرْتَبِطٌ كُلٌّ مِنْهُمَا بِالْآخَرِ، كَالْجِسْمِ وَالْقَلْبِ لَا يَنْفَكُّ أَحَدٌ عَنْ صَاحِبِهِ۔

ترجمہ: بتحقیق علم کی اول قسم کا محمل علمِ باطن، اور علم کی دوسری قسم کا محمل علمِ ظاہر ہے مگر یہ بات حقیقت ہے کہ جب تک ظاہر کی اصلاح نہیں ہوتی تو باطن کی اصلاح بھی ممکن نہیں بالکل اسی طرح جب تک باطن کی اصلاح نہیں ہوتی تو ظاہر کی اصلاح بھی ممکن نہیں۔ اسی لئے حضرت امام مالک

---

[1] (سنن الدارمی، ج ۱، ص ۴۰۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس نے فقہ (کا علم) حاصل کیا اور تصوف کو نہ جانا وہ فسق وفجور میں پڑ گیا اور جو تصوف میں ڈوب گیا اور فقہ سے نابلد رہا وہ زندیق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا اس نے حق کو پا لیا۔ اور حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں (یعنی علمِ باطنی اور علمِ ظاہری) اصلی علوم ہیں یہ ایک دوسرے کے بغیر صحیح نہیں ہوتے بمنزلۂ اسلام اور ایمان کے جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں جسم اور دل کی طرح کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہو سکتا (یعنی ان دونوں قسموں کا بھی آپس میں اس طرح کا ایک خاص تعلق ہے جو ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتا)۔[1]

اب ہم اس بات کو ذرا وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں تاکہ سالکین کے ساتھ ساتھ علماءِ ظواہر کو بھی یہ بات سمجھنا آسان ہو جائے۔ شریعت صورتِ ایمان اور طریقت وتصوف، ایمان کی حقیقت ہے۔ صورتِ ایمان تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تمام احکامات کو دل وجان سے تسلیم کرکے اُن پر عمل کیا جائے۔ اور حقیقتِ ایمان یہ ہے کہ اُن اعمال پر عمل کرنے والے کے قلب کا تصفیہ اور اُس کے نفس کا تزکیہ ہو جائے۔ تو جسے صورتِ ایمان کے ساتھ ایمان کی حقیقت بھی نصیب ہو جائے وہی دراصل مؤمنِ حقیقی ہے اور یہی وہ کامل مؤمن ہے جسے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنَنِ مبارکہ کی حکمتوں کا ادراک ہوتا ہے اور پھر ان سنتوں کو عملی طور پر اپنانا اُس کے لئے آسان تر جاتا ہے اور ایسے خوش نصیب انسان کا ایمانِ غیبی ایمانِ شہودی کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔ (نورالخلائق، جلد چہارم)

---

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ج ۱، ص ۳۳۴، الناشر: دارالفکر، بیروت-لبنان)

مکتوب نمبر ۲۳۳

[بعض عمدہ عمدہ نصیحتوں کے بیان میں عالی جناب شیخ فرید کی طرف لکھا:

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَاِیَّاکُمۡ عَلیٰ جَادَّۃِ جَدِّکُمُ الۡاَمۡجَدِ عَلَیۡہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفۡضَلُھَا وَمِنَ التَّسۡلِیۡمَاتِ اَکۡمَلُھَا

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس چیز پر جس کو آپ کے جدّ بزرگوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لائے ہیں ثابت قدم رکھے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے عُرس شریف کے دِنوں میں دہلی حاضر ہو کر ارادہ تھا کہ آپ کی خدمتِ عالی میں بھی پہنچے کہ اسی اثناء میں کوچ کی خبر پھیل گئی۔ اس لئے توقف کرکے چند ٹوٹے پھوٹے کلموں سے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔ فقیر خواہ حضور میں ہو خواہ غیبت میں ہر دَم آپ کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نامناسب اور نالائق اَمر سے سلامت رکھے۔ بعض اوقات خیر خواہی کا غلبہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اللہ ان کی خدمت کو اختیار کرکے ان چیزوں سے جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق نہیں تاکید ومبالغہ کے ساتھ آپ کو ان سے منع کرے اور مجلس شریف میں نا اہلوں کو نہ رہنے دے، لیکن جانتا ہے کہ سب اُمیدیں حاصل نہیں ہوتیں ناچار آپ کے حق میں غائبانہ دُعا سے تَرزبان رہتا ہے، شاید قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ اپنی بزرگی اور کلانی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہر چند یہ کفر ہے کہ کوئی ایسا بڑا ہو جائے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو تمام جہان بَرہم ہو جائے، لیکن کیا کیا جائے کہ ہم کو ہمای مصلحت کے بغیر بڑا بنایا ہے۔

آج اس قسم کی بزرگی اور کلانی نزدیک ہے کہ آپ کی جناب کے بارے میں صادق آئے کیونکہ آپ مخلوقات کے آرام میں ہیں اور مخلوقات آپ کے آرام میں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے آپ کے لئے دُعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے۔ جو عام مخلوقات کو فائدہ مند ہے۔ پھر افسوس ہے کہ باوجود اس قدر کلانی اور بزرگی کے دانہ خشخاش کے برابر خالی جگہ رہ جائے اور یہ دانہ خشخاش دوستوں اور خیر خواہوں کے دل پر بڑا بھاری بوجھ ہے۔ مہربانی فرما کر ان کو اس بوجھ سے ہلکا کریں۔ مدت ہوئی کہ اس خیر خواہ نے اس بات کی نسبت کچھ نہیں لکھا کہ ایسا نہ ہو کہ تکرار و مبالغہ گراں معلوم ہو۔

یارِ نازک بدن ز بارِ ہوا مے رنجد
ہمچو گل زآسیبِ صبا مے رنجد

ترجمہ: میرا یار نازک بدن ہے ہوا کے بوجھ سے بھی رنجیدہ ہوتا ہے، جس طرح پھول کا پتہ بادِ صبا کے آسیب سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

محسوس کرتا ہے۔

لیکن دوستی سے دُور معلوم ہوا کہ آپ کے دل کے ناراض ہونے کا لحاظ کر کے خاموش رہے۔

حافظؒ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

ترجمہ: اے حافظؒ تیرا وظیفہ صرف یہ ہے کہ دُعا کرتا رہے، اس فکر میں نہ پڑ کہ سُنتا ہے یا نہیں سُنتا۔

کچھ مدت سے حرمین شریفین (کہ خدائے تعالیٰ ان کو آفات سے محفوظ رکھے) کی زیارت کا ارادہ وشوق پیدا ہوا، اور اس سفر کا باعث یہی خواہش ہے اور چونکہ یہ ارادہ آپ کے صلاح مشورے اور رضامندی پر وابستہ تھا اس لئے کوچ کی خبر سُن کر وہ ارادہ ملتوی ہو گیا۔

اَلْخَیْرُ فِیْ مَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ

ترجمہ: بہتری اسی بات میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ اپنی بزرگی اور کلانی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہر چند یہ کفر ہے، الخ" حقیقت میں بڑائی اور کبریائی تو صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حضرت شیخ فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ سادات گھرانے سے ہیں لیکن چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھے مجدد الف بنا کر بڑائی عطا فرمائی اس لئے میں اپنا فرض ادا کرتے ہوئے آپ کو پند ونصائح کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس لئے حضراتِ عُلماء کرام ومشائخ عظام اور پیرانِ طریقت کو چاہیئے کہ اپنے رُتبہ اور فریضہ کو سمجھتے ہوئے حلقۂ احباب سے منسلک لوگوں کو حتی الوسع وعظ ونصیحت کرتے رہا کریں۔

اور شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کرنے پر زور دیتے رہیں کہ قیامت کے دن حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس منصب کے فرائض کے بارے میں پوچھے گا۔

اللھم اغفر لکاتبہ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین

آمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۳۴

[حقائق کو جاننے والے معارف کے پہچاننے والے عالمِ ربانی عارفِ سُبحانی مخدوم زادہ کلاں یعنی شیخ محمد صادق (خدا اُن کو سلامت اور باقی رکھے اور اعلیٰ مقصود تک پہنچائے) کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ واجب الوجود کی حقیقت وجودِ محض ہے جو ہر چیز و کمال کا منشا ہے اور ممکنات کی حقیقتیں عدمات ہیں جو ہر شر و نقص کا مبدأ ہیں۔ اور (مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ) کے معنی میں اور تجلی ذاتی کے بیان میں جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے بلند ہے۔ اور آیت کریمہ (اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور ۳۵)) کے تاویلی معنوں اور اس کے مناسب بیان میں مع ان سوالات وجوابات کے جو اس مقام کی توضیح کے متعلق ہیں، اور مع تنبیہات کے جو اس مطلب کی تلخیص کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خداوندِ بیچون کی حمد اور پیغمبرِ رہنما کے درود کے بعد میرے فرزند کو معلوم ہو کہ حق سبحانہٗ کی حقیقت وجودِ محض ہے کہ اور کوئی اَمر اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے، اور وہ وجودِ تعالیٰ ہر چیز و کمال کا منشا اور ہر حُسن وجمال کا مبدأ ہے اور جزئی حقیقی اور بسیط ہے۔ جس کی ترکیب کو ہر گز راہ نہیں ہے نہ ذہنی طور پر نہ خارجی طور پر۔ اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور میں آنا محال ہے، اور وجودِ ذات تعالیٰ پر ازروئے مواطات کے محمول ہے نہ ازروئے اشتقاق کے۔ اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی اس مقام میں فی الحقیقت کچھ گنجائش نہیں ہے، کیونکہ تمام نسبتیں وہاں ساقط ہوگئی ہیں اور وہ وجود جو عام و مشترک ہے۔ وہ اس وجودِ خاص کے ظلّوں میں سے ایک ظل ہے، اور یہ ظل ذاتِ تعالیٰ وتقدس پر محمول ہے۔ اور اشیاء پر تشکیک کے طور پر ازروئے اشتقاق کے نہ ازروئے مواطات کے، اور اس

ظلّ سے مراد تنزلات کے مرتبوں میں حضرت وجودِ تعالیٰ وتقدس کا ظہور ہے۔ اور اس ظلّ کے افراد میں سے اولیٰ واقدم واشرف وہ فرد ہے جو ذاتِ تعالیٰ پر از روئے اشتقاق کے محمول ہے۔ پس اصالت کے ہر مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالیٰ وَجُوْدٌ کہہ سکتے ہیں، نہ کہ اَللّٰہُ تَعَالیٰ مَوْجُوْدٌ۔ اور اس ظل کے مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالیٰ مَوْجُوْدٌ صادق ہے نہ اَللّٰہُ تَعَالیٰ وَجُوْدٌ۔ اور چونکہ حکماء اور صوفیہ کے ایک گروہ نے جو وجود کی عینیت کے قائل ہیں اور اس فرق کی حقیقت سے واقف نہیں ہوئے اور ظل کو اصل سے جدا نہیں کیا۔ حملِ اشتقاق اور حملِ مواطات دونوں کو ایک ہی مرتبہ میں ثابت کیا ہے، اور حملِ اشتقاق کے صحیح کرنے میں بے جا تکلف اور حیلہ کے محتاج ہوئے ہیں۔ اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے الہام سے ثابت و تحقیق کیا ہے، اور یہ اصالت وظلیّت تمام حقیقی صفات کی اصالت وظلیت کی طرح ہے۔ کیونکہ ہر مرتبہ اصالت میں جو اجمال اور غیب الغیب کا مقام ہے۔ ان صفات کا حمل کرنا مواطات کے طریق پر ہے نہ اشتقاق کے طریق پر۔ پس اَللّٰہُ تَعَالیٰ عِلْمٌ کہہ سکتے ہیں اور اَللّٰہُ تَعَالیٰ عَالِمٌ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حملِ اشتقاق میں مغائرت کا ہونا ضروری ہے، اگرچہ بلا اعتبار ہی ہو۔ اور وہ یہاں بالکل مفقود ہے کیونکہ مغائرت ظلیّت کے مرتبوں میں ہوتی ہے اور اس جگہ کوئی ظلیّت نہیں کیونکہ وہ تعینِ اوّل سے کئی درجے بَرتر ہے۔ اس لئے کہ نسبتیں اس تعین میں اجمالی طور پر ملحوظ ہیں اور اس مقام میں اشیاء میں سے کسی شے کا کسی طرح ملاحظہ نہیں ہے اور مرتبہ ٔظلّ میں جو اس اجمال کی تفصیل ہے حملِ اشتقاق صادق ہے نہ حملِ مواطات۔ لیکن ان صفات کی عینیّت اس مرتبہ میں وجودِ تعالیٰ کی عینیّت کی فرع ہے جو ہر خیر وکمال کا مبدأ اور حُسن وجمال کا منشاء ہے، اور اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں جس جگہ وجود کی عینیت کی نفی کی ہے، اس سے وجود ظلّی مراد رکھنا چاہیئے، جو حملِ اشتقاق کا صحیح کرنے والا ہے اور یہ وجودِ ظلّی بھی آثارِ خارجیہ کا مبدأ ہے۔

پس وہ ماہیتیں جو مراتبِ موجودات میں سے ہر مرتبہ میں اس وجود کے ساتھ متصف ہوں خارجیہ ہوں گی۔

فَافْهَمْ فَإِنَّهُ يَنْفَعُكَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمَوَاقِعِ

ترجمہ: پس سمجھ لے کیونکہ یہ بہت جگہ تجھے نفع دے گا۔

پس صفاتِ حقیقیہ بھی موجوداتِ خارجیہ ہوں گی اور ممکنات بھی خارج میں موجود ہوں گی۔

اے فرزند! اس پوشیدہ سِرّ کو سُن کہ کمالاتِ ذاتیہ حضرتِ ذاتِ تعالیٰ کے مرتبہ میں حضرتِ ذات کا عین ہیں۔ مثلاً علم کی صفت اس مقام میں حضرتِ ذات کا عین ہے، اور ایسے ہی قدرت اور ارادہ اور تمام صفات کا حال ہے، اور نیز اس مقام میں حضرتِ ذات بتمامہ علم ہے اور ایسے ہی بتمامہ قدرت ہے نہ یہ کہ حضرتِ ذات کا بعض علم ہے اور بعض قدرت۔ کیونکہ وہاں بعض ہونا اور جزو و بننا محال ہے اور ان کمالات نے جو گویا حضرتِ ذات سے منتزع اور الگ ہیں۔ حضرتِ علم کے مرتبہ میں تفصیل پائی ہے اور تمیز پیدا کی ہے اور حضرتِ ذاتِ تعالیٰ و تقدس اپنی وحدانیت کی اس اجمالی صرافت پر باقی ہے بعد ازاں اس مقام میں کوئی ایسی چیز نہیں رہی جو اس تفصیل میں داخل نہ ہوئی ہو، اور متمیز نہ ہوئی ہو۔ بلکہ تمام وہ کمالات جن میں سے ہر ایک ذاتِ تعالیٰ کا عین ہے مرتبۂ علم میں آگئی ہیں۔ اور ان مفصّلہ کمالات نے دوسرے مرتبہ میں وجودِ ظلی پیدا کر کے صفات نام حاصل کیا ہے، اور حضرتِ ذات کے ساتھ جو اُن کا اصل ہے قیام پیدا کیا ہے۔ اور اعیانِ ثابتہ صاحبِ فصوص علیہ الرحمۃ کے نزدیک انہی مفصّلہ کمالات سے مراد ہے جنہوں نے خانۂ علم میں وجودِ علمی حاصل کیا ہے، اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقائق عدمِ محض ہیں جو بمع ان کمالات کے جو ان میں منعکس ہوئے ہیں ہر شر و نقص کا مبدأ و ماویٰ ہیں۔

یہ بات تفصیل چاہتی ہے گوشِ ہوش سے سُننا چاہیئے خُدا تجھے ہدایت دے۔

جان لے کہ عدم، وجود کے مقابل ہے اور اس کی نقیض ہے، پس عدم بالذات ہر شر و نقص کا منشا بلکہ ہر شر و فساد کا عین ہو گا۔ جس طرح وجود مرتبۂ اجمال میں ہر خیر و کمال کا عین ہے۔ اور جس طرح حضرتِ وجود اصل الاصل مقام میں ذاتِ تعالیٰ پر اشتقاق کے طور پر محمول نہیں ہے۔ اس مرتبہ میں اس ماہیّت کو معدوم نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ عدمِ محض ہے، اور تفصیلِ علمی کے مرتبوں میں کہ جس کے ساتھ ماہیّتِ عدمیہ نے تعلق پایا ہے اس ماہیّت کی جزئیاتِ عدم سے متصف ہو جاتی ہیں اور حملِ اشتقاق ان میں درست آتا ہے، اور عدم کا مفہوم کہ گویا اس اجمالیہ عدمیہ ماہیّت سے متنزع اور الگ ہے اور اس ماہیّتِ عدمیہ کے لئے ظل کی مانند ہے۔ اس ماہیّتِ عدمیہ کے تمام مفصّلہ افراد پر اشتقاق کے طریق پر حمل پاتا ہے جیسے کہ آگے آئے گا اور چونکہ وہ عدم مرتبہ اجمال میں شر و فساد کا عین تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شر دوسرے شر سے جُدا اور ہر فساد دوسرے فساد سے الگ ہو گیا، جیسے کہ وجود کی جانب میں اجمال کے مرتبہ میں حضرتِ وجود ہر خیر و کمال کا عین تھا، اور تفصیلِ علمی کے مرتبہ میں ہر کمال سے الگ اور ہر خیر دوسرے خیر سے جُدا ہو گیا۔ پس ان وجودیہ کمالات میں سے ہر ایک کمال ان نقائصِ عدمیہ میں سے ہر ایک نقص میں اس کے مقابل ہے، خانۂ علم میں منعکس ہوا ہے اور دوسرے کی علمیہ صورتیں باہم مل جل گئی ہیں، اور وہ عدمات جو شر و نقائص سے مراد ہیں بمع اُن کمالات منعکسہ کے ممکنات کی ماہیتیں ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ وہ عدمات ان ماہیتوں کے اصول و مواد ہیں، اور وہ کمالات ان میں حلول کی ہوئی صورتوں کی مانند ہیں۔

پس اعیانِ ثابتہ اس فقیر کے نزدیک ان عدمات اور کمالات سے مراد ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل جل گئے ہیں، اور جب قادرِ مختار جلّ شانہٗ نے چاہا ان عدمیہ ماہیات کو بمع اُن کے لوازم

اور وجودیہ کے ظلال کے کمالات کے جنہوں نے حضرتِ علم میں منعکس ہو کر ممکنات کی ماہیات نام پایاہے، اس وجودِ ظلی کے رنگ میں موجوداتِ خارجیہ بنایا اور آثارِ خارجیہ کا مبدأ کر دیا۔

جاننا چاہیئے کہ صورِ علمیہ کا جو ممکنات کے اعیانِ ثابتہ اور ان کی ماہیّات سے مراد ہیں رنگ دار کرنا ان معنوں میں نہیں ہے کہ صورِ علمیہ نے خانۂ علم سے نکل کر وجودِ خارجی پیدا کیاہے، کیونکہ یہ محال ہے اور جہل کو مستلزم ہے۔

تَعَالیٰ اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

بلکہ ان معنوں میں ہے کہ ممکنات نے خارج میں ان صورِ علمیہ کے مطابق وجود پیدا کیاہے اور وجودِ علمی کے سوائے اس وجودِ علمی کے موافق وجودِ خارجی حاصل کیا ہے۔ جیسے کہ کاریگر نجار تخت کی صورت کو ذہن میں تصوّر کرکے خارج میں اس کا اختراع کرتا ہے۔ اس صورت میں تخت کی وہ ذہنیہ صورت جو حقیقت میں اس تخت کی ماہیّت ہے اس نجار کے خانۂ علم سے باہر نہیں نکلی۔ بلکہ خارج میں اس تخت نے اس صورتِ ذہنیہ کے مطابق وجود پیدا کیاہے۔ فافھم

جاننا چاہیئے کہ ہر عدم نے کمالاتِ وجودیہ کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ جو اس کے مقابل ہے اور اس میں منعکس اور منصبغ ہے، خارج میں وجودِ ذہنی پیدا کیاہے۔ بخلاف عدمِ صَرف کے کہ وہ ان ظلال سے متاثر نہیں ہوا، اور ان کا رنگ نہیں پکڑا۔ اور وہ کیسے رنگ پکڑے جب کہ وہ ان ظلال کے مقابل نہیں ہے، اگر مقابلہ رکھتا ہے تو حضرتِ وجود سے صَرف رکھتا ہے۔

پس عارفِ تامّ المعرفت جب حضرتِ وجود سے ترقی کرکے عدمِ صَرف کے مقام میں نزول کرتا ہے تو اس کے وسیلہ سے یہ عدم بھی اس حضرت سے انصباغ پیدا کرکے مزیّن و مستحسن ہو جاتا

ہے، اس وقت اس عارف کے تمام عدم کے مراتب نے جو فی الحقیقت اس کی تمام اجمالی اور تفصیلی مراتبِ ذاتیہ ہیں۔ حُسن وخیریت پیدا کی ہے اور کمال حاصل کیا ہے، اور یہ خیریت جو تمام ذاتیہ میں سرایت کرتی ہے اس قسم کے عارف سے مخصوص ہے۔ اور اس کے غیر کے لئے اگر خیریت نے سرایت کی ہے تو وہ اس کے اعدامِ ذاتیہ کے بعض تفصیلیہ مراتب تک ہی منحصر ہے یا بلحاظِ اختلافِ درجات کے اس کے تمام تفصیلی مراتب میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ قسمِ اَخیر بھی نادر الوجود ہے، لیکن عدم کے مرتبۂ اجمال میں جو شر ونقصان کا عین ہے اس عارف کے سوا اور کسی نے خیریت کی بُو نہیں پائی اور نہ ہی حُسن کا کوئی رنگ پیدا کیا ہے۔]

تشریح

مشکل معارف ومسائل اس شخص کے سامنے بیان کرنے چاہئیں جو ان سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو اور اگر کسی کو اس سے بالکل واقفیت ہی نہ ہو تو اس کے سامنے اگر مغلق معارف ومسائل بیان کئے جائیں تو ایسا شخص حیران ہوتا ہے کہ یہ واعظ کیا کہہ رہاہے کیونکہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے صاحبزادگان قدس اللہ تعالیٰ سرہم چونکہ اعلیٰ قسم کی ولایتوں پر مشرف تھے اور معارف سے آگاہی رکھتے تھے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے صاحبزادوں کو تصوف کی حقیقت سے آگاہ فرمایا کرتے تھے اور جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادوں کو کوئی کیفیت مکشوف ہوتی تو یہ (صاحبزادے قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) اپنی کیفیت اپنے والد یا اپنے شیخ سے بیان کرتے اور وہ ان کو اس کی تفصیل سے آگاہ کرتے۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اوقات لوگوں نے بعض عقائد و تصوف کے مسائل کو نہ تو سُنا ہوتا ہے اور نہ ہی کسی جگہ پڑھا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس قسم کے مسائل خاص طور پر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بہت پیش آتے ہیں۔ مثال کے طور پر جن سالکین کو مراقبات کی اجازت دی جاتی ہے ان مراقبات میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن الفاظ کے معنی و مفہوم کو اکثر سالکین نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان مراقبات کے احوال و مواجید کی کیفیات میں فرق کرسکتے ہیں کہ آیا یہ کیفیت رحمانی ہے یا شیطانی۔

آج ہم اس مکتوب میں صوفیت کا نچوڑ بیان کریں گے تاکہ اصلی اور نقلی تصوف میں فرق نمایاں ہو جائے اور ہر سالک اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ آیا میں اصل تصوف سے منسلک ہوں یا دھوکے اور فریب کی صوفیت سے۔ اور آیا ہمارا شیخ ہمیں حقیقی سلوک کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے یا ہمیں محض ہماری خوشی کے لئے غوث یا قطب جیسے القابات سے نوازنے (نَعُوْ ذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) کیونکہ غوث یا قطب بنانے والی ذات صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔ عصرِ حاضر میں اشتہارات اور رسالہ جات میں کسی شیخ کے بارے میں کئی ایک القابات استعمال کئے گئے ہوتے ہیں اور وہ بھی ایک ہی شخصیت کے متعلق۔ حالانکہ جو شیخ یا سالک ان مقامات پر فائز ہو وہ سرِ عام ان کا دعویٰ نہیں کرتا اور اگر کرے گا بھی تو کسی ایک ہی مقام پر۔ اور وہ بھی اپنے کسی محرمِ راز کے ساتھ لیکن یہاں تو ایک ہی ہستی بیک وقت غوث بھی ہوتی ہے، قطب بھی اور ابدال بھی۔ بھلا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے پاس (نَعُوْ ذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) مُقرب بندوں کی کمی ہے جو اُس نے سارے مقامات ایک ہی کو عطا کر دیئے؟

کوئی بھی کامل و مکمل شیخ ایسا نہیں ہو گا جو اپنے کسی مُرید کے غوث یا قطب ہونے کا اعلان کرے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس طرح کی باتیں ظاہر کرنے سے اس کے مُرید کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور وہ مُرید یا سالک عُجب و تکبر کا شکار ہو کر اپنے ایمان سے محروم ہو سکتا ہے۔

طریقت کے سلاسل میں ایک ایسا مقام آتا ہے جب شیخ کی طرف سے سالک کو مراقبات کی اجازت عنایت ہوتی ہے لیکن مراقبات کے مرحلہ پر اُس سالک کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مراقبات کے دوران سالک پر کچھ ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں جن کے رحمانی یا شیطانی ہونے کے معاملے میں اکثر سالک تمیز نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایک مراقبہ معبودیتِ صَرفہ کا ہے، اگر سالک اس مراقبہ کے دوران ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرے اور اس کیفیت کی حقیقت کا ادراک نہ رکھتا ہو تو ضلالت و گمراہی کا شکار ہو گا کیونکہ وہ کہے گا کہ میں نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات کو دیکھ لیا ہے حالانکہ عقائد اہل سنت وجماعت کے مطابق حق سبحانہٗ و تعالیٰ دُنیا میں کسی کی دید میں آ ہی نہیں سکتا۔ تو جب تک سالکینِ طریقت حضرت امام ابو حنیفہ صوفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کی تقلید نہ کریں گے اور مسلکِ حقہ کے عقائد کو نہیں سیکھیں گے وہ اس طرح کی کیفیات میں فرق و امتیاز کیسے کریں گے؟ یہی مثال دوسرے مراقبات مثلاً حقیقتِ کعبہ ٔربانی، مراقبہ ٔحقیقتِ قرآن یا مراقبہ ٔحضرتِ لاتعین کی ہے کہ ان سے پہلے سالک کے پاس ضروری علم کا ہونا نہایت لازمی ہے ورنہ ان کے بھیانک نتائج سامنے آسکتے ہیں جو ایک سالک کے لئے بھی خطرہ کی گھنٹی ہے اور اس کے شیخ کے لئے بھی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حق سبحانہٗ کی حقیقت وجودِ محض ہے کہ اور کوئی اَمر اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے، الخ" یعنی حقیقتِ خداوند تعالیٰ وجودِ محض ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ بیچون و بے چگون ذاتِ بابرکات انسان، ملائکہ کرام، انبیاء کرام

علیہم السلام یا کسی درخت وغیرہ کی شکل میں نمودار ہو جائے۔ بلکہ وہ بیچون و بے چگون ذاتِ بابرکات وجودِ محض ہے وہ کسی کے ذہن و فکر یا وہم و خیال میں نہیں آسکتی اس لئے جو چیز سالک پر نمودار ہوتی ہے وہ وجودِ صرفہ ہے۔ وجودِ صرفہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ موجود ہے اور اس کی موجودیت واجب ہے مگر سالک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کے بارے میں جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ کیفیت سالک پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفات کی تجلی سے رونما ہوئی ہے لیکن وہ نظر آنے والی ذات واحدِ حقیقی نہیں ہے بلکہ سالک کے یقین کو تقویت بخشنے کے لئے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مجھ پر وجودِ حق تعالیٰ تین مرتبہ، تین مقامات میں تین اقسام پر مکشوف فرمایا ہے۔

اول: وجود عام و مشترک جو کہ عرضِ عام و مشترک ہے اور واجب و ممکن کے مابین اشتراکِ عارضی ہے۔ ابتداء میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے لئے یہ وجود زائدِ ذاتِ حق تعالیٰ پر مکشوف ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات کو وراء الوراء ثم وراء الوراء دیکھا اور صفات کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات سے جُدا دیکھا۔ یعنی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صفات کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات پر گمان نہیں کیا کہ یہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات ہے بلکہ حقیقت میں صفات زائد بالذات ہیں نہ کہ عینِ ذات۔

دوم: حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس پر حق تعالیٰ کا وجودِ خاص مکشوف ہوا مگر اس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس مراتبِ وجوب میں حدتِ نظر کے مقام پر فائز نہیں ہوئے تھے تو اس وجہ سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وجودِ حق تعالیٰ کو عینِ ذات گمان کیا۔

سوم: بعد ازاں جب حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے نورِ بصیرت کو عالمِ وجوب کی تجلیات کے سُرمہ سے سُرمگین فرمادیا گیا تو پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حق تعالیٰ کے وجودِ خاص کو زائد پایا اور یہ کشف حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا انتہائی اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جو کہ اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کے عین مطابق واقع ہوا جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وجودِ حق تعالیٰ کو ذاتِ حق تعالیٰ پر زائد پایا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''پس اصالت کے ہر مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالیٰ وَجُوْدٌ کہہ سکتے ہیں، نہ کہ اَللّٰہُ تَعَالیٰ مَوْجُوْدٌ۔'' یعنی عام لوگ اکثر اوقات یہ بات کہتے ہیں اللہ تعالیٰ یہاں موجود ہے اس طرح کہنے سے انسان الفاظاً گمراہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تو جسم نہیں ہے اور نہ ہی وہ ذاتِ بابرکات مکان وزمان کی محتاج ہے کہ یہاں موجود ہے بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تو وہ ذاتِ بابرکات ہے جو انسان کی سوچ وفکر، عقل ووہم اور مکان وزمان سے پاک اور وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ بلکہ اس طرح کہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ واجب الوجوب ہے یعنی اس کی موجودیت واجب ہے مگر اس طرح نہیں کہ ہمارے پاس یہاں موجود ہے کیونکہ اس طرح کہنے سے ہم اس بیچون وبے چگون ذاتِ بابرکات کو بلندی سے پستی کی طرف لے آتے ہیں جو کہ سراسر گمراہی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اور چونکہ حکماء اور صوفیہ کے ایک گروہ نے جو وجود کی عینیت کے قائل ہیں، الخ'' بعض فلاسفہ اور صوفیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب کا سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات ہی کرتی ہے اور اس طرح یہ لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات سے انکار کے مرتکب ہوتے ہیں بعض روافض اور معتزلہ بھی اسی عقیدہ پر ہیں۔ جبکہ

اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات نہ تو عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جُدا۔ اور اس طرح صفات کا انکار لازم نہیں آتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''پس اعیانِ ثابتہ اس فقیر کے نزدیک ان عدمات اور کمالات سے مراد ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ باہم، الخ'' اعیانِ ثابتہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی موجودیت اور اس کی صفات چاہے وہ صفاتِ ذاتیہ ہوں یا صفاتِ فعلیہ ثابت ہیں۔ اگرچہ ہماری آنکھیں ان کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ بعض مکتبۂ فکر کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات حادث ہیں جبکہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ اور جتنی بھی صفات ہیں وہ وجودِ خارجی رکھتی ہیں اور ظل اور عیان یعنی معلوم دار ہیں اور ممکنات سے باہر ہیں تو اس لئے کوئی ممکنات اس میں شریک نہیں ہو سکتیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے نزدیک وجودِ ممکنات مرکب از عدماتِ متقابلہ تجلیات صفاتِ حق تعالیٰ ہیں عدماتِ متقابلہ سے مراد تمام مخلوقات ہیں (مخلوقات کو عقائد کی زبان میں ممکنات کہا جاتا ہے) یعنی لوح و کرسی، جنت ودوزخ، آسمان وزمین، ملائکہ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات وغیرہ پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ متوجہ ہونے سے آسمان وزمین اور انسان پیدا ہوئے اور جب شیونات متوجہ ہوئیں تو ملائکہ اور جنت ودوزخ وجود میں آگئے اور جب شان العلم متوجہ ہوئی تو اس کے اثر سے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جلوہ نما ہوگئے۔ یہ سب ان صفات کے متقابلات ہیں مگر عدمات ہیں یعنی فانی ہونے والی اشیاء۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان اشیاء کو عدمات اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیاتِ صفات کو اعیانِ ثابتہ فرمایا ہے۔ یعنی جس وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کی

تجلی ممکنات پر پڑتی ہے تو ممکن میں ایک اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس اثر کو اعیانِ ثابتہ کہا جاتا ہے۔ اور صوفیہ وجودیہ کے نزدیک اعیانِ ثابتہ وجودِ علمی صفاتِ ثمانیہ سے عبارت ہے۔ اس لئے اس گروہ کے نزدیک صفات کا وجود خارجی نہیں ہے، اور یہ گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں جو وجودِ علمی رکھتے ہیں نہ کہ وجودِ خارجی، اور اس طرح یہ گروہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے صفتِ علم اور صفتِ قدرت سے منکر ہیں۔ یعنی فلاسفہ اور صوفیہ وجودیہ کہتے ہیں کہ یہ حادث ہیں اور ثابت ہیں۔ یعنی یہ لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے وجودِ خارجی سے منکر ہیں یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات عینِ ذات ہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِک) جبکہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ان سے سراسر مخالف ہے کیونکہ اہل سنت وجماعت صفات کو عینِ ذات نہیں کہتے۔

[پس ناچار ایسے عارف کا جو خیریتِ تام سے متصف ہے، شیطان بھی حُسنِ اسلام پیدا کرلیتا ہے اور اس کا نفسِ امارہ مطمئنہ ہو کر اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے کہ:

اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ۔

ترجمہ: پس میرا شیطان بھی مسلمان ہو گیا ہے۔[1]

پس کوئی غازی غزا میں اس سے سبقت نہیں کرتا، اور شیطان جیسے کو خیر کی طرف دلالت نہیں کرتا۔

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة و الجنة و النار، باب تحریش الشیطان و بعثه سرایاه لفتنة الناس و ان مع کل انسان قرینا، حدیث نمبر ٦٩)

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیرِ حقیر سے بے ارادہ و بے تکلف ظاہر ہو رہے ہیں، اگر بہت سے لوگ جمع ہو کر ان کی تصویر میں کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے۔ فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کو نصیب ہو گا۔

اگر پادشاہ بر درِ پیـــر زن

بیــاید تواے خواجـــہ سَبلَت مکن

ترجمہ: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آ جائے تو اے خواجہ تو حسد سے اپنی مونچھ و داڑھی نہ نوچ۔

فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ

ترجمہ: پس کیا ہی بزرگ اور بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جو بہتر پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ذواتِ ممکنات عدمات ہیں کہ وجودی کمالات کے ظلال نے ان میں منعکس ہو کر ان کو مزین کر دیا ہے۔ پس ناچار ممکنات بالذات ہر شر و فساد کا ماویٰ اور ہر شر و نقص کی جائے پناہ ہوئیں۔ اور ہر خیر و کمال جو ان میں آراستہ اور پوشیدہ فرمایا ہے وہ عاریتی ہے جو حضرتِ وجود سے جو خیرِ محض ہے فائز ہوا ہے۔

مَا أَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا أَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَفۡسِکَ (النساء ۷۹)

ترجمہ: اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

اس مضمون کی شاہد ہے اور جب خداوند تعالیٰ کے فضل سے یہ دید غلبہ پا جاتی ہے اور اپنے کمالات کو ٹھیک اسی طرف دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو شرِ محض معلوم کرتا ہے اور خالص نقص جانتا ہے۔ اور کوئی کمال اپنے آپ میں مشاہدہ نہیں کرتا۔ اگرچہ انعکاس کے طریق پر ہو، اُس شخص کی

طرح جو کہ ننگا ہو اور اُس نے عاریت کا لباس پہنا ہو۔ اور یہ دیدِ عاریت اس پر اس قدر غالب آ جائے کہ وہ اپنے خیال میں اپنا سارا لباس اس لباس کے مالک کا سمجھے۔ تو بالضرور وہ شخص اپنے آپ کو ذوق میں ننگا معلوم کرے گا، اگرچہ عاریت درمیان میں واسطہ ہے اس دید کا صاحب مقامِ عبدیت سے مشرف ہوتا ہے جو تمام کمالاتِ ولایت سے بَرتر ہے۔

تنبیہ

یہ خیر وشر اور نقص وکمال کا اجتماع جو در حقیقت وجود وعدم کا اجتماع ہے۔ جمعِ نقیضین کی قسم سے ہے کہ تو اس کو محال جانے کیونکہ وجودِ صرف کی نقیض عدمِ صَرف ہے۔ اور ان ظلی مراتب نے جس طرح وجود کی جانب میں اصل کی بلندی سے تنزلات کی پستی میں نزول فرمایا ہے اسی طرح عدم کی جانب میں بھی ان ظلی مراتب نے عدمِ صَرف کی پستی سے اوپر کی طرف عروج کیا ہے۔ ان کا اجتماع عناصرِ متضادہ کے اجتماع کی طرح ہے کہ ہر ایک کے ضدّیہ غلبہ اور تیزی کو توڑ کر ان کو جمع فرمایا ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الظُّلْمَةِ وَالنُّوْرِ

ترجمہ: پس پاک ہے وہ ذات جس نے اندھیرے اور نور کو جمع کر دیا۔

اگر کہا جائے کہ تُو نے اوپر، عدمِ صَرف کے لئے بھی وجودِ صَرف کے ساتھ جو اس کی ضد ہے منصبغ اور رنگ دَار ہونے کا حکم کیا ہے، پس اجتماعِ نقیضین پیدا ہوا۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ دو نقیضوں کا جمع ہونا ایک محل میں محال ہے۔ لیکن ایک نقیض کا دوسرے نقیض کے ساتھ قیام کرنا اور ایک دوسرے سے متصف ہونا محال نہیں ہے جیسے کہ معقول والوں نے کہا ہے کہ وجود معدوم ہے اور وجود کا عدم کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے پس

اگر عدم موجود ہو۔ اور وجود کے ساتھ رنگا جائے تو محال ہو گا۔ تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ عدم کے مفہوم کو معقولاتِ ثانیہ سے کہا ہے۔ لیکن اگر عدم کے افراد میں سے کوئی فرد وجود سے متصف ہو جائے تو کیا فساد ہے۔ جس طرح معقول والوں نے وجود کے بارہ میں اشکال کے طریق پر کہا ہے کہ وجود کو چاہیئے کہ واجب الوجود تعالیٰ کی ذات کا عین نہ ہو۔ کیونکہ وجود معقولاتِ ثانیہ سے ہے جو وجودِ خارجی نہیں رکھتا۔ اور واجب الوجود کی ذات خارج میں موجود ہے پس عین نہ ہو گا اور اس کے جواب میں اُنہوں نے کہا ہے کہ وجود کا مفہوم معقولاتِ ثانیہ سے ہے نہ کہ اس کی جزئیات۔ پس اس کی جزئیات میں سے جزئی وجود خارجی کے منافی نہ ہو گی، اور ہو سکتا ہے کہ خارج میں موجود ہو۔

سوال

پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ صفاتِ حقیقیہ کا وجود ظلال کے مرتبوں میں ہے اور مرتبۂ اصل میں ان کا کوئی وجود حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کی رائے کے مخالف ہے۔ کیونکہ وہ صفات کو کسی وقت ذاتِ مقدس سے جدا نہیں جانتے اور ممتنع الانفکاک یعنی ان کا ذات سے جدا ہونا محال تصور کرتے ہیں۔

جواب

اس کا یہ ہے کہ اس بیان سے انفکاک کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ظل اس اصل کے لازم ہے پس انفکاک نہ رہا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ اَحدیتِ ذات ہے اور اسماء وصفات میں سے کچھ اس کے مد نظر نہیں ہے، اس مقام میں ذاتِ تعالیٰ ہی کو پاتا ہے اور صفات سے کچھ ملحوظ نہیں ہوتا نہ یہ کہ صفات اس وقت حاصل نہیں ہیں۔ پس حضرت ذات تعالیٰ وتقدس سے صفات کا الگ ہونا نہ

ہی عارف کے ملاحظہ کے اعتبار سے ثابت ہوا اور نہ ہی حقیقتِ اَمر کے اعتبار سے۔ تا کہ اہل سنت وجماعت کے مخالف ہو۔**فافهم**

اس بیان سے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے رب کو پہچان لیا۔ [1]

کے معنی بھی ظاہر ہو گئے۔ کیونکہ جس نے اپنی حقیقت کو شرارت و نقص کے ساتھ پہچان لیا اور جان لیا کہ ہر خیر وکمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے وہ **حضرتِ واجب الوجود** کی طرف سے رعایت کے طور پر ہے۔ پس وہ ضرور ہی **حق سبحانہٗ** کو خیر وکمال و حُسن وجمال سے پہچان لے گا۔ اس تحقیقات سے آیتِ کریمہ: **اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور ۳۵)** کے تاویلی معنی بھی واضح ہو گئے۔ کیونکہ جب ظاہر ہو چکا کہ ممکنات سب کے سب عدمات ہیں جو سراسر ظلمت وشرارت ہیں۔ اور ان میں خیر وکمال اور حُسن وجمال حضرتِ وجود کی طرف سے ہے جو **نفسِ ذاتِ تعالیٰ** ہے اور ہر خیر وکمال اور حُسن وجمال کا عین ہے۔ تو بالضرور آسمانوں اور زمینوں کا نور حضرتِ وجود ہی ہو گا جو **واجب تعالیٰ** وتقدس کی حقیقت ہے اور چونکہ یہ نور آسمان اور زمین میں ظلال کے واسطہ سے ہے اس لئے ان وہم کرنے والوں کے وہم کو دور کرنے کے لئے جو بے واسطہ سمجھتے ہیں۔ اس نور کے لئے مثال بیان کی اور اس طرح فرمایا:]

---

[1](مرقاۃالمفاتیح،ج۵،ص۱۷۲۰،الناشر:دارالفکر،بیروت-لبنان)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان ''کہ پس ایسے عارف کا جو خیریتِ تام سے متصف ہے، شیطان بھی حُسنِ اسلام پیدا کرلیتا ہے اور اس کا نفسِ امارہ مطمئنہ ہو کر، الخ'' دورِ حاضر میں بعض سالکین اپنے مشائخ سے کشف و شہود کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس سے منع فرمایا۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ:

مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ قَالُوا وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَإِيَّايَ إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ۔

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنوں میں سے اس کا ایک ساتھی اور فرشتوں میں سے اس کا ایک ساتھی مقرر کر دیا ہے (جِن اسے بُرائی کی طرف مائل کرتا ہے اور فرشتہ نیکی کی طرف۔ فیصلہ خود اسی کو کرنا ہوتا ہے) انہوں (حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے کہا: اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ بھی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اور میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا، اس لئے (اب) وہ مجھے خیر کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔[1]

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ انسان کے ساتھ شیطانی اور رحمانی دونوں مؤکلات موجود ہیں اور ان دونوں میں سے انسان پر جو سب سے پہلے حملہ آور ہوتا ہے وہ مؤکل شیطانی ہے

---

[1](صحیح مسلم، ج ۱۳، ص ۴۲۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

جب کسی سالک کو کشف و شہود کے دوران کسی چیز میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نظر آئے تو وہ اس میں فرق نہیں کر سکتا کہ آیا یہ شیطانی کیفیت ہے یا رحمانی کیفیت۔ تو اس وجہ سے سالک گمراہی کے راستہ پر چل کر شیطان کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنے باطن کی صفائی حاصل کرے۔

اور باطن کی صفائی کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا بتحقیق اس نے رب کو پہچان لیا۔ [1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پوچھا کہ:

یَا رَسُولَ اللّٰہِ مَتَی یَعْرِفُ الانْسَانُ رَبَّهُ؟ قَالَ: إِذَا عَرَفَ نَفْسَهُ۔

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم انسان اپنے رب کو کب پہچانتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا جب وہ اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے۔ [2]

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں روایت میں آیا ہے کہ:

إن الله تعالى أوحى إلى داود اعرف نفسک واعرفني، فقال يارب كيف أعرف نفسي؟ وكيف أعرفک؟ فأوحى الله إليه اعرف نفسک بالضعف والعجز والفناء، واعرفني بالقوة والقدرة والبقاء۔

---

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ج۵، ص ۱۷۲۰، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

[2] (ادب الدنیاوالدین، ج ۱، ص ۷۵، الناشر: دارمکتبۃالحیاۃ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی فرمائی کہ اپنے نفس کو پہچان پھر تو مجھے پہچان لے گا۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: اے میرے رب میں اپنے نفس کو کیسے پہچانوں؟ اور آپ کو کیسے پہچانوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اپنے نفس کو ضعف، عجز و فنا کے ساتھ پہچان (یعنی اس حقیقت کو ذہن میں بٹھا لے کہ تُو کمزور، عاجز اور فانی ہے) اور مجھے قوت، قدرت اور بقا کے ساتھ پہچان (یعنی کہ میں قوت والا، قدرت والا اور باقی ہوں)۔[1]

مختصر یہ کہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ'' کے معنی یہ ہیں کہ جس نے اپنے نفس کی حقیقت جان لی کہ یہ ایک ممکن شے ہے خود بالذات وجود کو مقتضی نہیں فی نفسہٖ اس کا وجود اور قیام اور بقا متصور نہیں اور اس کی ذات پر اس کا حمل اولیٰ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً نا ممکن ہے کہ زید بذاتِ خود زید ہو جو کچھ اس کا وجود اور بقا اور قیام نظر آتا ہے یہ اُسی وقت ہے جب کہ اس کو واجب الوجود قائم بالذات قیوم کا فیض قرار دیں۔ وہ ذاتِ پاک سب اشیاء کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے عکس کے مقابل اصل چیز، وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، سب چیزوں سے حتیٰ کہ اُن کی ذات سے بھی زیادہ نزدیک ہے کیونکہ ان اشیاء کو بغیر اس کی طرف نسبت کئے ہوئے ان کی ذات پر محمول نہیں کر سکتے تو ایسے شخص کو ضرور حق تعالیٰ جل شانہٗ کی معرفت نصیب ہو جائے گی اور جو اپنے نفس کی اس حقیقت سے ناواقف رہا اسے اپنے رب کی معرفت بھی نصیب نہ ہو گی۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رُومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

چیست تعظیمِ خدا افروشتن خویشتن را خاک وخواری داشتن

---

[1] (معالم التنزیل، ج ۱، ص ۲۴۶)

چیست توحیدِ خدا آموختن
خویشتن دَر پیش واحد سوختن
ہست در ہست آں ہستی نواز
ہمچو مس دَر کیمیا اندر گداز
جملہ معشوق است عاشق پردہ
زندہ معشوقست و عاشق مردہ

ترجمہ: تعظیمِ الٰہی یہ ہے کہ اسے بلند سمجھا جائے اور خود کو خاک و خوار سمجھا جائے، توحیدِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانا جائے اور اپنے آپ کو اس کے آگے جلا کر راکھ بنا دیا جائے۔ اس کی ہستی میں ہمارے وجود کی وہی کیفیت ہے جیسے تانبہ کیمیائی عمل سے سونا بن جاتا ہے۔ تمام عالمِ معشوق ہے عاشق صرف پردہ ہے زندہ تو صرف معشوق ہے اور عاشق تو مُردہ ہے۔

[مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ (النور ۳۵)

الیٰ آخر الآیۃ الکریمۃ تا کہ واسطوں تا کہ واسطوں کا ثبوت ہو جائے اور اس آیت کریمہ کے تاویلی معنی مفصل طور پر ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور جگہ پر لکھے جائیں گے۔ کیونکہ اس میں سخن کی بہت مجال ہے، اور یہ مکتوب اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آیت کریمہ کے یہ تاویلی معنی ہیں۔ اس لئے کہا ہے کہ تفسیری معنی نقل و سماع پر مشروط ہیں:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرانَ بِرَأْيِهٖ فَقَدْ كَفَرَ۔

ترجمہ: جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔

تم نے سُنا ہو گا اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے، بشرطیکہ کتاب وسُنت کے مخالف نہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ ممکنات کے ذوات واصول عدمات ہیں۔ اور ان کی ناقص اور رذیل صفات ان عدمات کی مقتضٰی ہیں جو قادرِ مختار جلّ سلطانہٗ کے ایجاد سے وجود میں آئی ہیں اور صفاتِ کاملہ ان میں حضرتِ وجودِ تعالیٰ کے کمالات کے ظل سے عاریت کے طور پر ہیں جو انعکاس کے طریق پر ظہور پا کر قادرِ مختار جلّ شانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔]

تشریح

دوسری اہم بات جو اس مکتوب میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن عظیم الشان کی آیات کے معنی اپنی رائے سے کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس آیت مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ (النور ۳۵) کی جو تفسیر بیان کی ہے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کچھ علماء نے اس کی تفسیر اپنی مرضی کے مفہوم سے کی ہے تو اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان کے رَد میں فرمایا کہ:

مَنْ فَسَّرَ الْقُراٰنَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ كَفَرَ۔

ترجمہ: جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔

یعنی جس نے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیر ہم کی تفاسیر کو مدِ نظر رکھ کر قرآن عظیم الشان کی تفسیر نہ کی بلکہ اپنی رائے سے تفسیر کی تو گویا وہ کفر جیسے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں لوگ قرآن عظیم الشان کی تفسیر کرنے میں دیر نہیں لگاتے بلکہ جو کچھ ان کے ذہن میں آئے کہہ ڈالتے ہیں چاہے اس سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وہ مراد ہو یا نہ ہو انہوں

نے توبس اپنا علم ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ لوگ اس سے متاثر ہوں کہ یہ بہت بڑا عالم وفاضل ہے۔ خدارا ہمیں چاہیئے کہ دو ہی آیات پڑھ لیں مگر اس سے پہلے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیر ہم کی بیان کردہ تفاسیر کا مطالعہ کر لیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج کل ایک گھنٹہ میں پورے ایک پارے کی تفسیر کرڈالتے ہیں جو کہ سراسر اپنی رائے سے کی گئی ہوتی ہے۔ اول تو لوگ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیر ہم کی تفاسیر کے ناموں سے ہی واقف نہیں ہوتے مطالعہ کرنا تو دُور کی بات ہے۔ نمونے کے طور پر مذاہبِ اربعہ کی چند تفاسیر کے نام یہ ہیں تفسیرِ حُسینی (مذہب حنفی)، حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین (مذہبِ مالکی)، الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی (مذہبِ مالکی)، تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس (مذہبِ شافعی)، روائع التفسیر المعروف بہ تفسیر ابن رجب الحنبلی (مذہبِ حنبلی) تو خدارا اگر کسی نے تفاسیر ہی پڑھنی ہوں تو عصرِ جدید کی تفاسیر کی بجائے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مذاہبِ اَربعہ کی تفاسیر پڑھیں کیونکہ ان احباب نے قرآن کی تفسیر کرتے وقت اس میں کوئی غلطی نہیں کی جتنی کہ عصرِ جدید میں موجود ہیں۔ اس لئے ہم پر لازم وضروری ہے کہ ہم حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مذاہبِ اربعہ کی تفاسیر کا مطالعہ رکھیں کیونکہ جو شخص ان احباب کی تفاسیر کا مطالعہ رکھے گا وہ کبھی بھی بدبخت وگمراہ نہیں ہوسکتا۔

تفسیرِ قرآن کے چار طبقات ہیں:

اول: تفسیرِ قرآن، قرآن ہی کی روشنی میں۔

دوم: تفسیرِ قرآن، احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی روشنی میں۔

سوم: تفسیرِ قرآن، آثارِ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روشنی میں۔

چہارم: تفسیرِ قرآن، مجتہدینِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تفاسیر کی روشنی میں۔

مندرجہ بالا چاروں اقسام طبقاتِ قرآن میں شامل ہیں اور اگر کسی نے ان چار طبقات کو مد نظر رکھتے ہوئے تفسیر کی ہو تو اس تفسیر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور اگر ان چار طبقات سے نہ ہو تو اعتماد کے قابل نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

الْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ۔

ترجمہ: قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

هَجَّرْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ أَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِي آيَةٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَفُ فِي وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ۔

ترجمہ: میں ایک روز دن چڑھے (مسجد میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آیا تو اتنے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک آیت کے بارے میں (ایک دوسرے سے) اختلاف کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نکل کر ہمارے سامنے تشریف لائے، آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ (صاف) پہچانا جا رہا

---

[1] (سنن الکبریٰ للنسائی، ج۷، ص ۲۸۹، الناشر: مؤسسة الرسالة-بیروت)

تھا تو آپ نے فرمایا: جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ کتاب اللہ کے بارے میں اختلاف کرنے سے ہلاک ہو گئے۔[1]

غور طلب بات ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مذاہبِ اربعہ کی تفاسیر کا مطالعہ کرنے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ ان احباب کی قرآن عظیم الشان کے بارے میں کسی جگہ پر ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑنے کی کوئی مثال موجود نہیں ہے مگر عصرِ حاضر کی بعض تفاسیر کا اگر آپ مطالعہ کریں تو اس میں آپ کو ایک دوسرے دوسرے پر اعتراضات کی بھرمار ملے گی جس کی مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں سخت وعید آئی ہے۔

اس مضمون کی تائید میں مزید چند احادیثِ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: جس نے علم کے بغیر قرآن کی تفسیر کی، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔[2]

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

من قال في القرآن برأيه، فليتبو أمقعده من النار۔

ترجمہ: جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔[1]

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۳، ص ۱۴۶، المکتبة الفاروقیة)

[2] (سنن الکبریٰ للنسائی، ج ۷، ص ۲۸۵، الناشر: مؤسسة الرسالة -بیروت)

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ۔

ترجمہ: جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے (اور اپنی صواب دید) سے کی، اور بات صحیح و درست نکل بھی گئی تو بھی اس نے غلطی کی۔[2]

تجرید الصحاح الستۃ جس کے مؤلف کا نام ابو الحسن بن رزین بن معاویہ بن عمار العبدری السرقسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۳۵ھ ہیں اور یہ کتاب رزین کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ اس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کے مضمون میں یہ زائد بیان فرمایا ہے کہ:

ومن قال برأيه فأخطأ فقد كفر۔

ترجمہ: جس نے اپنی رائے دی اور غلطی کی تو اُس نے کفر کیا۔[3]

حضرت ابو بکر محمد بن قاسم بن بشار بن محمد انباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نحوی، لغوی نے اپنی کتاب الرد میں ذکر کیا ہے کہ:

فسر حديث ابن عباس تفسيرين: أحدهما - من قال في مشكل القرآن بما لا يعرف من مذهب الأوائل من الصحابة والتابعين فهو متعرض لسخط الله. والجواب الآخر - وهو أثبت القولين وأصحهما معنى -: من قال في القرآن قولا يعلم أن الحق غيره فليتبوأ مقعده من النار۔

---

[1](شرح السنة للبغوی، ج ۱، ص ۲۵۸، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

[2](سنن الترمذی، ج ۵، ص ۲۰۰، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

[3](الجامع لأحكام القرآن، ج ۱، ص ۳۲، الناشر: دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں:

اول: جس نے قرآن کے مشکل الفاظ کی ایسی تفسیر بیان کی جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور پہلے لوگوں کے مذہب سے معروف نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

دوم: قولِ اَثبت ہے اور معنی کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے کہ جس نے قرآن کے بارے میں کوئی قول کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ حق اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو وہ دوزخ کے ٹھکانے میں اُترے گا۔[1]

أن يتسارع إلى تفسير القرآن بظاهر العربية استظهار بالسماع والنقل فيما يتعلق بغرائب القرآن وما فيه من الألفاظ المبهمة والمبدلة وما فيه من الاختصار والحذف والإضمار والتقديم والتأخير ؛ فمن لم يحكم ظاهر التفسير وبادر إلى استنباط المعاني بمجرد فهم العربية كثر غلطه ودخل في زمرة القرآن بالرأي والنقل والسماع لابد له منه في ظاهر التفسير أولا ليتقي به مواضع الغلط ثم بعد ذلک يتسع الفهم والاستنباط والغرائب التي لاتفهم إلا بالسماع كثيرة ولا مطمع في الوصول إلى الباطن قبل إحكام الظاهر ألاترى أن قوله تعالى : {وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا} . معناه آية مبصرة فظلموا أنفسهم بقتلها. فالناظر إلى ظاهر العربية يظن أن المراد به أن الناقة كانت مبصرة ولا يدري بماذا ظلموا وأنهم ظلموا غيرهم وأنفسهم فهذا من الحذف والإضمار ؛ وأمثال هذا في القرآن كثير وما عدا۔

ترجمہ: غرائبِ قرآن کے متعلق نقل وسماع کے بغیر ظاہر عربی کے ساتھ جلدی سے قرآن کی تفسیر بیان کرنا اور قرآن میں جو مبہم اور مبدل الفاظ ہیں اور جو قرآن میں اختصار، حذف، اضمار اور

---

[1] (الجامع لأحكام القرآن، ج ا ، ص ٣٢، الناشر: دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

تقدیم و تاخیر ہے اس کے اظہار میں نقل وسماع کا اظہار نہ کرکے قرآن کی تفسیر کرنا۔ جو تفسیر کے ظاہر کو محکم نہیں کرتا اور صرف عربی جاننے پر معانی کے استنباط کی طرف جلدی کرتا ہے وہ اکثر غلطی کرتا ہے اور تفسیر القرآن بالرائے کرنے والوں کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ ابتداءً ظاہر تفسیر میں نقل اور سماع کا اعتبار ضروری ہے تاکہ اس میں غلطیوں سے محفوظ رہے اس کے بعد فہم اور استنباط کو وسعت دے۔ غرائب وہ ہوتے ہیں جو صرف سماع سے سمجھے جاسکتے ہیں ظاہر احکام سے پہلے باطن تک پہنچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: وَ آتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا پس ظاہر عربی کی طرف دیکھنے والا گمان کرے گا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی روشن تھی اور اسے معلوم نہیں ہو گا کہ کس کے ساتھ انہوں نے ظلم کیا حالانکہ انہوں نے دوسروں سے اور اپنے آپ سے ظلم کیا۔ اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی، مگر انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا، یہ حذف اور اضمار سے ہے، اس کی مثالیں قرآن عظیم الشان میں کثیر ہیں۔[1]

حضرت ابن عطیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وكان جلة من السلف الصالح كسعيد بن المسيب وعامر الشعبي وغيرهما يعظمون القرآن ويتوقفون عنه تورعا واحتياطا لأنفسهم مع إدراكهم وتقدمهم قال أبو بكر الأنباري وقد كان الأئمة من السلف الماضي يتورعون عن تفسير المشكل من القرآن فبعض يقدر أن الذي يفسره لا يوافق مراد الله عز وجل فيحجم عن القول وبعض يشفق من أن يجعل في التفسير إماما يبني على مذهبه ويقتفي طريقه فلعل متأخرا أن يفسر حرفا برأيه ويخطيء فيه۔

[1](الجامع لأحكام القرآن، ج ١، ص ٣٤، الناشر: دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

ترجمہ: بڑے سلف وصالحین جیسے حضرات سعید بن مسیب، عامر شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہما قرآن کو بڑا سمجھتے تھے اور ادراک اور تقدم کے باوجود احتیاط اور تقویٰ کی بناء پر تفسیرِ قرآن میں توقف کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر انباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: گزشتہ آئمہ کرام قرآن کے ''مشکل'' کی تفسیر سے بچتے تھے۔ بعض تو کہتے تھے کہ ہو سکتا ہے وہ قرآن کی ایسی تفسیر کرے جو اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق نہ ہو، پھر وہ اس قول سے پیچھے ہٹ جاتے تھے اور بعض اس سے ڈرتے تھے کہ وہ تفسیر میں امام بنا دیا جائے اور اس کے مذہب پر بنیاد رکھی جائے اور اس طریقہ پر اکتفا کیا جائے، شاید بعد میں آنے والا کسی حرف کی اپنی رائے سے تفسیر بیان کرے اور اس میں خطا کرے اور کہے کہ سلف میں سے فلاں امام تفسیرِ قرآن بالرائے میں میرا امام ہے۔[1]

حضرت ابن ابی ملکیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ:

سئل أبو بكر الصديق رضي الله عنه عن تفسير (اَلْفَاكِهَةِ وَالْاَبِّ) فقال: "أي سماء تظلني وأي أرض تقلني وأين أذهب وكيف أصنع إذا قلت في حرف من كتاب الله بغير ما أراد تبارك وتعالى"۔

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتاب اللہ عزّوجل کی ایک آیت کی تفسیر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کون سی زمین مجھے اُٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور میں کہاں جاؤں گا اور میں کیسے کروں گا؟ جب میں کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں ایسی بات کہہ دوں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہ ہو۔[2]

---

[1] (الجامع لأحكام القرآن، ج ١، ص ٣٤، الناشر: دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

[2] (الجامع لأحكام القرآن، ج ١، ص ٣٤، الناشر: دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية)

پس جس شخص نے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کو مدِ نظر نہ رکھتے ہوئے اپنی رائے سے تفسیر کی وہ کافر ہو گیا۔ جبکہ دورِ حاضر میں ہر کوئی قرآن عظیم الشان کی تفسیر کرنے سے بالکل نہیں ہچکچاتا بلکہ جو اس کے ذہن میں آئے بیان کر ڈالتا ہے۔

[اور اشیاء کے حُسن و قبح کا مصداق یہ ہے کہ جو چیز آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور دُنیا کے لئے ذریعہ ووسیلہ ہے وہ حُسن ہے، اگرچہ بظاہر اچھی نہ دے۔ اور جو چیز دُنیا سے تعلق رکھتی ہے اور دُنیا کے لئے وسیلہ وذریعہ ہے وہ قبیح ہے اگرچہ بظاہر حُسن وخوب دکھائی دے، اور حلاوت وطراوت سے ظاہر ہو۔ دُنیا کی مزخرفات یعنی بے ہودہ زیب وزینت کا یہی حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں اَمردوں یعنی بے ریشوں اور بیگانی عورتوں کے حُسن اور دُنیاوی زیب وزینت کی طرف رغبت وخواہش سے نظر کرنا منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ حُسن وطراوت مقتضیاتِ عدم سے ہے جو ہر فساد کا محل ہے۔ اور اگر حُسن وجمال کا منشا کمالاتِ وجودیہ ہوتے تو اس سے منع نہ فرماتے۔ مگر اس سبب سے کہ اصل کے ہوتے ہوئے ظل کی طرف توجہ کرنا بُرا ہے، یہ منع استحسانی ہے نہ کہ وجوبی بَرخلاف پہلی منع کے۔ پس وہ حُسن جو دُنیا کے مظاہرِ جمیلہ میں ظاہر ہے وہ اس ذاتِ تعالیٰ کے حُسنِ ظلال سے نہیں ہے بلکہ لوازمِ عدم سے ہے جس نے حُسن کی مجاورت کے باعث ظاہر میں حُسن پیدا کر لیا ہے اور حقیقت میں قبیح وناقص ہے۔ جس طرح زہر کو شکر کے غلاف میں رکھیں، اور نجاست کو زَر سے منڈھیں، اور یہ جو منکوحہ خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے تمتع (فائدہ) حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ وہ اولاد کے حاصل کرنے اور نسل کے باقی رکھنے کے لئے ہے جو انتظامِ عالم کے باقی رکھنے کے لئے مطلوب ہے۔

پس بعض صوفیہ جو مظاہرِ جمیلہ اور عمدہ عمدہ نغموں میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حُسن وجمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے۔ اور اس گرفتاری اور تعلق کو نیک اور بہتر سمجھتے ہیں بلکہ راہِ وصول تصور کرتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک ان کے بَر خلاف صادق وثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بعض اپنے مطلب کے لئے اس قول کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔

اس لئے کہا گیا ہے کہ:

اِیَّاکُمْ وَالْمُرْدَ فَاِنَّ فِیْھِمْ لَوْنًا کَلَوْنِ اللہِ۔

ترجمہ: تم بے ریشوں سے بچو کیونکہ ان میں رنگ ہے، اللہ تعالیٰ کے رنگ کی طرح۔

کلمہ ''کَلَوْنِ اللہِ'' ان کو شبہ میں ڈال دیتا ہے اور نہیں جانتے کہ یہ قول ان کی طلب کی منافی ہے اور اس فقیر کی معرفت کی تائید کرتا ہے، کیونکہ کلمہ تحذیر لایا گیا ہے۔ جس سے ان کی طرف توجہ کرنے سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ اور اس غلط فہمی کا منشا بیان فرمایا ہے کہ ان کا حُسنِ حق سبحانہٗ کے حُسن وجمال کے مشابہ اور ماخذ ہے نہ کہ بعینہٖ اُس کا حُسن تاکہ غلطی میں نہ پڑ جائیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی۔

ترجمہ: دُنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں یعنی دو عورتیں جو ایک مرد کے نکاح میں ہوں اگر ایک راضی ہو تو دوسری ناراض۔

اس حدیث میں بھی اس اَمر کی تصریح ہے کہ دُنیا وآخرت کا حُسن وجمال ایک دوسرے کا نقیض اور ضد ہے اور مُقرر ہے کہ دُنیاوی حُسن ناپسند ہے اور حُسنِ اُخروی پسند، پس شر دُنیاوی حُسن کے لازم ہو گا اور خیر حُسنِ آخرت کے لازم۔ پس ناچارِ اوّل کا منشا عدم ہو گا اور دوسرے کا منشا وجود۔

ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جو ایک وجہ سے دُنیا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ایک وجہ سے آخرت کے ساتھ یہ اشیاء پہلی وجہ کے لحاظ سے قبیح ہیں اور دوسری وجہ کے اعتبار سے حَسن۔ اور ان ہر دووجہ کے درمیان اور ہر ایک کے حُسن و قبیح کے درمیان تمیز کرنا علمِ شریعت پر موقوف ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے حضرتِ حق سبحانہٗ نے اس پر نظر نہیں کی اور اس پر حق تعالٰی کا غضب ہے۔

یہ سب کچھ اس کی قباحت اور شرارت اور فساد کے باعث ہے جو عدم کے مقتضیات سے ہے۔ جو ہر شر وفساد کا ماوٰی ہے۔ دُنیاوی حُسن وجمال اور اس کی حلاوت وطراوت رستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہیں اور منظورِ نظر نہیں ہیں، وہ آخرت کا جمال ہی ہے جو نظر کے لائق اور حق تعالٰی کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالٰی دُنیاداروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (الأنفال ۶۷)

ترجمہ: تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَغِّرِ الدُّنْيَا بِاَعْيُنِنَا وَكَبِّرِ الْاٰخِرَةَ فِيْ قُلُوْبِنَا بِحُرْمَةِ مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَتَجَنَّبَ عَنِ الْغِنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

ترجمہ: یا اللہ! تو دُنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر کردے اور آخرت کو ہمارے دلوں میں بزرگ بنا اس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل جنھوں نے فقر کے ساتھ فخر کیا، اور

دولت مندی سے الگ رہے۔ اُن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اور اُن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اَتم واَکمل صلوٰۃ وسلام ہو۔

اور چونکہ شیخ اجل شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی شرارت اور نقص اور فساد کی حقیقت پر نظر نہیں ڈالی، اور ممکنات کے حقائق کو حق جلّ وعلا کی علمیہ صورتیں مقرر کی ہیں۔ کیونکہ ان صورتوں نے حضرت تعالیٰ وتقدس کے آئینہ میں کہ خارج میں اس کے سوا کچھ موجود نہیں جانتا انعکاس پیدا کرکے خارجی نمود وظہور حاصل کیا ہے۔ اور ان علمیہ صورتوں کو واجبِ تعالیٰ کی صفات اور شیون کی صورتوں کے غیر نہیں سمجھا ہے اس لئے وحدتِ وجود کا حکم کیا ہے۔ اور ممکنات کے وجود کو واجبِ تعالیٰ وتقدس کے وجود کا عین کہا ہے اور شر ونقص کو اضافی اور نسبتی کہہ کر شرارتِ مطلق اور نقصِ محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو فی نفسہٖ قبیح نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ کفر وضلالت کو ایمان وہدایت کی نسبت بُرا جانتا ہے، نہ اپنی ذات کی نسبت سے کہ اس کو عین صلاح وخیر سمجھتا ہے، اور اربابِ کُفر کی نسبت ان کے لئے استقامت کا حکم کرتا ہے۔

اور آیتِ کریمہ:

مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (ھود ۵۶)

ترجمہ: کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔

کو ان معنی پر شاہد لاتا ہے۔ ہاں جو کوئی وحدتِ وجود کے سوا حکم نہ پائے وہ اس قسم کی باتوں سے کیوں کنارہ کرے۔

اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ممکنات کی ماہیئتیں بمع ان کے کمالاتِ وجودیہ کے جو ان میں منعکس ہو کر ان سے مل گئی ہیں، عدمات ہیں جیسے کہ مفصّل طور پر گزر چکا۔

وَ اللّٰہُ سُبۡحَانَہُ یُحِقُّ الۡحَقَّ وَھُوَ یَھۡدِی السَّبِیۡلَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی حق ظاہر کرتا اور وہی راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے۔]

تشریح

بعض لوگوں کو جو اپنے آپ کو پیر یا صوفی کہتے ہیں آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہ اَمرد لڑکوں (اَمرد سے مراد وہ لڑکا ہے جس کی مونچھیں نکل رہی ہوں مگر داڑھی ابھی نہ آئی ہو) اور نامحرم عورتوں کو بیعت کرتے ہیں اور پھر ان کو سامنے بٹھا کر توجہ اور مجالس کرتے ہیں، اور ان نامحرم عورتوں اور اَمرد لڑکوں کے ساتھ خلوت میں اُٹھتے بیٹھتے ہیں اور ان کو اپنے قریب کھڑا کر کے ان کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور ان کو ذِکر دیتے وقت یا ان کا ذِکر تبدیل کرتے وقت ان کے سینے پر ہاتھ لگاتے ہیں جبکہ اسلام نے اس عمل سے سختی سے منع فرمایا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بھی اکثر مکاتیب میں اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عورتیں تو عورتیں اَمرد لڑکے بھی عورتوں کے حکم میں ہیں۔ چلیں اس طرح کے پیر اور صوفی اگر مذاہب کا حکم تو نہیں مانتے لیکن ان کو چاہیئے کہ تصوف میں صوفیاء کرام کا حکم تو مانیں کیونکہ مکتوبات شریف میں بھی تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ مختصر یہ کہ ایسے پیر اور صوفی کو نہ تو کشف و شہود ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی مجالس کبریتِ اَحمر کا درجہ رکھتی ہیں بلکہ وہ تو صرف اور صرف بڑے بڑے القابات اور دعوؤں سے اپنے نفس کو خوش رکھتے ہیں ایسے لوگ نہ تو پیر کہلانے کے اہل ہیں اور نہ ہی صوفی کے نام کے حقدار ہیں بلکہ یہ تو اسلام اور صوفیاء عظام کا لبادہ

اوڑھے ہوئے مکار اور فریبی ہیں جنہوں نے اسلام اور صوفیاء عظام کے نام اور ان کے راستے کو بدنام کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور ان کو ہدایت فرما کر اسلام کے سیدھے راستے پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ قَبَّلَ غُلَامَ بِشَهْوَةٍ فَكَانَّمَا زَنٰى بِاُمِّهِ سَبْعِيْنَ مَرَّةٍ۔

ترجمہ: جس نے کسی لڑکے کو شہوت سے بوسہ دیا تو گویا اس نے اپنی ماں کے ساتھ ستر مرتبہ زنا کیا۔[1]

حضرت علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْغُلَامُ إِذَا بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ وَلَمْ يَكُنْ صَبِيحًا فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ وَإِنْ كَانَ صَبِيحًا فَحُكْمُهُ حُكْمُ النِّسَاءِ, وَهُوَ عَوْرَةٌ مِنْ قَرْنِهِ إِلَى قَدَمِهِ لَا يَحِلُّ النَّظَرُ إِلَيْهِ عَنْ شَهْوَةٍ, وَأَمَّا الْخَلْوَةُ وَالنَّظَرُ إِلَيْهِ لَا عَنْ شَهْوَةٍ فَلَا بَأْسَ بِهِ وَلِذَا لَمْ يُؤْمَرْ بِالنِّقَابِ۔

ترجمہ: لڑکا جب مردوں کی عمر کو پہنچ جائے اور وہ خوبصورت نہ ہو تو اس کا حکم مَردوں کا ہے اور اگر وہ خوبصورت چہرے والا ہو تو وہ عورتوں کے حکم میں ہے۔ وہ سَر کے بالوں سے لے کر قدم تک عورت کا درجہ رکھتا ہے شہوت سے اس کے جسم کے کسی بھی حصہ کی طرف دیکھنا حلال نہیں، مگر شہوت کے بغیر اس کے پاس تنہا ہونا اور اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی وجہ سے لڑکے کو نقاب کا حکم نہیں دیا جاتا۔[2]

---

[1](قطب الارشاد، ص ۱۲۹)

[2](الدر المختار، ج ۲، ص ۳۶۵، الناشر: دار الفکر -بیروت)

حضرت امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

وینبغي أن یحذر من مصافحة الامرد الحسن فإن النظر إلیه من غیر حاجة حرام علی الصحیح المنصوص۔

ترجمہ: اور مناسب یہ ہے کہ حَسین بے ریش لڑکے کے ساتھ مصافحہ کرنے میں احتیاط کرے کیونکہ صحیح منصوص کی بناءپر بغیر کسی ضرورت کے اَمرد کی طرف دیکھنا حرام ہے۔[1]

ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ:

وَالنَّظَرُ إلَی وَجهِ الْأَمْرَدِ لِشَهْوَةٍ کَالنَّظَرِ إلَی وَجهِ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ، وَالْمَرْأَةِ الْأَجْنَبِیَّةِ بِالشَّهْوَةِ، سَوَاءٌ کَانَتْ الشَّهْوَةُ شَهْوَةَ الْوَطْءِ، أَوْ شَهْوَةَ التَلَذُّذِ بِالنَّظَرِ، فَلَوْ نَظَرَ إلَی أُمِّهِ، وَأُخْتِهِ، وَابْنَتِهِ یَتلَذّذُ بِالنَّظَرِ إلَیْهَا کَمَا یَتلَذّذُ بِالنَّظرِ إلَی وَجهِ الْمَرأَةِ الْأَجْنَبِیَّةِ کَانَ مَعْلُومًا لِکُلِّ أحَدٍ أَنَّ هَذَا حَرَامٌ، فَکَذَلِکَ النَّظَرُ إلَی وَجهِ الْأَمْرَدِ بِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ۔

ترجمہ: اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا ایسا حرام ہے جس طرح محارم اور اجنبی عورتوں کی طرف شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔ پھر یہ بات برابر ہے کہ وہ نظر وطئ کے شوق سے ہو یا محض نظر سے لذت حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ پس اگر کسی نے اپنی ماں، بہن اور بیٹی کی طرف لذت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھا کہ جس طرح وہ اجنبی عورت کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھا کرتا ہے تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ یہ کام حرام ہے تو تمام آئمہ کے اتفاق سے اسی طرح بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔[2]

---

[1] (المجموع شرح المهذب، ج ۴، ص ۶۳۵، الناشر: دار الفکر)

[2] (الفتاوی الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۸۳، الناشر: دار الکتب العلمیة)

نیز ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ:

وَمَنْ كَرَّرَ النَّظَرَ إِلَى الْأَمْرَدِ وَنَحْوِهِ، أَوْ أَدَامَهُ، وَقَالَ: إِنِّي لَا أَنْظُرُ لِشَهْوَةٍ كَذَبَ فِي ذَلِكَ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ دَاعٍ يَحْتَاجُ مَعَهُ إِلَى النَّظَرِ لَمْ يَكُنْ النَّظَرُ إِلَّا لِمَا يَحْصُلُ فِي الْقَلْبِ مِنَ اللَّذَّةِ بِذَلِكَ۔

ترجمہ: اور جس نے بار بار بے ریش لڑکے اور اس کے ہم مثل کی طرف دیکھا یا اس کی طرف اپنی نظریں جمائے رکھا اور کہنے لگا کہ میں شہوت کی نظر سے نہیں دیکھتا تو اس نے اس بابت جھوٹ بولا۔ پس اگر اس کے پاس کوئی اَمرِ داعی (یعنی سبب داعیہ) نہ ہو تو پھر اسے دیکھنے کا محتاج ہو گا اور پھر دیکھنا اس لئے ہو گا کہ اس کی طرف دیکھنا اپنے دل میں لذت و مزہ حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔[1]

حضرت امام شیخ اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود بابرتی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَعَنْ هَذَا ذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ مُحَاذَاةَ الْأَمْرَدِ فِي الصَّلَاةِ تُفْسِدُ صَلَاةَ غَيْرِهِ كَالْمَرْأَةِ۔

ترجمہ: اور اس وجہ سے بعض (تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ) اس طرف گئے ہیں کہ (نماز میں) بے ریش کے ساتھ میں برابر کھڑا ہونا ساتھ میں کھڑے دوسرے شخص کی نماز کو فاسد کرتا ہے جس طرح عورت کے ساتھ برابر کھڑا ہونا دوسرے شخص کی نماز کو فاسد کرتا ہے۔[2]

حضرت حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

لَا تُجَالِسُوا أَبْنَاءَ الْأَغْنِيَاءِ فَإِنَّ لَهُمْ صُوَرًا كَصُوَرِ النِّسَاءِ، وَهُمْ أَشَدُّ فِتْنَةً مِنَ الْعَذَارَى، وَقَالَ: بَعْضُ التَّابِعِينَ مَا أَخَافُ عَلَى الشَّابِّ النَّاسِكِ فِي عِبَادَتِهِ مِنْ سَبُعٍ ضَارٍ كَخَوْفِي عَلَيْهِ مِنَ الْغُلَامِ الْأَمْرَدِ يَقْعُدُ إِلَيْهِ، وَقَالَ بَعْضُ التَّابِعِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ: اللُّوطِيَّةُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ: صِنْفٍ يَنْظُرُونَ، وَصِنْفٍ يُصَافِحُونَ، وَصِنْفٍ يَعْمَلُونَ ذَلِكَ الْعَمَلَ۔

---

[1] (الفتاوی الکبری، ج ۱، ص ۲۸۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ)

[2] (العنایۃ شرح الھدایۃ، ج ۱، ص ۸۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: مالداروں کے بیٹوں کو اپنے پاس مت بٹھاؤ اور نہ خود ان کے پاس بیٹھو کیونکہ ان کی شکلیں عورتوں کی مانند ہوتی ہیں اور فتنے کے لحاظ سے وہ کنواری عورتوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اور بعض تابعین نے فرمایا ہے کہ میں اس نوجوان عبادت گزار سے نہیں ڈرتا جو اپنی عبادت میں منہمک ہو جس طرح میں کسی ضررناک درندے سے خوف محسوس کرتا ہوں اس پر کہ اس کے قریب ایک بے ریش لڑکا بیٹھا ہو۔ اور بعض تابعین نے فرمایا ہے کہ لواطت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم جو صرف دیکھتے ہیں، دوسری قسم جو ان (بے ریشوں) سے ہاتھ ملاتے ہیں، تیسری قسم وہ جو لواطت کے فعل پر عمل کرتے ہیں۔ [1]

حضرت عالم بن علاء الدین الانصاری الاندرینی الہندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ صَبِيحًا، وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يُجْلِسُهُ فِي دَرْسِهِ خَلْفَ ظَهْرِهِ، أَوْ خَلْفَ سَارِيَةٍ مَخَافَةَ خِيَانَةِ الْعَيْنِ مَعَ كَمَالِ تَقْوَاهُ۔

ترجمہ: حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت خوبصورت تھے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہیں اپنے درس میں اپنی پشت کے پیچھے بٹھایا کرتے تھے یا ستون کے پیچھے بٹھایا کرتے تھے۔ وہ کمالِ تقویٰ کے ساتھ آنکھ کے خیانت کر جانے کے خوف سے ایسا کیا کرتے تھے۔ [2]

خرابت کند شاہد خانہ کن
برو خانہ آباد گرداں بزن
نشاید ہوس باختن باگلے
کہ ہر بامداد ش بود بلبلے

---

[1] (المدخل لابن الحاج، ج۳، ص ۱۱۵، الناشر: دار التراث)

[2] (رد المحتار علی الدر المختار، ج۶، ص ۳۶۵، الناشر: دار الفکر -بیروت)

مکن بَد بفــرزند مرِدم نگاہ

کہ فرزند خویشتــ بَرآید تباہ

چرا طفــل یک روزہ ہوشش بزد

کہ دَر صــنع دیدن چــہ بالغ چــہ خِرد

محقق ہمی بینــد اندر ابِل

کہ در خوبرویاں چــین وچگل

ترجمہ: تجھے یہ بے ریش (حسین) خراب کرے گا جا عورت سے نکاح کرکے گھر آباد کر، اس گُل سے خواہش رانی کا کیا فائدہ جس کی ہر نئے روز نئی بلبل (عاشق) ہو۔ لوگوں کے لڑکوں کو بد نگاہ سے نہ دیکھ کہیں تیرا بیٹا تباہ نہ ہو جائے، بھلا اس کا ننھے بچے نے ہوش کیوں نہیں اُڑا یا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت دیکھنے میں بڑے چھوٹے کا کوئی فرق نہیں، محقق تو اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو چین و چگل کے حَسینوں میں دیکھتا ہے۔

عصرِ حاضر میں آپ نے ایسے علماء اور صوفیاء کو دیکھا ہو گا جو میڈیا میں ٹیلی ویژن، فیس بک، یوٹیوب، انٹرنیٹ اور مختلف چینلز وغیرہ پر پروگرام کر رہے ہوتے ہیں اور بعض نے تو اپنی ذاتی ویب سائٹس بنا رکھی ہیں ان میں آپ کو ان کی مختلف محافل و مجالس دیکھنے کو ملیں گی جن میں عورتیں موجود ہوں گی اور اس کے علاوہ ان محافل میں آپ کو خوبصورت عورتیں اور خوبصورت نابالغ لڑکے نعتیں پڑھتے نظر آئیں گے جبکہ اسلام میں اس عمل سے منع فرمایا گیا ہے یہ لوگ نہ تو قرآن عظیم الشان پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث، فقہ اور تصوف پر۔ معلوم نہیں کہ ایسے لوگ اسلام کے کس شعبے میں داخل ہیں کیونکہ یہ اعمال تو سراسر قرآن عظیم الشان کے احکامات کے خلاف ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (٣٠) وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ (النور ٣١)

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے، اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں۔

اس کے باوجود بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ پردے کا حکم کہاں لکھا ہے ان عقل کے اندھوں نے اگر قرآن عظیم الشان پڑھا ہوتا تو ان کو معلوم ہوتا۔ ان آیاتِ مبارکہ میں مرد و عورت سب کو اپنی نگاہوں اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے مگر غور طلب بات ہے کہ آج کل ہمارے گھروں، محلوں، بازاروں اور شادی بیاہ وغیرہ کا جو ماحول ہے اس میں نہ تو مَرد اس گناہ سے محفوظ ہیں اور نہ ہی عورتیں۔ اور مَرد جن کو قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عورتوں پر حاکم قرار دیا ہے، وہ اپنے گھر اور اس کے ماحول پر حاکم ہے مگر افسوس صد افسوس کہ انہوں نے اپنے گھروں، محلوں، بازاروں اور شادی بیاہ وغیرہ کے اس ماحول کو اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالنا تو کجا انہوں نے تو اس مکمل طور پر چشم پوشی اختیار کی ہوئی ہے بلکہ خود بھی اس غیر شرعی ماحول کے رنگ میں رنگ چکے ہیں جو کہ بے غیرتی اور بے حیائی کا کھلا ثبوت ہے۔ اس کے باوجود یہ لوگ ولایت اور صوفیت کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم صوفی کیسے بنیں گے کیونکہ صوفی تو انسان اس وقت بنتا ہے جب وہ مکمل طور پر شریعتِ غرّاَ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر عمل پیرا ہو۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ"۔

ترجمہ: مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے (بد نظری کرنے والے) پر اور جس کی طرف دیکھا جارہا ہے اُس پر لعنت کی ہے۔[1]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ، ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا أَحْدَثَ اللهُ لَهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا۔

ترجمہ: جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے عبادت میں حلاوت کا احساس پیدا کردیتا ہے۔[2]

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ:

يَا نَبِيَّ اللَّهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ قَالَ: احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ؟ قَالَ: إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا تُرِيَنَّهَا، قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ۔

ترجمہ: اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! ہم اپنی شرمگاہیں کس قدر کھول سکتے ہیں اور کس قدر چھپانا ضروری ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: تم اپنی

---

[1] (سنن الکبری للبیهقی، ج۷، ص ۱۵۹، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت-لبنان)

[2] (مسند احمد، ج۳۶، ص ۲۱۰، الناشر: مؤسسة الرسالة)

شرمگاہ اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے سوا ہر ایک سے چھپاؤ، میں نے پھر کہا: جب لوگ مل جل کر رہ رہے ہوں (تو ہم کیا کریں؟) آپ نے فرمایا: تب بھی تمہاری ہر ممکن کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ تمہاری شرمگاہ کوئی نہ دیکھ سکے، میں نے پھر کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم! جب آدمی تنہا ہو؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تو اور زیادہ مستحق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔ [1]

اگر کوئی شخص صوفی بننے یا کشف وشہود اور مراقبات کا خواہشمند ہو تو اُسے چاہیئے کہ قرآن عظیم الشان کی ان آیات کو غور سے پڑھے، سمجھے اور پھر اپنی طرف متوجہ ہو کر ان پر عمل پیرا ہو۔

[اے فرزند! یہ علوم ومعارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے۔ بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں، جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ وممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے، بیان فرمایا۔ اور جو نہ کتاب وسنت کی مخالفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اہلِ حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اس دُعا میں جو آپ نے گویا تعلیم کے لئے فرمائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔

ترجمہ: یااللہ تو مجھے اشیاء کی حقیقتیں کما حقہٗ دِکھا۔

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص۱۱۰، الناشر: شرکۃمکتبۃومطبعۃمصطفی البابي الحلبي -مصر)

حقائق سے مراد یہی حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں اور جو کہ مقامِ عبودیت کے مناسب ہیں اور جو کہ نقص وذلّت وانکسار پر جو بندگی کے حال کے مناسب ہے دلالت کرتی ہے۔بندہ عاجز جو اپنے آپ کو اپنے مولائے قادر کا عین جانے کمال بے ادبی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔یعنی یا اللہ تو مجھے اشیاء کی حقیقتیں کما حقہٗ دِکھا۔'' جو کچھ انسان کے وجود میں ہے وہ سب ممکنات سے ہیں اور جو چیزیں ممکنات سے خارج ہیں ان کی حقیقت کا نہیں فرمایا حالانکہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس حقیقت کو جانتے تھے مگر ہمارے لئے بطورِ تعلیم یہ بات فرمائی ہے۔ہمارے بعض صوفیاء کرام اس دُعا کو پڑھتے تو ہیں مگر اس کی حقیقت کے بارے میں سوچ وفکر نہیں کرتے کہ اشیاء کی حقیقت سے کیا مراد ہے۔تصوف میں مشائخ اپنے مُریدین کو وقتاً فوقتاً قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی کے اذکار عطا کرتے رہتے ہیں مگر کوئی بھی سالک یہ سوچ وفکر نہیں کرتا کہ میرے وجود میں ان اشیاء کی حقیقت کیا ہے؟اور نہ ہی اپنے رب سے کبھی دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! تو مجھے قلب،روح،سِر، خفی اور اخفٰی کے حقائق پر مطلع اور مشرف فرما۔ جب صوفیت کی بات ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مجھ سے بڑا صوفی کوئی نہیں ہے جبکہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو کہ اولین وآخرین پیغمبر ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر چیز کا علم عطا فرمایا ہے مگر پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ دعا فرماتے ہیں کہ ''یا اللہ! تو مجھے اشیاء کی حقیقتیں کما حقہٗ دکھا'' ہم بھی اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں لیکن ہم اس حقیقت کو تلاش کیوں نہیں کرتے اور اس کو

حاصل کرنے کے لئے کیوں اپنے رب سے گڑگڑا کر دُعائیں نہیں کرتے کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے ان پر مطلع اور مشرف فرما دے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ تعینِ جمیع ممکنات دائرۂ ظلال میں (یعنی عرش، جنت ودوزخ، لوح و قلم، انسان حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بغیر) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فیوضات اور انوارات جس طرح ہر درخت پر وارد ہوتے ہیں اس طرح ہر فرد پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے یہ فیوضات اور انوارات تازہ بہ تازہ وارد ہوتے رہتے ہیں یہ سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مظاہر اسماء وصفات ہیں اور یہ غیر متناہی ہیں۔

اسی لئے صوفیاء عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم فرماتے ہیں کہ:

وَ الطُّرُقُ إِلَى اللهِ بِعَدَدِ أَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ وَ الْمَقَامَاتُ تَعْلُوْ مَعَ الْأَنْفَاسِ كَانَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَعْلُوْ مِنْ مَّقَامٍ إِلىٰ مَقَامٍ وَهِيَ مَقَامَاتُ الْكَشْفِ وَ الْمَعَارِفِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے مخلوق کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں اور مقامات بھی انفاس کے ساتھ بلند ہوتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہر سانس کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی فرماتے تھے اور یہ کشف ومعارف کے مقامات ہیں۔[1]

اس میں ظلالِ اسماء وصفات کے نکتہ کی جانب اشارہ ہے کہ افراد میں سے ہر فرد کا مبدأ تعین دائرۂ ظلال میں ہوتا ہے اور اس میں لطائفِ خمسہ (قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی) کو فنا وبقا حاصل ہوتی ہے جب ان لطائف کو فنا وبقا کے حصول کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے سالک کی ظاہری وباطنی کیفیت میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سالک کی حقیقتِ قلب پر مشرف ہونے کی کیفیت وصورت یہ ہے کہ جب سالک کو لطیفۂ قلب میں فنا وبقا حاصل ہوتی ہے تو فنا وبقا میں

---

[1] (مجموعۃ الرسائل للامام الغزالي، المقالۃ الثالثۃ والعشرون فی جھاد النفس والتدبیر، ج ۱)

سالک پر تجلیاتِ افعالِ الٰہیہ صفتِ تکوین کے ظلال سے وارد ہوتی ہیں،یعنی صفتِ تکوین سے سالک کا لطیفۂ قلب فناوبقاپر مشرف ہوتا ہے اور اس کا تعلق قلب کے علاوہ کسی اور مقام سے نہیں ہوتا۔ جب اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کسی سالک پر توجہ کرتے ہیں اور اس دوران سالک کو اس ولی کی توجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یاد آجاتا ہے تو فوراً اس سالک کا قلب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بار گاہ میں انابت اور توبہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک سالک قلب کی گہرائیوں سے شرک، شراب، زنا، کینہ، حسد، جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ نیز ہر قسم کے گناہ سے انابت وتوبہ کی طرف مائل نہ ہو اور سالک کو ان سب گناہوں سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل نہ ہو تو اس وقت تک اس سالک کا قلب ذاکر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا قلب جیسے پہلے تھا ویسا ہی رہتا ہے۔ اور جس سالک کو اس نعمت سے مشرف کر دیا جاتا ہے تو یہ سالک حق تعالیٰ کے آثارِ افعال کا دیدار کر لیتا ہے اور ایسا سالک حضراتِ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات اولیاء عظام رحمھم اللہ تعالیٰ کی قبور سے بلا واسطہ اخذِ فیض کر سکتا ہے جب کسی سالک پر یہ حالت وکیفیت طاری ہوتی ہے کہ اس کے دیکھنے کے بعد اس سالک کو ہر چیز میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نظر آنے لگے تو یہ سالک وحدۃ الوجودی ہو جاتا ہے۔ہم گزشتہ مکاتیب میں بیان کر چکے ہیں کہ وحدۃ الوجود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کاواجب الوجود ہے مگر یہ اس کا ظل اور اس کی صفت ہے اس سالک پر یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہنی چاہیئے کیونکہ اس میں خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سالک کی حقیقتِ روح کی فناوبقاپر مشرف ہونے کی کیفیت وصورت یہ ہے کہ جب سالک کو لطیفۂ روح میں فنا کی کیفیت حاصل ہوتی ہے تو فنا کی اس کیفیت میں سالک پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیاتِ صفاتِ ثمانیہ، ثبوتیہ، حقیقیہ کے ظلال سے فیض آتا ہے اور اس طرح سالک اپنے ارادے، قدرت، علم حتیٰ کہ اپنے آپ کو فانی سمجھتا ہے کہ میرا ارادہ، قدرت، علم، سمع، بصر وغیرہ کچھ بھی

نہیں ہے اور اپنے ارادے کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ میں مضمحل (محو) سمجھتا ہے اور جب سالک کو لطیفۂ روح میں بقا کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کو صفات اور ذات کو ذات سمجھتا ہے اور سالک اپنی صفات کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔

سالک کی اس کیفیت کو حضرت فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز کے مُریدہیں اپنے اس شعر میں کیاخوب بیان فرمایاہے کہ:

عشقم کہ دَر دو کون مکانم پدید نیست
عنقائی مغربم کہ نشانم پدید نیست

ترجمہ: میرا عشق نہ تو دُنیا میں معلوم دار ہے اور نہ ہی آخرت میں (یعنی سالک یہ نہیں جانتا کہ میں کس چیز پر عاشق ہوں) میں وہ عنقابن گیاہوں کہ میرا نام ونشان بھی معلوم نہیں ہے (یعنی سالک بقاکے اس مقام میں اپنی صفات کو کچھ نہیں سمجھتا)۔

اب ہر سالک کو چاہیئے کہ اپنی طرف متوجہ ہو کہ آیا اس کے قلب پر یہ کیفیت وارد ہے یا نہیں فیصلہ خود بخود ہو جائے گا۔

نیز حضرت فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

زابروو غمزہ ہر دو جہان صید کردہ ام
منگر بدان کہ تیرو کمانم پدید نیست
گویم بہ ہر زبان وبہ ہر گوش بشنوم
وین طرفہ ترکہ گوش وزبانم پدید نیست

ترجمہ: یہ (ولی وہ ہستی ہے کہ) جس نے اپنے اَبرو اور آنکھوں کے اشارے (مستی اور نشے سے بھری ہوئی توجہاتِ عالیہ) سے دونوں جہانوں میں شکار کیا مگر یہ نہیں جانتا کہ اس (ولی) نے مجھے کس تیر وکمان سے ضرب لگا کر میرا شکار کیا ہے۔

مجھے الہام ہوتا ہے زبان بھی معلوم ہوتا ہے اور میرے کان بھی سُنتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھ سے اس طرح فرمایا ہے مگر میں یہ نہیں سمجھتا کہ مجھے الہام کہاں سے ہوتا ہے اور کون سی ہستی کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ لطیفہ ٔ قلب میں سالک کی کیفیت انابت وتوبہ کی ہوتی ہے اور لطیفہ ٔ روح میں تقویٰ اختیار کرتا ہے سارا سارا دن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے عمل درآمد، ذکرواذکار، نماز اور قرآن عظیم الشان کی تلاوت میں مگن رہتا ہے اور دُنیاوی اُمور کو ترک کر دیتا ہے۔

سالک کی حقیقتِ سِر کی فنا وبقا پر مشرف ہونے کی کیفیت وصورت یہ ہے کہ جب سالک کو لطیفہ ٔ سِر میں فنا کی کیفیت حاصل ہوتی ہے تو فنا کی اس کیفیت میں سالک پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیاتِ شیونات کے ظلال سے فیض آتا ہے۔ اس مقام میں سالک اپنے آپ اور اپنے بدن کو ان صفات میں مضمحل (محو) سمجھتا ہے نہ تو سالک اپنے آپ سے واقف ہوتا ہے اور نہ ہی کسی اور کیفیت سے۔ اور جب سالک بقا کی کیفیت پر مشرف ہو جاتا ہے تو پھر سالک کو شریعتِ غراَ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر استقامت نصیب ہو جاتی ہے اور اُس کا ہر نیک عمل سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مکمل تابعداری پر دوام اختیار کر لیتا ہے۔

حضرت فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

چون بنگرم درآئینہ عکسِ جمال خویش

گردد ہمہ جہان بہ حقیقت مصورم

ترجمہ: جب میں اپنے قلب کے آئینہ سے دیکھتا ہوں تو میرا قلب جام جہان نما بن جاتا ہے(یعنی ساری دُنیا اس میں نظر آتی ہے)۔

سالک کی حقیقتِ خفی کی فنا وبقا پر مشرف ہونے کی کیفیت وصورت یہ ہے کہ جب سالک کو لطیفہ ٔخفی میں فنا کی کیفیت حاصل ہوتی ہے تو فنا کی اس کیفیت میں سالک پر صفاتِ سلبیہ کی تجلیات کے ظلال سے فیض آتا ہے یعنی فنا کی اس کیفیت میں سالک صفاتِ سلبیہ میں فانی ہوتا ہے اور جب بقا کی کیفیت پر فائز ہو جاتا ہے تو جنابِ کبریا سے تفرید یعنی فردیت ظاہر ہوتی ہے کہ صرف اور صرف وہی فردِ ذات ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے باقی ہر چیز معدوم ہے۔

مختصر یہ کہ لطیفہ ٔسِر میں استقامت اور لطیفہ ٔخفی میں اطمینان ہے۔یعنی سالک کو یہ اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ذاتِ بابرکات واحد ولاشریک ہے یہی وحدت ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند

فرزندو عیال وخانمان راچہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی

دیوانہ ٔتو ہر دو جہان راچہ کند

ترجمہ: جس شخص نے تیری شناخت حاصل کرلی، وہ جان کو کیا کرے گا (یعنی اکی زندگی اس کے کس کام کی) اولاد، اہل و عیال اور گھر بار اس کے کس کام کے۔ (اے اللہ) آپ اپنا دیوانہ بنا کر دو جہاں عطا فرمادیتے ہیں، لیکن آپ کا دیوانہ دو جہاں کو لے کر کیا کرے گا؟

سالک کی حقیقتِ اخفٰی کی فنا و بقا پر مشرف ہونے کی کیفیت و صورت یہ ہے کہ جب سالک کو لطیفۂ اخفٰی میں فنا کی کیفیت حاصل ہوتی ہے تو فنا کی اس کیفیت میں سالک پر صفاتِ شانِ جامع الٰہی کی تجلیات کے ظلال سے فیض کی بارش ہوتی ہے یعنی جب سالک فانی ہوتا ہے تو اس سے اخلاقِ رذیلہ دور ہو جاتے ہیں اور جب بقا کی کیفیت پر فائز ہو جاتا ہے تو متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ راضی و مرضی ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جو احکامات دیئے ہیں ان پر عمل کرتا اور جن سے منع کا حکم ہو ان سے خود کو دور رکھتا ہے۔

کیونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حقیقتِ اخفٰی کے مقام کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ جب سالک کو اس مقام پر مشرف فرمادیا جاتا ہے تو پھر سالک کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ:

منبع آداب و اخلاقِ حسن

مجمع اوصاف رب ذوالمنان

این مرتبہ را بلند و پستی نہ بود
خود بینی و خویشتن پرستی نہ بود
در ہر قدم زینہ است بینی اثرے
جائی برسی کہ نامِ ہستی نہ بری

ترجمہ: بہترین آداب واخلاق کا سرچشمہ بن جاتا ہے اس ذوالمنان (جو کہ بڑے فضل واحسان کرنے والی ذات) ہے سالک اس کے اخلاق کا مجمع بن جاتا ہے۔ یہ مقام بلندی وپستی کا نہیں ہے اور نہ ہی اس مقام میں خود پسندی (یعنی کہ میں بڑا عالم یا صوفی ہوں) اور رشتہ داری کا کوئی سلسلہ ہے۔ سالک (پانچ قدموں) میں سے ہر قدم میں اثر دیکھتا ہے اور ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہاں ہستی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ ولایتِ کبریٰ کا مقام ہے تصوف میں لطائفِ خمسہ اور اس سے آگے کے مقامات بھی ظلِ صفات ہیں اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان لطائفِ خمسہ میں سے سالک کو محض ایک لطیفہ لطیفۂ قلب پر ہی انابت وتوبہ سے مشرف فرمادے تو سالک جنت کے آٹھ دروازوں میں سے داخل ہونے کی قابلیت پا لیتا ہے۔ سبحان اللہ!

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنَّ لِلْجَنَّةِ ثَمَانِيَةَ أَبْوَابٍ، يُدْخِلُهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ أَيِّ بَابٍ شَاءَ مِنْهَا الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: جو شخص اللہ عزوجل کی راہ میں ایک جوڑا خرچ کرتا ہے اللہ عزوجل اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیتا ہے کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ [1]

آٹھ میں سے چار دروازے درج ذیل حدیث میں بیان ہیں اور بقیہ چار کا مختلف احادیث مبارکہ میں بیان ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنْ الْأَشْيَاءِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ يَعْنِي الْجَنَّةَ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا خَيْرٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ وَبَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا عَلَى هَذَا الَّذِي يُدْعَى مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ وَقَالَ هَلْ يُدْعَى مِنْهَا كُلِّهَا أَحَدٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ۔

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کیا اسے جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ اے اللہ کے بندے! یہ بہتر ہے جو شخص نمازی ہو گا اسے باب الصلاۃ سے پکارا جائے گا، جو شخص مجاہدین سے ہو گا اسے باب الجہاد سے دعوت دی جائے گی، جو شخص صدقہ کرنے والوں سے ہو گا اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے گا، اور جو شخص روزہ داروں سے ہو گا اسے باب الصیام اور باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! جس شخص کو تمام دروازوں سے پکارا جائے گا اسے کوئی ضرورت نہ ہو گی، پھر عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! کیا کسی شخص کو تمام دروازوں سے

---

[1](مسند احمد، ج ۳۲، ص ۱۸۲، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)

دعوت دی جائے گی؟ آپ نے فرمایا:ہاں اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میں اُمید رکھتا ہوں کہ تم ان لوگوں سے ہو۔[1]

بعض علماء نے ان مختلف احادیثِ مبارکہ کو سامنے رکھ کر جنت کے آٹھ دروازوں کے یہ نام ذکر کئے ہیں:

۱۔باب الصلاۃ ۲۔باب الجهاد

۳۔باب الریان ۴۔باب الصدقه

۵۔باب الحج ۶۔باب الکاظمین و العارفین عن الناس

۷۔باب المتوکلین ۸۔باب الذکر یا باب العلم[2]

جنت کے آٹھ دروازوں میں سات دروازے سات لطائف ہیں جو سالک ان سات لطائف میں سے جس لطیفہ کی حقیقت پر فائز ہو گیا سات دروازوں میں سے ایک دروازے سے اسے پکارا جائے گا اور جنت میں داخل ہو گا اور آٹھواں دروازہ ایمان کا ہے اس طرح ایسے خوش نصیب سالکین بھی موجود ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آٹھوں دروازوں سے پکارے گا۔ یعنی اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ احادیثِ مبارکہ سے تو یہ بات ثابت ہے لیکن قرآن عظیم الشان میں بھی اس کی کوئی دلیل موجود ہے،تو جواباً عرض ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرۃ ۲۵۳)

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۲ ، ص ۱ ، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا، ج ۷، حدیث نمبر ۳۶۶۲)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

حضراتِ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے تابعداروں کو کامل و مکمل اتباع کی وجہ سے حضرات انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کو ملنے والے درجات و مقامات سے وافر حصہ عنایت کیا جاتا ہے اور وہ یوں کہ حضراتِ انبیاء علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبارک قدموں کے نیچے سے وہ فیوضات وبرکات ظلی طور پر ان خوش نصیب تابعداروں کو ملتے ہیں اور ظلی طور پر اس لئے کہ اسماء وصفات الٰہی کے اصل مقامات سے مستفید ہونا صرف اور صرف حضراتِ انبیاء علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کا خاصہ ہے۔

[اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جب کہ پہلی امتوں میں سے ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا، اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا۔ اور اس اُمت میں جو خیر الامم ہے اور اس اُمت کا پیغمبر خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے، اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے۔ اور علماء کے وجود کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے وجود سے کفایت کی ہے۔ اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس اُمت کے علماء میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تاکہ شریعت کو زندہ کرے خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے۔ اسی طرح اس وقت ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ اُمتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید

دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ترجمہ: روح القدس کا فیض اگر اب بھی مدد کرے تو دوسرے بھی وہ کام کرسکتے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کرتے تھے۔

اے فرزند! وجودِ صرف عدمِ صَرف کے مقابل ہے۔ اور اوپر گزر چکا کہ وجودِ صرف واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی حیثیت اور ہر خیر وکمال کا عین ہے۔ اگرچہ یہ عینیت بھی خواہ اجمال کے طور پر ہی ہو اس مقام میں گنجائش نہیں رکھتی کیونکہ ظلیت کی آمیزش رکھتی ہے۔ اور عدم جو صرف اس وجود کا مقابل ہے وہ عدم ہے جس کی طرف کسی نسبت اور اضافت نے راہ نہیں پائی۔ اور وہ ہر شر ونقص کا عین ہے، اگرچہ یہ عینیّت بھی وہاں گنجائش نہیں رکھتی، کیونکہ اضافت کی بُو رکھتی ہے۔

اور معلوم ہے کہ کسی شے کا ظہور پورے طور پر اس شے کے حقیقی مقابل میں ظاہر ہوتا ہے:

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَآءُ۔

ترجمہ: اشیاء اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

پس بالضرور وجودِ صَرف کا ظہور پورے طور پر عدمِ صَرف کے آئینہ میں حاصل ہوگا۔ اور مقرر ہے کہ نزول عروج کے اندازہ سے ہے پس جس کا عروج اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وجودِ صَرف تک ثابت ہو ناچار اس کا نزول عدمِ صَرف سے ہوگا جو اس کے مقابل ہے۔ لیکن عروج کے وقت وہاں عارف کا استہلاک ہے جس کو جہل لازم ہے۔ اور نزول کے وقت صحو سے متحقق ہے جو علم ومعرفت کا مقام ہے، اس وقت اس کے مقامِ صحو کو اس تجلّیٔ ذاتی سے جو ظلیّت کی آمیزش سے منزّہ اور شائبہ شیون واعتبارات کے ملاحظہ سے مبرّا ہے مشرف کرتے ہیں۔ اور اس کو جتلا دیتے ہیں کہ اس سے پہلے جو تجلّی حاصل ہوئی تھی وہ اسماء وصفات وشیون واعتبارات کے ظلال میں کسی ظل کے پردہ میں تھی۔ اگرچہ عارف اس کو اسماء وشیون کے ملاحظہ کے بغیر جانتا ہے اور حضرتِ وجودِ صرف کی تجلّی

گنتا ہے۔ سبحان اللہ! اس عدم نے جو ہر شر و نقص کا ماویٰ ہے۔ حضرت وجودِ تعالیٰ کے ظہورِ تام کے باعث حُسن کے معنی پیدا کئے۔ اور وہ کچھ پایا جو کسی نے نہ پایا۔ اور جو فی نفسہٖ قبیح تھا۔ حُسنِ عارضی کے سبب مستحسن ہو گیا۔ نفسِ امارہ انسانی جو بالذات شرارت کی طرف مائل ہے، اس عدم کے ساتھ سب سے زیادہ کامل مناسبت رکھتا ہے اسی واسطے تجلیٔ خاص میں سب سے فائق ہو گیا۔ اور سب پر ترقی پا گیا۔

کہ مستحق کرامت گنہگار انند

ترجمہ: کیونکہ گناہ گار ہی عزت افزائی کے مستحق ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ تام المعرفت عارف جب عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو مفصل طور پر طے کرنے کے بعد عدمِ صَرف میں نزول فرمائے گا اور حضرتِ وجود کی آئینہ داری کرے گا تو اس وقت تمام اسمائی وصفاتی کمالات اس میں ظہور پائیں گے۔ اور مفصل طور پر سب کو ایسے لطائف کے ساتھ ظاہر کرے گا کہ مقامِ اجمال جن کا متضمن ہے اور یہ دولت اس کے سوا کسی کو میسر نہیں ہے اور یہ آئینہ داری ایک قیمتی لباس ہے جو اس کے قد پر سِیا ہوا ہے۔ اس تفصیل نے اگرچہ حضرتِ علم کے خزینہ میں صورت حاصل کی ہے، لیکن وہ آئینہ داری مرتبہ علم میں ہے اور اس عارف کا آئینہ مرتبہ خارج میں ہے جس نے خارج میں تمام کمالات کو ظاہر کیا ہے۔

سوال: مرآتیتِ عدم کے کیا معنی ہیں اور عدم کو جو لا شیٔ محض ہے کس اعتبار سے وجود کا آئینہ کہا ہے؟

جواب: عدم باعتبار خارج کے لا شیٔ محض ہے لیکن اس نے علم میں امتیاز پیدا کیا ہے بلکہ وجودِ ذہنی کے ثابت کرنے والوں کے نزدیک اس نے وجودِ علمی بھی حاصل کیا ہے۔ اس کو وجود کا آئینہ

اس اعتبار سے کہا ہے کہ مرتبۂ عدم میں ہر نقص و شرارت جو وجود سے ثابت ہو جو اس کی نقیض ہے ضرور مسلوب ہو گا۔ اور ہر کمال جو مرتبۂ عدم میں مسلوب ہو، وہ حضرتِ وجود میں مثبت ہو گا۔ پس ناچار عدمِ کمالات وجودی کے ظہور کا سبب ہوا، اور آئینہ ہونے کے یہی معنیٰ ہیں اس کے سوا اور معنیٰ کچھ نہیں۔

فَافْهَمْ فَإِنَّهُ يَنْفَعُكَ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ۔

ترجمہ: پس سمجھ لے کیونکہ اس سے آپ کو فائدہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ الہام کرنے والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے، اور علماء کے وجود کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے وجود سے کفایت کی ہے" جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ۔

ترجمہ: بے شک علمائے (حق) انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے وارث ہیں۔[1]

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل۔

ترجمہ: میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔[2]

---

[1](سنن الترمذی، ج۵، ص ۴۸، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)

[2](تفسير الفخر الرازی، ج ۱، ص ۲۳۸۲، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)

اگرچہ بعض لوگوں نے اس حدیث میں کلام کیا ہے مگر ہم یہاں پر اس کی مختصر سی تمثیل وتنظیر بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس حدیث کی وجہ تمثیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

إن لله عز وجل ثلثمائة قلوبهم على قلب آدم وله أربعون قلوبهم على قلب موسى وله سبعة قلوبهم على قلب إبراهيم وله خمسة قلوبهم على قلب جبريل وله ثلاثة قلوبهم على قلب ميكائيل وله واحد قلبه على قلب إسرافيل۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے تین سو بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ اقدس پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے چالیس بندے ایسے ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سات بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ اطہر پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پانچ بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ انور پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے تین بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ اقدس پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ایسا ہے جس کا قلب حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ انور پر ہے۔ [1]

تمثیل وتنظیر کا مطلب یہ ہے کہ علماء علم کی میراث یا احکام کی تشریع (تبلیغ واشاعت) میں حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی مثل ہیں۔ لیکن حضراتِ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا علم اور تشریع وحی الٰہی کی وجہ سے قطعی ہے۔ اور علماء کرام کی تشریع اجتہاد کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے وہ ظنی ہے۔

---

[1](مسند الفردوس، ج ۱، ص ۵۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس اُمت کے علماء میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں۔ تاکہ شریعت کو زندہ کرے، خاص کر ہزار سال کے بعد۔ الخ" اس بات کی تائید اس حدیثِ مبارکہ میں موجود ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

فِيمَا أَعْلَمُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا۔

ترجمہ: میرے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس اُمت کی (رہنمائی) کے لئے ہر سو سال کے بعد ایک ایسا شخص پیدا فرماتا رہے گا جو کہ از سرِ نو دین کی تجدید کرے گا۔ [1]

[اے فرزند! یہ جو معارف لکھے گئے ہیں اُمید ہے کہ رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے۔ اور اس مطلب پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیر ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا کی تو دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علیٰ نبیناو علیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے گرد ونواح سے شیطان کو دفع کرتے ہیں، اور اس مکان کے گرد نہیں آنے دیتے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا بڑی اعلیٰ درجہ کی شکر گزاری ہے۔ اس لئے اس نعمتِ عظمیٰ کے ظاہر کرنے کی دلیری کی۔ اُمید ہے کہ یہ بات عُجب اور خود بینی کے گمان سے پاک ہو گی۔ اور خود بینی کی گنجائش کیسے ہو سکے جب کہ اللہ تعالیٰ کی

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج۴، ص ۱۷۸، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

عنایت سے اپنا ذاتی نقص وشرارت ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور کمالات سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَوَّ لاً وَّ اٰخِرًا وَ الصَّلاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا وَّ عَلٰی اٰلِہٖ الْکِرَامِ وَ اَصْحَابِہٖ الْعِظَامِ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا

ترجمہ: اول وآخر میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور اس کی آلِ بزرگوار اور اصحابِ عظام پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو اور سلام ہو اُن سب پر جو ہدایت کے رستہ پر چلے، اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''کہ جب فقیر ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا کی تو دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے گرد و نواح سے شیطان کو دفع کرتے ہیں اور اس مکان کے گرد، الخ'' یعنی مجھے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس لئے میں نے عقائد اور تصوف کی تجدید کی ہے تاکہ ہمارے عقائد اور تصوف بعینہٖ اسلاف کے عقائد اور تصوف کے مطابق راہ اختیار کریں۔

ولایت عطا کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات مطلع فرماتی ہے یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مؤکلاتِ رحمانی کو حکم فرماتا ہے کہ فلاں کو فلاں کام کی اطلاع دے دو۔ اسی لئے اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا علم

عطائی (اطلاع یا خبر کے واسطے سے) ہے اور ہم اس طرح نہیں کہتے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات اپنی ذات میں خود عالم تھے بلکہ ہم اس طرح کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کو علم سے نوازا ہے، اور وہ حق تعالیٰ و تقدس کے عطا کردہ علم سے عالم ہوئے ہیں۔

قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا (٢٦) إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (الجن ٢٧)

ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے۔

بطور مثال ایک حدیث مبارکہ بیان کی جاتی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ قَالَ فَرَفَعَهُ اللَّهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُم۔

ترجمہ: میں نے اپنے آپ کو حجر (حطیم) میں دیکھا، قریش مجھ سے میرے رات (شبِ معراج) کے سفر کے بارے میں سوال کر رہے تھے، انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا جو میں نے غور سے نہ دیکھی تھیں، میں اس قدر پریشانی میں مبتلا ہوا کہ کبھی اتنا پریشان نہ ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اس پر اللہ تعالیٰ نے اس (بیت المقدس) اُٹھا کر میرے سامنے کر دیا میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا، پھر وہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھتے میں انہیں بتا دیتا۔ [1]

[1] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۰۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

جیسا کہ اس درج بالا آیتِ مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ رسول کے آگے پیچھے یعنی ہر طرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کچھ نگہداشت کرنے والے فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس بات کی نگرانی رکھتے ہیں کہ کوئی شیطان چوری سے نہ سُن لے یا وحی کے اندر کسی غیر وحی کو شامل نہ کر دے۔

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ اللّٰهُ إِذَا بَعَثَ رَسُولًا أَتَاهُ إِبْلِيسُ فِي صُورَةِ مَلَكٍ يُخْبِرُهُ فَيَبْعَثُ اللّٰهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفِهِ رَصَدًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَحْرُسُونَهُ وَيَطْرُدُونَ الشَّيَاطِينَ، فَإِذَا جَاءَهُ شَيْطَانٌ فِي صُورَةِ مَلَكٍ أَخْبَرُوهُ بِأَنَّهُ شَيْطَانٌ، فَاحْذَرْهُ وَإِذَا جَاءَهُ مَلَكٌ قَالُوا لَه: هذا رسول ربك۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث فرماتا تھا تو ابلیس فرشتہ کی شکل میں نمودار ہو کر اس (رسول) کو (کچھ اپنی طرف سے) اطلاع دے دیا کرتا تھا، اس کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ نگہبان فرشتے اس کے آگے پیچھے مامور کر دیئے جو شیاطین کو مار بھگاتے تھے اور حاملِ وحی فرشتہ کے پاس بھی آنے نہیں دیتے تھے، اب اگر شیطان فرشتہ کی شکل میں اس (رسول) کے پاس آتا تھا تو یہ ملائکہ اس رسول سے کہہ دیتے تھے کہ یہ شیطان ہے، لہٰذا اس سے احتیاط رکھو اور اگر فرشتہ آتا تھا تو بتا دیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہے۔[1]

اب ہم اصل موضوع کی جانب لوٹتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے نوازا تھا اور ہمیں تو ہر وقت آگے پیچھے نیز ہر طرف سے شیاطین نے گھیرے میں لے رکھا ہے تو ہمیں اگر کشف وشہود کی کیفیت میسر ہو بھی جائے تو اس میں شیاطین کی دخل اندازی ممکن ہے اور وہ سراسر غلط ہو سکتا ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اس کو اپنی نگہبانی کے ساتھ اس دولت سے نواز دیتا ہے۔ اور اہل سنت وجماعت کا

[1] (تفسیر البغوی، ج۵، ص ۱۶۴، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

عقیدہ یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا علم عطائی ہے اور جو لوگ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی تابعداری کرتے ہیں تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس تابعداری کی وجہ سے ان لوگوں کو ان میں سے وافر حصہ عنایت فرما دیتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَ لِمَنْ سَعٰی فِیْہِ وَ لِوَالِدَیْھِمْ وَ لِاَسَاتِذَتِھِمْ وَ لِاَھْلِ بَیْتِھِمْ اَجْمَعِیْنَ

اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ

بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ خَاتِمَ النَّبِیِّیْنَ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۳۵

[اس بیان میں کہ اس طائفہ کی محبت دُنیاوآخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے اور باطنی جمعیت کے حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کا ثمرہ ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں ملّاعبد الغفور سمرقندی اور حاجی بیگ فرکتی اور خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰت اور دعوات کے بعد دوستانِ حقیقی اور مشتاقانِ تحقیقی کو معلوم شریف ہو، کہ آپ کے مکتوباتِ شریفہ جو فرطِ محبت اور کمالِ اشتیاق سے بھرے ہوئے تھے، ان کے پہنچنے سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسی محبت پر ثابت قدم رکھے، اس محبت کو دُنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ جان کر حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس پر ثابت اور قائم رہنے کی دُعا مانگتے رہا کریں، اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے کی توفیق اسی محبت کا نتیجہ ہے۔ اور باطنی جمعیت کا حاصل ہونا اسی دوستی کا ثمرہ ہے۔ اگر تمام جہان جتنی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں گرادیں لیکن اس محبت کو قائم رکھیں تو کچھ غم نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اُمیدوار رہنا چاہیئے۔ اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار واحوال کو باطن میں زیادہ کر دیں لیکن اس محبت سے بال کے برابر بھی دور کر دیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہ جاننا چاہیئے اور اس کو استدراج شمار کرنا چاہیئے۔ اس سرِ رشتہ کو مضبوط پکڑ کر اپنے کام میں متوجہ رہیں اور قیمتی عمر کو بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ کریں۔

ہمہ اندرز من بتو این است
کہ تو طفلی وخانہ رنگیں است

ترجمہ: میری ساری نصیحت یہی ہے کہ تُو بچہ ہے اور مکان رنگین اور خوش نما ہے۔

وَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَ الْتَزَمَ مَتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ اَفْضَلُهَا وَ مِنَ وَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت کی راہ پر چلے اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب اپنے تین خلفاء کرام کو ارسال فرمایا ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنے پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے محبت شریعتِ غراَ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف رہنمائی کرتی ہے کیونکہ اولیاء کرام مخلوق کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دین کی جانب راغب کرنے میں دن رات بَر سرِ پیکار رہتے ہیں تو اس لئے جو شخص دینِ اسلام کے ساتھ محبت رکھتا ہے تو وہ دینِ اسلام سکھانے والے کے ساتھ بطریقۂ اولیٰ محبت کرے گا، تو اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی ساری زندگی کدورتوں کے ساتھ گزارے مگر اس کے دل میں اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی محبت موجود ہو تو ممکن ہے کہ اس شخص کا باطن اور نصیب بدل جائے اور اس کو دائمی ذِکر کی کیفیت سے مشرف فرمادیا جائے۔ اس کے برعکس اگر کوئی انوارات کا مرکز بھی بن جائے مگر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک بال برابر بھی بغض و کینہ اور عداوت رکھے یا اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں پر بُرا منائے تو یاد رکھیں اس شخص کی باطنی کیفیات ولایت نہیں بلکہ بد بختی اور استدراج کی علامت ہے۔

استدراج کے لغوی معنیٰ ہیں "آہستہ آہستہ چڑھانا درجہ بدرجہ اُتارنا" جیسا کہ درج ذیل آیت میں آرہاہے جس میں سَنَسْتَدْرِجُهُمْ سے مراد ہے کہ میں ان کی عمریں لمبی کردوں گا اور ان کے بُرے اعمال کو ان کی نظروں میں مرغوب بنادوں گا اور ان کو بد اعمالی کی سہولت عطا کروں گا، تاکہ گناہوں میں بڑھتے چلے جائیں اور آخرکار ہلاک ہو جائیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (١٨٢) وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (الأعراف ١٨٣)

ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی، اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بیشک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ۔

ترجمہ: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: میری اُمت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ تعالیٰ کے امر کو پورے طور پر ادا کرتا رہے گا (یعنی شریعت کو قائم رکھے گا) انہیں ذلیل یا ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا اَمر (یعنی روزِ قیامت) آجائے گا اور وہ اسی حالت پر گامزن ہوں گے۔[1]

---

[1](صحیح البخاری، ج ١١، ص ٢٧۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کسی عالم یا پیر سے شریعت کے خلاف کوئی عمل سرزد ہو جائے تو اس طرح ہر گز نہیں کہنا چاہیئے کہ میں اس کے علم یا ولایت کو نہیں مانتا بلکہ اس طرح کہے کہ میں فلاں عالم یا فلاں پیر کے شریعت کے خلاف کرنے والے اس کام کو نہیں مانتا۔یعنی اس فقیر کی ہستی اور ولایت کا انکار نہ کرے بلکہ اس سے سرزد ہونے والے قبیح فعل کو بُرا جانے۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہمارا ایمان ہے کہ وہ سب عدول ہیں اگر کسی صحابی سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو ہم اس کی صحابیت سے انکار نہیں کرتے بلکہ ہم اس طرح کہتے ہیں کہ فلاں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فلاں غلطی سرزد ہوئی ہے اور اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی کرنے پر اپنے آپ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کے سپرد کیا ہے کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سرزد ہونے والی غلطی کو معاف فرماتا ہے۔ اور اگر ہم اس غلطی کی وجہ سے اُس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ولی اللہ کا ہی انکار کر دیں گے تو یہ انکار جرم ہو گا۔ اس لئے کہ اہل اللہ سے انکار کرنا جُرم ہے ہاں اگر اہل اللہ میں سے کسی ولی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس غلطی کی نشاندہی کر دینی چاہیئے نہ یہ کہ اس ولی کا ہی انکار کر دے۔

بعض لوگ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس وقت دُنیا میں ایک بھی ولی ہے تو میرا اس پر ایمان ہے اگرچہ میں اس ولی کو نہیں جانتا۔کیونکہ قرآن عظیم الشان میں حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آصف برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا ذکر موجود ہے اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ وہ انبیاء نہیں بلکہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ تھے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین حواری تھے جو کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ تھے تو اس لئے اگر کوئی اولیاء

اللہ کا انکار کرے تو اس انکار سے قرآن عظیم الشان کا انکار آئے گا اور قرآن عظیم الشان کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَ لِمَنْ سَعٰی فِیْہِ وَ لِوَالِدَیْھِمْ وَ لِاَسَاتِذَتِھِمْ وَ لِاَھْلِ بَیْتِھِمْ اَجْمَعِیْنَ

اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۳۶

[بعض اَسرار کے بیان میں مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے فرزندِ ارشد کو معلوم ہو کہ تمہارے خط سے جو تم نے احوال کی شرح میں لکھا ہوا تھا۔ ایسا مفہوم ہوا تھا کہ تم کو ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے، اس بات سے خداوند جلّ سلطانہٗ کا شکر بجالایا کہ بہت مدّت سے یہ آرزو تھی کہ یہ دولت تمہیں حاصل ہو جائے۔ اب اُمیدوار ہو کر اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ تم کو اس دولت کی طرف جذب کرے۔ اتفاقاً اس جستجو میں تم کو ولایتِ موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں داخل پایا، اور وہاں سے کھینچ کر دائرۂ ولایت خاصہ میں داخل کیا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ عَلٰی ذَالِکَ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے اور جب تم کو قسر و جبر سے اس ولایت میں لائے ہیں۔ اس لئے بیس روز سے زیادہ ہوئے ہیں کہ تم کو اپنی بغل میں نگاہ رکھ کر پرورش کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نسبت کے ضعف سے تمہیں معلوم ہوا ہو گا اور اب چونکہ یہ نسبت قوی ہو گئی ہے اُمید ہے کہ تم کو بھی معلوم ہو جائے گا اور حضرت حق سبحانہٗ کے انعامات کی نسبت جو پے در پے اس عاصی کے حق میں پہنچ رہے ہیں کیا لکھے۔

من آن خاکم کہ اَبرِ نو بہاری
کند از لطف بر مَن قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم
چو سُوسن شکرِ لطفش کے توانم

ترجمہ: میں وہ خاک ہوں کہ نوبہار کا بادل لطف ومہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے، اگر میرے تن پر سو زبانیں بھی اُگ آئیں تو پھر بھی میں سُوسن (یعنی آسمانی رنگ کے پھول) کی طرح اس کی مہربانی کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔

دوسرے یہ ہے کہ فرزند عزیز محمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو اپنے مکتوب میں اپنے احوال کو ظاہر کیا تھا، بہت ٹھیک ہیں۔ اور اس خصوصیت کے ساتھ یاروں میں سے کم ہی کسی کو حاصل ہوئے ہیں۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی ولایتِ خاصہ سے مشرف فرمائے گا۔ اور فرزندی محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بالذات اس دولت کے قابل ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صدقے قوت سے فعل میں لائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادق سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا اس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپ کی ولایت، ولایتِ موسوی علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم تھی جسے ولایتِ عامہ کہا جاتا ہے مگر میری خواہش یہ تھی کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ میرے فرزند کو ولایتِ خاصہ جو کہ ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے اس پر مشرف فرمائے غور طلب بات ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس طرح نہیں کہا کہ میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ولایتِ خاصہ پر فائز کیا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ میں نے بہت روز تک قسرِ قاسر کی اور اپنے آپ پر جبر کیا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ولایتِ موسوی علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر فائز فرمادیا۔ حضرت مجدد الف ثانی

قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے دو صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہم ولایتِ عامہ پر مشرف تھے جبکہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ ولایتِ خاصہ پر مشرف تھے تو جب حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی اولادِ مبارکہ کی استعداد میں اتنا فرق ہے تو ہماری استعدادوں میں تو بہت ہی زیادہ فرق ہو گا تو اس زمانے میں ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے، اپنی اولاد اور اپنے شاگردوں کے لئے بہت ہی زیادہ قسرِ قاسر (یعنی عاجزی وانکساری) کریں تا کہ ہمارا ایمان سلامت اور کامل و مکمل ہو جائے تو یہ بہت ہی بڑی نعمت ہے اور اگر ہم یہ دعائیں کریں کہ یا اللہ ہمارے مُریدین کو ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم پر فائز فرما تو سب سے پہلے ہمیں اپنے عمل، کردار، گفتار اور رفتار کو دیکھنا ہو گا کیونکہ ہمارے اقوال وافعال تو سب کے سب شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم سے مخالف ہیں تو اس لئے ہمیں ہمہ وقت اپنے ایمان کی تکمیل وسلامتی کے درپے رہنا چاہیئے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۳۷

[سُنتِ سُنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی تابعداری پر ترغیب دینے اور طریقہ عُلیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی مدح میں محمد طالب بیانکی کی طرف صادر فرمایا:

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَاِیَّاکُمۡ عَلٰی جَادَّةِ الشَّرِیۡعَةِ الۡحَقَّةِ الۡمُصۡطَفَوِیَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ وَعَلٰی وَاٰلِهِ الۡکِرَامِ وَاَصۡحَابِهِ الۡعِظَامِ

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعتِ حقہ کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہُ الاقدس فرماتے ہیں کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد عزیمت پر ہے تو جو سالک ان اُمورات پر عمل پیرا ہو گا جو عزیمت والے ہوں تو تب وہ تصوف سے کچھ نہ کچھ آشنائی حاصل کر سکتا ہے اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں شامل شمار ہو گا اور جو سالک رُخصت پر عمل پیرا ہو وہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ سے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے دیکھا ہو گا دورِ حاضر میں اکثر لوگ خود کو تو نقشبندی اور مجددی صوفی کہتے ہیں اگر ان سے کہا جائے کہ نامحرم عورتوں سے اجتناب کریں، سَر پر عمامہ باندھیں، داڑھی سُنت کے مطابق رکھیں اور حلال وحرام میں تمیز کریں تو یہ لوگ سینکڑوں بہانے تلاش کریں گے اور آپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ میں ایک اچھا نقشبندی اور مجددی صوفی ہوں لیکن بعض کاموں کی مجبوری ہوتی ہے اور شریعت میں تو اس کی رُخصت دی گئی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں فرمایا ہے کہ طریقہٗ عالیہ نقشبندیہ میں سُنن محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر زیادہ عمل کیا جاتا ہے اور پھر سُنن میں رُخصت کی بجائے عزیمت پر زیادہ عمل کیا جاتا ہے، سب سے پہلے تو رُخصت اور عزیمت کے معنی اور ان کے درمیان فرق کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

رُخصت: لغت میں ''نرمی اور سہولت'' کو کہتے ہیں، اصطلاح میں رُخصت اس حکم کو کہتے ہیں جو کسی راجح معارض کی وجہ سے شرعی دلیل کے خلاف ثابت ہو۔ جیسا کہ مریض کا اپنے مرض کی وجہ سے پانی کی موجودگی کے باوجود تیمم کرنا اور سفر میں افطار کرنا، نیز نوافل کو بیٹھ کر ادا کرلینا وغیرہ۔

عزیمت: لغت میں عزیمت ''پختہ ارادہ'' کو کہتے ہیں۔

اصطلاح میں اس حکم کو عزیمت کہتے ہیں جو کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو اور اپنے معارض (مخالف) راجح دلیل سے خالی ہو۔ جیسا کہ زنا کا حرام ہونا منہیات (جن سے روکا گیا ہو) میں سے عزیمت ہے اور نماز کا فرض ہونا مامورات (جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو) میں سے عزیمت ہے۔

مجبوری بیان کرنے والے اور خود کو نقشبندی اور مجددی صوفی کہلانے والوں کی ایک زندہ مثال جو آج کل معاشرے میں عام ہے وہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں تو نامحرم عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کے ساتھ مُریدی میں، دفاتر، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عورتیں ایک جگہ اُٹھتی بیٹھتی ہیں اگر ان سے کہا جائے یہ عمل تو شریعتِ غراٗ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سراسر خلاف ہے تو یہ کہتے ہیں یہ ہماری مجبوری ہے اور یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا دل صاف ہے اور یہ کہ میرے دل میں کسی قسم کے غلط خیالات نہیں آتے حالانکہ ایسی باتیں قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہیں۔ کیونکہ اسلام پاک وصاف معاشرے کی تعمیر اور انسانی اخلاق

وعادات کی تہذیب بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کی تہذیب اور پُر امن معاشرے کے قیام کے لئے جو اہم تدبیر کرتا ہے وہ انسانی جذبات کو ہر قسم کے ہیجان سے بچا کر پاکیزہ زندگی کا قیام ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں اسلام نے حفاظتِ نظر پر زور دیا ہے چونکہ بد نظری تمام فواحش کی بنیاد ہے اس لئے قرآن و حدیث میں سب سے پہلے اس کی گرفت کی گئی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (النور ۳۰)

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے۔

اور اسی طرح عورتوں کو بھی غضِ بصر (یعنی نظر کی حفاظت) کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ (النور ۳۱)

ترجمہ: اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ ''بد نظری'' ہی ''بدکاری'' کے راستے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی وجہ سے ان آیات میں نظروں کی حفاظت کے حکم کو ''حفاظتِ فرج'' کے حکم پر مقدم رکھا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے بد نظری سے منع کیا اور اس کا فائدہ یہ بتایا کہ اس سے شہوت کی جگہوں کی حفاظت ہو گی

نیز یہ چیز تزکیۂ قلوب میں بھی معاون ہو گی۔ ''غضِ بصر'' کا حکم ہر مسلمان کو دیا گیا ہے، نگاہ نیچی رکھنا فطرت اور حکمتِ الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہے اس لئے کہ عورتوں کی محبت اور دل میں ان کی طرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ (آل عمران ۱۴)

ترجمہ: لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں۔

آنکھوں کی آزادی اور بے باکی خواہشات میں انتشار پیدا کرتی ہے، ایک حدیث میں بد نظری کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ۔

ترجمہ: آنکھ کا زنا دیکھنا ہے۔[1]

راستوں میں مجالس جما کر بیٹھنے سے بھی اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گزر گاہ ہے وہاں ہر طرح کے لوگ گزرتے ہیں، نظر بے باک ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑے اور وہ بُرائی کا باعث بن جائے۔

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱۹، ص ۲۶۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ فَقَالُوا مَا لَنَا بُدٌّ إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا قَالَ فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجَالِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهَا قَالُوا وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيٌ عَنْ الْمُنْكَرِ۔

ترجمہ: تم لوگ راستوں پر بیٹھنے سے اجتناب کرو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: اس بات میں تو ہم مجبور ہیں کیونکہ وہی تو ہماری بیٹھنے اور گفتگو کرنے کی جگہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا اچھا جب تم ان مجالس میں بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: نگاہیں نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی بات بتانا اور بُری بات سے منع کرنا۔[1]

اور اسی لئے حدیثِ مبارکہ میں نظر کو شیطانی زہر آلود تیر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

النَّظْرَةُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ مَسْمُومَةٌ فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ خَوْفِ اللَّهِ أَثَابَهُ جَلَّ وَعَزَّ إِيمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ۔

---

[1](صحیح البخاری، ج۸، ص ۱۵۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: نظر (یعنی بد نگاہی) شیطان کے زہر آلودہ تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جس نے اللہ عزّ وجل کے خوف کی وجہ سے اس (بد نگاہی) کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو ایسی تازگی دے گا کہ وہ اس کی حلاوت ومٹھاس اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ [1]

نگاہ کا غلط استعمال بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔ چونکہ دل میں تمام قسم کے خیالات وتصورات اور اچھے بُرے جذبات کا برانگیختہ ومحرک ہونا، اسی کے تابع ہے اس لئے اسلام میں نگاہوں کو نیچا رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

بد نظری کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے حسرت وافسوس اور رنج وغم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کئی دفعہ نظر کا تیر دیکھنے والے کو خود ہی لگ کر اس کے دل ودماغ کو زخمی کر دیتا ہے۔

علامہ حافظ ابن قیم نے روضة المحبين و نزهة المشتاقين میں کیا خوب لکھا ہے کہ:

كُلُّ الحَوَادِثِ مَبْدَاُهَا مِنَ النَّظَرِ

وَمُعْظَمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ

كَمْ نَظْرَةٍ بَلغَتْ فِيْ قَلْبِ صَاحِبِهَا

كَمَبْلَغِ السَّهْمِ بَيْنَ الْقَوْسِ وَالْوَتَرِ

يَسُرُّ مُقْلَتَهُ مَا ضَرَّ مُهْجَتَهُ

لَا مَرْحَبًا بِسُرُوْرٍ عَادَ بِالضَّرَرِ

يَا رَامِيًا بِسِهَامِ اللَّحْظِ مُجْتَهِدًا

اَنْتَ الْقَتِيْلُ بِمَا تَرْمِيْ فَلَا تُصِبِ

يَا بَاعِثَ الطَّرْفِ يَرْتَادُ الشِّفَاءَ لَهُ

اِحْبِسْ رَسُوْلَكَ لَا يَاْتِيْكَ بِالْعَطَبِ

---

[1] (المستدرک على الصحيحين للحاکم، ج ۴، ص ۳۴۹، الناشر: دار الکتب العلمية -بيروت)

ترجمہ: تمام حادثات کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے اور بڑی آگ چھوٹی چنگاریوں سے پیدا ہوتی ہے، کتنی ہی نظریں ہیں جو نظر والے کے دل میں چبھ جاتی ہیں، جیسا کہ کمان اور تانت کے درمیان تیر ہوتا ہے، اس کی آنکھ ایسی چیز سے خوش ہورہی ہے جو اس کی روح کے لئے نقصان دہ ہے۔ ایسی خوشی جو ضرر کو لائے، اس کے لئے خوش آمدید نہیں ہے، اے نظر کا تیر چلانے میں کوشش کرنے والے! اپنے چلائے ہوئے تیر سے تو خود ہی قتل ہوگا! اے نظرباز! تو جس نظر سے شفا کا متلاشی ہے، اپنے قاصد کو روک! کہیں یہ تجھ ہی کو ہلاک نہ کر دے۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کا کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ نگاہ کا غلط استعمال انسان کے لئے نقصان دہ ہے۔ اسی لئے شریعت نے عفت و عصمت کی حفاظت کے لئے قرآن عظیم الشان میں مردوں اور عورتوں دونوں ہی کو ''غضِ بصر'' کا حکم فرمایا ہے۔

تو وہ سالکین جو خود کو نقشبندی اور مجددی صوفی کہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اتنی بات تو مان لیں کہ ہم ایک حرام عمل میں مبتلا ہیں کم از کم اس کو حلال ثابت کرنے کے لئے دلائل تو نہ دیں کیونکہ صحیح اور غلط میں فرق ہے جو کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خود کو نقشبندی اور مجددی صوفی کہنے اور دعوی کرنے والوں کا کون سا عمل عزیمت والا ہے، بس صرف نام کے صوفی ہیں یہ تو ایک مثال تھی اس کے علاوہ بھی بہت افعال واعمال موجود ہیں مگر یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے دوسرے مختلف مکاتیب میں ان کا بیان موقع کی مناسبت سے گزر چکا ہے یا آگے چل کر آئے گا۔

[میرے سعادت مند بھائی! طریقۂ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کے بزرگواروں نے سُنتِ سُنیہ کو لازم پکڑا ہے اور عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے۔ اگر اس التزام اور اختیار کے ساتھ ان کو احوال ومواجید سے مشرف کرا دیں تو ان کو نعمتِ عظیم جانتے ہیں، اور اگر احوال ومواجید تو ان کو بخشیں۔

مگر اس التزام اور اختیار میں فتور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے، اور ان مواجید کو نہیں چاہتے۔ اور اس فتور میں اپنی سراسر خرابی جانتے ہیں۔ کیونکہ برہمنوں اور ہندو جوگیوں اور یونانی فلاسفہ کو علمِ توحید کی بہت قسم کی تجلیاتِ صوری اور مکاشفاتِ مثالی ہوئی ہیں۔ لیکن سوائے خرابی اور رسوائی کے ان سے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اور سوائے بُعد و حرمان کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

اے بھائی! جب آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان بزرگواروں کی ارادت کے سِلک میں داخل کیا ہے تو چاہیئے کہ ان کی متابعت کو لازم پکڑیں اور سَر مُو ان کی مخالفت نہ کریں۔ تاکہ ان کے کمالات سے فائدہ مند اور برخوردار ہوں۔ اول اپنے عقائد کو اہلِ سُنت وجماعت کثرہم اللہ سُبحانہٗ کے عقائد کے موافق درست کریں۔

دوسرے فرض وسنت وواجب ومندوب وحلال وحرام ومکروہ ومشتبہ کا علم جو فقہ میں مذکور ہے حاصل کریں اور اس علم کے موافق عمل درست کریں۔

تیسرے درجے پر علومِ صوفیہ کی نوبت پہنچتی ہے جب تک وہ دوپر درست نہ کرلیں عالمِ قدس میں اُڑنا محال ہے، اور اگر ان دو کاموں کے حاصل ہونے کے بغیر احوال ومواجید میسر ہوں تو ان میں اپنی سراسر خرابی جانی چاہیئے، اور ایسے احوال ومواجید سے پناہ مانگنی چاہیئے۔

کار این است غیر این ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدة ۹۹)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔

برادرم میاں شیخ داؤد وہاں آئے ہوئے ہیں، ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور جو نصیحت اور دلالت کریں بجا لائیں۔ کیونکہ وہ ان بزرگواروں کے مُریدوں کی صحبت میں بہت مدت رہے ہیں۔ اور انہیں ان کا راہ وروش معلوم ہو چکا ہے۔ اُس جگہ کے اُن یاروں کو جو میر نعمان کے ذریعے اس طریقۂ عُلیہ میں داخل ہوئے ہیں چاہیئے کہ مشارٌ الیہ (شیخ داؤد) کی صحبت کو غنیمت جانیں، اور حلقہ میں ایک ہی جگہ بیٹھیں۔ اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تاکہ جمعیت حاصل ہو اور معاملہ ترقی پائے، اور مکتوب کا مطالعہ کیا کریں کہ بہت فائدہ مند ہے۔

دادیم ترُا ازگنجِ مقصودِ نشان

ترجمہ: ہم نے تجھے گنجِ مقصود کا نشان بتا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا

اور سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "برہمنوں اور ہندو جوگیوں اور یونانی فلاسفہ کو علمِ توحید کی بہت قسم کی تجلیاتِ صوری اور مکاشفاتِ مثالی ہوئی ہیں لیکن سوائے خرابی اور رسوائی کے، الخ" آپ نے دیکھا ہو گا کہ عصرِ حاضر میں اکثر لوگ سلاسلِ طریقت میں شامل نہیں ہوتے اور بغیر اجازت کے ورد و وظائف کرتے ہیں۔ دوسری طرف برہمن، ہندو جوگی اور فلاسفۂ یونان بھی بہت زیادہ ریاضت شاقہ کرتے ہیں مگر ان کو خسران و خرابی کے علاوہ اور کچھ حاصل

نہیں ہوتا البتہ ان کو مکاشفات حاصل ہو جاتے ہیں اور اس سے یہ لوگوں کو ان کے کچھ حالات وواقعات بیان کر دیتے ہیں لیکن ان کا کشف وشہود استدراج کا درجہ رکھتا ہے۔ در حقیقت یہ سب دھوکے اور فریب میں مبتلا ہوتے ہیں اور ولایت میں ان کا ایک بال کے برابر بھی حصہ نہیں ہے کیونکہ ان کے سب اعمال وافعال شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مخالف ہیں۔ اس کی مثال فرعون کا واقعہ ہے کہ اس بدبخت نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور دریائے نیل اس کے تابع تھا اگر بدبخت دریائے نیل سے کہتا کہ رُک جاتو وہ ٹھہر جاتا تھا اور اگر اس سے کہتا کہ بہنے لگو تو یہ رواں ہو جاتا تھا حالانکہ فرعون نہ تو ولی تھا اور نہ ہی پیغمبر بلکہ ایک بدبخت انسان اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دُشمن تھا لیکن اس میں یہ کیفیت صوری موجود تھی۔

حضرت شیخ احمد جام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ ہرات میں ''زندہ پیل'' کے نام سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ میں جام کے پہاڑ میں مراقبہ کی حالت میں تھا کہ میں نے ایک یہودی راہب کو دیکھا جو رُوم میں موجود تھا اور وہاں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے قریب گیا اور اس کی ریاضتِ شاقہ کو دیکھا کہ وہ ہر صبح دو عدد کھجوروں کے علاوہ اور کچھ نہ کھاتا۔ میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دربار میں عرض کی کہ اے میرے رب! یہ یہودی راہب تو مسلمان بھی نہیں ہے اور آپ نے اسے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے کہ اتنی دُور سے میں بھی اسے دیکھتا ہوں اور وہ بھی مجھے دیکھتا ہے تو مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے مجھے الہام ہوا کہ اس یہودی راہب کی کیفیت صوری ہے اور آپ کی کیفیت حقیقی۔ آپ اس راہب کو کہیں کہ آسمان کی طرف دیکھو جب اس راہب نے آسمان کی طرف دیکھا تو اس کی نظر آسمان کی طرف کسی قسم رسائی حاصل نہ کر سکی اس کی مثال ایسے تھی جیسے کہ اس کے دونوں پَر کسی نے کاٹ ڈالے ہوں اور وہ اُڑنے سے معذور ہو۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ

نے حضرت جام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرمایا کہ آپ نے اس یہودی راہب کی ریاضت دیکھ لی کہ اس نے کس قدر ریاضتِ شاقہ سے اپنے آپ کو زحمت وتکلیف میں رکھا ہوا ہے مگر یہ آخرت کی راحت سے محروم ہے اور دُنیا میں بھی اسے کچھ میسر نہیں ہے۔ اور اگر آپ آسمان کی طرف نظر کریں گے تو آپ کی نظر کو آسمان کی دوسری طرف بھی رسائی حاصل ہوگی اور آپ کو آخرت کی راحت سے بھی مالامال کیا گیا ہے اور دُنیا میں بھی سب کچھ عطا کیا گیا ہے یہی فرق ہے۔

بَرہمن، جوگی اور وہ لوگ جو شریعتِ غرّاء محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلاف وِرد ووظائف کرتے ہیں تو یہ لوگ دوسرے لوگوں کی دِلوں کی باتیں تو بیان کر دیتے ہیں مگر باطنی کیفیات میں ان کی پرواز ممکن نہیں ہے اور یہ لوگ اس سے محروم ہیں کیونکہ جو لوگ شیاطین کے اعمال اور ان کی اطاعت کرتے ہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُن کے لئے ستاروں کو مقرر کیا ہے جنہیں شہابِ مُبین کہا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن عظیم الشان میں موجود ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (۱۷) إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ (الحجر ۱۸)

ترجمہ: اور اسے ہم نے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا، مگر جو چوری چھپے سننے جائے تو اس کے پیچھے پڑتا ہے روشن شعلہ۔

وَحَفِظْنَاهَا "اور اسے ہم نے محفوظ رکھا" یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آسمانِ دُنیا کو ہر مردود اور لعین شیطان سے محفوظ رکھا ہے لیکن جو شیطان آسمانوں میں ہونے والی گفتگو چوری کرکے ایک دوسرے کو بتاتے ہیں۔

فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ''تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ پڑ جاتا ہے'' یعنی شہاب اس ستارے کو کہتے ہیں جو شعلے کی طرح روشن ہوتا ہے اور فرشتے اس سے شیاطین کو مارتے ہیں۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ:

كَانَتِ الشَّيَاطِينُ لَا يُحْجَبُونَ عَنِ السَّمَاوَاتِ وَكَانُوا يَدْخُلُونَهَا، وَيَأْتُونَ بأخبارها فيلقون على الكهنة ما سمعوا، فَلَمَّا وُلِدَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ منعوا من ثلاث سماوات، فَلَمَّا وُلِدَ مُحَمَّدٌ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مُنِعُوا مِنَ السَّمَاوَاتِ أَجْمَعَ، فَمَا مِنْهُمْ مَنْ أَحَدٍ يُرِيدُ اسْتِرَاقَ السَّمْعِ إِلَّا رُمِيَ بِشِهَابٍ، فَلَمَّا مُنِعُوا مِنْ تِلْكَ الْمَقَاعِدِ ذَكَرُوا ذَلِكَ لِإِبْلِيسَ، فَقَالَ: لقد حدث في الأرض حدث، قال: فبعثهم فوجدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم يتلو القرآن، فقالوا: هذا والله ما حدث۔

ترجمہ: پہلے آسمانوں تک پہنچنے سے شیطانوں کی روک ٹوک نہ تھی، وہ جا کر آسمانوں کی خبریں لاتے اور کاہنوں کے دِلوں میں القاء کرتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تو تین بالائی آسمانوں پر جانے سے شیطانوں کو روک دیا گیا لیکن جب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو باقی چار آسمانوں تک جانے کی بھی ممانعت کر دی گئی اب جو کوئی شیطان چوری چھپے (اوپر جا کر) کوئی خبر سُننے کا ارادہ کرتا تھا، فوراً اس پر (ٹوٹنے والا ستارہ بشکل) انگارا مارا جاتا تھا، ان شیطانوں کی جب کامل بندش ہوگئی تو انہوں نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ ابلیس نے کہا زمین میں یقیناً کوئی نیا حادثہ ہوا ہے جا کر دیکھو شیطان زمین پر آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو قرآن کی تلاوت کرتے پایا، (شیاطین) کہنے لگے واللہ یہی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔ [2]

---

[1] (تفسیر الخازن، سورۃ الحجر، پارہ ۱۴، آیت ۱۸، ج ۴)

[2] (تفسیر معالم التنزیل، ج ۴، ص ۴۹۰، الناشر: دار السلام للنشر و التوزیع - الریاض)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا {فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا} لِلَّذِي قَالَ {الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ} فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هَكَذَا وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِيَدِهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدِهِ الْيُمْنَى نَصَبَهَا بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ الْمُسْتَمِعَ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ بِهَا إِلَى صَاحِبِهِ فَيُحْرِقَهُ وَرُبَّمَا لَمْ يُدْرِكْهُ حَتَّى يَرْمِيَ بِهَا إِلَى الَّذِي يَلِيهِ إِلَى الَّذِي هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ حَتَّى يُلْقُوهَا إِلَى الْأَرْضِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى الْأَرْضِ فَتُلْقَى عَلَى فَمِ السَّاحِرِ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُصَدَّقُ فَيَقُولُونَ أَلَمْ يُخْبِرْنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا يَكُونُ كَذَا وَكَذَا فَوَجَدْنَاهُ حَقًّا لِلْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنْ السَّمَاءِ۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کا حکم بجالانے کے لئے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے پَر پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جارہی ہو (سفیان بن عینیہ کے علاوہ) دوسرے راویوں نے صَفْوَانٍ کے بعد یَنْفُذُهُمْ ذَلِکَ کے الفاظ ذکر کئے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں تک اپنا پیغام پہنچاتا ہے کہ جب ان کے دِلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے جواب میں کہتے ہیں کہ حق ارشاد فرمایا ہے اور وہ بڑا بزرگ وبَرتر ہے۔(فرشتوں کی) یہ باتیں چوری چھپے سُننے والے شیطان پالیتے ہیں اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔راوی حدیث سفیان نے اپنے ہاتھ سے ان کی حالت بیان کی، انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی اُنگلیاں کشادہ کیں اور ان کو ایک دوسرے پر رکھا۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بات سُننے والے کو آگ کا شعلہ لگتا ہے جو اسے اپنے نیچے والے کو بات پہنچانے سے پہلے پہلے بھسم کر دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شعلہ اس تک نہیں

پہنچتا اور وہ اپنے نیچے والے شیطان کو بات پہنچا دیتا ہے، وہ اس سے نیچے والے کو، اس طرح وہ بات زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور سفیان نے کہا: حتّٰی کہ وہ بات زمین تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر وہ بات ساحر کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ پھر جب کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں: دیکھو اس (ساحر) نے فلاں فلاں دِن ہمیں یہ خبر نہ دی تھی کہ آئندہ ایسا ایسا ہو گا اور ویسا ہی ہوا ہے؟ اس کی بات سچ نکلی، حالانکہ یہ وہ بات ہوتی ہے جو آسمان سے چرائی گئی تھی۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ الْأَنْصَارِ أَنَّهُمْ بَيْنَمَا هُمْ جُلُوسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِيَ بِنَجْمٍ فَاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هَذَا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ كُنَّا نَقُولُ وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيمٌ وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا لَا يُرْمَى بِهَا لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى اسْمُهُ إِذَا قَضَى أَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ أَهْلَ هَذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِينَ يَلُونَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُونَهُمْ مَاذَا قَالَ قَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ أَهْلِ السَّمَاوَاتِ بَعْضًا حَتَّى يَبْلُغَ الْخَبَرُ هَذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَتَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ وَيُرْمَوْنَ بِهِ فَمَا جَاءُوا بِهِ عَلَى وَجْهِهِ فَهُوَ حَقٌّ وَلَكِنَّهُمْ يَقْرِفُونَ فِيهِ وَيَزِيدُونَ۔

ترجمہ: مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب میں سے ایک انصاری نے خبر دی کہ وہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا اور روشنی پھیل گئی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رسول اللہ صلی

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱۴، ص ۲۹۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: تم جاہلیت میں کیا کہا کرتے تھے جب کوئی ستارہ اس طرح پھینکا جاتا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم کہا کرتے تھے اس رات کوئی بڑا آدمی پیدا کیا گیا اور کوئی بڑا آدمی مَر گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان ستاروں کو کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے نہیں پھینکا جاتا بلکہ ہمارا پروردگار جب کسی اَمر کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملینِ عرش فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں پھر جو ان کے قریب آسمان والوں میں سے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمانِ دُنیا والوں تک پہنچتی ہے پھر حاملینِ عرش سے قریب والے حاملینِ عرش سے کہتے ہیں، تمہارے رَبّ نے کیا فرمایا ہے؟ پس وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خبر دیتے ہیں پھر (مختلف) آسمانوں کے دوسرے فرشتے بھی ایک دوسرے کو اس کی خبر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمانِ دُنیا تک پہنچتی ہے پھر جن اسی سُنی ہوئی بات کو اُچک لیتے ہیں اور اسے اپنے دوستوں (یعنی کاہنوں اور نجومیوں) کے ہاتھ میں ڈال دیتے ہیں اور ان کو اس کی اطلاع دیتے ہیں اب جو خبر کماحقہٗ لاتے ہیں وہ سچی ہوتی ہے مگر یہ اسے خلط ملط کر دیتے ہیں اور اس میں اپنی مرضی سے کچھ اضافہ کر دیتے ہیں۔[1]

---

[1](صحیح مسلم، ج ۱۱، ص ۲۷۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

مختصر یہ کہ جب شیاطین کی رسائی زمین سے اوپر آسمان کی جانب ممکن نہیں ہے تو ان براہمہ، جوگیوں، کاہنوں اور نجومیوں وغیرہ کو جو ساری عمر شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں ان کو تو بطریقۂ اولیٰ رسائی حاصل نہ ہوگی۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِمَنْ سَعٰی فِیْہِ وَلِوَالِدَیْھِمْ وَلِاَسَاتِذَتِھِمْ وَلِاَھْلِ بَیْتِھِمْ اَجْمَعِیْنَ
اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ

بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتِمَ النَّبِیّیْنَ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

مکتوب نمبر ۲۳۸

[میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ بھائیوں یعنی دوستوں کے زیادہ ہونے میں بہت سی اُمیدیں ہیں، اور اس امر کی تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو کہ مُریدوں کے احوال ومعارف پیروں کے توقف اور عُجب کا مؤجب بن جائیں اور اس بیان میں کہ مُریدوں کے احوال حیا کا مؤجب بننے چاہئیں تاکہ ترقیات پر راغب کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ

اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور سید المرسلین اور ان کی آلِ پاک وطاہر پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو خواجہ رحمی کے خدمتگار کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچ کر نہایت ہی خوشی کا باعث ہوا چونکہ آپ کے مریدوں کے احوال مفصل طور پر درج تھے اس لئے خوشی پر خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ بھائیوں کے زیادہ ہونے میں:

اَکْثِرُوْا اِخْوَانَکُمْ فِی الدِّیْنِ۔

ترجمہ: اپنے دینی بھائیوں کو زیادہ بناؤ۔

کے بمؤجب بہت بہت اُمیدیں ہیں۔ اور آیتِ کریمہ:

سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِأَخِیکَ (القصص ۳۵)

ترجمہ: قریب ہے کہ ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے قوت دیں گے۔

بھی اسی مضمون کی مویّد ہے۔ لیکن چاہیئے کہ اپنے احوال واعمال منظورِ نظر ہوں اور اپنی حرکت وسکون ملحوظ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مُریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث بن جائیں، اور مسترشدوں اور مُریدوں کی گرم جوشی مُرشدوں کے گھر میں سردی ڈال دے۔ اس بات سے بہت

ڈرتے رہنا چاہیئے اور مُریدوں کے احوال ومقامات کو شیر وببر کی طرح جاننا چاہیئے، اور ان پر فخر ومباحات نہ کرنا چاہیئے تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس وجہ سے عُجب وغرور کا دروازہ کھُل جائے بلکہ چاہیئے کہ:

الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔

ترجمہ: حیا ایمان کا جزو ہے۔[1]

کے موافق مُریدوں کی ترقیاں شرمندگی وخجالت کا باعث ہوں۔ اور طالبوں کی گرمی عبرت وغیرت کا موَجب بنے۔ اور چاہیئے کہ اپنے اعمال کو قاصر اور اپنی نیت کو کوتاہ سمجھیں اور حال و قال کی زبان کلمہ سے تر رہے۔ اگرچہ آپ کے پسندیدہ اطوار سے اُمید ہے کہ آپ اس طرح معاملہ کریں گے، لیکن دینی دُشمنوں یعنی نفسِ امارہ اور شیطانِ لعین کا خیال کرتے ہوئے تاکید کے طور پر مبالغہ کیا گیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی پڑ جائے۔ کیونکہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے، صرف ایک ہی کی فکر میں لگے رہنا قصور میں داخل ہے۔

خواجہ رحمی وسیّد احمد کو آپ کی خدمت میں حاضر رہنا چاہیئے اور آپ ان کے حال پر پورے طور سے توجہ فرماتے رہیں۔ میر عبد اللطیف نے بھی اگر توجہ کی توفیق پائی ہو تو اس کی بھی مدد کریں، تاکہ استقامت حاصل کرلے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں مشائخ اور مُریدین دونوں کے لئے نصیحت اور تنبیہ فرمائی ہے۔ مشائخ کے لئے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ مشائخ اپنے مُریدین سے اس طرح ڈریں جس طرح انسان شیر سے ڈرتا ہے کیونکہ اگر شیخ اس بات پر عُجب وغرور کرے

---

[1](صحيح البخارى، ج ١، ص ١٣، المكتبة الفاروقية)

کہ میرے حلقہ میں مُریدین کی تعداد کثیر ہے اور ان کی کیفیات بہت اچھی ہیں تو یہ باتیں شیخ کی ترقی میں رکاوٹ کا سبب بن جاتی ہیں۔ تو شیخ کو چاہیئے کہ جب اس کے حلقہ میں مُریدین کی کثرت ہو جائے تو وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری کرے کہ یا اللہ! اگر یہ مُریدین میرے ایمان اور آخرت کی بربادی اور میری ترقی میں رکاوٹ کا باعث ہیں تو اے میرے پروردگار! اس سلسلہ کو مجھ سے قطع فرما۔ دورِ حاضر میں اگر کوئی شیخ اپنے مُریدین سے اس طرح نہیں ڈرتا جیسا کہ انسان کسی شیر سے ڈرتا ہو تو یہ اس کے ایمان وآخرت کی خرابی کا سبب ہو گا۔

اور مُریدین کے لئے جو تنبیہ فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ سالک اس بات میں کوشش نہ کرے کہ میرے شیخ کے مُریدین زیادہ ہو جائیں بلکہ اس نیت سے کوشش کرے کہ اگر پیر بھائی زیادہ ہوں گے تو ان کو شریعتِ غرّاء محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا علم اور اس پر عمل واخلاص کی دولت حاصل ہو گی جس سے دین کو تقویت حاصل ہو گی اور مسلم اُمت کے دست وبازو بنیں گے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب شیخ اپنے کسی مُرید پر توجہ فرمائے تو اگر مُرید اچھلنا کودنا شروع کر کے چیخیں مارنا شروع کر دیتا ہے تو شیخ سوچے گا کہ اس مُرید کی حالت بہتر ہے اور اس طرح اس پر توجہ کرنا چھوڑ دے گا اگر کوئی مُرید تصنع (ریاکاری) بھی کرے گا تو شیخ کی توجہات سے محروم رہے گا۔ لہٰذا ہمیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرتے ہوئے شیخ کی مجلس میں اس طرح کی حرکات وسکنات سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ یہ مُرید کے حق میں بے حد نقصان دہ اور اس کی ترقی میں رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے۔ اور اگر کسی مُرید پر یہ کیفیت وارد ہو جائے تو شیخ کو چاہیئے کہ اس وقت تک اس پر توجہ نہ کرے جب تک کہ اس مُرید کی استعداد نہ کھُل جائے۔ آج کل ہلنے جُلنے اور اچھلنے کو تصوف سمجھا جاتا ہے جو کہ بربادی کا باعث ہے۔

[آپ نے لکھا تھا کہ بعض طالب طریقۂ قادریہ کی التماس کرتے ہیں۔ چاہیئے کہ طریقہ نقشبندیہ کے سوا اور کوئی طریقہ کسی کو نہ سکھائیں۔ تا کہ دو طریقے باہم مل نہ جائیں۔ہاں کلاہ و شجرہ طلب کریں اور استخارہ کی اجازت دیں تو مُرید بنالیں۔

وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ اَصْحَابِکُمْ وَ اَحْبَابِکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ الْتَزَمَ مَتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ اَتَمُّهَا وَ اَکْمَلُهَا

آپ پر اور آپ کے تمام دوستوں پر سلام ہو، اور نیز ان تمام پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کولازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''طریقہ نقشبندیہ کے سوا اور کوئی طریقہ کسی کو نہ سکھائیں، تا کہ دو طریقے باہم مل نہ جائیں۔ہاں اگر کلاہ و شجرہ، الخ'' شیخ کو چاہیئے کہ اگر اپنے کسی خلیفہ کو طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے علاوہ باقی تین سلاسل میں سے کسی سلسلہ کی اجازت دیں تو اس میں غرض یہ ہونی چاہیئے کہ یہ خلیفہ ان سلاسل کے اذکار سے واقفیت حاصل کرلے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو اس بات کا پابند بنائیں کہ وہ اپنے مُرید کو صرف اور صرف طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی تلقین کرے تا کہ دو سلسلے آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔کیونکہ سلسلہ سکھانے کی ترتیب جُدا اور اذکار کرنے کی ترتیب جُدا ہے۔لہٰذا اس بات کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِهٖ وَ لِمَنْ سَعٰی فِیْهِ وَ لِوَالِدَیْهِمْ وَ لِاَسَاتِذَتِهِمْ وَ لِاَهْلِ بَیْتِهِمْ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْن

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۳۹

[مُلّا احمد برکی کی طرف اُس کے اس خط کے جواب میں جو اُس نے لکھا تھا اور اس میں چند سوال استفسار کئے تھے، لکھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ

اللہ رب العالمین کے لئے حمد ہے، اور سید المرسلین اور اُن کی آل واصحاب پاک پر صلاۃ وسلام ہو۔

آپ کا مکتوب گرامی جو ازروئے شفقت و مہربانی ارسال کیا تھا اس کے مضمون کا مطالعہ کر کے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ احوال کا عرض کرنا احوال کے اندازہ پر ہے، الخ۔

میرے مخدوم! احوال کے حاصل ہونے سے مقصود یہ ہے کہ محول احوال یعنی احوال کے پھیرنے والے (اللہ) کے ساتھ گرفتاری اور تعلق حاصل ہو جائے۔ جب یہ گرفتاری حاصل ہو تو پھر اگر احوال حاصل ہوں یا نہ ہوں کچھ پرواہ نہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضور میں مذکور ہوا تھا کہ آپ کے حق میں ہم نے بہت تخم ریزی کی، الخ۔

میرے مخدوم! واقعی اسی طرح ہے۔ لیکن ثمرات کا ظہور زندگی اور مَرنے کے بعد بے شمار زمانوں کے گزرنے پر موقوف ہے۔

اَبْشِرْ وَ لَا تَعجَلْ بِہٖ۔

ترجمہ: خوش ہو اور جلدی نہ کر۔

مولانا محمد صالح کے مقولہ کی نسبت آپ نے لکھا تھا چونکہ مولانا مذکور حاضر نہ تھے تا کہ ان کی مراد سمجھی جائے اس لئے اس مقولہ سے معترض نہ ہوا۔ لیکن خیر ہے کسی طرح کی فکر دِل میں نہ

لائیں اور بے ادبی کی نسبت جو آپ نے لکھا تھا، سو دوستوں کی خطائیں معاف ہیں دِل میں کچھ فکر اندیشہ نہ کریں۔

آپ نے اپنے احوال کی نسبت تفتیش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ مقبولوں میں سے ہیں۔

قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ

ترجمہ: جو قبول کیا گیا وہ بلا علت قبول کیا گیا۔

آپ نے لکھا تھا کہ دو شیخ زادے آئے تھے تا کہ ذِکر کی تلقین حاصل کریں، الخ۔

میرے مخدوم! استخارہ ہر کام میں مسنون و مبارک ہے۔۔۔ لیکن ضروری نہیں ہے ممکن ہے کہ استخارہ کے بعد یا واقعہ یا بیداری میں ایسا اَمر ظاہر ہو جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرے۔ بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اگر اس کام کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہے تو اس کام کے کرنے پر دلالت رکھتا ہے۔ اور اگر توجہ اسی قدر ہے جس قدر کہ پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی تب بھی منع نہیں ہے اس صورت میں استخارہ کو دوبارہ سہ بارہ کرے، تا کہ توجہ کی زیادتی مفہوم ہو جائے۔ استخارہ کے تکرار کی نہایت سات مرتبہ تک ہے اور اگر استخارہ کے ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں نقصان مفہوم ہو تو منع پر دلالت ہے اس صورت میں بھی اگر استخارہ کرے گنجائش ہے۔ بلکہ ہر تقدیر پر استخارہ کو مکرر کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "آپ نے لکھا تھا کہ حضور میں مذکور ہوا تھا کہ آپ کے حق میں ہم نے بہت تخم ریزی کی، الخ" حضرت شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے دریافت کیا تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا کہ میں نے آپ کے باطن پر بہت توجہات کی ہیں اور تقویٰ کا تخم کاشت کیا ہے تو اس کے ثمرات مجھے کب دکھائی دیں گے؟ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ ان ثمرات کے لئے بہت وقت درکار ہے یا تو میری زندگی میں یا میرے مرنے کے بعد آپ کو ان ثمرات سے مشرف کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ آپ شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور تعلیماتِ تصوف پر مستقیم رہیں۔ دورِ حاضر میں اگر کوئی سالک چند دن شیخ کی مجلس اختیار کرلے تو پھر وہ تقاضا شروع کر دیتا ہے کہ میرا کشف وشہود نہیں کھلا اور یہ کب کھلے گا یا میرے دل میں محبت کب پیدا ہوگی وغیرہ۔ توجو لوگ اہل سنت وجماعت کے عقیدہ پر گامزن اور صحیح معنوں میں طریقت کے اصولوں پر کاربند ہیں جو کہ ذکر واذکار ہیں تو اس کے لئے بہت عرصہ درکار ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ایک دن میں اپنے آپ کو بزرگ نہ بنائیں بلکہ صبر واستقامت سے کام لیں اور کوشش جاری رکھیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے نوازے۔

[رسالہ مبدأ ومعاد کی اس عبارت کے معنی جو اس جسد کے بیان میں لکھی گئی ہے، جو روح سے مکتسب ہے آپ نے پوچھی تھی۔

میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا اور کر گزرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں جیسے کہ دُشمنوں کا ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

ظالموں کے فتنہ سے آپ نے امن طلب کیا تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو بلکہ آپ کی جگہ کو ان ظالموں کی شرارت سے محفوظ رکھا ہے۔ خاطر جمع ہو کر حق تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف متوجہ رہیں اور اُمید ہے کہ اس حفظ کو کسی خاص وقت تک معین نہیں کریں گے۔

إِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (النجم ۳۲)

ترجمہ: بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔

لیکن اُس جگہ کے رہنے والوں کو نصیحت کریں کہ مسلمانوں کی بہتری اور خیر خواہی کی وضع کو نہ بدلیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِأَنْفُسِھِمْ (الرعد ۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "روح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا اور کر گزرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں جیسے کہ، الخ" روح اور اجساد کا مسئلہ بہت غور طلب معاملہ ہے۔

اس میں سوال یہ ہے کہ آیا ہم روح سے مدد مانگ سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کام جسد کرتا ہے وہ روح بھی کر سکتی ہے، فتح و نصرت کے لئے جب مسلمان کفار کے ساتھ جنگ کرتے ہیں تو اولیاء اللہ کی روحانیت حاضر ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ امداد کرتی ہے۔ اور بعض

گروہ اس کے منکر ہیں یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں اُن کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جبکہ اہل سنت وجماعت حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات، شہداء کرام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی حیاتِ جسدی اور حیاتِ روحی دونوں کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ ان حضرات کی اَرواح ان کے اجساد پر متمثل ہوتی ہیں اور یہ مسلمانوں کے ساتھ امداد کرتی ہیں۔ ۵۰۰ سال قبل حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس عقیدہ کے قائل تھے اب اگر اس زمانہ میں کوئی کہے کہ ان حضرات کی اَرواح نہ تو کسی کو فائدہ پہنچاسکتی ہیں اور نہ ہی نقصان تو ایسا شخص بدبخت، گمراہ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قُرب سے دُور ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کے ایک کمانڈر نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امداد کی درخواست کے سلسلہ میں ایک مجاہد کو بھیجا کہ ہمارے مجاہدین کی تعداد تیس ہزار ہے جبکہ ہمارے مقابلے میں کفارِ رُوم کی فوج تین لاکھ دستوں پر مشتمل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مجاہد سے کہا کہ جاؤ اور حضرت عبید اللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے پاس لے کر آؤ، جب وہ مجاہدین ان کو لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبید اللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور کفارِ رُوم کی فوج کا مقابلہ کرو یہ بات سُن کر اس مجاہد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ہمیں تو اس جنگ میں زیادہ مجاہدین کی ضرورت ہے یہ اکیلا تین لاکھ فوج کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مجاہد کو فرمایا کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت عبید اللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ (حضرت عبید اللہ بن جراح رضی

اللہ تعالیٰ عنہ) جس طرف رُخ کرلے ایک لاکھ فوج کو شکست سے دوچار کر سکتا ہے اسی وجہ سے میں ان کو آپ کے ساتھ بھیج رہا ہوں اور بالآخر ایسا ہی ہوا کفارِ رُوم کی تین لاکھ فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ سبحان اللہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے رسالے میں فرمایا ہے کہ:

وَمِمَّا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّعْلَمَ اَنَّ الْجَسَدَ کَمَا اسْتَفَادَ مِنَ الرُّوْحِ کَمَالَاتٍ لَا تُحْصٰی فَالرُّوْحُ اَیْضًا اِکْتَسَبَ مِنَ الْجَسَدِ فَوَائِدَ عُظْمٰی حَیْثُ صَارَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا مُتَکَلِّمًا مُتَجَسِّدًا بَجَسَدٍ مُکْتَسِبًا مُبَاشِرًا لِاَفْعَالٍ نَاسَبَتْ بِعَالَمِ الْاَجْسَادِ۔

ترجمہ: اور یہ جاننا ضروری ہے کہ جس طرح جسم رُوح کے کمالات سے بے شمار استفادہ کرتا ہے پس رُوح بھی جسم سے عظیم فوائد کا اکتساب کرتی ہے اس حیثیت سے کہ وہ جسم کے ساتھ متجسم ہو کر فوائد کا اکتساب کرتی ہے سُننے لگتی ہے، دیکھنے لگتی ہے اور کلام کرتی ہے اور عالمِ اجسام کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتی ہے۔[1]

دلیل کے طور پر ہم حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال پیش کرتے ہیں بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ وہ اس دُنیا سے رُخصت فرما گئے ہیں اور یہی قول حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا سے رُخصت فرما گئے ہیں کیونکہ اگر ہم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات کے قائل ہوں تو یہ بنی اسرائیل کی متابعت شمار ہوگی۔ اس موضوع پر ایک مکمل مکتوب گزر چکا ہے، اور چونکہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں مگر پھر بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوحانیت

---

[1] (مبدأ ومعاد فارسی، ص ۲۹)

اس طرح کام کرتی ہے جیسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسدِ مبارک کرتا تھا تو اس لئے اس زمانے میں بھی حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات، شہداء کرام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی رُوحانیت مسلمانوں کے ساتھ اس طرح امداد کرتی ہیں جیسے اجسادِ مبارکہ میں کرتی تھیں۔

عارف باللہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شہداء کے متعلق یوں تحریر فرمایا ہے کہ:

فذهب جماعة من العلماء الى ان هذه الحيوة مختص بالشهداء والحق عندى عدم اختصاصها بهم بل حيوة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهورا اثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد -والصديقون ايضا أعلى درجة من الشهداء والصالحون يعنى الأولياء ملحقون بهم كما يدل عليه الترتيب في قوله تعالى مِنَ النَّبِيّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَداءِ وَالصَّالِحينَ ولذلک قالت الصوفية العلية أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا۔

ترجمہ: علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ حیات شہداء ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ یہ حیات شہداء ہی کو عطا نہیں ہوئی بلکہ آثار اور احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں یہ حیات سب سے زیادہ ہے حتیٰ کہ اس کا اثر خارج میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اَزواجِ مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہیں، بخلافِ شہید اور صدیقین کے (کہ ان کی زوجہ سے نکاح جائز ہے) اور صدیق اس حیات ہی میں شہداء سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور صالحین یعنی اولیاء، شہداء سے کم ہیں لیکن ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ ترتیبِ ذکر سے ترتیبِ مرتبہ کی طرف اشارہ اکثر کلام میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: فَأُولَئِکَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

(النساء ۶۹) ''تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ'' اسی لئے صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ ہماری ارواح ہمارے بدن ہیں اور ہمارے بدن ہماری ارواح ہیں۔[1]

نیز عارف باللہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شہداء کے متعلق یوں تحریر فرمایا ہے کہ:

ان اللہ تعالی یعطی لارواحھم قوۃ الأجساد فیذھبون من الأرض و السماء و الجنۃ حیث یشاؤن وینصرون أولیاءھم ویدمرون أعداءھم ان شاء اللہ تعالی و من أجل ذلک الحیوۃ لا تأکل الأرض أجسادھم ولا أکفانھم۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو اجسام کی سی قوت عطا فرمادیتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ زمین، آسمان اور جنت سب جگہ کی سیر کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور دُشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور اسی حیات کی وجہ سے زمین ان کے جسموں اور کفنوں کو نہیں کھاتی۔[2]

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِمَنْ سَعٰی فِیْہِ وَلِوَالِدَیْھِمْ وَلِاَسَاتِذَتِھِمْ وَلِاَھْلِ بَیْتِھِمْ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْن

(نورالخلائق، جلد چہارم)

---

[1] (التفسیر المظھری، ج ۱، ص ۱۵۲، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ - الباکستان)

[2] (التفسیر المظھری، ج ۱، ص ۱۵۲، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ - الباکستان)

مکتوب نمبر ۲۴۰

[شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

اس راستہ کے بے نہایتی اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعض فائدوں کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

وہ رسالہ جو آپ کے خیریت کے انجام والے احوال پر مشتمل تھا پہنچا اور اس کا مطالعہ خوشی کا باعث ہوا۔

در عشق بوالعجبیہا باشد

ترجمہ: عشق میں اس طرح کے بہت سے تعجب انگیز کام ہوتے ہیں۔

لیکن چاہیئے کہ احوال سے گزر کر محول احوال یعنی احوال کے پلٹانے والے (اللہ) تک پہنچنا چاہیئے کہ وہاں سر اسر جہالت و نادانی ہے۔ بعد ازاں اگر معرفت سے مشرف فرمائیں تو زہے دولت و سعادت۔ غرض جو کچھ دید و دانش میں آئے نفی کے قابل ہے، خواہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہی ہو۔ کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں گنجائش نہیں ہے، جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس وحدت کا شبح و مثال ہے نہ بذاتِ خود وحدت پس اس وقت آپ کے حال کے مناسب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر اور تکرار ہے۔ اس حد تک کہ دید و دانش میں کچھ نہ چھوڑے اور حیرت و جہالت میں ڈال دے، اور معاملہ کو فنا تک پہنچا دے جب تک جہل و حیرت میں نہ پہنچیں فنا نصیب نہیں ہوتی۔ جس کو آپ نے فنا تصور کیا ہے، اس فنا کو عدم سے تعبیر کرتے ہیں نہ کہ فنا سے اور جب جہل تک پہنچنے کے بعد فنا حاصل ہو گی تب پہلا قدم اس راہ میں دکھایا جائے گا۔ وصل کہاں اور اتصال کس کے لئے۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلىٰ سُعَادَ وَ دُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خُيُوْفٌ

ترجمہ: سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔

آپ کے احوال درست ہیں لیکن ان سے گزرنا لازم ہے۔

وَ السَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَ عَلیٰ اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا

اور سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

دوسری نصیحت یہ ہے کہ آپ شریعت پر استقامت اختیار کریں اور اپنے احوال کو علوم واصولِ شرعیہ کے مطابق درست کریں۔ اگر عیاذاً باللہ کسی قول و فعل میں شریعت کا خلاف پیدا ہو تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہیئے، استقامت والوں کا یہی طریق ہے۔وَ السَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس مکتوب میں توحید کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو چیز عقل، فہم، وہم، خیال اور ذہن میں آئے وہ واحدِ حقیقی کی ذات نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے وہ نہ تو جسم ہے نہ جوہر اور نہ ہی عرض۔ تو اگر کسی سالک کو وحدت در کثرت کی کیفیت حاصل ہو یعنی اس کو ہر چیز میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نظر آئے تو وہ واحدِ حقیقی نہیں ہے۔

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

اَلتَّوْحِیْدُ ھُوَ تَجْرِیْدُ الذَّاتِ الْاِلٰھِیَّةِ عَنْ کُلِّ مَا یَتَصَوَّرُ فِی الْاَفْھَامِ وَیُتَخَیَّلُ فِی الْاَوْھَامِ وَالْاَذْھَانِ وَمَعْنٰی کَوْنِ اللّٰہِ وَاحِدً نَفْیُ الْاِقْسَامِ فِیْ ذَاتِہٖ تَعَالیٰ وَنَفْیُ التَّشْبِیْہِ وَالتَّشْرِیْکِ فِیْ ذَاتِہٖ وَصِفَاتِہٖ۔

ترجمہ: توحید سے مراد یہ ہے کہ ذاتِ الٰہی ہر اس چیز سے اکیلی وتنہا ہے جو فہم کے تصور میں اور وہم اور ذہن کے خیال میں آسکے اور اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے تقسیم ہونے کی بھی نفی کی جائے اور اس کے ساتھ کسی چیز کی مشابہت اور ذات وصفات میں کسی چیز کے شریک ہونے کی بھی نفی کرنی (ضروری) ہے۔[1]

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

اے برتراز خیال وقیاس وگمان ووہم
وزہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبہ پایان رسید عمر
ماہمچناں دراوّل وصفِ توماندہ ایم

ترجمہ: اے (تو کہ جوہر) خیال وقیاس وگمان ووہم سے بَر تَر ہے اور ہر اس چیز سے بھی جو ہم نے کہی یا سُنی یا پڑھی۔ مجلس تمام ہوگئی اور عمر بھی اختتام، کو پہنچی لیکن ہم ابھی تک تیرے پہلے وصف (کی ثنا) میں ہی اَٹکے ہوئے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جب تک جہل وحیرت میں نہ پہنچیں، فنا نصیب نہیں ہوتی۔ جس کو آپ نے فنا تصور کیا ہے اس فنا کو عدم سے تعبیر کرتے ہیں نہ

---

[1] (ابو المنتھی عربی، ص ۵)

فنا سے، الخ'' یعنی فنا کے مقام میں ماسویٰ سے جہل و فراموشی ہے اگر سالک فنا سے پہلے اپنی ماسویٰ کو عدم دیکھے اور اپنے عدمِ ذاتی پر خبر دار ہو جائے تو اس کو وجودِ عدم کہا جاتا ہے نہ کہ وجودِ فنا بلکہ یہ جذبہٗ بدایت میں ہے۔

وجودِ عدم کی مثال لوہے کی طرح ہے جب لوہے کو بھٹی میں ڈال دیا جائے تو یہ آگ بھڑکاتا ہے مگر جب یہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو پھر پہلے کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کی اصل جنس تبدیل نہیں ہوتی۔ مگر وجودِ فنا کی مثال تانبے کی طرح ہے جو کہ کیمیا کے عمل کی وجہ سے سونا بن جاتا ہے اور پھر دوبارہ تانبا نہیں بن سکتا، یعنی اس کی اصل جنس تبدیل ہو جاتی ہے، چنانچہ حقیقی فنا میں وجودِ بشری، وجودِ موہوبی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۴۱

[بعض یاروں کی ترقی کے بیان میں مولانا محمد صالح کی طرف لکھا:

میرے سعادت مند بھائی کو حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ ان حدود کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اس جگہ کے سب یار خوش وخرم ہیں۔ بالخصوص مولانا محمد صدیق ان دِنوں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ولایتِ خاصہ کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اسمِ جزئی سے اسمِ کُلّی کے ساتھ ملحق ہوئے باوجود اس کے نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں، وہاں سے نصیبِ وافر حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف میلان کریں۔

وَ اللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَشَاءُ (البقرۃ ۱۰۵)

ترجمہ: اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کر تا ہے جسے چاہے۔

کبھی کبھی اپنے اور ان دوستوں کے احوال جو طریقہ میں داخل ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں لکھتے رہا کریں اور چندروز اسی جگہ استقامت اختیار کریں۔ وَ السَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسمِ جزئی سے اسمِ کُلّی کے ساتھ ملحق ہوئے، الخ" یعنی اسمِ جزئی ایک صفتِ قدیمہ کے ساتھ تعلق سے عبارت ہے جو کہ اس سالک کا مبدأ فیض ہوتا ہے، اور اسمِ کُلّی بذاتِ خود صفتِ قدیمہ ہے جو کہ دائرۂ ظلال وجزئیات میں ظاہر ہوتی ہے اور امکان پایا جاتا ہے کہ سالک اسمِ جزئی سے اسمِ کُلّی کے ساتھ واصل ہو جائے یعنی ظلال سے صفات کے اصل کی جانب اور یہاں سے شیونات واعتبارات بلکہ ذاتِ بحتِ تعالیٰ وتقدس وصلِ بلاکیف سے مشرف ہو جائے۔

ابتداء میں سالک جس ولایت پر فائز ہوتا ہے وہ جزِ ولایت ہوتی ہے لہٰذا ہر سالک کو چاہیئے کہ کوشش کرے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُسے ولایتِ کُلی پر مشرف فرمائے۔ مثال کے طور پر ایک سالک ولایتِ صغریٰ میں صرف قدم رکھتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس سالک نے ولایتِ صغریٰ کا ایک جزو حاصل کیا ہے کیونکہ ولایتِ صغریٰ کے اجزاء بہت زیادہ ہیں تو سالک جب ولایتِ صغریٰ کے اوّل سے آخر تک پہنچ جاتا ہے تو یہ ولایتِ کُلّی ہے۔ بعض سالکین ولایت کے ایک جُز تک پہنچ کر اس پر ہی اکتفا کر بیٹھتے ہیں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ اپنی نظر فوق کی جانب رکھے یعنی ہمت عالیٰ رکھے کہ ولایت کے جتنے بھی مقامات ہیں میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان شاء اللہ ان سب کو طے کروں گا، ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ جس طرح ہر ولایت میں جُزو اور کُل موجود ہے اسی طرح ہر قدم اور ہر لطیفہ میں بھی جُزو اور کُل موجود ہوتے ہیں۔

اس کی دوسری مثال فرائض کی ہے کہ فرائض کُل اور نوافل جُزو ہیں اور وہ جو احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازیں ادا کرنے کے برابر ہے اور مدینہ منورہ میں پچاس ہزار نمازیں ادا کرنے کے برابر۔ تو اس سے کوئی یہ مراد نہ لے کہ میری ایک لاکھ یا پچاس ہزار نمازیں قبول ہوگئی ہیں اور پھر وہ بے فکر ہوکر بیٹھ جائے جیسا کہ اکثر لوگوں سے یہ سُننے میں آتا ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے کعبۂ ربانی میں اجزائے فرضیت کا ثواب ایک لاکھ اور مدینہ منورہ میں اجزائے فرضیت کا ثواب پچاس ہزار حاصل کیا ہے۔ لیکن آئندہ کی نمازیں معاف نہیں ہوتی ہیں۔

پس ہر سالک کو چاہیئے کہ اپنے کشف وشہود کی کیفیات کے کھلنے پر خوش نہ ہو کیونکہ یہ سب صفات کا ظلال ہے اور ظلی ولایت میں شامل ہے کیونکہ ابھی تک یہ سالک صفات کی اصل اور ولایتِ اصلی سے بہت زیادہ دُور ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ مزید کوشش کریں تاکہ صفات کے ظلال سے نکل کر صفات کی اصل تک پہنچ جائیں۔

مختصر یہ کہ ہر شیخ وسالک کو بچوں کی طرح منقّٰی اور اخروٹ پر خوش نہیں ہونا چاہیئے یعنی معمولی سی کیفیت پر اکتفا اور غرور نہیں کرنا چاہیئے بلکہ نفیس موتیوں یعنی بہتر سے بہتر کی تلاش کرتے رہنا چاہیئے۔

کیونکہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلند (ہمت والے) کاموں کو پسند کرتا ہے۔[1]

(نورالخلائق، جلد چہارم)

[1] (المعجم الکبیر، ج۳، ص ۱۳۱، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاھرۃ)

مکتوب نمبر ۲۴۲

[بعض سوالوں کے جواب میں مُلّا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ درویش کمال نے آپ کا مکتوب شریف پہنچایا۔ بڑی خوشی کا مؤجب ہوا، آپ نے جو اپنے اعمال کو قاصر اور نیتوں کو کوتاہ سمجھنے کے بارہ میں لکھا ہوا تھا، واضح ہوا۔ حق تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس دید کو زیادہ کرے، اور اس الہام کو کمال تک پہنچائے کیونکہ اس راہ میں یہ دونوں دولتیں اصل مقصود میں سے ہیں۔

آپ نے لکھا اور دریافت کیا تھا کہ اسمِ ذات کا شغل کہاں تک ہے، اور اس مبارک شغل کی مداومت سے کس قدر پَردے دُور ہوتے ہیں، اور نفی واثبات کی نہایت کہاں تک ہے، اور اس کلمۂ متبرکہ سے کیا وسعت حاصل ہوتی ہے اور کس قدر حجاب دور ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ذِکر سے مراد غفلت کا دُور کرنا ہے، اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے خواہ ابتداء میں ہو خواہ انتہا میں۔ اس لئے ظاہر ہر وقت ذِکر کا محتاج ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب ملّا بدیع الدین کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ انہوں نے پہلا سوال یہ پوچھا ہے کہ میں عبادت کرتا ہوں اور ذِکر میں مشغول ہوتا ہوں مگر اپنی عبادت کو قاصر اور نیتوں کو کوتاہ سمجھتا ہوں کہ میں نے سب صحیح طریقہ سے ادا نہیں کئے۔

جب سالک اپنی عبادات کو قاصر، اعمال کو ناقص اور نیتوں کو کوتاہ سمجھے تو یہ سب عوامل ترقیات ہیں۔ لیکن اگر کوئی اپنی نمازوں، روزوں، قرآن خوانی اور حج وغیرہ پر ناز کرے کہ میرے

اعمال سب سے اچھے ہیں تو ایسا شخص عواملِ ترقیات سے محروم رہتا ہے کیونکہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی شان کے مطابق عبادت نہیں کرسکتے اس لئے ہمیں غرور وتکبر کو چھوڑ کر تواضع کرنی چاہیئے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ، وَحَتَّى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيرٍ۔

ترجمہ: اے لوگو! عاجزی کرو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے رفعت وبلندی عطا کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو حقیر جانتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں وہ بزرگ ہوتا ہے، اور جو متکبر بنتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیچا کرتا ہے تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نگاہوں میں کتے اور خنزیر سے بھی حقیر اور خوار ہوتا ہے۔[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ دَرَجَةً رَفَعَهُ اللهُ دَرَجَةً، حَتَّى يَجْعَلَهُ فِي عِلِّيِّينَ، وَمَنْ تَكَبَّرَ عَلَى اللهِ دَرَجَةً، وَضَعَهُ اللهُ دَرَجَةً، حَتَّى يَجْعَلَهُ فِي أَسْفَلِ السَّافِلِينَ۔

---

[1](مسند الشهاب القضاعی، ج ۱، ص ۲۱۹، الناشر: مؤسسة الرسالة -بيروت)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک درجہ تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایک درجہ بلند فرمادیتا ہے حتّٰی کہ اس طرح اسے علیین میں پہنچادیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایک درجے نیچے گرادیتا ہے حتّٰی کہ اسے اسفل السافلین میں پہنچادیتا ہے۔[1]

سالک کا ظاہر وباطن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر کے ساتھ وابستہ ہے، طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں ذِکر یا تو اسماء اللہ کے ساتھ ہے اور یا نفی اثبات کے ساتھ۔ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے، خواہ ابتداء میں ہو خواہ انتہاء میں، اس لئے ظاہر وقت، الخ۔'' یعنی انسان میں ظاہر وباطن دونوں ہی موجود ہیں۔ ظاہر مخلوق کے ساتھ معاشرت واختلاط سے عبارت ہے جن کا قرآن وحدیث کے احکامات کے عین مطابق ادا کرنا ضروری ہے تو اس لئے ہر سالک کو چاہیئے کہ مخلوق کے وہ حقوق جو اہم وضروری ہیں اُن کو ادا کرے جن میں مہمان نوازی، بیماروں کی عیادت، جنازہ میں شرکت اور کسی کی دعوت پر جانا(جو شریعتِ غرآ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطابق ہو نہ کہ فسق وفجور کی) وغیرہ اہم وضروری اُمورِ معاشرت شامل ہیں۔ جو سالک اسماء وصفات کے ساتھ ذکر کرتا ہے وہ ظلال میں ہوتا ہے یعنی ظل کے ظل میں ہوتا ہے اور جو سالک نفی واثبات کے ساتھ ذکر کرتا ہے وہ اصل کو پہنچتا ہے لیکن اصل سے یہ مراد نہیں کہ وہ سالک صفات کی اصل تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کی اصل حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے خاص ہے۔ یہاں سالک کے لئے نفی

---

[1](مسند احمد، ج۱۸، ص۲۵۰، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)

واثبات میں اصل سے مراد بھی ظل ہی ہے۔ مبتدی سالک کو اسمِ ذات اور نفی واثبات کا ذِکر کرنے کی تلقین اس لئے کی گئی ہے کہ اس سے سالک کی ظاہری غفلت دُور ہو جاتی ہے۔

[حاصلِ کلام یہ ہے کہ بعض اوقات ذکرِ اسمِ ذات نفع دیتا ہے اور بعض اوقات ذکرِ نفی واثبات مناسب ہوتا ہے۔ باقی رہا معاملہ باطن کا وہاں بھی جب تک بالکل غفلت دور نہ ہو جائے تب تک ذِکر کرنے سے چارہ نہیں۔ ہاں اس قدر ہے کہ ابتداء میں یہ دونوں ذِکر متعین ہیں اور توسط وانتہا میں یہ دونوں ذِکر متعین نہیں ہیں۔ اگر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کے ادا کرنے سے غفلت دور ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط کے حال کے مناسب ہے اور نمازِ نوافل کا ادا کرنا منتہی کے حال کے مناسب ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''باقی رہا معاملہ باطن کا، وہاں بھی جب تک بالکل غفلت دور نہ ہو جائے، تب تک ذکر کرنے سے، الخ'' یعنی جب تک عارف کا باطن مراتبِ وجوب کے شہود پر مشرف نہ ہو جائے یہ عارف غفلت میں ہے اور جب عارف کو یہ مقدس مرتبہ بلا کیف میسر آجائے تو غفلت درمیان سے دُور ہو جاتی ہے کیونکہ باطن کی غفلت کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔

عوام کے نزدیک غفلت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو یاد نہ کرنے سے عبارت ہے مگر خواص کے نزدیک غفلت باطن کے مراتبِ وجوب کے شہود پر مشرف ہونے سے عبارت ہے۔ کُتبِ احادیث میں آیا ہے کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو مجھے غفلت سے یاد کرے گا میں اسے دُور کر دوں گا'' اس حدیث کو

حضرت مولانا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب البدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ میں بیان فرمایاہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد اور غفلت جمع ہوتی ہے یعنی زبانی ذِکر حضورِ قلب کے بغیر کے قُرب کا سبب نہیں بنتا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲)

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے، جو اپنی نماز میں گڑ گڑاتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلى اللهُ عَلَيهِ وَسَلم: تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ خُشُوعِ النِّفَاقِ, قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا خُشُوعُ النِّفَاقِ؟ قَالَ: خُشُوعُ الْبَدَنِ, وَنِفَاقُ الْقَلْبِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا نفاق والے خشوع سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: بدن کا خشوع اور دِل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)۔[1]

اگر نماز کے دوران دل حاضر نہ ہو گا تو نماز میں کیا خاک لطف محسوس ہو گا تو اس سے ثابت ہوا کہ لذت و سرور والی عبادت چاہے وہ نماز ہو یا کوئی دوسری عبادت اس کے لئے دل کا حاضر ہونا ضروریات میں سے ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں فرمایاہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق ۳۷)

---

[1] (الجامع لشعب الإيمان، ج ۹، ص ۲۲۰، الناشر: مكتبة الرشد بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي)

ترجمہ: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔

اور حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَمْ یَحْضُرْ قَلْبُہٗ فِی الصَّلَاۃِ فَلَا تُقْبَلُ صَلَاتُہٗ۔

ترجمہ: جس شخص کا قلب نماز کے دوران حاضر نہ ہو تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ [1]

یعنی اس کی نمازِ ظاہری یعنی قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ تو ادا ہو گئی مگر اس شخص کی وہ باطنی غفلت جو اس میں موجود ہے وہ ابھی تک ختم نہیں ہوئی اور وہ ابھی تک اسی باطنی غفلت میں مصروفِ عمل ہے اس کا باطن تب روشن ہو گا جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے اور مشاہدات کے درمیان پَردے دور فرما دے۔ تو ہر سالک اور ہر پیر کو چاہیئے کہ اپنے باطن کی طرف متوجہ ہو کہ اس کی باطنی غفلت دُور ہوئی یا ابھی تک موجود ہے؟ پس حضورِ قلب کی دولت عبادات کے مقبول ہونے کے لئے جزوِ لازمی ہے اور حضورِ قلب کی دولت فنا کے ساتھ مشروط ہے اور دولتِ فنا کے حصول کے لئے تصفیہ وتزکیہ ضروری ہے اور تصفیہ وتزکیہ کا بغیر سلوک کے میسر آنا انتہائی مشکل کام ہے اور سیر و سلوک کے مقامات کو قطع کرنا اولیاء اللہ کے کامل گروہ کی صحبت وتوجہ کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

ایک ولی اللہ ہرات میں ایک عارف باللہ کے مزار پر حاضر ہوئے اس دوران ایک شخص ان کے مزار پر سلام کے لئے حاضر ہوا اس شخص کے کافی انتظار کرنے کے بعد اُن عارف باللہ نے مراقبہ سے اپنا سر مبارک اُٹھایا اور یہ شعر پڑھ کر فوراً پھر مراقبہ میں چلے گئے:

یک چشم زدن غافل ازآن ماہ نباشی
شاید کہ نگاہی کند آگاہ نباشی

---

[1] (تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار، ج ۹، ص ۳۰۰)

ترجمہ: تم ایک لمحہ کے لئے بھی اس چاند (یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ) سے غافل نہ رہو ممکن ہے کہ وہ تمہاری طرف نگاہ کرے اور تمہیں علم نہ ہو۔ [1]

بعض سالک ماسویٰ کو فراموش کرکے ذِکر میں مشغول تو ہو جاتے ہیں مگر یہ سب کچھ تکلف کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اس کیفیت میں مشغول رہنے کے لئے سالک اپنے آپ پر زبردستی کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کیفیت مبتدی سالک کی ہے۔ جبکہ منتہی کے لئے انتہاو نسیان میں ماسویٰ کا ہٹنا اور ظلمانی حجابات کا دور ہونا لازمی بات ہے اور جب یہ حجابات دور ہو جائیں تو وہ سالک ہمہ وقت حضور و شہود کی کیفیت پر مشرف ہو جاتا ہے اور پھر اس کو غفلت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ اس مقام میں غفلت کی گنجائش ہی نہیں ہے یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایسے سالک کو ضلالت و گمراہی سے دُور رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت ابو حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ دُونَ سَبْعِينَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ، وَمَا يَسْمَعُ مِنْ نَفْسٍ شَيْئًا مِنْ حِسِّ تِلْكَ الْحُجُبِ إِلَّا زَهَقَتْ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نُور و ظلمت کے سَتر ہزار پردوں کے پیچھے ہے، ان پَردوں کی حِس و حرکت میں سے کوئی شئ، کوئی نفس نہیں سُن سکتا ہے مگر یہ کہ خود بخود کوئی پَردہ ہٹ جائے۔ [2]

حدیثِ مبارکہ کے مطابق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور بندے کے درمیان جن ستر ہزار پَردوں کا ذکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ اور اللہ جل مجدہٗ کے درمیان دس ہزار

---

[1] (شرح مکتوبات قدسی آیات، ج ۲، ص ۳۱۵)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۶، ص ۱۴۸، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاھرۃ)

پَردے حائل ہیں۔ جب کسی سالک کا پہلا لطیفہ ٔقلب حقیقی طور پر ذاکر ہو تا ہے تو لطیفہ ٔقلب اور اللہ جل شانہٗ کے درمیان سے دس ہزار پَردے دور ہو جاتے ہیں۔ پھر لطیفہ ٔرُوح کے ذاکر ہونے سے دس ہزار پردے مزید ہٹ جاتے ہیں، وعلیٰ ہذا القیاس سات لطیفے ذاکر ہونے سے ستر ہزار پَردے دُور ہو جاتے ہیں اور شریعتِ مطہرہ کی خلاف ورزیوں اور نفس کی اطاعت کی وجہ سے بندے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے درمیان جو قدرتی بُعد و دُوری اور غفلت ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اور سالک کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حقیقی اور مکمل قُرب حاصل ہو جاتا ہے۔

یہاں پر سالکین و عوام الناس کے لئے ایک غور طلب بات ہے جس کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ سالکین کے لئے تو یہ کہ جو سالک پہلے لطائف پر رُکے رہتے ہیں اور ذکرِ کثیر و اتباعِ سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نہیں کرتے وہ ترقی سے محروم رہتے ہیں اور یوں تمام لطائف سے سَتر ہزار پردوں کے ہٹ جانے اور کامل قُربِ الٰہی کی دولت حاصل نہیں کرسکتے۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا سالک اپنے شیخ سے اپنے آپ کو بہتر خیال کرتا ہے کیونکہ بعض سالکین کو آپ نے دیکھا ہوگا وہ اپنے شیخ کی تعلیمات پر صحیح طریقے سے عمل نہیں کرتے ان کو چاہیئے کہ اپنے شیخ کے فرمودات پر عمل پیرا ہوں اپنی طرف سے کوئی عمل نہ کریں اور اپنے تمام اوقات کو ذکرِ کثیر سے مُنور کریں اور اپنی عملی زندگی میں شریعتِ حقہٗ کے نورانی رنگ بھریں تاکہ یکے بعد دیگرے اُن کے لطائفِ سبعہ سے پردے اُٹھ جائیں اور انہیں قُربِ الٰہی کی نادر دولت ہاتھ آسکے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

رَوتُو زنگار از رخ خود پاک کن　　　بعد ازآن آن نور رااِدراک کن

ترجمہ: جاؤ اور اپنے دل کے صفحے سے زنگ کو صاف کرو اس کے بعد آپ صفاتِ فعلیہ کے نُور کو تلاش کر سکتے ہیں۔

حضرت خواجہ شمس الدین محمد بن بہاؤ الدین شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیوانِ حافظ میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

رُوئے جانانِ طلبی آئینہ را قابل ساز
ورنہ ہر گز گل و نسرین ندہد ز آہن روے
دَست از مِس وجود چون مرِدانِ رہ بشوی
تا کیمیائے عشق بیابی و زَر شوی

ترجمہ: تو معشوق کے چہرے کا طالب ہے، تو آئینہ کو قابل بنا ورنہ گُل اور نسرین کبھی لوہے اور کانسی سے نہیں اُگتے۔ مردان راہ کی طرح، وجود کے تانبے سے ہاتھ دھولے تاکہ تُو عشق کی کیمیا پالے اور سونا بن جائے۔

انسان کی رُوح اس کے بدن میں قید ہے مگر جس وقت انسان سے ظلمانی حجابات دُور ہو کر اس کو حضوریٔ قلب کی کیفیت حاصل ہو جائے تو رُوح آزاد ہو جاتی ہے۔

حضرت خواجہ مرزا عبد القادر بیدل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

چند محبوس اُلفت جسمی
سر بیرون آر تا جہان بینی

ترجمہ: (اے روح تم) کتنے عرصہ تک بدن کی محبت میں قید ہو؟ اپنے بدن سے سَر باہر نکالو تاکہ تم جہانِ حقیقی کا دیدار کر سکو۔

یعنی جب تک سالک کی رُوح کو بدن کی محبت (کدوراتِ ظلمانی، کفر و شرک، ہوسِ نفسانی، کینہ، بغض و حسد، عداوت، بخل، ریا اور غرور و تکبر) سے مکمل طور پر خلاصی حاصل نہ ہو جائے تو اس سے نہ تو غفلت دُور ہوتی ہے اور نہ ہی اسے نُورانیت حاصل ہوتی ہے۔

[جاننا چاہیئے کہ حضرتِ ذات کا وہ حضور جو اسماء و صفات کے ملاحظہ سے ہو، اگرچہ دائمی ہو احدیتِ مجرّدہ کی طرف توجہ کرنے والوں کے نزدیک غفلت میں داخل ہے۔ اس غفلت کو بھی دُور کرنا چاہیئے اور وراء الوراء کی طرف جانا چاہیئے۔

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست

درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

ترجمہ: دوست کا فراق اگر تھوڑا سا بھی ہو تو تھوڑا نہیں ہے، آنکھ میں اگر آدھا بال بھی پڑ جائے تو بہت ہے۔

آپ نے ان واقعات کی نسبت جو ظاہر ہوتے ہیں لکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی جواب میں یہی لکھا تھا کہ یہ مبشرات ہیں ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا، منتظر رہیں اور کام کرتے جائیں۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَ دُوْنَهَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خُيُوْفٌ

ترجمہ: سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ''جاننا چاہیئے کہ حضرتِ ذات کا وہ حضور جو اسماء وصفات کے ملاحظہ سے ہو، اگرچہ دائمی، الخ'' یعنی اس بات سے کوئی بھی بے خبر نہیں ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات سے مراد ظلالِ صفات ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصل صفات ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ معیتِ بلا کیف رکھتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بعض مکاتیب میں جو یہ بات فرمائی ہے کہ سالک صفات سے گزر جائے تو صفات سے گزرنے سے مراد ظلالِ صفات ہیں نہ اصلِ صفات کیونکہ اصلِ صفات سے گزرنا حضراتِ انبیاءِ عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے نہ کہ ہمارا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصل صفات ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ معیتِ بلا کیف رکھتی ہیں نہ کہ جُدائی یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات نہ عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جُدا۔ صرف اتنی بات ہے کہ عارف ذاتِ بحتِ تعالیٰ کا عاشق ہے اور صفات کی جانب التفات نہیں رکھتا اور عارف کی ذاتِ بحتِ تعالیٰ کے ساتھ یہ گرفتاری (عشق) عرش پر مزیتِ قلبی کی وجہ سے ہے کیونکہ عرش ظہورِ ذات باصفات کا مرکز ہے جبکہ عارف کے قلب میں صرف ذاتِ تعالیٰ کا ظہور ہے۔

عرش و غزنین ہر دو یک طبق است
بلکہ غزنین شریف تر طبق است

ترجمہ: عرش اور غزنی دونوں ایک ہی طرح کے ہیں بلکہ ان دونوں میں غزنی افضل ترین ہے۔

یعنی عرش اور غزنی دونوں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں کیونکہ عرش صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اس میں عشق ومحبت کا شوق نہیں ہے جبکہ غزنی کے اولیاء اللہ

سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی کرتے ہیں اور اس پاک ذات سے عشق ومحبت بھی چاہتے ہیں۔ اولیاء غزنی اپنے قلوب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات تعالیٰ کا جو عشق رکھتے ہیں عرش بھی اس عشق ومحبت سے بے بہرہ ہے، جبکہ مؤمن کے قلب میں عشق ومحبت اور تجلی دونوں ہی موجود ہیں اور ان لوگوں کی ہمت بہت عالیٰ ہے۔

حُسن تو چنان کردمرا ازیروزبر

کزخال وخط وزُلف تُوام نیست خبر

ترجمہ: تیرے حُسن نے مجھ کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا ہے کہ میں تیرے اسماء وصفات سے آگے تیری ذات کی طرف وصل اور سوچ رکھتا ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلند (ہمت والے) کاموں کو پسند کرتا ہے۔[1]

حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللهِ۔

ترجمہ: مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔[2]

(نورالخلائق، جلد چہارم)

---

[1](المعجم الکبیر للطبرانی، ج۳، ص ۱۳۱، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاھرۃ)

[2](مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۰، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

مکتوب نمبر ۲۴۳

[طریقہ علیہ نقشبندیہ کی ترغیب میں ملّا ایوب محتسب کی طرف صادر فرمایا:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے معزز بھائی کو معلوم ہو کہ کئی دفعہ آپ نے اپنے متعدد خطوں میں نصائح طلب فرمائی تھیں۔ لیکن یہ حقیر اپنی خرابیوں پر نظر کرکے اس کے جواب لکھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب بار بار یہی طلب آپ کی طرف سے ظہور میں آئی۔ اس بناء پر چند ٹوٹے پھوٹے فقرے لکھے جاتے ہیں، ان کو غور سے سُنیں۔ اور جان لیں کہ جو کچھ طالب کے لئے ضروری ہے اور اس کے ساتھ مکلف ہے وہ اَوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا ہے۔ آیتِ کریمہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اس مطلب پر شاہد ہے، اور جب طالب اخلاص پر مامور ہے:

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ۳)

ترجمہ: ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔

اور وہ (اخلاص) بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا، اور محبتِ ذاتیہ کے سوا متصور نہیں اس لئے طریقِ صوفیہ کا سلوک بھی جس سے فنا اور محبتِ ذاتیہ حاصل ہوتی ہے ضروری ہے۔ تاکہ اخلاص کی حقیقت ہاتھ آئے اور چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال و تکمیل کے مرتبوں میں اصالۃً متفاوت ہیں۔ اس لئے ایسے طریق کا اختیار کرنا جس میں سُنتِ سُنیہ کی متابعت زیادہ لازم اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو بہت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ اور وہ طریقہ مشائخِ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اس طریق میں سُنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا

ہے۔ جہاں تک ہو سکے رُخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے۔ اگرچہ بظاہر اس کا نفع باطن میں معلوم کریں اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں۔ انہوں نے احوال ومواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق ومعارف کو علومِ دینیہ کا خادم جانتے ہیں، احکامِ شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد وحال کے جوز ومویز کے بدلے ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مغرور ومفتون نہیں ہوتے نص کو چھوڑ کر فَص کی طرف خواہش نہیں کرتے۔ اور فتوحاتِ مدنیہ کو چھوڑ کر فتوحاتِ مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے۔ ماسویٰ اللہ کے نقش ان کے باطن سے اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ اگر ماسویٰ کے حاضر کرنے میں ہزار سال تک توقف کریں تو بھی میسر نہ ہو۔ اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لئے بَرق کی طرح ہے ان بزرگواروں کے لئے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان عزیزوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور ۳۷)

ترجمہ: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

ان کے حال کا بیان ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب ایک عالم مولانا ایوب محتسب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رہنمائی کے لئے تحریر فرمایا ہے کیونکہ وہ اکثر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے پوچھتے تھے کہ حضرت میں آپ کا مُرید ہوں مجھے فنا حاصل ہو گئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کب ہو گی؟ چونکہ مولانا ایوب محتسب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عالم تھے اور بار بار اس بات پر

اصرار کرتے تھے اور عالم ہونے کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کو ناراض بھی نہیں کر سکتے تھے اس لئے آخر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو چند نصائح کرنے کے لئے یہ مکتوب شریف تحریر فرمایا جس میں پہلی نصیحت یہ ہے کہ:

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اور وہ (اخلاص) بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا، اور محبتِ ذاتیہ کے سوا متصور نہیں اس لئے طریقِ صوفیہ، الخ'' جس وقت تک سالک کو فنا و نسیانِ ماسویٰ حاصل نہ ہو جائے اسے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس میسر نہیں ہوتا اور نہ ہی حقیقتِ اخلاص، تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس سے قبل ممکن ہے اسی کو فنا کہا جاتا ہے۔ اور فنا ماسویٰ کی محبت سے قطع ہونے کا سبب ہے جو فنا کے حصول سے عارف کے قلب میں کُلی طور تحول (ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل) ہوتا ہے اور اس طرح تمام ماسویٰ سے اس کا قُرب اور تعلق منقطع ہو کر غم واَلم اور راحت وخوشی ایک جیسے ہو جاتے ہیں بلکہ یہ عارف غم والم میں زیادہ سُرور محسوس کرتا ہے کیونکہ اس میں نفس کا دَخل اور حصہ نہیں ہوتا۔یعنی عارف کا حق تعالیٰ کے بغیر ما سویٰ سے کسی قسم کا سروکار نہیں رہتا۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیاخوب فرمایا ہے کہ:

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلَّا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

ترجمہ: میں نے جو کچھ بھی پڑھا تھا وہ سب کچھ بھول چکا ہوں سوائے اپنے محبوب کی باتوں کے جن کا ہر وقت تکرار کرتا رہتا ہوں۔

اور محبتِ ذاتی یہ ہے کہ عارف کی عبادت جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لئے نہیں ہوتی بلکہ صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتی ہے اور وہ خالص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا ہی کا طالب ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس کی ذات ہی کی طلب وخواہش کرتا ہے اور یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ اگر عارف جنت کی طلب وخواہش بھی کرتا ہے تو اس لئے کرتا ہے کہ جنت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کا مقام ہے نہ کہ اس کے آرام وسکون کرنے کا مقام۔ اور اگر دوزخ سے نجات چاہتا ہے تو وہ اس لئے چاہتا ہے کہ دوزخ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے غضب کا مقام ہے نہ اس لئے کہ دوزخ تعذیب کا مقام ہے، عارف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبتِ ذاتی کے واسطہ سے ان سب کچھ سے گزر جاتا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیاخوب فرمایاہے کہ:

آنانکہ دَر سرائے نگاریست فارغ اند

اَز باغ وبوستان وتماشائے لالہ زار

ترجمہ: جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے عشق کا طلبگار ہوتا ہے تو وہ باغ وبوستان اور لالہ زار (چمن) کے دیکھنے کا خواہش مند نہیں ہوتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فنا، نسیانِ ماسویٰ سے عبارت ہے اور فنائے لطائف جداگانہ ہے یعنی ہر لطیفہ کو جدا فنا میسر ہوتی ہے اور فناءِ قلب کی ماسویٰ میں گرفتاری سے سلامتی اور مصئونیتِ لطائف (لطائف کے محفوظ ہونے) کا سبب ہے، انسان کا قلب عالمِ اَمر سے ہے جو کہ انسان کے جسد میں مقید ہے، جس وقت قلب انسان کے بدن سے رہائی حاصل کرلیتاہے تو دوبارہ ماسویٰ کی

گرفتاری میں گرفتار نہیں ہوتا۔ اور فناءِ قلب کی نشانی یہ ہے کہ جب سالک کا قلب فنا پر مشرف ہو جائے تو وہ سالک رُخصت کو ترک کرتا اور عزیمت پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ جو سالک فناءِ حقیقی کا متلاشی ہو تو اسے چاہیئے کہ عزیمت پر عمل پیرا ہو نہ کہ رُخصت پر۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جہاں تک ہوسکے رُخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے۔ اگرچہ بظاہر اس کا نفع باطن میں معلوم کریں، الخ" مثلاً نعتیہ اشعار پڑھنا اور جہری ذِکر کرنا رُخصت ہے نہ کہ عزیمت، اگرچہ یہ تحریکِ لطائف کا سبب ہیں اور بزرگوارانِ مشائخِ نقشبندیہ قدس سرہم نے انہیں ناپسند فرمایا ہے، اسی طرح سماع ونغمہ عواملِ وجد ہیں مگر چونکہ سُنت نہیں اس لئے بزرگانِ مشائخِ نقشبندیہ قدس سرہم نے انہیں بھی ناپسند فرمایا ہے۔

اگرچہ بدعت کا عمل ظاہری طور پر تاثیر رکھتا ہو یا مؤثر ثابت ہو لیکن بزرگوارانِ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اسے پسند نہیں فرماتے بلکہ اس سے منع فرماتے ہیں اور اس کے مقابلے میں سُنت کے عمل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور بزرگوارانِ نقشبندیہ ایسا عمل چاہتے ہیں جو طریقۂ مسنونہ پر مرتب ہو۔ تو اس وجہ سے یہ حضرات اس حال پر دائمی مشرف ہوتے ہیں یعنی ان حضرات کے حق میں تجلیٔ ذاتی تجلیٔ دائمی ہوتی ہے۔ لہٰذا بعض دوسرے طُرق کے برعکس یہ حضرات نصوص سے فصوص الحکم اور فتوحاتِ مدنی (یعنی احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) سے حضرت شیخ اکبر محی بن عربی قدس سرہٗ کی فتوحاتِ مکی کی جانب التفات نہیں کرتے کیونکہ فتوحاتِ مکی کے پیروکار اُمورِ مبتدعہ سے وجد وحال کے حصول کی خواہش رکھتے ہیں تو اس وجہ سے ان حضرات کے حق میں تجلیٔ ذاتی، تجلیٔ برقی ہوتی ہے اور اسی لئے یہ حضرات تجلیاتِ دائمی تک نہیں پہنچ پاتے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ جذبہ نہایت دوسرے طُرق میں بھی موجود ہے مگر وہ جذبہ جو بدایت میں نقشبندیہ سالکین کے لئے پیدا ہوتا ہے وہ دوسرے طرقِ ثلاثہ میں نہیں ہے اور عینِ حال میں طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں سالکین سیر آفاقی کو سَیر انفسی کے ضمن میں ہی طے کر لیتے ہیں اور یہی وجودِ جذبہ ہے جس نے اس طریقِ عالیہ کو سریع السیر بنایا ہے۔ جبکہ دوسرے طرق میں سالکین پہلے سیر آفاقی کو طے کرتے ہیں اور بعد میں سیر انفسی کو طے کرنے کے دَرپے ہوتے ہیں۔ بیت:

مرا گرتُو سن دِل نیست دَرراہ

کمندِ زُلفِ اوہم نیست کوتاہ

ترجمہ: اگرچہ میرے دل میں یہ قوت وطاقت نہیں ہے کہ میں وہاں پہنچ جاؤں کہ (معشوق) تک پہنچنے کا راستہ بھی تو کم نہیں ہے۔

بخود راہ نیست دَر کوے تو مشتاقان شیدارا

خم زلفت بقلاب محبت می کشد مارا

ترجمہ: آپ کی گلی کی طرف عشق کے خواہشمندوں کی راہ تو نہیں ہے مگر آپ کی زلفوں کا حلقہ (عشق) مجھے اپنی محبت کی جانب نزدیک کرنے کے لئے آپ کی طرف کھینچتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مفتون نہیں ہوتے، الخ" یعنی وہ بیہودہ باتیں جو سُکر کی حالت میں صوفیہ سے ظاہر ہوں بزرگوارانِ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم نے انہیں بھی ناپسند فرمایا ہے اور ان صوفیہ کو معذور جانا ہے اور ان صوفیہ سے سُکر کی حالت میں جو کچھ ظہور پذیر ہوا ہے اس کو خطائے اجتہادی جانتے ہیں۔

اعمال دو اقسام کے ہیں:

اول: رُخصت دوم: عزیمت

اول رُخصت: رُخصت سے مراد یہ ہے کہ مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی پیروی کی جائے اور باقی ماندہ مذاہبِ ثلاثہ کی پیروی نہ کی جائے۔

دوم عزیمت: عزیمت سے مراد یہ ہے کہ ایک مسئلہ پر عمل کرنے سے مذاہبِ اربعہ پر عمل ہو جائے اور اختلاف سے نجات بھی حاصل ہو جائے۔

رُخصت اور عزیمت کو اگر صوفیانہ طرز پر مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں پرکھا جائے تو درج ذیل بحث نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہے، اس تناظر میں کافی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً مذاہبِ اربعہ میں سے ایک مذہب کی پیروی کرنا رُخصت کہلاتا ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کھانا کھانے کے بعد اور عورت کو مَس کرنے سے وضو کے نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان دونوں صورتوں میں وضو کے ٹوٹنے کے قائل ہیں۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خون کے نکلنے پر وضو کے ٹوٹنے کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خون نکلنے کے بعد وضو کے نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں۔ ہم لوگ چونکہ ایک مذہب یعنی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا مذکورہ بالا مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال کو رُخصت کہا جاتا ہے۔

اور عزیمت کی مثال یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سَر کے چوتھائی حصہ کے مسح کو فرض قرار دیتے ہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سَر کے تین یا چار بالوں کے مسح کو

فرض قرار دیتے ہیں، جبکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سارے سَر کے مسح کو فرض قرار دیتے ہیں سارے سَر کا مسح کرنے سے تینوں مذاہب کے احکامات پر عمل ہو جاتا ہے اور انسان اختلاف سے بچ جاتا ہے یہی عزیمت ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں چونکہ بحث طویل ہونے کا خدشہ ہے اس لئے اسی پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ اب اس بات کی وضاحت ایک نحوی قاعدہ سے کی جاتی ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ٥٩)

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

اس کی نحوی دلیل یہ ہے کہ أَطِيعُوا جمع کا صیغہ ہے اور وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ بھی جمع ہی کا صیغہ ہے کیونکہ اس میں حرف واؤ جمع کے لئے ہے تو نحوی قاعدہ یہ ہے کہ جب دو جمع ایک جگہ آئیں تو اس کی تقسیم احاد پر کی جاتی ہے اسی قاعدہ اور کُلیہ کو مفسرینِ عظام نے قرآن عظیم الشان میں کئی جگہوں پر آیات کی تشریح کرتے وقت اور فقہی مسائل بیان کرتے وقت بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ:

مقابلة الجمع بالجمع تقتضي انقسام الآحاد على الآحاد۔

ترجمہ: جمع کے مقابلے میں جمع احاد پر احاد کی تقسیم کا تقاضا کرتی ہے۔[1]

دوسری دلیل یہ ہے کہ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ میں مِنْ تبعیض کے لئے آتا ہے لہٰذا چونکہ مذاہب کو ماننے والے علماء وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ سے مراد فقہاء کرام لیتے ہیں اس لئے مذکورہ نحوی قاعدہ کی رُو سے ان چاروں اِمامانِ دین میں سے کسی ایک امام کی تقلید واجب ہوگی نہ کہ چاروں کی۔

---

[1](الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین، ج ۱، ص ۹۸، الناشر: دار الفکر -بیروت)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''نَص کو چھوڑ کر فَص کی طرف خواہش نہیں کرتے'' یعنی فصوص الحکم جو حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی قدس سرہٗ کی کتاب ہے اور اس سے مراد وہ کلمات وجملاتِ سُکریہ ہیں جو اس کتاب میں موجود ہیں جو کہ بعض حضراتِ صوفیہ کرام سے بمقتضائے حال ومقام سُکر کی حالت میں صادر ہوئے ہیں انہوں نے ظاہری طور پر اپنے آپ کو شریعت کے ساتھ متصادم کیا ہے۔بزرگوارانِ مشائخِ نقشبندیہ قدس سرہم اس طرح کی کیفیات کی جانب خواہش نہیں کرتے۔

[اس کے علاوہ ان کا طریق سب طریقوں سے اَقرب اور ضرور موصل ہے، اور دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے تمام مشائخ کی نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ہر کسی کا فہم ان بزرگواروں کے مذاق تک نہیں پہنچتا بلکہ ممکن ہے کہ اس طریقۂ عُلیہ کے کم ہمت لوگ بھی ان کے بعض کمالات سے انکار کریں۔

قاصرے گر کند این طائفہ را طعنِ قصور

حاش للہ کہ برآرام بزبان این گلہ را

ترجمہ: کوئی کوتاہ اندیش اگر اس گروہِ نقشبندیہ پر اعتراض کرے تو کرتا رہے، میں تو ہرگز ان کا گلہ زبان پر نہیں لاسکتا۔

شاعرِ عرب کہتا ہے:

اُولٰئِکَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِھِمْ

اِذَا جَمَعْتَنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

ترجمہ: میرے آباء واجداد تو یہ ہیں، تو بھی ان کی مثل لے آ، جبکہ مجالس منعقد ہوں۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلہ علیہ کے مشائخ قدس سرہم ہر زَرّاق اور رقاص (فریب کرنے والے اور رقص کرنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کارخانہ بلند ہے۔

حیف باشد شرحِ او اندر جہاں
ہمچو رازِ عشق باید دَر نہاں
لیک گفتم وصفِ او تارہ برند
پیش ازاں کز فوتِ حسرت آں خورند

ترجمہ: اس کی شرح جہاں میں نہیں ہو سکتی اور وہ رازِ عشق کی طرح پوشیدہ ہے۔ لیکن میں نے اس کی صفت بیان کی ہے، تاکہ لوگ اس کا سراغ لگائیں اس سے قبل کہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد افسوس کریں۔

اگر ان بزرگواروں کے خصائص وکمالات میں دفتروں کے دفتر لکھے جائیں، تو دریائے بے نہایت سے قطرہ کی طرح ہیں۔

دادیم ترا زگنج مقصود نشان

ترجمہ: ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتلا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابِعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتُ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا

اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کے راستہ پر چلا اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت علامہ محمد عبد العزیز الفرہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وكان ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ يحصل العلوم منه (اى إمام جعفر صادق) ذكر ابن خلقان في ترجمة عليه السلام أنه سئل أبا حنيفة ماتقول في محرم كسّر رباعية ظبيٍ فقال يابن بنت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم لا اعلم ما فيه فقال إن الظبى لا يكون رباعيا دقائق العلوم بل كلها حصلت لابى حنيفة من اهل البيت عليهما السلام خصوصًا من الامامين الشريفين الباقر وإبنه جعفر عليهما السلام بل المشهور ان ابا حنيفة يقول لو لا السنتان (اي ادلتين كنت في خدمت الإمام جعفر) لهلك النعمان وذكر حكاية الإمام الباقر الشبلي في سيرة النعمان نقلاً عن عقود الجمعان وانا نقلتها منه وقد نقل ابن الجوزى وغيره ان الائمة المتبوعين في المذاهب بائعٌ كل واحدٍ منهم لإمام من الائمة اهل البيت فبائع أبي حنيفة إبراهيم بن عبدالله بن عبدالحسن وبائع مالک لاخيه محمد وبائع الشافعى لأخيهما، الخ كذا ذكر في الرياض المستطابة وفي فرع النامى ابو حنيفة نعمان بن ثابت كوفي ائمه فقه حنفى شاگرد جعفر صادق بود۔

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علوم حاصل کئے ابن خلکان نے حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالاتِ زندگی کے بارے میں ذِکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ نے حضر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی اس محرم کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے خرگوش کے چاروں دانتوں کو توڑ دیا ہو۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نواسے مجھے معلوم نہیں کہ اس بات میں کیا (حکمت) ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خرگوش کے چار دانت نہیں ہوتے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علوم کی گہرائی بلکہ سب علوم اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم

خصوصًا دو جلیل القدر اماموں حضرت امام باقر اور آپ کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق رحمہا اللہ تعالیٰ سے حاصل کئے۔ بلکہ مشہور یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ اگر دو سُنتیں (یعنی دو دلیلیں کہ میں حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں تھا) نہ ہوتیں تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔ اور حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکایت جو کہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں عقود الجمان سے نقل کی ہے اور میں نے ان دونوں کو ان سے نقل کیا ہے۔ اور بتحقیق ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ مذاہب میں جن اماموں کی اتباع کی جاتی ہے ان (اماموں) نے آئمہ اہل بیت میں سے کسی نے کسی امام سے بیعت کی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابراہیم بن عبد اللہ بن عبد الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کی ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے بھائی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کی ہے اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں بھائیوں سے بیعت کی ہے۔ یہ بات الریاض المستطابۃ میں اسی طرح ذکر کی گئی ہے، اور فرع النامی میں ہے کہ فقہ ٔ حنفی کے امام حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسبِ صُوری اور نسبِ معنوی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس واسطے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ علمِ باطن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتساب اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے کہ نیکی تین

---

[1](شرح العقائد المسمٰی بالنبراس، ترجمۃ الامام زین العابدین، حاشیہ، ص ۵۱۹)

اوصاف کے بغیر کامل نہیں ہو سکتی: یعنی یہ کہ تُو اپنی ہر نیکی کو معمولی سمجھے اور اس کو چھپائے اور اس میں جلدی کرے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان کہ وَلَدَنِیْ أَبُوْبَکْرٍ مَرَّتَیْنِ یعنی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو مرتبہ پیدا ہوا ہوں۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی کا بیٹا ہوں یہ بھی ایک ولایت ہے۔

یہ بات غور و فکر کرنے کے قابل ہے کہ اہل سنت وجماعت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کس حد تک احترام و تعظیم کرتے ہیں کہ ان کو چاروں سلاسل کے پیر و مُرشد مانتے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس حد تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احترام اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت واخلاص رکھتے ہیں اتنا کمال رکھنے کے باوجود افسوس صد افسوس کہ بعض فرقے اہل سنت وجماعت کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر گردانتے ہیں نیز یہ فرقے صرف حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اخلاص رکھتے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار کرتے ہیں جبکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل سنت وجماعت کے تمام مشائخ و عرفاء کے پیر و مُرشد ہیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معنوی مُرید اور پڑپوتے ہیں مگر تعصب وعناد حق پرستی کے مانع ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ امامت اور خلافت میں بہت فرق ہے۔ امامت وہ منصب ہے کہ جس کے حامل نے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت سے فیض حاصل کیا ہو۔ اور خلافت وہ منصب ہے کہ جس کے حامل نے

حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی کمالاتِ ولایت سے فیض حاصل کیا ہو لیکن حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت تک رسائی نہ حاصل کی ہو۔

امام المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے امامت کا منصب عطا فرمایا کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت سے احسن طریقے سے وافر حصہ اخذ کیا ہے جبکہ حضرت امیر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ ولایت سے احسن طریقے سے حصہ اخذ کیا ہے۔ تو اس وجہ سے امامت کا حصہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلافت کا حصہ حضرت امیر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا گیا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن میں دو نسبتیں جاگزین اور ہم آہنگی رکھتی ہیں تو اس صورت میں نسبتِ صدیقیت بقیہ تمام نسبتوں سے کس طرح امتیاز رکھتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن میں یہ دونوں متذکرہ نسبتیں بصورتِ جداگانہ موجود تھیں اور یہ دونوں ایک نسبت کے حکم میں نہیں ہیں اور نہ ہی مخلوط ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی مثال قرآن عظیم الشان میں موجود ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ (۱۹) بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ (الرحمٰن ۲۰)

ترجمہ: اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے، اور ہے ان میں روک کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتا۔

اسی طرح دریائے گنگا و جمنا بھی دونوں اکٹھے ایک ہی دریا کی شکل میں بہتے ہیں مگر اس کے باوجود ان دونوں کا پانی ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتا۔

اس طرح حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن میں امامت اور خلافت کے دونوں علوم اور نسبتیں جاگزین ہیں مگر یہ خلط ملط نہیں ہوتیں کیونکہ امامت کا جُدا طریقہ ہے اور خلافت کا جُدا۔ تو اس لئے جو سالک طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں مُرید ہے وہ اسے طریقۂ عالیہ قادریہ کے ساتھ خلط ملط نہ کرے اور اسی طرح جو سالک طریقۂ عالیہ قادریہ میں مُرید ہے وہ اسے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ خلط ملط نہ کرے یعنی اپنے اپنے طریقہ کے مطابق ذکر و اذکار کرے۔ وعلیٰ ھذا القیاس

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۴۴

[محمد صالح کولابی کی طرف اُس کے اُس خط کے جواب میں جو اُس نے اپنے حال کی خرابی کے بیان میں تحریر کیا تھا، صادر فرمایا:

میرے سعادت مند بھائی خواجہ محمد صالح کا مکتوب شریف پہنچا جو آپ نے اپنے احوال کی خرابی کی نسبت لکھا ہوا تھا، اُمید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہو گا۔ اور اس خرابی کی نہایت اس مکتوب میں جو ان ہی دنوں میں میرے فرزندِ اَرشد کے نام لکھا ہے درج ہو چکی ہے وہاں سے معلوم کر لیں۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ آپ کا وہاں چند روز رہنا یاروں کی جمعیت کا باعث ہے، تو بہتر ہے کہ چند روز وہاں ٹھہریں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اُمید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہو گا، الخ" یعنی آپ نے لکھا تھا کہ میرے احوال میں بہت خرابی واقع ہو چکی ہے تو میرے عزیز! یہ کیفیت نسبت میں بلندی واقع ہونے کی نشانی ہے جو کہ مراتبِ وجوب تک رسائی حاصل کرنا ہے اور یہ مراتبِ مقدسہ عارف کے اِدراک سے بلند ہیں تو اس وجہ سے عارف یہ اشتباہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے احوال خراب ہو چکے ہیں مگر در حقیقت بواسطہ عروجات ووصول عالمِ وجوب کے مراتبِ مقدسہ میں اِدراکِ سابقہ کو اپنے احوال میں نہیں پاتا تو اس اشتباہ کی وجہ سے عارف اپنی ترقی کو تنزل سمجھتا ہے وگرنہ عدمِ اِدراک عارف کا عالمِ وجوب میں وصولِ ترقی کا نشانہ ہے کیونکہ کیفیاتِ ظلال میں ادراک موجود ہوتا ہے جبکہ کیفیاتِ اصل میں ادراک مفقود ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''کہ آپ کا وہاں چند روز رہنا یاروں کی جمعیت کا باعث ہے، تو بہتر ہے، الخ'' یعنی یہاں پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک باریک نقطہ کے بارے میں تلقین فرمائی ہے کہ آج کل ہم لوگ اپنے پیر بھائی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ میرے لئے میرا پیر ہی کافی ہے مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے ایسے مُرید کو جس کے عروج کی کیفیت بہت بلند ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو حکم فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس وقت ہے تو آپ اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ بیٹھیں تاکہ اُن کا روحانی پرتَو آپ پر پڑے یا آپ کا روحانی پَرتَو اُن پر پڑ جائے یعنی مراد یہ ہے کہ افادہ اور استفادہ ہو سکے۔ تاکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کی کیفیات تبدیل فرما کر آپ کو ترقی عطا فرمائے گا۔ مگر آج کل اگر ہم اپنے کسی پیر بھائی کو دیکھتے ہیں تو بغض و حسد کی وجہ سے جلتے ہیں کہ یہ کون ہے جو میری روحانی ترقی کا باعث بنے۔ بلکہ چاہیئے کہ ہم اپنے پیر بھائیوں سے فیض اخذ کریں جو کہ افادہ اور استفادہ کا سبب ہے کیونکہ جتنے زیادہ پیر بھائی اکٹھے بیٹھیں گے تو اس سے ایک دوسرے سے افادہ واستفادہ سے ہر سالک مختلف کیفیات کے رنگ سے رنگا جائے گا کیونکہ ہر سالک اور ہر پیر بھائی کے باطن کی کیفیات کا الگ رنگ اور الگ مزا ہوتا ہے۔ مگر آج کل یہ کیفیت بالکل مفقود ہو چکی ہے حالانکہ تصوف میں کینہ، بغض، حسد اور عداوت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

[یہ فقیر بھی عنقریب حضرت دہلی کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ اکثر استخارے اور توجہات اس سفر کا باعث ہیں۔ اور یہ مقام میرے فرزندِ اَرشد کو عنایت فرمایا ہے اور ان کی ولایت میں داخل کیا ہے۔ فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے۔ وہ یار جو طریقۂ عُلیہ میں داخل

ہوئے ہیں خاص کر میر سید مرتضیٰ و مولانا شکر اللہ اور میر سید نظام بہت بہت دُعاؤں سے مخصوص ہیں۔ فرزندی خواجہ محمد صادق اور سب بھائی آپ کو اور تمام یاروں کو سلام و دُعا کہتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور یہ مقام میرے فرزندِ اَرشد کو عنایت فرمایا ہے، الخ" یعنی ارشاد و ہدایت کا یہ حصہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے میرے فرزندِ ارشد کے سپرد فرمایا ہے چنانچہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے بعض ارشادِ اَمکنہ کو اپنے بعض اولیاء کرام کے لئے خود تخصیص فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے۔ وہ یار جو طریقۂ عُلیہ میں داخل ہوئے ہیں، الخ" یعنی ولایت کی تین اقسام ہیں:

اول: ولایتِ صغریٰ　　　دوم: ولایتِ کبریٰ　　　سوم: ولایتِ ملاء الاعلیٰ

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اور آپ کے فرزندِ ارشد اور ولایتِ ملاء الاعلیٰ پر تھا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ بیٹھا کرے تا کہ طبعیت میں غرور پیدا نہ ہو مگر آج کل ہم لوگ باتیں بڑی بڑی کرتے ہیں اور اپنے لئے بڑے بڑے القابات کرتے نہیں تھکتے۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۴۵

[مُلا محمد صالح کی طرف بعض استفساروں کے جواب میں لکھا ہے:

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ و دعوات کے بعد واضح ہو کہ مکتوب شریف جو قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا باعث ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ ذکرِ نفی واثبات اکیس عدد تک پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیشگی نہیں ہو سکتی اور غیبت بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتی ہے۔ میرے محبت آثار، ذکر کرنے میں ظاہراً کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہے جس کے باعث اس عدد پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ رُوبرو اِن شاء اللہ دریافت کر لیں گے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "آپ نے لکھا تھا کہ ذکرِ نفی واثبات اکیس عدد تک پہنچایا ہے، الخ" طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں اسے وقوفِ عددی کہتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ سالک نفی واثبات کا ذکر حبسِ دم کے ساتھ طاق عدد میں کرے اور درجہ بدرجہ اسے بڑھاتا رہے۔ یعنی ابتداء میں تین دفعہ کرے، پھر پانچ، پھر سات اور اسی طرح اکیس کے عدد تک یا اس سے بھی اُوپر درجہ بہ درجہ۔ کیونکہ یہ طریقہ تصوف میں بہت زیادہ مفید ہے ثابت ہوتا ہے، بالخصوص ولایتِ ملاء الاعلیٰ میں۔ اور وقوفِ قلبی سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے قلب کی غفلت سے نگہداشت کرے تاکہ اس کے قلب سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں غفلت ورکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اور اگر کسی سالک کے قلب میں غفلت پائی جائے تو وہ سمجھ لے کہ میں وقوفِ قلبی کے مقام پر فائز نہیں ہوں۔ گناہ کرتے وقت بھی انسان سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بھول جاتا ہے، یعنی سالک کو چاہیئے کہ نفی واثبات یاذِکر کرتے وقت ہمیشہ وقوفِ قلبی اور وقوفِ عددی کو ملحوظِ نظر رکھے اور یہ بات یاد رکھنے

کے قابل ہے کہ اثبات کے وقت مراتبِ وجوب (یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات) مشہود ہوتے ہیں، لیکن ہم مشاہدہ کرنے سے محروم ہیں کیونکہ ہم نہ تو اپنے نفس کی حفاظت کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے رزق کی۔ ہمارا نفس دِن رات نافرمانی میں ملوث رہتا ہے اور ہمارے پیٹ حرام سے بھرے پڑے ہیں۔ اگر کسی سالک سے کہا جائے کہ نفی واثبات حبسِ دَم اور طاق عدد کے ساتھ کریں تو جواب ملتا ہے کہ ہم سانس بند نہیں کرسکتے کیونکہ سانس بند رکھنے سے بڑی تکلیف پہنچتی ہے لیکن یہ لوگ ایک ہی لحظہ میں ولایتِ ملاء الاعلیٰ میں چھلانگ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ نفی واثبات کے تین کے عدد سے شروع کرکے درجہ بدرجہ اوپر جائیں۔ اور یہ طالب مُرسل الیہ (ملا محمد صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنے حال کی شکایت کی ہے کہ کبھی کبھی غیبت ظاہر ہوتی ہے یعنی مرابتِ وجوب مشہود نہیں ہوتے غائب ہو جاتے ہیں تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے انہیں جواب میں لکھا کہ ذِکر کرنے میں ظاہراً کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہے جس کے باعث اس عدد پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ یعنی آپ کے ذکرِ نفی واثبات میں اکیس کے عدد تک پہنچنے کے باوجود بھی آپ کو کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہورہا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ آپ میں کوئی نہ کوئی خرابی اور بیماری موجود ہے اوّل اس کا علاج ومعالجہ کریں اور خرابی وبیماری یا تو گناہِ صغیرہ ہے یا گناہِ کبیرہ۔ کیونکہ جب تک سالک اپنے گناہوں کی طرف ملتفت نہ ہو وہ ذکر تو کرتا ہے مگر اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ اس نے اپنی خرابی وبیماری کی اصلاح نہیں کی ہوتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ {يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ} وَقَالَ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنَ

طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ}ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ۔

ترجمہ: لوگو! اللہ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے اور اس نے عام مسلمانوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو پیغمبروں کو دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے ''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو، میں تمہارے اعمال کو جانتا ہوں'' اور فرمایا: ''اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھایا کرو'' پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو طویل سفر کرکے آیا ہو، اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں، گرد و غبار سے وہ اٹا ہوا ہو، اور آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر یَارَبّ یارَبّ کر رہا ہو، جبکہ اس کا کھانا بھی حرام کا ہو، پینا بھی حرام کا ہو، لباس بھی حرام کا ہو اور اس کی غذا بھی حرام کی ہو تو اس کی دُعا کیسے قبول ہو۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اشْتَرَى ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ، وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ، لَمْ يَقْبَلِ اللهُ لَهُ صَلَاةً مَادَامَ عَلَيْهِ، قَالَ: ثُمَّ أَدْخَلَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "صُمَّتَا إِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُولُهُ"۔

ترجمہ: جو شخص دس دراہم کا ایک کپڑا خریدے اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز قبول نہ ہوگی، اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں داخل کرکے فرمایا کہ یہ کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہ سُنا ہو۔ [2]

---

[1] (صحیح مسلم، ج۵، ص ۱۹۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)
[2] (مسند احمد، ج ۱۰، ص ۲۴، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

تليت هذه الآية عند رسول الله صلى الله عليه و سلم: {يا أيها الناس كلوا مما في الأرض حلالا طيبا} (البقرة ١٦٨) فقام سعد بن أبي وقاص، فقال: يا رسول الله، ادع الله أن يجعلني مستجاب الدعوة، فقال له النبي صلى الله عليه و سلم: يا سعد أطب مطعمك تكن مستجاب الدعوة، و الذي نفس محمد بيده، إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوما، و أيما عبد نبت لحمه من السحت و الربا فالنار أولى به۔

ترجمہ: میں نے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس پڑھی "اے لوگو! زمین میں جو کچھ اس میں سے ہے حلال طریقے سے کھاؤ" حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنادے (یعنی میری سب دُعائیں قبول ہوں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا حلال لقمہ اپنے لئے لازم کرلو تو مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جان ہے جو بندہ اپنے پیٹ میں حرام کا ایک لقمہ ڈالتا ہے چالیس راتوں تک اس کے اعمال قبول نہیں ہوتے۔ جب بندے کی نشو و نما حرام لقمہ سے ہوئی ہو اس کو آگ میں جلایا جائے گا، سُود کھانے والے بدرجہٗ اولیٰ جہنم میں جائیں گے۔[1]

ہم لوگ تو حرام و حلال میں بالکل کسی قسم کی تمیز ہی نہیں رکھتے ہمارا کھانا، پینا، لباس حرام کی کمائی سے حاصل کیا ہوتا ہے نیز ہمارے بدن کا گوشت اور خون بھی سب حرام کی کمائی سے نشو و نما پا رہا ہوتا ہے تو اس حالت میں ہماری عبادات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں کیسے قبول ہوں گی اور ہم

---

[1] (المعجم الاوسط، ج٦، ص١٠٣، الناشر: دار الحرمين -القاهرة)

کیسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوست ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارا پیٹ گندگی سے بھرا ہوا ہے اور ہم فیوض وبرکات اور انوارات کی تمنا کئے بیٹھے ہیں جب تک ان چیزوں (خلافِ شریعت اعمال) کی اصلاح نہ ہو جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دوستی اور اس سے فیوض وبرکات اور انوارات کا حصول محال ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے:

لقمہ تخم ست وبرش اندیشہا
لقمہ بحر وگوہرش اندیشہا
زاید از لقمہ حلال اندر دہان
میل خدمت عزم رفتن آن جہان
زاید از لقمہ حلال اے مہ حضور
در دل پاک تو در دیدہ نور

ترجمہ: لقمہ بیج ہے اور اس کا پھل خیالات ہیں، لقمہ سمندر ہے اور اس کے خیالات موتی ہیں، خدمت کا جذبہ اور آخرت کی فکر منہ میں حلال لقمہ ڈالنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اے شخص! حلال لقمہ سے حضوری ہوتی ہے، تیرے پاک دل اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔

یعنی انسان جس طرح کا رزق کھائے گا اُس کے اندر ویسے ہی خیالات پیدا ہوں گے، حلال رزق انسان کو محویت، زُہد، تقویٰ اور پاکبازی کی طرف لے جاتا ہے۔ اُس کا دل اور آنکھیں پُرنور ہو جاتی ہیں اور وہ ایک مطمئن و پُرسکون آدمی کے طور پر زندگی گزارتا ہے، دُنیا کی مہربانی اور مکاری مزیدار نوالہ تو ہے مگر اس نوالہ کو نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ یہ آگ سے بھرا ہوا ہے۔

یہ تو حرام رزق کی بات تھی اب آئیں سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دوسرے ارشادِ پاک کی جانب۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: جو شخص مجھے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور دونوں پاؤں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی ذمہ داری دے گا میں اس کو جنت کی ذمہ داری دوں گا۔ [1]

اس حدیث شریف سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان دو چیزوں کو (معصیت سے محفوظ رکھنے) کی حفاظت کتنی ضروری ہے اور اس کی حفاظت کرنے پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نبی سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جنت کی ضمانت دے رہے ہیں۔ حقیقت میں جتنی بُرائیاں وجود میں آتی ہیں مثلاً جھوٹ، غیبت، چغل خوری، فحش کلامی، گالم گلوچ وغیرہ یہ سب چیزیں زبان سے سرزد ہوتی ہیں اور شرمگاہ سے جو بُرائیاں وجود میں آتی ہیں مثلاً زنا وغیرہ تو اکثر بُرائیوں کا تعلق ان دو چیزوں سے ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ:

وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (الأحزاب ۳۵)

ترجمہ: اور اپنی پارسائی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

---

[1] (صحيح البخارى، ج۲۰، ص۱۱۵، المكتبة الفاروقية)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم سب کو ان دو چیزوں کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[دوسرے آپ نے اس قول کے معنی دریافت کئے تھے اور لکھا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کام کو تمام کرکے فرمایا کہ:

ذِکْرُ لِّلسَانِ لَقْلَقَةٌ وَذِکْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَذِکْرُ الرُّوْحِ شِرْکٌ وَذِکْرُ السِّرِّ کُفْرٌ۔

ترجمہ: زبان کا ذکر بکواس، اور قلب کا ذکر وسوسہ اور رُوح کا ذکر شرک اور سِر کا ذکر کفر ہے۔

کیونکہ جب ذکر ذاکر اور مذکور کی خبر دینے والا ہے خواہ کوئی ذکر ہو، اور اصل مقصود مذکور میں ذکر وذاکر کا فنا ہونا ہے، اس لئے ذکر کو لقلقہ ووسوسہ وشرک وکفر فرمایا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جب ذکر ذاکر اور مذکور کی خبر دینے والا ہے خواہ کوئی ذکر ہو۔ اور اصل مقصود مذکور میں ذکر وذاکر کا فنا ہونا ہے۔ اس لئے ذکر کو تعلقہ ووسوسہ وشرک وکفر فرمایا ہے، الخ" یعنی ذکر کرنے سے مقصد ذاکر کا فنا ہونا ہے اور اگر ذاکر فانی نہ ہو تو پھر اس کے ذکر کو لقلہ ووسوسہ کہیں گے، کیونکہ مراتبِ وجوب میں وصول فنا کے ساتھ مربوط ہے اور فنا کے بغیر وصول امکان پذیر نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ ذکرِ نفی واثبات میں کمال کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ ذِکر اور ذاکر (نفی واثبات کا ذکر کرنے والا سالک) دونوں مذکور (یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) میں فانی ہو جائیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ہم ابھی تک فانی نہیں ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم نفی واثبات کا ذکر کرتے ہیں تو ہم دُنیاوی اور نفسانی خواہشات کے درپے ہوتے ہیں کہ ذکر کی وجہ سے ہمارا مال زیادہ ہو جائے یا ہمیں فلاں فلاں زمین، گھر یا عورت مل جائے اور آج کل لوگ مُرید

بھی اس لئے بنتے ہیں کہ ہمارے دُنیاوی کام درست ہو جائیں نہ کہ اس لئے کہ ہمارا عقیدہ درست ہو جائے یا ہمارا ایمان سلامت ہو جائے یا ہماری آخرت سنور جائے۔

مختصر یہ کہ درج بالا تشریح کے متن میں کفر سے مراد کفرِ شریعت نہیں ہے بلکہ اس سے کفرِ طریقت مراد ہے ولی کے لئے اس طرح کی باتیں کرنا مناسب نہیں ہے۔

جبکہ مُرید کے متعلق اہلِ طریقت نے فرمایا ہے کہ:

اَلْمُرِیْدُ مَنْ لَا یُرِیْدُ اِلَّا اللہ۔

ترجمہ: مُرید وہ ہے جو شیخ سے اللہ تعالیٰ کے قُرب کے سوا کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے۔ [1]

مختصر یہ کہ جب تک ذِکر اور ذاکر، مذکور میں فانی نہ ہو جائیں تو اس وقت تک سالک کا ذکر لقلقہ (زور زور سے بولنا یا شور) وسوسہ، شرک اور کفر سے تعبیر کیا ہے اور بعض صوفیاء نے اس قول کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ اچھا عمل نہیں ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس طرح کی گفتگو سے خودداری کریں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رُومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

نے بیان راہ پر خوں می کند
قصہ ہائے عشق مجنوں می کند
بے فنائے مطلق وجذبِ قوی
کے حریم وصل را محرم شوی

[1] (سعادۃ العباد شرح مبدأ و معاد)

ترجمہ: بانسری (عشق کے) خون سے بھرے ہوئے دل کا حال بیان کرتی ہے اور مجنوں کے عشق کی داستان سُناتی ہے (یعنی بانسری عشق کے دُشوار گزار راستے کا حال بیان کرتے ہوئے مجنوں کے عشق کا قصہ سُناتی ہے اسی طرح جب سالک فانی ہو جاتا ہے تو وہ ہمیشہ معشوق (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ) کی یاد اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت) ہی کے قصے سُناتا ہے نہ کہ دُنیا کی محبت اور خواہشاتِ نفسانی کے حصول میں مگن رہتا ہے۔

فنائے مطلق (فنائے لطائفِ عشرہ) پر فائز ہونے اور دولتِ جذبہ کے حصول کے بغیر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے وصل کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

یعنی ہر وہ بات جو معشوق کی جانب سے آئے عاشق اسے بخوشی قبول کر کے اس سے لطف اندوز ہوتا ہے چاہے وہ بات خوشی کی ہو یا غم کی اسے اس میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس بات کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے مجنوں جو کہ لیلیٰ پر عاشق تھا لیلیٰ کی جانب سے اس پر جتنی بھی سختیاں آتیں مجنوں کو اس سے لذت محسوس ہوتی تھی، تو بالکل اسی طرح جو سالک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور اس کے رسول سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر عاشق ہوتا ہے تو اس پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں اور مشکلات آنے پر بھی اسے لذت محسوس ہونی چاہیئے۔ لیکن آج کل تو اگر ہمارے پیٹ میں بھی درد ہو جائے اور یا تھوڑا سا مالی نقصان ہو جائے تو ہم فوراً ہی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے شاکی ہو جاتے ہیں لیکن جو صحیح عاشق ہو تو وہ غم والم میں بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتا ہے اور خوشی میں بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتا ہے نہ کہ گلہ و شکوہ کرتا ہے بلکہ غم والم کی حالت میں وہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار ہوتا ہے کیونکہ اس میں نفس کا کسی قسم کا حصہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ ابو تراب نخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محبت کی علامات میں چند اشعار بیان کئے ہیں:

لَا تخدَعَنّ فَلِلْحَبِيْبِ دَلَائِلُ
وَ لَدَيْهِ مِنْ تُحَفِ الْحَبِيْبِ وَسَائِلُ
مِنْهَا تَنَعُّمُهُ بِمَرِّ بَلَائِهِ
وَ سُرُوْرُهُ فِيْ كُلِّ مَاهُوَ فَاعِلُ
فَالْمَنْعُ مِنْهُ عَطِيَّةٌ مَّقْبُوْلَةٌ
وَ الْفَقْرُ اِكْرَامٌ وَبِرٌّ عَاجِلُ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرٰى مِنْ عَزْمِهٖ
طَوْعَ الْحَبِيْبِ وَاِنْ اَلَحَّ الْعَاذِلُ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُّرٰى مُتَّبِعًا
وَ الْقَلْبُ فِيْهِ مِنَ الْحَبِيْبِ بَلَابِلُ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُّرٰى مُتَفَهِّمًا
لِكَلَامِ مَنْ يُّحْظٰى لَدَيْهِ السَّائِلُ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُّرٰى مُتَقَشِّفًا
مُتَحَفِّظًا مِّنْ كُلِّ مَاهُوَ قَائِلُ

ترجمہ: عشق کے دعوے سے دھوکہ نہ کھا(کہ میں عاشق ہوں)عاشقِ صادق کے لئے یہ علامات ہیں۔ عاشق کے لئے محبوب کے تحفے اور ہدیئے (تکالیف ومصائب) اس کی معرفت کا وسیلہ ہیں۔ ان علامات میں سے چند علامات یہ ہیں کہ وہ مصیبت وبَلا میں خوش رہتا ہے۔ اور محبوب کے ہر ایک کام سے وہ ہر حال میں مسرور و محظوظ رہتا ہے۔ محبوب کے نہ دینے کو وہ مقبول وپسندیدہ عطیہ و بخشش خیال کرتا ہے۔ تنگ دستی وافلاس کو وہ مہربانی اور احسانِ عظیم سمجھتا ہے۔ ملامت کرنے والا اور محبوب سے باز رکھنے والا خواہ کتنا ہی زور لگائے اور سَر پھوڑے مگر وہ اپنے محبوب کی اطاعت سے منہ

نہیں موڑتا۔ ظاہر میں تو وہ مسکراتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور دِل میں محبوب کی محبت کا دریا مؤجزن ہوتا ہے۔وہ صرف اس کے کلام کو سمجھتا ہے جس کے آگے سائل سوال کرتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے) یعنی وہ کلامِ الٰہی کے علاوہ کسی کلام کو سوچتا ہی نہیں۔وہ ہر ایک کہنے والے (انسان) سے خشک اور روکھا معلوم ہوتا ہے۔یعنی چونکہ اُس کے دِل میں محبتِ الٰہی کے علاوہ کسی کی محبت جاگزین نہیں ہوتی، اس لئے وہ روکھا معلوم ہوتا ہے۔

[بہــر چــہ از دوست وامانی چــہ کفــر آن حــرفــــ وچــہ ایمــاں

بہــر چــہ ازراہ دور افــتی چــہ زشت آن حــرفــــ وچــہ زیبا

ترجمہ: جس چیز کے باعث تم دوست سے دُور ہو جاؤ وہ چاہے کُفر ہو چاہے ایمان یکساں ہے۔اور جس چیز سے تم راستے سے بھٹک جاؤ اس کی اچھائی اور بُرائی برابر ہے۔

لیکن ذکر کے لئے ان ناموں کا عارض ہونا فنا وبقا کے حاصل ہونے سے پہلے جاننا چاہیئے، کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذاکر کا وجود اور ذِکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے۔اگر اس میں کچھ پوشیدگی رہی ہو تو حضور میں دریافت فرمالیں گے۔کیونکہ تحریر کا حوصلہ تنگ ہے تو اس قول کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنا خاص کر کام کے تمام ہونے کے بعد اچھا نہیں ہے۔

دوسرا استفسار یہ تھا کہ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ابوعلی سینا سے مقصود پر دلیل طلب کی تھی اور اس نے جواب میں لکھا تھا کہ کفرِ حقیقی میں آجا اور اسلامِ مجازی سے نکل جا۔اور شیخ ابوسعید نے عین القضاۃ کی طرف لکھا کہ اگر میں لاکھ برس تک عبادت کرتا تو مجھے وہ فائدہ حاصل نہ

ہوتا جو مجھے ابو علی سینا کے اس کلمہ سے حاصل ہوا۔ عین القضاۃ نے لکھا کہ اگر آپ سمجھتے تو اس بے چارہ کی طرح مطعون وملام کیوں ہوتے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ:

بھر چہ از دوست وامانی چہ کفر آن حرف وچہ ایماں

بھر چہ از راہ دور افتی چہ زشت آن حرف وچہ زیبا

ترجمہ: جس چیز کے باعث تم دوست سے دُور ہو جاؤ وہ چاہے کُفر ہو چاہے ایمان یکساں ہے۔ اور جس چیز سے تم راستے سے بھٹک جاؤ اس کی اچھائی اور بُرائی برابر ہے۔

اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سببِ ایمان کے باوجود سالک کس طرح اپنے دوست سے دُور ہو جاتا ہے جبکہ ایمان وصول کا وسیلہ ہوتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی سالک ایمانِ صُوری پر قناعت کر لے اور ایمانِ حقیقی کا طالب نہ ہو تو یہ وصولِ دوست سے دُور ہوتا ہے کیونکہ وصولِ دوست فناوبقا اور عروج ونزول پر مربوط ہے تو سالک ایمانِ صُوری پر قناعت کی وجہ سے دوست کی دُوری کے عوامل سے محسوب ہو جاتا ہے۔ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے درجات سات ہیں اور متابعتِ صُوری ان میں سے ابتدائی درجہ ہے۔

ایمان وصول الی اللہ کا وسیلہ ہے جب تک انسان صحیح مؤمن نہ بنے یعنی کفر وشرک اور خلافِ شریعت اُمورات سے امن میں نہ ہو جائے تو وہ واصل نہیں ہو سکتا۔

جیسا کہ اس آیت میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْکَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا (النساء ۱۰۵)

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغاوالوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔

حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کبھی بھی عدل سے دوسری جانب مائل نہیں ہوتے کیونکہ یہ حضرات علیہم السلام مستقیم العدل ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ایک انصاری شخص طعمہ بن ابیرق کے بارے میں واقعہ آیاہے علامہ بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ کلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابو صالح کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ:

نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ طُعْمَةُ بْنُ أُبَيْرِقٍ مِنْ بَنِي ظَفْرِ بْنِ الْحَارِثِ سَرَقَ دِرْعًا مِنْ جَارٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ, وَكَانَتِ الدِّرْعُ فِي جِرَابٍ له فِيهِ دَقِيقٌ فَجَعَلَ الدَّقِيقُ يَنْتَثِرُ مِنْ خَرْقٍ فِي الْجِرَابِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى الدَّارِ, ثُمَّ خَبَّأَهَا عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ, يُقَالُ لَهُ زَيْدُ بْنُ السَّمِينِ, فَالْتَمَسْتُ الدِّرْعَ عِنْدَ طُعْمَةَ فَحَلَفَ بِاللَّهِ مَا أَخَذَهَا وَمَا لَهُ بِهَا مِنْ عِلْمٍ, فَقَالَ أَصْحَابُ الدِّرْعِ: لَقَدْ رَأَيْنَا أَثَرَ الدَّقِيقِ حَتَّى دَخَلَ دَارَهُ, فَلَمَّا حَلَفَ تَرَكُوهُ وَاتَّبَعُوا أَثَرَ الدَّقِيقِ إِلَى مَنْزِلِ الْيَهُودِيِّ فَأَخَذُوهُ مِنْهُ, فَقَالَ الْيَهُودِيُّ دَفَعَهَا إِلَيَّ طُعْمَةُ بْنُ أُبَيْرِقٍ, فَجَاءَ بَنُو ظَفْرٍ وَهُمْ قَوْمُ طُعْمَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَأَلُوهُ أَنْ يُجَادِلَ عَنْ صَاحِبِهِمْ, وَقَالُوا لَهُ: إِنَّکَ إِنْ لَمْ تَفْعَلِ افْتَضَحَ صَاحِبُنَا, فَهَمَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعَاقِبَ الْيَهُودِيَّ۔

ترجمہ: اس آیت کا نزول ایک انصاری کے متعلق ہوا اس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا اور خاندان بنی ظفر بن حارث میں سے تھا۔ اس نے اپنے ہمسائے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرہ

چُرائی تھی زرہ ایک تھیلے میں تھی جس کے اندر آٹا بھرا ہوا تھا۔ تھیلے میں شگاف تھا شگاف سے آٹا بکھرتا ہوا چلا گیا اور چور کے مکان تک یوں ہی چلا گیا طعمہ نے زرہ لے جاکر ایک یہودی کے پاس جس کا نام زید المسلمین تھا چھپادی۔ زرہ کی تلاش طعمہ کے پاس ہوئی۔ طعمہ نے قسم کھائی کہ میں نے زرہ لی ہے نہ مجھے اس کا علم ہے۔ زرہ والوں نے کہا ہم نے آٹے کا نشان اس کے گھر تک دیکھا ہے۔ لیکن طعمہ نے قسم کھالی تو زرہ والوں نے اس کو چھوڑ دیا اور یہودی کے گھر تک آٹے کے نشان کا پیچھا کیا اور یہودی کو جاپکڑا یہودی نے کہا مجھے طعمہ بن ابیرق نے یہ زرہ دی تھی۔ طعمہ کی قوم والے یعنی بنی ظفر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہمارے آدمی کی وکالت کریں اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایسا نہ کریں گے تو ہمارا آدمی رسوا ہو جائے گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہودی کو سزا دینے کا ارادہ کیا (یعنی صرف سوچ و فکر میں مبتلا ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مصمم ارادہ نہیں فرمایا)۔[1]

لما أنزل القرآن في طعمة بن أبيرق لحق بقريش ورجع في دينه ثم عدا على مشربة للحجاج بن علاط البهري فنقبها فسقط عليه حجر فلحج فلما أصبح أخرجوه من مكة فخرج فلقي ركبا من قضاعة فعرض لهم فقال: ابن سبيل منقطع به فحملوه حتى إذا جن عليه الليل عدا عليهم فسرقهم ثم انطلق فرجعوا في طلبه فأدركوه فقذفوه بالحجارة حتى مات فهذه الآيات كلها فيه نزلت إلى قوله (إن الله لا يغفر أن يشرك به) (النساء ١١٥)۔

[1](معالم التنزيل، ج ١، ص ٦٩٨، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

ترجمہ: جب طعمہ بن ابیرق کے حق میں قرآن حکیم میں حکم نازل ہوا تووہ قریش کے پاس چلا گیا اور مُرتد ہو گیا پھر حجاج بن علاط سلمی کی بیٹھک میں چوری کا ارادہ کیا اس میں نقب لگائی تو اس پر ایک پتھر آ گرا۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اسے مکہ مکرمہ سے نکال دیا۔ وہ وہاں سے نکلا تو قضاعہ کے ایک قافلہ کو ملا، ان کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا اور کہا مسافر ہوں اور ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہوں۔ انہوں نے اس کو ساتھ ملا لیا۔ جب رات تاریک ہوئی تو اس نے ان پر زیادتی کی، ان کی چوری کی پھر وہاں سے چلا گیا۔ لوگ اس کی تلاش میں نکلے اور اسے پکڑ لیا، اور اسے پتھر مارے یہاں تک کہ وہ مَر گیا۔ یہ تمام آیات اسی کے بارے میں نازل ہوئیں۔ [1]

جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کو نہ مانے اور اس سے فرار کی راہ اختیار کرے وہ کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا اور وہ بالآخر طعمہ بن ابیرق کی طرح ایمان سے بھی محروم اور مشرک ہو کر مَرتا ہے۔ آج کل لوگ پوچھتے ہیں کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی گستاخی سے کیا مراد ہے تو وہی شخص سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا گستاخ ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کو ماننے سے فرار کی راہ اختیار کرے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہم مسلمان ہیں اور ہم لوگوں نے جو گناہ کئے ہیں یا کر رہے ہیں اگرچہ دُنیا میں یہ پوشیدہ ہیں مگر جب ہم اپنے ضمیر کی طرف متوجہ ہوں تو ہمیں ان کی خبر ہے کہ ہم نے کون کون سے افعال کئے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ فوراً یہ کہیں کہ یا اللہ میں گنہگار اور آپ کا مجرم ہوں اے میرے پروردگار! میں آپ سے عفو و درگزر کی درخواست کرتا ہوں تو مجھے اپنے فضل وکرم سے معاف فرما

[1] (الدر المنثور، ج ۲، ص ۶۷۲، الناشر: دار الفکر - بیروت)

دے۔ کیونکہ اس طرح کہنے سے کم از کم ہم اسلام سے خارج ہونے سے بچ جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر ہم یہ سب کچھ افعال کرنے کے باوجود بھی قسمیں کھاتے پھریں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا تو اس طرح ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔

درج بالا مکتوب میں ہم نے بیان کیا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کامل مؤمن نہ بنے وہ مشاہدۂ وجوب نہیں کر سکتا کیونکہ ایمان کے معنی امن کے ہیں یعنی مؤمن اپنے آپ کو کفر و شرک اور گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے امن میں رکھتا ہے تو اس لئے جو شخص گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے امن میں ہو جائے وہ مؤمن بن جاتا ہے اور اسے مشاہدات ہونے لگتے ہیں۔

مختصر یہ کہ عام لوگ ایمانِ صوری پر مشرف ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمانِ صوری پر ہی قناعت کی ہے اور خواص لوگ ایمانِ حقیقی پر مشرف ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمانِ صُوری پر قناعت نہیں کی ہوتی بلکہ شب وروز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت میں گزار دیئے ہیں اور ہمت عالی رکھے ہوئے ہیں کہ ہم مشاہدۂ وجوب اور مراتبِ عروج ونزول طے کر کے رہیں گے۔ تو جو شخص تصوف میں شمولیت اختیار نہ کرے اور عروج ونزول کا خواہش مند نہ ہو وہ ایمانِ صُوری میں رہتا ہے چاہے عالم ہو یا عام مسلمان۔ تو اس لئے اسے تصوف کی باتیں کرنے کا حق بھی حاصل نہیں ہے، کیونکہ ایمانِ صوری والا ایمانِ حقیقی والے کے مقابلے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُور ہوتا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

روو ســــر درجـــامھـــا پیچیـــدہ اید　　　　لاجرم بادیدہ ونادیدہ اید

آدمی دید ست باقی پوست ست
دید آنست آنکہ دید دوست ست
چون کہ دید دوست نہ بود کور بہ
دوست کو باقی نباشد دور بہ

ترجمہ: تم نے منہ اور سَر کپڑوں میں لپیٹ رکھا ہے لا محالہ آنکھ والے ہو کر بھی نابینا بنے ہوئے ہو۔ آدمی تو بینائی ہے، باقی کھال ہے دید تو دراصل محبوب کی دید ہوتی ہے، جب دوست کا دیدار نہ ہو تو اندھا ہونا اچھا ہے جو دوست باقی رہنے والا نہ ہو اُس کا دور ہونا اچھا ہے۔

جب تک بندہ حقیقت کا ادراک نہ کرے وہ بندہ کہلانے کا حقدار نہیں ہے، یعنی اس آدمی کا اندھا ہونا اچھا ہے جو حقیقی محبوب کا دیدار نہ کرے۔ حقیقی دوست صرف اور صرف وہی ذاتِ بابرکات ہے جو باقی رہنے والی ہے۔

(اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ دُنیا میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدار دل سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہری آنکھوں سے)۔

حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

جامی دَم توحید زنی ہمہ وقتی
خوش وقت حریفے کہ شناسائے دم اوست
آواز خوشش بر صفت وحدت خویش ست
یا کثرت اطوار کہ در زیر و بم اوست

ترجمہ: جامیؔ ہر وقت توحید کی جگہ نَے (یعنی بانسری کے عشق) ہی کی باتیں کرتا ہے۔ وقت ایک اچھا حریف ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہر وقت میری شناسائی ہے (بانسری کی) خوبصورت اور سُریلی آواز اس کے وحدت کی ایک خصوصیت ہے یا یہ زیادہ علامتیں اور راستے اس کے سُر کے اُتار چڑھاؤ کی شائستگی ہیں۔

[جاننا چاہیئے کہ کُفرِ حقیقی دوئی کے بالکل دور ہو جانے اور کثرت کے کُلی طور پر چھپ جانے سے مراد ہے جو کہ فنا کا مقام ہے۔ اور اس کفرِ حقیقی کے اوپر اسلامِ حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے، کفرِ حقیقی کو اسلامِ حقیقی سے نسبت دینی سراسر نقص و عیب ہے۔ یہ ابنِ سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلامِ حقیقی کی طرف دلالت نہیں کی ہے، اور حقیقت میں اس کو کفرِ حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اس نے صرف از روئے علم و تقلید کے کہہ دیا اور لکھ دیا ہے۔ بلکہ اس کو تو اسلامِ مجازی سے بھی حظِ وافر حاصل نہیں ہوا۔ اور فلسفی بکھیڑوں میں عمر بسر کر دی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تکفیر کرتے ہیں اور واقعی اس کے فلسفی اصول اصولِ اسلام کے منافی و مخالف ہیں۔ نیز شیخ ابو سعید، عین القضاۃ سے بہت مقدم ہے وہ اس کی طرف کیا لکھے اگر کچھ شبہ باقی رہا ہو تو حضور میں آکر دریافت فرمالیں گے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''جاننا چاہیئے کہ کفرِ حقیقی دوئی کے بالکل دور ہو جانے، الخ'' حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ کفرِ حقیقی دوئی کے بالکل دور ہو جانے اور کثرت کے مکمل طور پر چھپ جانے سے مراد ہے یعنی سالک کو ہر جگہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نظر آنے کی کیفیت جب تک مکمل طور پر غائب اور ختم نہ ہو جائے اور

سالک اس کی نفی نہ کر دے اس وقت تک سالک ایمانِ حقیقی پر مشرف نہیں ہو سکتا۔ کفر کے معنی مٹانے یا چھپانے کے ہیں، اور ابو علی سینا نے جو کہا ہے وہ اس نے منطقی انداز میں کہا ہے کیونکہ ابو علی سینا ایمانِ صُوری پر بھی مُشرف نہیں تھا وہ بخارا کا رہنے والا تھا اس کے بارے میں شک ظاہر کیا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ مسلمان تھا اور بعض کہتے ہیں کہ کافر تھا۔ اس کی باتیں فلسفوں پر مشتمل ہوتی تھیں لیکن چونکہ اسلام اور تصوف میں فلسفے کوئی حیثیت نہیں رکھتے اس لئے ابو علی سینا کی تعلیمات ہمارے لئے مشعلِ راہ نہیں۔

کفرِ حقیقی میں تمیزِ واجب و ممکن مفقود ہو جاتی ہے اور کفرِ حقیقی اکثر سالکین کے لئے ظہور کرتی ہے اور پھر سالکین اس سے گزر جاتے ہیں اور کفرِ حقیقی دوئی کے بالکل دور ہونے کا سبب محبت کا غلبہ ہے کیونکہ مجنوں بھی آخر میں اپنے آپ کو عین لیلیٰ سمجھنے لگا تھا۔ منقول ہے کہ لیلیٰ مجنوں کے پاس حاضر ہوئی تو مجنوں نے اس سے کہا کہ میں اپنے حال میں خود ہی لیلیٰ ہو گیا ہوں اس لئے اب میں آپ کا محتاج نہیں رہا۔

گفت رو رو کہ آنچہ نم من
کہ بجز عشق تو ندانم من
عشق تو اے نگار فرزانہ
این چنین کرد در دلم خانہ
کہ ترا ہم نماند گنجائی
بعد ازین خوشترم بہ تنہائی

ترجمہ: اس نے کہا کہ جاؤ جاؤ میں تو ویسے ہی ہوں کہ میں آپ کے عشق کے بغیر اور کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔ اے علم اور سمجھ کو ظاہر کرنے والے آپ کے عشق نے میرے اس دل میں کام کیا ہے، آپ کے پاس کوئی جگہ باقی نہیں ہے اس کے بعد میں تنہائی میں خوش ہوں۔

یہ خواص کے عشق میں سے ہے کہ بعض اوقات وصل بھی نہیں چاہتے بلکہ صرف درد چاہتے ہیں۔

بدست آوردن مطلب ندارد لذت چنداں

عجب کیفیتے دارد بمقصد نارسیدن ہا

ترجمہ: اپنی مُراد کو حاصل کر لینا زیادہ لذت نہیں رکھتا بلکہ مقصد تک نہ پہنچنا عجیب کیفیت رکھتا ہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی عشق ہی کی مشق پر قناعت کی اسی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصل پر مشرف نہ ہوئے کیونکہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق صرف شُنید سے تھا نہ کہ دید سے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا این دولت از گفتار خیزد

ترجمہ: عشق صرف محبوب کے دیدار سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ دولت اکثر محبوب کی باتوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین

اٰمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۴۶

[میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

اُس مقام کے حاصل ہونے کے بیان میں جو کمال و تکمیل کے مرتبوں میں متوقع اور جس کا انتظار رہتا ہے اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَ اٰلِهٖ وَ اَصۡحَابِهِ الطَّاهِرِيۡنَ وَ عَلَيۡهِمۡ اَجۡمَعِيۡنَ

ترجمہ: اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور اُن کی آل واصحاب پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف یکے بعد دیگرے صادر ہوئے، بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ان حدود کی طرف جانے والا کوئی نہ ملا تا کہ ہر ایک کا جواب الگ الگ لکھا جاتا۔ اُمید ہے کہ معذور فرمادیں گے۔ اس مکتوب کے پہنچنے کے بعد جو میر داد کے ہمراہ ارسال کیا تھا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ بیخواستہ آپ کی طرف توجہ پیدا ہوئی، اور بقایا آثار جو نظر آتے تھے ان کے دور کرنے کے درپے ہوا، اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدرِ کامل بن گیا، اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب میں امانت رکھا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا حتٰی کہ کمال کی جانب میں کچھ متوقع اور منتظر نہ رہا۔

اِلَّا اَنۡ يَّتَّسِعَ الظَّرۡفُ بَعۡدَ ذٰلِكَ وَيَاۡخُذَ بِقَدۡرِ وُسۡعَتِهٖ شَيۡئًا فَشَيۡئًا۔

ترجمہ: سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے موافق کچھ حاصل کر لے۔

اور بہت دیر تک اس معنی کی مثالیہ صورت نظر میں رہی۔ یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ عَلٰى ذٰلِکَ]

تشریح

حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ شخصیت ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے درجۂ اول کے خلفاء عظام میں سے ہیں اور حضراتِ مخدوم زادگان قدس اللہ تعالیٰ سرہم الاقدس کے بعد دیگر تمام خلفاء عظام میں سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی برابری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر کسی کو اس طرح کے پیر و مُرشد نصیب کرے جس طرح حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس تھے اور اس طرح کا مُرید نصیب کرے جس طرح حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ آمین

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی باطنی کدورات اور خرابیوں کے بارے میں کافی مکتوب لکھے مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے جوابات تحریر نہیں فرمائے۔ جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آخری مکتوب پہنچا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ "ایک دن صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ بیخواستہ آپ کی طرف توجہ پیدا ہوئی، الخ" یعنی بشری ظلمات و کدورات کو رفع کرنے کے لئے جو کہ آپ کے وجود میں باقی ماندہ تھیں میں نے ان پر توجہ کی ہے۔ سبحان اللہ مُرید ایک ملک میں اور پیر و مُرشد دوسرے ملک میں تشریف فرما ہیں دونوں ایک دوسرے سے غائب ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے غائب مُرید پر غائبانہ توجۂ نفیسہ فرما کر ان سے وہ ظلمتیں اور کدورتیں دفع کرنے کے درپے ہوئے اور جو استعداد

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے سینۂ اقدسہ میں تھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ اپنے مُرید کے سینہ میں منتقل فرمادی۔

اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فرمان کہ "یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدرِ کامل بن گیا، اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب (یعنی اس فقیر کے وجود میں) میں امانت رکھا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا، الخ" یعنی اس وقت آپ کے وجود میں مزید نورانیت کی گنجائش نہیں رہی مگر وقت کے گزرنے کے بعد اگر آپ کے ظرف نے وسعت پیدا کرلی اور دیگر فیوضات کے مطابق کچھ حاصل کر لیا تو مزید ترقی ممکن ہے اور میں نے آپ کی صورتِ مثالی کمال عالمِ مثال میں مشاہدہ کی ہے کہ میرے مُرید میں فلاں ظلمتیں اور کدورات تھیں جنہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے دُور فرما کر اس میں انوارات جاگزین فرماکر آپ کو کمال و تکمیل کے مقاسے مشرف فرمادیا ہے۔

اگر شیخ اپنے مُرید کی استعداد کو کشفاً، شہوداً یا یا الہامًا نہ جانے تو وہ شیخ ہی نہیں کیونکہ مُرید پر اس کی استعداد کے مطابق توجہ کی جاتی ہے نہ کہ اس کی استعداد سے زیادہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضراتِ مخدوم زدگان قدس اللہ تعالیٰ سرہم الاقدس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے دیگر تمام خلفاء عظام میں سے اول خلیفہ ہیں اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی ظاہری وباطنی خرابیوں کو اپنے شیخ کی خدمتِ اقدس میں بار بار تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ میں فلاں فلاں خرابیاں اور وسواس موجود ہیں۔ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی توجہ نفیسہ اور دُعاؤں سے میر اعلاج فرمائیں تاکہ مجھ سے یہ ظاہری وباطنی امراض دور ہو جائیں۔ آج کل اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر سالکین بیعت کرنے کے چند ہی دِنوں بعد آکر شیخ سے کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت کی ہے یا مجھے تجلیات دکھائی دیتی ہیں وغیرہ وغیرہ مگر یہ لوگ اپنے شیخ سے یہ بات کبھی نہیں کہتے کہ میں نے آج رشوت لی ہے، چوری کا مال کھایا ہے، آنکھ، منہ اور ہاتھ سے زنا کیا ہے یا میں غیبت جیسے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوں یا میرا وجود کینہ، بغض، حسد، عداوت اور خواہشاتِ نفسانی و شیطانی جیسے امراض کا گڑھ ہے تو آپ اس کا علاج فرمائیں۔ اس مکتوب کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی بڑائی اور بزرگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ہمہ وقت اپنی خرابیوں ہی کی شکایت کرتے ہیں اور یہی صادق مُرید کی نشانی ہے۔

[اس دولت کا حاصل ہونا اس واقعہ کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا، اور اس کے حاصل ہونے کے لئے بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ آپ کا قرض سب کا سب ادا ہو گیا، اور وعدہ پورا ہوا۔ اب اُمیدوار ہے کہ اس کمال کے اندازہ پر تکمیل حاصل ہوگی، اور اس طرف کے دَشت وصحرا آپ کے وجود شریف سے مُنور ہوں گے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ "اس دولت کا حاصل ہونا اس واقعہ کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا، الخ" یعنی حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے پہلے ایک واقعہ دیکھا تھا جو کہ ان کے کمال و تکمیل پر دلالت کرتا تھا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے اس واقعہ کی حقیقت تک رسائی کی خواہش ظاہر کی۔ تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بشارت دی اور فرمایا کہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ کے مُریدین کے

کمالات بھی آپ کی تکمیل وکمالات کے مطابق ظہور پذیر ہوں گے اور صحرائے دکن حیدر آباد ہندوستان آپ کے وجودِ شریف سے مُنور و تاباں ہو جائے گا۔

[آپ نے اپنی بے توفیقی کی نسبت لکھا تھا، ظاہراً اس کا سبب قبض کی زیادت ہے اور چوں کہ آپ کی قبض مفرط اور دیر کے بعد دُور ہونے والی ہے، اس کا مسبب بھی سبب کے اندازہ کے موافق طویل ہوگا۔ اس حال میں تکلف کے ساتھ آپ اعمال بجالاتے اور عبادات کرتے رہیں، اور تحمل اور بناوٹ کے ساتھ اس پر آمادہ رہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس سال میں بہت علوم بلند اور معارفِ ارجمند ظہور میں آئے ہیں، ان میں سے دو مسودہ کو اخوند مولانا محمد امین ہمراہ لائے ہیں۔ ان میں ایک مسودہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی ان بعض رُباعیوں کی شرح کے حل میں ہے جو فیروز آبادی دوستوں کی قرأت کے وقت لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں توحید آمیز علوم ان رُباعیوں کے مناسب درج ہوئے ہیں۔ اور علماء وحدت وجود کے قائل صوفیہ کے درمیان تطبیق دی ہے، اور اس طرح تحریر ہوا ہے کہ فریقین کی نزاع لفظ کی طرف راجع ہوئی ہے اور دوسرا مسودہ مکتوب ہے جو فرزندی ارشدی کی طرف بڑے طول وبسط کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ آپ کو مطالعہ کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ یہ علوم کس درجہ کے بلند ہیں، اگر کوئی اَمر ان سے شبہ میں رہ جائے تو دریافت کر لیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ ”آپ نے اپنی بے توفیقی کی نسبت لکھا تھا۔ ظاہراً اس کا سبب قبض کی زیادت ہے، الخ“ یعنی بعض اوقات قبض کا سبب نفس کی ذلت وقصور اور لجاحت کا ارتکاب ہوتا ہے اور کبھی کبھی قبض کا سبب ذِلت وقصور

نہیں ہوتا بلکہ ''قبض'' طریقت کا ایک جزو اور احوال میں سے ہے (جسمانی قبض مراد نہیں ہے) اسی لئے سالک کبھی مظہرِ صفاتِ جلالیہ اور کبھی مظہرِ صفاتِ جمالیہ ہوتا ہے اور جب سالک پر صفاتِ جلال کے اثر کا ظہور ہوتا ہے تو اس وقت سالک حالتِ قبض کا شکار ہو جاتا ہے اور جب سالک پر صفاتِ جمال کے اثر کا ظہور ہوتا ہے تو اس وقت سالک بسط میں آجاتا ہے اور چونکہ سالک قبض کے عوامل کو سمجھ نہیں پاتا تو اس وجہ سے ضروری ہے کہ سالک قبض کے اوقات میں ہمیشہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے مستغفر و ملتجی اور متضرع رہے۔

اللھم اغفر لکاتبہ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین

أمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۴۷

[عرفانِ پناہ مرزا احسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کے وجودِ پاک پر اس کا اپنا وجودِ پاک ہی دلیل ہے نہ کہ اس کا ماسوا، اور اس کے مناسب بیان میں۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لَا بَلْ عَرَفْتُ فَسْخَ الْعَزَائِمِ بِرَبِّیْ۔

ترجمہ: میں نے اپنے رب کو ارادوں کے توڑنے سے نہیں پہچانا، بلکہ ارادوں کے توڑنے کو اپنے رب کے ساتھ پہچان لیا ہے۔

کیونکہ وہ حق تعالیٰ اپنے ماسویٰ پر دلیل ہے نہ کہ برعکس۔ اس لئے کہ دلیل اپنے مدلول سے اَظہر ہوتی ہے، اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر اور کون سی چیز اَظہر ہے؟ کیونکہ تمام اشیاء اسی سے ظاہر ہوئی ہیں پس وہ اپنی ذات اور اپنے ماسویٰ پر دلیل ہے۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ وَعَرَفْتُ الْاَشْیَآءِ بِهٖ تَعَالٰی

ترجمہ: میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کے ساتھ پہچانا اور اشیاء کو اس کے ساتھ پہچانا۔

پس برہان اس جگہ لِمّیْ (یعنی علت سے معلول کی طرف دلیل پکڑنا) ہے اور اکثر کے خیال میں اِنّیْ (یعنی معلول سے علت کی طرف دلیل پکڑنا) ہے اور تفاوت نظر کے تفاوت سے ہے۔ اور اختلاف بلحاظِ منظر کے ہے، بلکہ وہاں استدلال اور بُرہان کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کے وجود میں کوئی پوشیدگی اور اس کے ظہور میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اور وہ تمام بدیہات سے زیادہ روشن ہے، اور یہ بات سوائے اُس شخص کے کہ جس کے دِل میں مرض اور اُس کی آنکھوں پر پَردہ ہو

کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور تمام اشیاء حواسِ ظاہری سے محسوس ہیں اور ضروری طور پر معلوم ہے کہ ان سب کا وجود اسی ذاتِ پاک کی طرف سے ہے جو مطلوب میں مضر نہیں ہے۔

وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت پر چلے اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

یہ مکتوب اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کی وحدت اور اس کی معرفت کے بیان میں تحریر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ کہ وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی صوفیاءِ عظام کے درمیان نزاعِ لفظی ہے جبکہ حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''حق تعالٰی کے وجودِ پاک پر اس کا اپنا وجودِ پاک ہی دلیل ہے، الخ'' یعنی صوفیاءِ کرام (وحدت الوجودی) کہتے ہیں کہ سوائے حق تعالٰی کے باقی سب کچھ ظلمت ہے اور حق تعالٰی نُور ہے۔ لہٰذا حق تعالٰی وجودِ اشیاء کی دلیل ہے اور وجودِ اشیاء حق تعالٰی کے وجود کی دلیل نہیں ہے۔

معرفتِ خداوندی کے معاملے میں علماء ظواہر اور مشائخِ طریقت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یا اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دونوں طائفوں نے اپنی اپنی نظر کی وسعت اور زاویئے سے معرفت کو بیان فرمایا ہے۔ ایک طائفہ جو علماءِ ظواہر کا ہے وہ کہتا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالٰی کے وجودِ اقدس کی دلیل عالم کا وجود ہے یعنی زمین وآسمان اور تمام مخلوقات کا وجود، خالقِ دوجہان کے وجود کو ثابت کرتا ہے۔

کیونکہ اس قدر وسیع و عریض دُنیا اور اس کی مخلوقات کو کوئی ایسی ہستی ہی تخلیق کر سکتی ہے جو اپنی ذات وصفات اور لامتناہی قدرت کی مالک ہو اور وہ ذات، ذاتِ الٰہی جلّ شانہٗ ہے اس دلیل کو لِمّیؑ کہا گیاہے۔

دوسرا طائفہ صوفیاء کرام کا ہے اور صوفیاء کرام میں بھی چونکہ دو طبقات ہیں اس لئے یہاں باریک بینی اور عقلِ سلیم سے کام لیناچاہیئے تاکہ کسی قسم کا مغالطہ پیدانہ ہو۔

ایک طبقہ وحدت الوجودی صوفیاء کرام کا ہے جبکہ صوفیاء کرام کے دوسرے طبقے کو وحدت الشہودی کی اصطلاح سے پہچانا جاتا ہے۔

صوفیاء وحدت الوجود حق تعالیٰ وتقدس کے وجودِ اقدس کو ہی وجودِ عالم کے لئے دلیل سمجھتے ہیں یعنی یہ بزرگ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو پہچاننے کے لئے وجودِ عالم کے محتاج نہیں بلکہ چونکہ ان کی نظر میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کوئی چیز آتی ہی نہیں اس لئے وہ وجودِ عالم کو کوئی حیثیت نہیں دیتے بلکہ جب ان پر محبتِ الٰہی کا غلبہ ہو جائے تو یہ وجودِ عالم کی ہی نفی کر دیتے ہیں۔ان کی دلیل کو اِنّیؑ کہا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ جو چیز علت (یعنی مخلوق) کی وجہ سے پہچانی جائے اُس دلیل کو لِمّیؑ کہا جاتا ہے اور جو اس کے برعکس ہو یعنی معلول سے پہچانی جائے اسے اِنّیؑ کہا جاتا ہے۔

زیرِ نظر مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مسلکِ صوفیاء کرام کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس کا وجودِ اقدس کسی طرح کی پوشیدگی نہیں رکھتا اس لئے اسے پہچاننے کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑتی۔البتہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس صوفیاء وحدت الوجودی کی طرح وجودِ عالم کا انکار نہیں کرتے بلکہ آپ کی نظر نہایت جامع ہے اور اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی ہے۔

بنیادی طور پر ان اختلافات کا سبب اختلافِ منظر (یعنی ان کا نقطۂ نظر) ہے کہ ہر طائفہ اپنے منظر کو حق تعالیٰ کے وجود پر دلیل سمجھتے ہیں۔ یعنی علماءِ ظواہر کا منظر عالمِ اِمکان ہے اسی لئے یہ عالمِ وجوب کو نہیں دیکھتے، اور صوفیاء کرام کا منظر واجبِ تعالیٰ ہے اسی لئے یہ عالمِ وجوب کے مشاہد ہیں پس ان دونوں طائفوں میں سے ہر ایک نے اپنے نقطۂ نظر کو دلیل جانا ہے۔

لِمّیؑ کا ثبوت جو کہ علماءِ ظواہر کی حق تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہے یہ مخلوق کے تخلیق کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ نے سب مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے۔ اور اِنّیؑ جو کہ صوفیاء کرام کی وجودِ مخلوق پر دلیل ہے یہ وجودِ خالق کی دلیل ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات نُور ہے اور عالَم ظلمت۔ نُور تو دلیل ہو سکتا ہے مگر ظلمت دلیل نہیں ہو سکتی۔

اللھم اغفر لکاتبہ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لا ھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد چہارم)

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ

بمطابق

۱۲ مارچ ۲۰۲۵

مفتاح السلوک، جلد پانزدہم مکمل ہوئی۔